



الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ ۝  
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

## تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں۔

- (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں
- (۲) تقلید کوئی ضروری ہے اور کوئی منع
- (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں
- (۴) تقلید کے واجب ہونے کے دلائل
- (۵) تقلید پر اعتراضات اور انکے کھل جراثیمات۔ اس لئے اس بحث کے پانچ باب کئے جاتے ہیں۔

### باب اول

#### تقلید کے معنی اور اس کے اقسام

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں۔ قلاوہ و گردن بستن لگے میں ہار یا پٹا ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جانتا ہے کچھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے۔ کیونکہ یہ شرعی حقیق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ ﷺ میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المارے نقل کیا اور یہ عبارت تورات اور بحث تقلید میں بھی ہے۔

التَّقْلِيدُ اتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَيْرِهِ فِيمَا سَمِعَهُ يَقُولُ  
أَوَّلَىٰ لِعَلِهِ عَلَىٰ رَأْيِهِ أَنَّهُ مُبْحَثٌ بِمَا نَظَرَ فِي  
الدَّلِيلِ.

تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے فیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اس کو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے۔ بغیر دلیل میں نظر کے ہوئے۔

یہ امام غزالی کتاب الصلحی جلد دوم صفحہ ۳۸ میں فرماتے ہیں التَّقْلِيدُ هُوَ قَبُولُ قَوْلٍ بِلَا خُجَّتِهِ. مسلم الثبوت میں ہے التَّقْلِيدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ خُجَّتِهِ. ترجمہ وہی جو اور پر بیان ہو اس طریق سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہا لیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و ائمہ دین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد۔ اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات ماننا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر حجت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرما دیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے نماز کو وغیرہ کے مسائل میں آئمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے۔ جیسے طبیب لوگ علم طب میں پوٹلی سینا کی اور شاعر لوگ داغ امیر یا مرزا غالب کی یا محوی و صرانی لوگ سیوسپ اور غزلی کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ ور اپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں۔ ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بڑی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی منی کی ان رسوم کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں پوٹلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے۔ اسی پوٹلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

وَلَا تَطْعَمْنَ مِنْ أَغْلَانِ قَلْبِهِ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبِعْ هَوَاهُ  
وَوَكَّانِ أَمْرَهُ فُرُطًا. (پارہ ۵ سورۃ النحلہ آیت ۴۸)

اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَأَن جَاهِدَكَ عَلَىٰ أَن تَشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ  
لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا. (پارہ ۱۰ ص ۱۰۷)

وَإِذَا قِيلَ لَهُم تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ  
الرُّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاؤُنَا  
أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا  
يَهْتَدُونَ. (پارہ ۱۰ ص ۱۰۷)

وَإِذَا قِيلَ لَهُم اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ  
مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاؤُنَا. (پارہ ۱۰ ص ۱۰۷)

اور اگر وہ تو تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرا اس کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان۔

اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے آجارا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانیں اور شہادہ پر ہوں۔

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے آواز سے ہونے پر چلو تو کہیں گے ہم تو اس پر طعیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

ان میں اور ان جیسی آجوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ داداؤں کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ یہی شرعی تقلید اور امتداد دین کی اطاعت اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں ان آجوں سے تقلید ائمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بدعتی ہے اس کا بہت خیال رہے۔

### موسر باب

#### کُن مَسَائِلَ مِیں تَقْلِيدِ کِی جَاشِی ہِے کُن مِیں نَہِیں

تقلید شری میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل میں طرح کے ہیں۔ (۱) مسئلہ (۲) وہ احکام جو صراحۃً قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو۔ (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

حکام میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آ فرسورہ و ہود و یزایت نصیبہم غیر منقوض میں ہیں۔ وَفِي الْآيَةِ ذَمُّ التَّقْلِيدِ وَهُوَ قَبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا ذَلِيلٍ وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْفُرُوعِ وَالْقَمَلِيَّاتِ وَلَا يَجُوزُ فِي أَصُولِ الدِّينِ وَالْإِعْتِقَادِيَّاتِ بَلْ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ. اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ نہ کہا جاوے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے یا کہ فقہ اکبر سے بلکہ دلائل توحید و رسالت سے۔ کیونکہ حکام میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ شامی بحث تقلید المفسر مع الاصل میں ہے۔

یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں فرمی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر مکلف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہی ہیں جن پر اہلسنت و جماعت ہیں اور اہلسنت اشاعرہ اور ماترید یہ ہیں۔

(عَنْ مُعْتَقِدِنَا) أَيْ عَمَّ تَعْتَقِدُهُ مِنْ غَيْرِ  
الْمَسَائِلِ الْفُرْعَانِيَّةِ بِمَا يَجِبُ إِعْتِقَادُهُ عَلَى كُلِّ  
مُكَلِّفٍ بِلَا تَقْلِيدٍ لِأَحَدٍ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ  
السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمْ الْأَشَاعِرَةُ وَالْمَاتَرِيدِيَّةُ

نیز تفسیر کبیر پارہ ۱ ص ۱۰۷ آیت فاجرو حتی یسمع کلام اللہ میں ہے۔ هَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ التَّقْلِيدَ غَيْرُ كَافٍ فِي الدِّينِ  
وَأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ. صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں نماز کی رکعتیں تیس روزے روزے میں کھانا پینا حرام ہونا یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحۃً ہے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں یا روزے ایک ماہ کے اس لئے ہیں کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے بلکہ اس لئے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ مسائل کی جو ہم نے تقسیم کر دی اور بتا دیا کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے نہیں اس کا بہت لحاظ رہے بعض موقع پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے مسائل کو نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب بھی اس امر میں آگیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلید کی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے احکام خبر و غیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر بید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہاء کا قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کیلئے ہوتا ہے۔ وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام سے

مانے ہوئے ہوتے ہیں جو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد لاکھ دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے۔

### تیسرا باب

#### کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مکلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علم لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات و رموز کچھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ تاج و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و جوہار لغت و غیرہ میں اکوچوری مہارت حاصل ہو۔ حکام کی تمام آجوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ مذکورہ اور خوش فہم ہو۔ کچھ تفسیرات احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں۔

(۱) مجتہد فی الشرع

(۲) مجتہد فی الملذہب

(۳) مجتہد فی المسائل

(۴) اصحاب التفریع

(۵) اصحاب الترجیع

(۶) اصحاب التزیید (مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

(۱) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابوحنیفہ شافعی مالک احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین  
(۲) مجتہد فی الملذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرمیدہ خود استنباط کر سکتے ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ علیہ السلام کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرمیدہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق ان کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام غزالی اور قاضی خان محسن اللہ سرخسی وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریف وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے ہاں ان میں سے کسی کے محل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کفای وغیرہ۔  
(۵) اصحاب ترجیع وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ علیہ السلام کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں سے کسی کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہذا اولیٰ یا ہذا اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

(۶) اصحاب تیزرہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات ناروہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقوال میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور صحیح قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب رد المحتار وغیرہ۔

جن میں ان چھ صفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتا دیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کا حرام ہے۔ تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب ہیں جس درجہ کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سول بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف و محمد علیہما الرحمۃ حتیٰ ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہ ہی کہا جاوے گا کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرقی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں اس میں خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب آ گیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ پوچھی یا محمدی یا ابن مبارک کہا کیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابوحنیفہ علیہ السلام کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابوحنیفہ علیہ السلام کے



اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا اور حقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل اور حقیقت قرآن پر عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ نئی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شرعی مطلب ص ۱۸۱ **اذا صحیح الحدیث فہو مذہبی**۔ امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب ہی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح تدرج اور تحقیق کی ہے جب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شارگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصری تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکوکوں کو ان شاء اللہ عزوجل حل کر دے گی اور بہت کام آؤ گی بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے۔ لہذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لئے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لئے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو جو قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام ابو داؤد وغیرہ حضور نبی پاک۔ حضرت پایزید بسطامی شاد بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گزرے کہ ان پر اہل اسلام جس قدر بھی فکر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے۔ خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابو حنیفہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہد بننے کیلئے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا میں نے ان سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ نکاح سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت 'مجازاً' صریح و کناہہ ظاہر نہیں کتنے ہیں۔ ان کے چارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

## چوتھا باب

### تقلید واجب ہونے کی دلائل

اس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں۔ دوسری تقلید شخص کے دلائل۔

### فصل اول:

تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عمل امت اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقہ بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

**اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین** ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔ (سورۃ الفاتحہ)

**انعمت علیہم۔** (سورۃ الفاتحہ)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے۔ جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء اولیاء اللہ و ثقات قلب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے۔ لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث و مفسر و فی غیر مقلد نہ گزرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو لگ تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

**لَا يَكْفِلُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَصَّيَهَا۔** (سورۃ حجر)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے احتیاط کرنا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے۔ جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا احتیاط کرنا کیا بوجھ ضروری ہوگا۔

**اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولی الامر**

سے ہوں۔

**منکم۔** (سورۃ آل عمران)

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (حدیث) امروالوں کی (فقہ و استنباط کے علماء) مگر کلہ اطیعوا و جبکہ لایا گیا۔ اللہ کے لئے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لئے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فضل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روڑی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہری فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں۔ مگر ان کو فوراً

غذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی بیرونی نہیں کر سکتے کہ کفار کی آمد اور کفریہ اختلاف نبی علیہ السلام و امام مجتہد کے کہ ان کا پر حکم ان کا ہر کام اور ان کا کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا۔ تینوں چیزوں میں ان کی بیرونی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے دو جگہ اطیعوا بولا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں فقہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہد لہذا نتیجہ وہی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوتے اگر بادشاہ اسلامی بھی مراد ہو۔ جب بھی تقلید ثابت ہوئی مگر۔ عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحۃ قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ و دن ہے ان کے لئے حکم ہوا اطیعوا اللہ دوسرے وہ جو صراحۃ حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لئے فرمایا گیا اطیعوا الرسول تیسرے وہ جو نہ صراحۃ قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ جادل میں سودی حرمت قطعی ہے۔ اس کے لئے فرمایا گیا اولی الامر منکم تین طرح کے احکام اور تین علم۔

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔ تو اسے لوگو! علم والوں سے پوچھا اگر تم کو علم نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو۔ وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ اجتہادی مسائل جن کے نکلانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کئے جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ ادھر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جانتا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

واتبع سبیل من اناب الی۔ اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

والذین یقولون ربنا ہب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ عین و اجعلنا للمتقین اماما۔ اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں خشک اور ہم کو پرہیزگاروں کی پیشوا بنا۔

اس آیت کی تفسیر میں معالم القرآن میں ہے۔

فلنقتدی بالمتقین ویقتدی بنا المتقون۔ ہم پرہیزگاروں کی بیرونی کریں اور پرہیزگار ہماری بیرونی کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی بیرونی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

یوم لدعوا کل الناس بامامہم۔ جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیے۔

اس کی تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

او مقدم فی الذین فیقال یا حنفی یا شافعی۔ یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے گا کہ اے حنفی اے شافعی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلا دیا جاوے گا۔ یوں کہا جاوے گا کہ اے حنفیو! اے شافعیو! یا مکیو! چلو! تو جس نے امام ہی نہ پکڑا اس کو کس کے ساتھ بلا دیا جائے گا۔ اس کے بارے میں موقوفہ کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں اس کا امام شیطان ہے۔

واذا قیل امنوا کما امن الناس قالوا انؤمن یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا کہ قلمس مومن ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لائے۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہی معتبر ہے جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہی ٹھیک ہے۔ جو نیک بندوں کی طرح ہو اور وہ تقلید ہے۔

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

من اتاكم وامرکم جميع علی رجل واحد  
یرید ان یثقی عصاکم ویفرق جماعتکم  
فاتقلوه۔

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باعتراف باب وجوب طاعته الامراء فی غیر معصیتہ، یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔

مکتوٰۃ شریف کتاب البیوع باب القراض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا  
لا تسئلوا فی مادام هذا الحبر فیکم جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفسول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔ حج القدر میں ہے۔

من تولی امر المسلمین شیئاً فاستعمل  
علیہم رجلاً ویعلم ان فیہم من هو اولی  
بذلک و اعلم منه بکتاب اللہ وسنة رسولہ  
فقد خان اللہ ورسولہ وجماعۃ المسلمین۔  
مکتوٰۃ کتاب الامارۃ فصل الاول میں ہے۔

من مات و لیس فی عقبہ بیعة مٹ مینة  
جاهلیة۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤ گی زمانہ باقی کس سلطان کی بیعت میں ہیں۔  
یہ چند آیات و احادیث ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی جہش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قناعت کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ تو جع تا بعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت مرحومہ اس ہی تقلید کی حامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

ومن یسأل فی الرسول من بعد ما تبین لہ  
الہدی ویبع غیر نیل المؤمنین لو لہ  
ما تولی و نصلہ جہنم وساعت مصیراً۔

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اپناتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہوا وہ اجماع کا منکر ہوا اگر اجماع کا اعتبار نہ کر تو خلاف صدیقی و قاروقی کس طرح ثابت کر دے تو اجماع لغت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ اسی طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت و کونوا مع الصادقین ہے کہ ابوبکر صدیق ؓ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مجاہدین کو صادقین کہا  
اولئک ہم الصدیقون پھر فرمایا و کونوا مع الصدیقین بچوں کے ساتھ رہو۔ لہذا تم بھی علیہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو ایسے ہی ہیں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ بچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

عقلی دلائل:

دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد۔ سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہا زیادہ مشکل ہے اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف



ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے۔ تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں۔ حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں چلتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مکتوٰۃ کتاب الجہاد باب اداب المسلمین ہے۔

جبکہ حقین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں۔

اِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤْتُوا أَحَدَهُمْ

### پانچواں باب

#### تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات و طرح کے ہیں۔ ایک وجہات طعن اور تحسرات کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین دھوکا کھالیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:

سوال (۱): اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب: صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ انہیں دین امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہ و غیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیروی کرتے ہیں۔ مکتوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے:

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بَابِهِمْ إِقْدَانُهُمْ  
عَلَيْكُمْ تَسْتَنِي وَنَسْنَةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ

یہ سوال تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ اس سے یہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی صحابہ کرام تمام کے امام ہیں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا؟

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو روپا سے دو ہو۔ مکہ میں کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھے گا جو امام سے دو ہو۔ روپا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صبح اُٹھنے کے مقتدیوں کو مکہ میں کی ضرورت نہیں صحابہ کرام صبح اُٹھنے کے مقتدی ہیں۔ وہ بلا واسطہ سینہ پاک مصطفیٰ ﷺ سے فیض لینے والے ہیں۔ ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا کسی نہر کے حاجت مند ہیں۔ پھر سند سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں۔ جن سب میں پانی تو سند ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی گڑگا کہلاتا ہے کوئی جتنا ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ رحمت کے سند ہیں۔ اس سینہ میں سے جو نہر امام ابوحنیفہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اسے خلی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ دھبہ بالی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جدا گانہ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لئے ہے صحابہ کرام کے لئے نہیں۔

سوال (۲): رہبری کے لئے قرآن وحدیث کافی ہیں۔ ان میں کیا نہیں جو کفر سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے کہ:

وَلَا رُطْبَ وَلَا يَابِسَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ

ان آجوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب ہے اور قرآن سب کے لئے آسان بھی ہے پھر کس لئے مجتہد کے پاس جاویں؟  
جواب: قرآن وحدیث چٹک رہبری کے لئے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونی چاہئے۔ سند میں موتی ہی۔ مگر ان کو نکالنے کے لئے غوطہ خوری ضرورت ہے۔ ائمہ دین اس سند کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرنا ضروری ہے۔ ائمہ دین طب ہیں وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ میں فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے۔ قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لئے نبی کیوں آئے؟ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ



اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن وحدیث روحانی دوائیں ہیں امام روحانی طیب۔

سوال (۳):

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت مان کسی کا قول و قرار  
دین حق راچار مذہب سا صحر  
جواب:

یہ شعر اصل میں چکڑ الویلوں کا ہے۔

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و قرار  
دوسرا شعر بھی اس طرح ہے۔

سہر دوشت علیحدہ سا صحر فقہ در دین نبی الما صحر  
چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے:

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار  
آتش و آب و خاک و باد سب کا انبی سے ہے  
سلیطے دونوں چار چار لطف مجب ہے چار میں  
چار کا سارا ماجرا قسم ہے چار یار میں

ثبات

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتابیں بھی چار تھیں۔ اور دین بھی چار ہی بتائے انسان کا خیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن کیونکہ راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے اگر دو چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لئے۔ وہابی کس راستے سے وہاں پہنچیں گے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مذہب چار چوں چہار راہ اند بہر منت جو جادہ پیائی  
خود کچے نبی از چہار طرف کعبہ را چوں تو سجدہ حسانی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت ہے۔ فقہ قرآن وحدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو فقہی بیان فرماتا ہے۔

آخر میں میں مگرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمہور کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاس میں کیا جواب ہوگا؟ اس لئے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ عزوجل توفیق دے۔

# بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بحثہ و کرمہ

## مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

## پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کی اقسام کہ بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے۔ جس کو انسان نہ تو آنکھ تک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بدلائل عقل میں آنکھ لہذا بختاب والے کے لئے بھی نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھا جاسکے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ یہ بھی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبود وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور طماغہ اور جنت و دوزخ ہمارے لئے اس وقت غیب نہیں ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے۔ یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت و دوزخ اور خدا کے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ بد بخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتیح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم فرمایا **فَلَا يُظْهِرُ عَلَیْهِ غَیْبَهُ اَحَدًا اِلَّا مَن ارْتَضٰی مِنْ رُسُلٍ** تفسیر بیضاوی **یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ** کے ماتحت ہے۔

**وَالْمُرَادُ بِهِ الْغَیْبُ الَّذِی لَا یُدْرِكُهُ الْحَسَنُ وَلَا تَقْتَضِیْهِ بَدَآئِهُ الْعَقْلُ**

”غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پا سکیں اور نہ بدلائل اس کو عقل چاہے۔“

تفسیر کبیر سورہ ہجر کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

**قَوْلُ جَمْهُورِ الْمُفَسِّرِیْنَ اَنَّ الْغَیْبَ هُوَ الَّذِی یَكُوْنُ غَاثًا عَنِ الْحَاسَّةِ ثُمَّ هَذَا یَنْقَسِمُ اِلٰی مَا عَلَیْهِ ذَلِیْلٌ ”وَالِی مَا لَا ذَلِیْلَ عَلَیْهِ**

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورہ بقرہ یؤمنون یا غیب کے ماتحت ہے۔

**وَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْعَقْلِ غَیْبٌ كَامِلٌ بِحِثِّ لَا یُدْرِكُ بِوَاحِدٍ مِّنْهَا اِبْتِداءً بِطَرِیْقِ الْبَدَآئِهِ وَهُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا ذَلِیْلَ عَلَیْهِ وَهُوَ الَّذِی اُرِیدَ بِقَوْلِهِ عَنْدهُ مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ وَقِسْمٌ نُّصِبَ عَلَیْهِ ذَلِیْلٌ كَمَا الصَّائِبُ وَصِفَاتِهِ وَهُوَ الْمُرَادُ**

”غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداء کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کتبیاں ہیں۔ دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور انکی صفات وہی اس جگہ مراد ہے۔“

فائدہ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ لوناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے اور لون آنکھ کے لئے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ یا اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اضافی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں کو یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

**وَمَا مِیْنَهَا شَهْوَرًا وَذُھُورًا تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَالِی**

”کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزرتا ہے۔“

اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آ سکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب۔

جیسے حضور علیہ السلام نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو طافہ فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وہ جس حضرت ساریہ کو عید پاک سے دیکھ لیا وہ ان تک اپنی آواز پہنچا دی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو خشک دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بڑے عید کے تہذیبی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں۔ مثلاً کسی آلہ ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا بچہ کا معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آواز سن پیتے ہیں۔ اس کو علم طیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ طیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا کہ جو اس معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلتی ہو وہ آواز جو اس سے معلوم ہونے کے قابل ہے آواز سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا۔ جبکہ آواز نے اس کو طافہ ہرگز دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آواز سنی ہوئی چیز کو طافہ کر دے۔ مگر طافہ ہو چکے کے بعد ہم اس کو معلوم نہیں تو علم غیب نہیں۔

## دوسری فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے چند باتیں خوب خیال رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہوگا در بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

۱۔ نفس علم کی چیز کا بھی ہو یا نہیں۔ ہاں بری باتوں کا کرنا کرنے کے لئے سیکھنا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں۔ جیسے علم عقائد۔ علم شریعت۔ علم تصوف دوسرے علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہ بر نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب رکھتی ہیں۔ **هُوَ اللَّهُ** میں تہائی قرآن کا ثواب ہے مگر **تَنْبِیْہِ** میں یہ ثواب نہیں (دیکھو ان اہمالہ ریاضۃ الاولیاء کتاں میں عند عبیر اللہ **لَوْ حُذِرُوا لَفِیْہِ اِخْتِلَافٌ کَثِیْرٌ** لیکن کوئی آیت بری نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی علم بر ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا ہر برائی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو خدا کی ذات و صفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا۔ اور وہی علم اس کی انصافیت کا ثبوت ہو۔ اس علم کی وجہ سے وہ طافہ کے استاذ قرار پائے اگر بری چیزوں کا علم بر ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام کو علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز ہے کفر و شرک۔ مگر فقہاء مانتے ہیں کہ علم حدیث و فرائض اور اتفاقاً کفر یہ شریعہ کا جائز فرض ہے تاکہ اس سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لئے شامی کے مقدمہ میں ہے۔

**وَعَلَّمَ الزَّیْرَاءَ وَعَلَّمَ الْحَسَدَ وَانْجَحَ وَعَلَّمَ الْاَلْفَاظَ الْمُحَرَّمَةَ وَالْمَكْفُورَةَ وَلِعَمَرَى هَذَا مِنْ اَهَمِّ الْمُهْتَمَاتِ (ملخصاً)**

"یعنی علم زہر اور حسد اور کفر یہ علموں کا سیکھنا فرض ہے اور اللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔"

اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم و فل میں فرماتے ہیں۔ **وَفِیْ دَحِیْرَةِ النُّظَرِ تَعَلُّمُهُ فَوْضُ لَرْدٍ سَاحِرٍ هَلِ الْحَرْبِ**

"آخرہ جادوگرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے اہل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لئے۔"

جیہاں اعظم جہادوں اب اول فصل سوم برے علم کے جان میں ہے علم کی بری خود دفع ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بدول کے حق میں تیں وجہ سے ہے اگر اس بیان سے غلطی واقع ہو کہ نفس علم کسی شے کا نہیں۔ اب مکررین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بری چیزوں، چوہی، رتا، جادو اور اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی نہ کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لئے انہوں نے شیطان در ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ مانا یہ تو ایسا، جیسے تجوی کہتے ہیں کہ خدا نے پاک بری چیزوں کا خلق نہیں ہے کیونکہ بری چیزوں کا پیدا کرنا بھی بر ہے۔ **فَعُوْذُ بِاللّٰہِ**۔ مگر علم جادو بر ہے تو اس کی تعلیم کے لئے رب کی طرف سے دوسرے باروت و دھواں کیوں رہیں پراترے؟ مومن علیہ السلام کے جادوگروں کے جادو کے علم کے ذریعہ سے مومن علیہ السلام کی حقانیت پہچانی اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

۲۔ سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم تاتوی نے تہذیر الناس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے۔ بلکہ سب کو جو علم مدوہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جائز والد ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لئے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

۳۔ قرآن در لوح محفوظ میں سارے واقعات کل کا گن دیا لیکن میں ہیں اور اس پر ملائکہ اور بعض اولیاء و نبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لئے ہم لوہ محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر و فرشتہ

کے علوم کا بھی ذکر کروں گی۔  
یہ تمام بحثیں علم عقلی علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

## تیسری فصل

### علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علاوہ علاوہ حکام ہیں (ارحامی الامتداد صفحہ ۵)

۱۔ انقدر وجل عالم بذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

۲۔ حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کے کرام اور رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیب کا علم دیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام و ملک الموت و شیطان بھی خلقت ہیں۔ یہ تیس باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

(۱) **قسم دوم** اوپر کے کرام کو بھی ہاں لو سطہ نیچے کے کرام کو علم غیب ملتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پانچ غیبوں میں سے بہت چیزیں ان کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بد مذہب ہے کہ حدیث احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۲) **قسم سوم** حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملے گا کہ کب ہوگی۔

۲۔ تمام گزشتہ اور سندہ واقعات جو سورج محفوظ ہیں ان کا خدا اس سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

۳۔ حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے مشاہدات کا علم دیا گیا۔

**چوتھی فصل** جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (۱) علم غیب معلوم ہے۔

۱۔ وہ آیت قطعیہ الدراست ہو جس کے معنی میں چند اشیاء نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

۲۔ اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی گئی ہو کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرمادیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

۳۔ صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرماتا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی صحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرماتا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمہ کبھی علم واقعی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کے لئے علم کی نفی کی گئی ہو وہ وہاں اور قیامت تک کا ہر ممکن صحت الہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی وصول نہیں کرتے یہ چار تفصیل خوب خیال میں رکھنی چاہئیں۔

## پہلا باب

### علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چوتھیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت تیسری میں حدیث کے شارحین کے چوتھی میں ہائے ائسف اور فقہاء کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اولیاء اللہ کے علم غیب کا بیان۔  
پہلی فصل آیات قرآنیہ میں۔

۱۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ (پارہ سورہ ۲۰ بت ۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔"

تفسیر مارک میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وَمَعْنَى تَعْلِيمِهِ أَسْمَاءَ الْمُسَمَّيَاتِ اللَّهُ تَعَالَى ارْزُقَ الْإِحْسَاسَ الْإِنْسِي حَلَقَهَا وَعَلَّمَهُ أَنْ هَذَا اسْمُهُ فَرَسٌ

وَهَذَا اسْمُهُ بَعِيرٌ وَهَذَا اسْمُهُ كَذٌّ وَعَنْ أَبِي عُبَّاسٍ عَلَّمَهُ اسْمَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الْقِصْعَةَ الْغُرْفَةَ

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکو وہ تمام چیزیں دکھا دیں جس کو یاد کیا ہے اور انکو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام قتل ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیے۔ یہاں تک کہ یہاں اور چلو کے بھی۔

تفسیر غارن میں اسی آیت میں یہی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔



وقيل علم ادم اسماء الملائكة وقيل اسماء ذريته وقيل علمه اللغات كلها

”کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کوئی مفرشتوں کے نام سکھا دیئے اور کہا گیا کہ ان کی اور دے کے نام اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھا دیں۔“  
تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ہے۔

قوله اي علمه صفات الاشياء ونحوها وهو المشهور ان المراد اسماء كل شئ من خلق من احساس المحدثات من جميع اللغات المختلفة التي يتكلم بها ولد ادم اليوم من العربية و الفارسية والرومية وغيرها

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے اور یہی مشہور ہے کہ مہر الخلق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہوتے۔ جنکو اور آدم آج تک پس رہی ہے عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔  
تفسیر ابواسود میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وقيل اسماء ماكان وما يكون وعلم اسماء حسمه من المعفولات والمحموسات و المنحيلات والموجودات واهم معرفة ذوات الاشياء واسماءها وحواصها ومعارفها اصول العدم وقوانين الضعفات وتفاصيل الاتقان وكيفية استعمالها

”کہا گیا کہ حضرت آدم کو گزشتہ و آئندہ چیزوں کے نام بتا دیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتا دیئے عقلی، حسی، خیالی، وہی چیزیں بتا دیں ہر چیز کی ذات، رنگ کے نام اس کے خاصے اس کی پہچان، علم کے قواعد، ہنر کے قانون، رنگ کے اور ادب کی تفصیل اور کئے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم کو اہم فرمایا۔“  
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وعلمه احوالها وما يتعلق بها من المسافع لذبيته والذبيوت وعلم اسماء الممكة واسماء ذريته واسماء الحيوانات والجمادات وصنع كل شئ واسماء المدن والقرى واسماء الطيور ولشجر وما يكون واسماء كل شئ يحفظه لى يوم القيمة واسماء المطفومات والمشروبات وكل نعيم في الجنة واسماء كل شئ وهي الحسرة علمه سبع مائة الف لغات  
”اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھاتے اور جو کچھ ان میں رہی اور دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے اور ان کو مفرشتوں کے نام رکھی اور درجہ نبات اور جمادات کے نام بتائے اور ہر چیز کا مانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام پر مردوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو حقیت تک پیدا فرمایا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام شہد کی برکت فرستید ہر چیز کے نام بتا دیئے حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔“

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا کہ ان مائیکوں کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے رہائش چیزوں کے نفع و ضرر جاننے کے طریقے۔ آلات کا استعمال سب سکھا دیئے۔ لیکن اب میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک درہ ہیں۔ شیخ ابن عربی فتوحات کبیر باب دہم میں فرماتے ہیں۔

اَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهُ صُنِّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَلِيفُهُ إِدْرِعُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
”حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم علیہ السلام ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تجزیہ و تائید میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔ شیم اریاض شرح شفا کاغذی حواشی میں ہے۔

اِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَرَضَ عَلَيْهِ الْخَلَاءُ مِنْ لَدُنْ اَدَمَ اَلِي قِيَادِ السَّاعَةِ فَعَرَفَهُمْ كُلَّهُمْ كَمَا عَلَّمَ اَدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا

”حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدم تا روز قیامت پیش کی گئیں جس ان سب کو پہچان یا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام

”کھائے۔“

اس مہارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے تھے۔

۳. **وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَهِيدًا** (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۲۸) ”اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔“  
تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماقص ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است ہر صورت ہر دین ہر قسم دین بدین خود کہ در کدام دین از دین من رسیدہ و حقیقت یہاں واضح ہے و جواب ہے کہ ہر اس ترقی محبوب، نادمہ ست کد امست جس دے شتا سدا گناہن شمار اور درجات یہاں شمار و اعمال بدو نیک شمار و اعلیٰ و نفاق شمار لہذا شہادت اور دینی حکم شرع و حقیقت امت متجول واجب العمل است۔

”حضور علیہ السلام اپنے غور و خجست کی وجہ سے ہر دین و رکن دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے خلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں لہذا الٰہی گواہی دنیا میں حکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔“  
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماقص ہے۔

**هَذَا مَبْنَى عَمَى تَصْمِيمِ الشَّهِيدِ مَعَى الرَّقِيبِ وَ الْمَطْلَعِ وَ الْوَحْدَةِ فِي اعْتِبَارِ تَصْمِيمِ الشَّهِيدِ الْإِشَارَةُ لِي أَنْ التَّعْدِيلَ وَ التَّدْكِيَةَ ثُمَّ يَكُونُ عَنْ خُبْرَةٍ وَ مُرَاقَبَةٍ بِحَالِ الشَّاهِدِ وَ مَعَى شَهَادَةِ الرَّسُولِ عَلَيْهِمُ اِطْلَاعُهُ رُتَبَةً كُنْ مُتَدَبِّرٌ مَذْبَحَهُ فَيُحْفِظُ دُنُوهُمْ وَ حَقِيقَةُ اِيْمَانِهِمْ وَ اَعْمَالِهِمْ وَ حَسَنَاتِهِمْ وَ سَيِّئَاتِهِمْ وَ اِحْلَاصَهُمْ وَ مَقَالَهُمْ وَ عِزَّ ذَلِكَ سُبُورِ الْحَقِّ وَ اَمْنُهُ يَحْفَظُ ذَلِكَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ بِتَوْفِيقِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**

”یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبر دہ کے معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو جادوں کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حرات پر مطلع ہونے سے ہو سکتا ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دین و رکن دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو انکے ایمان کی حقیقت کو ان کے دلیلم برے عیاس کو ان کے اخلاص اور حق و غیرہ کو اور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی شہادت بھی قیامت میں ہماری انھوں کے یہاں نہ چلے گی مگر حضور علیہ السلام کے نور سے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماقص ہے۔

**ثُمَّ يُؤْتَى بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَسْأَلُهُ عَنْ أَمْنِهِ فَيُرِ كُتِبَ لَهُمْ وَ يَشْهَدُ بَصْدَ فِهِمْ**

”پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلایا جائیگا پس رب تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے گا آپ کی صفائی کی گواہی دیں گے اور اگلی صفائی کی گواہی دیں گے۔“

تفسیر ہارک پارہ ۱ سورہ بقرہ میں اسی آیت کے ماقص ہے۔

**فَيُؤْتَى بِمُحَمَّدٍ فَيَسْأَلُ عَنْ حَالِ أَمْنِهِ فَيُرِ كُتِبَ لَهُمْ وَ يَشْهَدُ بَصْدَ فِهِمْ وَ يَحْفَظُ مَعَهُ التَّكْلِيمَ**

”پھر حضور علیہ السلام کو بلایا جائیگا اور آپ کی امت کے حال پوچھے جائیں گے پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کریں گے اور انکے عادل و نیک گواہی دیں گے لہذا حضور علیہ السلام تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔“

اس آیت اور ان تفسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے ایمانے کرام کی امتیں یا رنگہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ اس امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدا یا ہمارے میں گئے دوسرے احکام پہنچائے مگر اس لوگوں نے قبول نہ کئے۔ رب تعالیٰ کا عیادہ کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہو پنا کوئی گواہ نہ دے۔ وہ اپنی گواہی کے لئے نعمت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش فرمائیے مسلمان گواہی دیں گے کہ خدا یا تیرے پیغمبر پہچے ہیں، انھوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اس بات پر کہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (حقوق و عہدہ ہر کافر کی گواہی نہیں ہوتی۔ مسلمان پر یہ گواہی گواہی ہوتی ہے) دوسرے یہ کہ اس لوگوں نے اپنے سے پہلے پیغمبروں کا بار نہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدا یا ہم سے تیرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں کے تبلیغ کی تھی اس کو کون کر ہم گواہی دے رہے ہیں جب حضور علیہ السلام کو بلایا جائیگا اور

حضور علیہ السلام دو ہاتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ کوئی فاسق یا کافر نہیں تا کہ اس کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیزگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے میوں نے اپنی قوم تک احکام الہیہ پہنچائے تب ان عقیدوں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان میں روزہ، نماز، زکوٰۃ سے بالکل خبردار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کی گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا بھی کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت توح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمایا کہ خدا یا اس کی اور بھی گروہی تو کافر ہوگی **وَلَا يَلِدُ وَلَا يُولَدُ وَأَلَا فِي حَرٍّ أَكْفَرًا**۔ ہذا توں کو فرق کر دے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سید، نبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیے بغیر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گروہتہ عقیدوں اور ان کی شخص کے حالات حضور علیہ السلام سے بخور نبوت دیکھتے تھے در آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوئی تو کسی کو ہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے کسی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہو کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ سچے نبی ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں در گواہیاں وغیرہ میں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھ ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمن من آیات القرآن میں دیکھیں کہ گواہی کا ذکر سند و آیت میں بھی ہے۔

۳۴) **وَحَبَّ بَكَ عَلِيٌّ هُوَ لَاءُ شَهِيدًا** پارہ ۵ سورہ لہاء باب ۴

”اور اسے محبوب تم کو ان سب پر تمہارا ہونا کریم لا دینگے۔“

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَا نَزْوَحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَهِيدًا عَلَىٰ صَمِيعٍ لَا رَوَاجَ وَ لَعَنُوا وَ اَلْفَوْسُ لَعَنُوهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْ مَحَلُّوهُ لَعَنُوهُ  
”اس لئے حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام رگوں اور دلوں اور نشوں کے دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو چاہے پھر فرمایا وہ میرا نور ہے۔“

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاَعْلَمُ اَنَّهُ يَمُرُّ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَمَلٌ اَمِنَهُ عَذُوهُ وَعَشِيَهُ فَيَعْرِفُهُمْ عَمَانُهُمْ فَلَدُنْكَ يَنْشُدُ عَلَيْهِمْ  
”حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صحیح و شام میں کئے جاتے ہیں لہذا آپ انہ کو ان کی علامات سے جانتے ہیں اور ان کے اعمال کو بھی اس لئے آپ ان پر گواہی دینگے۔“

اِنَّ شَهِيدًا عَلِيٌّ مِنْ اَمْرِ بِالْاِيْمَانِ وَعَلِيٌّ مِنْ كُفْرٍ بِالْكُفْرِ وَعَلِيٌّ مِنْ مَالِكٍ مَالَتَقِي

”حضور علیہ السلام گواہ ہیں مسلمانوں پر کئی ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے منافقوں پر ان کے نفاق کے۔“

اس آیت اور ان تفسیر سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام زاون تاروقی امت تمام لوگوں کے کفر و ایمان و حقائق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ سب کے گواہ ہیں یہی تو علم فیہ ہے۔

۳۵) **مِنْ دَالِدِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اَلْاِبَادَةُ بَعْدَهُ**

وہ کوں ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بعیر اسکے علم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ مِنْ اَزْوَاجٍ لَا مَرَقِلٍ لِحِلَاقِ وَمَا حَتْفُهُمْ مِنْ اَحْوَالٍ لِقِيَامَةِ  
”حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے احوال و صفات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔“

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ مِنْ اَزْوَاجٍ لَا مَرَقِلٍ لِحِلَاقِ وَمَا حَتْفُهُمْ مِنْ اَحْوَالٍ لِقِيَامَةِ  
**اَحْوَالِ الْقِيَامَةِ وَفَرْعِ الْخَلْقِ وَغَضَبِ لُزَّتْ**

”حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو یہ ان کے پہلے کے و تھاوت اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔“

اس آیت اور ان تفسیر سے معلوم ہوا کہ آیت انگریزی میں **مِنْ دَالِدِي** سے لیکر **اَلَا بَعْدُ** تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان

ہوئے۔ ہاں تو اس واقعہ میں صفات الہیہ ہیں۔ اس میں مرہا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بھی اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں در شفع کے لئے ضروری ہے کہ گناہگاروں کے اسام اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ تا مل کی شفاعت نہ ہو جائے اور مستحق شفاعت سے محروم نہ ہو جائے جیسے طبیب کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لاعلاج مریضوں کو جائے تو مرہا گیا

یَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ کہ جس کو ہم نے شفع بنایا ہے۔ اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیوں کہ شفاعت کبریٰ کے لئے علم غیب لازمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میر کیا انجام ہوگا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلَّا بِمَا شَاءَ اور وہ نہیں جانتے اس کے علم میں مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

يَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ لِهَآءِ كِتَابَةِ عَمِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْصِيْ هُوَ شَاهِدٌ عَلَى اَحْوَالِهِمْ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ مِنْ سِرِّهِمْ وَفَعَالَانِهِمْ وَفَصْصِهِمْ وَ مَا حَلَفْنَاهُمْ مِنْ اُمُورٍ اِلَّا حَزَرَ وَاَحْوَالَ اَهْلِ الْحَيَّةِ وَالسَّارِ وَ هُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا مِّنْ مَّعْلُوْمَاتِهِ لَا بِمَا شَاءَ مِنْ مَّعْلُوْمَاتِهِ عَلَيْهِ اِلَّا وَ لِيَّاءٍ مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِيَاءِ بِمِرْلَةِ قَطْرَةٍ مِنْ سَبْعَةِ اَبْحَرٍ وَعِلْمُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ عِلْمِ سَيِّدَا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهَدِّهِ الْمَرْسَلَةِ فَكُلُّ رَسُوْلٍ وَ سَيِّدٍ وَ لِيٍّ اَخَذُوْنَ بِقَدْرِ الْقَابِيَةِ وَ الْاِسْتِعْدَادِ مِنْ مَدِيَّةٍ وَ لَيْسَ لِاَحَدٍ اِنْ يَّعْذُوْهُ اَوْ يَتَعَذَّمْ عَلَيْهِ

احتمال یہ بھی ہے اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہوں بھی حضور علیہ السلام کو گئے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں گئے خلائق کے معادلات اور ان کے قصے وغیرہ اور ان کے بچے کے حالات بھی جانتے ہیں آخرت کے احوال عقیقی دورخی لوگوں کے حالات در دو لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں اور انہوں نے کمال علم نبیاء کے سامنے آیا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور امیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی وجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العالمین کے سامنے اسی وجہ کا۔ جس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر پیغمبر نے اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور سے کچھ سیکھے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

يَعْصِيْ اَنْ يَّطْلُعَهُمْ عَلَيْهِ وَ هُوَ الْاَسْبَاغُ وَ لِرُّسُلٍ وَ يَكُوْنَ مَا يَطْلُعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِهِ عِيَّةً دَلِيْلًا عَلَى نُبُوَّتِهِمْ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا يَظْهَرُ عَلَى عِيَّةٍ اَحَدًا مِنْ اِرْتَصِيْ مِنْ رُّسُوْلٍ

"یعنی خدا تعالیٰ انکو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے در وہ انبیاء و رسول ہیں تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہوتا انکی ہوت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ میں نہیں دکھاؤں گا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس کے رسول جس سے رب راضی ہے۔"

تفسیر معالم العقول میں اسی آیت کے تحت ہے۔

يَعْصِيْ لَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ الْغَيْبِ اِلَّا بِمَا شَاءَ مِمَّا اَحْبَرَهُ الرُّسُلُ

"یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔"

اس آیت اور ان تفسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مرد ہے خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دیتا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے درمیان سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی۔ عطا ہے مکی علم غیب حاصل ہو۔ کتنا دیا اس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یاد رہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پاسکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دیتا چاہیں تو خدا فرمادیں۔ لہذا حضرت آدم تا رزق قیامت جس کو جس قدر علم ملے۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم دیا کے دریا کا قطرہ ہے جس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے۔ در حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم علم اذہ کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

(۵) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ مِمَّا رَزَقْنَاهُ رِزْقًا يَّغْفِرُ لِمَن يَّشَاءُ (بقرہ ۲۰۳ سورہ ۳۰ آیت ۷)

"اور اللہ کی شائیں نہیں ہے کہ اسے عام لوگوں کو غیب کا علم دے ہاں اللہ تعالیٰ دیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔"



تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُفَوِّتَ أَحَدَكُمْ عِلْمَ غَيْبٍ فَيُطْلِعَ عَلَى مَا فِي الْقُلُوبِ مِنْ كُفْرٍ وَ إِيْمَانٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَحْتَسِبُ لِرَسُولِهِ مِنْ بُشَاءٍ فَيُوحِي اللَّهُ وَيَحْجِرُهُ بَعْضُ الْغَيْبَاتِ أَوْ يُبْصِرُ لَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ  
 "خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی تدبیر کی کیسے چھوچا ہوتا ہے جن  
 دیتا ہے جس اہل طرف دہی فرماتا ہے اور بعض غیب کی س کو خبر دیتا ہے یا ان کیسے ایسے اہل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔"  
 تفسیر خازن میں ہے۔

لَكِنَّ اللَّهَ بِصُطْرَيْهِ وَ بَحَاثُ مِنْ رُسُلِهِ مِنْ بُشَاءٍ فَيُطْلِعُهُ عَلَى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ  
 "لیکن اللہ جی لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے جس کو خبر دار کرتا ہے بعض علم غیب پر۔"  
 تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَا مَعْرِفَةُ ذَلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْإِعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ حَوَائِصِ الْأَنْبَاءِ (حَمَلُ) الْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّهَ  
 يَحْتَسِبُ أَنْ يَصْطَفِيَ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يُبْشِرُ بِبُشَاءٍ فَيُطْلِعُهُ عَلَى الْغَيْبِ (حَلَالِيسِ) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى  
 الْغَيْبِ فَتَعْرِفُوا الْخِلَافَ قَبْلَ التَّصْبِيرِ وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَحْتَسِبُ وَ يَحْتَرُ مِنْ بُشَاءٍ فَيُطْلِعُ عَلَى غَيْبِهِ كَمَا أَطْلَعَ  
 النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ عَلَى حَالِ الْمُنَافِقِينَ  
 "لیکن نہ باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہو چکے جان دیتا یا نبیہ کرام کی خصوصیت ہے۔ (حمل) معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے چھوچا ہوتا  
 ہے جن دیتا ہے جس ان کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرے گا کہ فرق کرے سے پہلے منافقوں کو جانے نہ۔ لیکن اللہ چھوچا ہوتا  
 ہے چھانت دیتا ہے تو اسکو پنے غیب پر مطلع فرماتا ہے جیسا کہ یہ مدیہ اسرار کو منافقین کے حال پر مطلع فرماد۔"  
 روضہ بہیان میں ہے۔

فَأَنَّ غَيْبَ الْحَقِيقِ وَالْأَحْوَالِ لَا يَكْشِفُ إِلَّا وَسْطَةَ الرُّسُلِ  
 "کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر ہوتے بھیر رسول مدیہ اسلام کے واسطے سے۔"

ان آیت کریں۔ دران ظاہر سے معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کا خاص امر غیب تدبیر پر نہ ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے  
 علم اہل کے متباد میں بعض اور کل ماکان وہ لیکن بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔

۶) وَعَلَيْكُمْ مَالَهُ نَكْرُ نَعْمَهُ وَكَانَ فَصْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا أَيْ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْغَيْبِ أَنْزَلَ اللَّهُ  
 عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَأَطْلَعَكَ عَلَى أَسْرَرِهِمْ وَوَأَفْهَكَ عَلَى حَقَائِقِهِمَا يَعْنِي مِنْ أَحْكَامِ  
 الشَّرْعِ وَأُمُورِ الدُّنْيَا وَقِيلَ عَلَيْكَ مِنْ عَمِهِ غَيْبُ مَالِهِ نَكْرُ نَعْمَهُ وَقِيلَ مَعَهُ عَلَيْكَ مِنْ  
 حَقَائِقِ الْأُمُورِ وَأَطْلَعَكَ عَلَى صَمَائِرِ الْقُلُوبِ وَعَلَيْكَ مِنْ أَحْوَالِ الْمُنَافِقِينَ وَكَيْدِهِمْ مِنْ أُمُورِ  
 الدُّنْيَا وَالشَّرَائِعِ أَوْ مِنْ حَقَائِقِ الْأُمُورِ وَصَمَائِرِ الْقُلُوبِ

"اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (جہاں میں) یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر) اللہ نے آپ پر قرآن اتار دے رکھت  
 اتاری اور ان کو ان کے مجیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔ (جہاں میں) یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھا گئیں اور کہا گیا ہے کہ  
 سیکو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھا گئیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "جو کچھ چیزیں سکھا گئیں اور دلوں کے راز پر مطلع  
 فرمایا اور منافقین کے ککر اور غیب آپ کو بتا دیئے (مدارک) دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے۔"  
 تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں۔

"اس علم کا وہ نیکوں ہست کہ حق سبحانہ و شہ اسرا ہاں حضرت عطا فرمود۔ چنانچہ حدیث معراج ہست کہ من در زیر عرش بودم قطره در طلق  
 من ریختند فعلمت ما کان وما یکنون جامع البیان قبل نُزُولِ دَامِکُ مِنْ حَقَائِقِ الْأُمُورِ یہ ماکان اور مایکوں  
 کا علم ہے کہ حق تعالیٰ سے شب معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ  
 ہمارے طلق میں ڈال دیا جس ہم نے سارے گزشتہ اور سندھ کے واقعات معلوم کر لئے تھے آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے تلاوس سے پہلے

آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت درن تقاییر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قمر آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ مگر عربی زبان میں عموم کے لئے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہو کہ شریعت کے احکام دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایسی فی عادت و غیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن وحدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ مسند بیان ہوگا۔

(۷) مَا فُرِطَ فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ اِنَّ الْفُرَانَ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ جَمِيعِ الْاَحْوَالِ (حارون)

”ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ دکھا قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے۔ (حارون)“

تفسیر افواہ مقول میں اسی آیت کے تحت ہے۔

یہی دلّوح المحفوظ فائدہ مشتمل عسی ما یحری فی العاصم من جلیلی ذ دقیق لم ییمیل فیہ امر حیوں ولا حمادی  
”کتاب سے مراد دلّوح محفوظ ہے کیونکہ یہ دلّوح محفوظ ان باتوں پر مشتمل ہے جو عام میں ہوتا ہے ہر ظاہر اور باریک اس میں کسی حیوں اور حمادی کا  
معاذ چھوڑا نہ گیا۔“

تفسیر اس البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

ای ما فُرِطَ فِي الْكِتَابِ ذَكَرَ حَبِصٌ لِّحَقِّ لَّا يَبْصُرُ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ الْاَنْبِيَاءُ دُونَ بَدْوَارِ الْمَعْرِفَةِ  
”یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ جسکی معرفت کے انور سے تائید کی گئی ہو۔“

امام شمرانی طبقات کبر نے میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ رواض السان صفحہ ۵۵

لَوْ فَتَحَ اللَّهُ عَيْنَ قُلُوبِكُمْ أَفْهَمَ لِمَسْدَدٍ لَا طَعْنَهُ عَلَىٰ مَا فِي الْقُرْآنِ مِنَ الْعِلْمِ وَاسْتَعْبَتَهُ عَنِ النَّظَرِ فِي  
سُوَاهُ فَنَ فِيهِ جَمِيعُ مَا رَفَعَ فِي صَفَحَاتِهِ مِنْ خُودِ فَنَ فَنَ مَا فُرِطَ فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

”اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند کھل سکول دے تو تم ان علموں پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن کے سوا دوسرے چیز سے بے پروا ہو جاؤ۔“

کیونکہ قرآن میں تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے سطحوں میں نکلی ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا فُرِطَ فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

اس آیت دران تقاییروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں اس کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا دلّوح  
محفوظ۔ ورنہ قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور دلّوح محفوظ بھی جیسا کہ آئندہ آدے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا و آخرت کے حالات حضور  
علیہ السلام کے علم میں ہوئے۔ کیونکہ سارے علم قرآن اور دلّوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن دلّوح محفوظ حضور کے علم میں۔

۸. وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (پارہ سورہ ۶۰ یب ۵۹)

(روح ہیواں) هُوَ الْمَوْخُ الْمَحْفُوظُ فَهَذَا صَبْطُ اللَّهِ فِيهِ جَمِيعُ الْمَفْذُورَاتِ الْكُوبِيَةِ لِهَوَانِدِ تَرْجَعُ إِلَىٰ

لَعْدِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللَّهِ (تفسیر کبریٰ آیت) وَلَدُنْدَهُ هَذَا كِتَابٌ أَمُورٌ حَذَفَ اللَّهُ تَعَالَىٰ كِتَابَ هَذِهِ الْا

حِوَالِ فِي الْمَوْخِ الْمَحْفُوظِ تَتَقَفُ الْمَلَائِكَةُ عَلَىٰ مَا دَعَمَهُ اللَّهُ فِي الْمَعْنُومَاتِ لِيَكُونَ ذِكْرُ

عِبْرَةٍ قَدْ نَمَتْ كَامِلَةً لِلْمَسْكَةِ الْمَوْخِ كَتَبَ بِالْمَوْخِ الْمَحْفُوظِ لِأَنَّهُمْ يَقْبَلُونَ بِهِ مَا يَحْدُثُ فِي صَحِيفَةِ هَذَا

الْعَالَمِ فَيَحْذَرُونَهُ مُوَافِقًا لَهُ (تفسیر حارون ع آیت) وَالتَّائِبِينَ الْمَرْدُ بِالْكِتَابِ الْمُبِينِ هُوَ الْمَوْخُ الْمَحْفُوظُ

لَإِنَّ اللَّهَ كَتَبَ فِيهِ عِلْمَ مَا يَكُونُ وَمَا قَدْ كَانَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَدُنْدَهُ احْصَاءُ

الْأَشْيَاءِ كُنْهًا فِي هَذَا الْكِتَابِ تَتَقَفُ الْمَلَائِكَةُ عَلَىٰ مَا دَعَمَهُ

”وہ دلّوح محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ساری ہوسکتے والی چیزیں جمع فرمادیں ان تعداد کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف ہوتے ہیں۔ انکو  
حصائے رہائی جاتے ہیں اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو دلّوح محفوظ میں اس لئے لکھا تھا۔ تاکہ مدائکہ خردوار  
ہو جائیں معلومات میں عمل الہی جاری ہونے پر ان پر یہ بات ان فرشتوں کے لئے پوری پوری مہرت بن چائے جو دلّوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ  
فرشتے واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عالم میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو دلّوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں دوسری وجہ یہ  
ہے کہ کتاب مبین سے مراد دلّوح محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہوگا اور جو کچھ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم لکھ دیا

اور اس تمام چیزوں کے لکھنے سے اس کتاب میں قاعدہ یہ ہے کہ فرشتے ان کے علم کے باری کرے پر واقف ہو جائیں۔“

تفسیر رک یہی آیت **هُوَ عِلْمُ اللَّهِ وَاللُّوحُ** ”وہ کتاب یا تو علم الہی ہے یا لوح محفوظ۔“

تفسیر خیر المفسرین میں تفسیر بن عباس میں اسی آیت کے تحت ہے۔

**كُلُّ ذَلِكَ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ مَبْنِيٍّ مَقْدَرُهَا وَوَقْتُهَا**

”یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ اس کی مقدار اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔“

اس آیت اور ان تفسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر شے کی داخلی چیز ہے اور لوح محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے ہذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں۔

(۹) **مَرْآةٌ عَلَيْكَ الْكِتَابُ بَيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** (پارہ ۱۰ سورہ ۶۰ بیت ۸۹)

”اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔“

تفسیر حقیقی یہی آیت **مَرْآةٌ عَلَيْكَ الْكِتَابُ** ہر نو قرآن یہ **مَرْآةٌ** شئی بیان روشنی ہوئے

ہمہ چیز اور امور دین و دنیا تفصیل و اجمال (تفسیر روح البیان یہی آیت) بہت معنی نامور الذہن میں اس دالک

**اِحْوَالِ الْأُمَمِ وَأَنْبِيَاءِ هُمْ** (تفسیر اقبال یہی آیت) **قَالَ الْمُبَاحِذُ** یونما ما من شئی فی العالم الا هو فی

**کتاب اللہ** فقیر لہ فایں ذکر الحامات فقال فی قوله لیس علیکم **خُصَاصٌ** ان تدخنو **بُیُوتًا** غیر

**مَسْكُونَةٍ** فیہا **مَنَاقِعُ لَكُمْ**

”ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین دینی کی ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تھی اور اجماعی۔ اس کے بیان کیلئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں اور اس میں سے انہوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات ہیں حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ سلام میں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ سراسر ایسا لگا کر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا دہر سامان ہو۔“

اس آیت اور ان تفسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر دینی داخلی چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا **الْحَرَامُ عِلْمُ الْقُرْآنِ** یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں آئیں۔

(۱۰) **وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ** (پارہ ۱۱ سورہ ۶۰ بیت ۳)

”اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں۔“

(جلائین یہی آیت) تفصیل **الْكِتَابِ** نہیں ما کتب **اللَّهِ** تعالیٰ من **الْأَحْكَامِ** و **عِبَادَاتِهِ** (جمل یہی آیت) ای فی

**الْبُحُورِ الْمَحْفُوظَةِ** (روح البیان یہی آیت) ای و تفصیل ما خُفِيَ و **أَنْبِیَءٍ** من **الْحَقَائِقِ** و **الشَّرَائِعِ** و فی

**التَّوْبَاتِ** و **الْحَمِیَةِ** ای تفصیل **الْجَمَلَةِ** اُنّی **هِيَ** **الْمُعْذَرَةُ** **الْمَكْتُوبَةُ** فی **الْكِتَابِ** **الَّذِي لَا يَنْتَرَفِقُ** **إِلَيْهِ**

**الْمَحْضُورُ** و **الْإِثْبَاتُ** **لِأَنَّهُ** **أَزَلِيٌّ** **أَبَدِيٌّ**

یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اور سب کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔ یہی لوح محفوظ میں تفصیل ہے۔ یہی یہ قرآن شری اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو حیات کی جا چکی ہیں اور توحید و توحید میں ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں جا چکی ہیں اور اس کتاب میں لکھی جا چکی ہیں جس میں روایتیں نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ابدی و دائمی ہے۔

اس آیت میں سارے تفسیر سے ثابت ہو کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح محفوظ کی تفصیل ہے اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ **وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ** اور قرآن حضور علیہ السلام کے

علم میں ہے۔ **الْحَرَامُ عِلْمُ الْقُرْآنِ** ہذا سراسر لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کہ لکھا کہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

(۱) **مَا كَانَ حَدِيثًا تُفَسِّرُ وَلَكِنْ تَصَدِّقُ** اُنّی **بِیَدِهِ** و **تَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ** (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ بیت ۲۱)

(تفسیر حارثی یہی آیت) یعنی فی ہذا القرآن المنزل علیک یا محمدؐ تفصیلُ کُلِّ تحتُحُ الیہ من الحلال والحرام والحدود والا حکم والقصاص والمو عظ والا مثال وغیر ذلک مما یتحتُح الیہ العبد فی امر دینیہم وذیہامہ تفسیر حسی میں ہے وتفصیلُ کُلِّ شئی ما من شئی فی العلم الا ہو فی کتاب اللہ تعالیٰ "یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہر چیز کا کھانا یا شہد اور دین و دنیا۔"

(۱۲) لَوْحَمٌ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (پارہ ۲ - سورہ ۵۵ آیت ۳ تا ۷)

تفسیر معالم الغرل وشمس یہی آیت حصص الانس ای محمدؐ علیہ السلام عنہ بیان بھی بیان ماکان وما یکنون "یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاسوں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔ یہی اس قرآن میں جو آپؐ پر اتارا گیا۔"

سے محمدؐ ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی آپؐ کو ضرورت ہو حلال اور حرام سرائیں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ اور وہ چیزیں جن کی بدوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔ یہی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا میں ضرورت ہو۔ (کتاب الاماکن بن سرائہ میں ہے) عام میں کوئی چیز کسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھا دیا انسانیت کی جان محمدؐ کو پیدا کیا ماکان وما یکنون کا بیان اس کو سکھا دیا۔ اللہ نے اس میں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری گل بجلی باتوں کا بیان سکھا دیا۔

تفسیر حارثی یہی آیت۔ فیل اراد بالانسان محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم عنہ بیان بھی بیان ماکان وما یکنون لانه علیہ السلام نبی، عن خبر الا ولس والا حبرین وعن یوم الذین

"کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے بچھے مور کا بیٹا سکھا دیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کو انگوٹوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن خبر دے دی گئی۔"

(روح بیان یہی آیت) وعلمہ بید علیہ السلام انعمان واسرار الالوہیۃ کما قال وعلمک ماہم تکرر نعم

"یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بید سکھا دیے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ انسان سے مراد شخص انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور علیہ السلام۔"

(معالم الغرل یہی آیت) وقیل لانسان ہذا فمحمدؐ علیہ السلام وبانہ علمک ماہم تکرر نعم

"کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھا دیں جو نہ جانتے تھے۔"

تفسیر حسی یہی آیت یاد وجود محمدؐ ہوا موزا اید سے یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو اور سکھا دیا ان کو جو جو چکا ہے یا ہوگا۔ اس آیتوں اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا محمدؐ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا۔

(۱۳) ما انت بعمۃ ربک محمود (تفسیر روح البیان یہی آیت) ی لیس مستور عما کان فی الارل و ما سیکون الی الابد لان الحق هو المستور بل انت عالمہ بما کان وحبرہ بما سیکون

"تم اپنے رب کے فضل سے بچو نہیں۔ یعنی آپؐ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو زل میں جس درود جو بدت ہوگی۔ کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپنا ہلکا آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور جہر رہیں اس سے جو ہوگا۔"

اس آیت و تفسیر سے ظہر قیام ثابت ہوا۔

(۱۴) ولس سالتہم لیقولن لما نکث بخوض وسعت (پارہ ۲ - سورہ ۵۵ آیت ۲۵)

"اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم بے ایمانی نہیں تھے۔"

(تفسیر در مشور طبری یہی آیت) عن مجاہد انہ قال فی قولہ تعالیٰ ولس سالتہم الخ قال رخل من المصافقین یحذہ ثنا محمدؐ ن ما فہ قلاب بود کدا و کدا وما یندر یہ بالعب

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اس آیت کے نزول کے بارے میں ولس سالتہم کا ایک متفق نے کہا تھا کہ محمدؐ نے فرمایا ہے کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے اس کو قیام کی کیا خبر۔



اس حجت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا نکار کرنا منافقین کا کام تھا۔ جس کو قرآن نے کفر قرار دیا۔

۱۵) فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ عِيهِ أَحَدًا مِنْ الرِّجَالِ مِنْ دُونِ رَسُولِهِ وَلَا الْمَرْءِ مِنْ أُمَّةٍ وَلَا رَجُلًا مِنْهُمْ إِذَا تُبَيِّنَ لَهُ مِنْ رِيسَالِ اللَّهِ شَيْئًا لَقَدْ يُلَاقِيهِ إِخْلَافٌ وَلَوْلَا رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ لَتَصَوَّرُوا لَكَ الْأُمَمَ نَضْغَتًا وَاحِدَةً ۚ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَلَا تَقْسَمُوا عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْ دُونِهِ ۚ إِنَّكُمْ أَعْيُنُكُمْ لَأَرَأَيْتُمْ أَفَرَأَيْتُمْ لَكُمْ فِيهِ لَقَدَرٌ مِثْلُ بِرِّ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورہ ۲۹ آیت ۲۶)

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو اس سے مطلع فرمادیجے ہوں۔

(سورۃ النزل یہی آیت) عَمَّی الْغَيْبُ وَخَبِرَ السَّمَاءُ وَمَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْاَحْبَارِ وَالْقَصَصِ بِصَسِيحٍ يَّ بِحَسْبِ يَفْقُوْلُ اِنَّهٗ يَاتِيهِ عِنَّمَا الْغَيْبُ فَلَا يَحِلُّ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ نَعْلَمُكُمْ وَنُحَرِّكُمْ وَلَا يَكْتُمُهُ كَمَا يَكْتُمُ الْكَاهِنُ (حازن یہی آیت) يَقُوْلُ اِنَّهٗ عَلَيْهِ لَسَلَامٌ يَاتِيهِ عِنَّمَا لَغَيْبُ فَلَا يَحِلُّ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ نَعْلَمُكُمْ

حضور علیہ السلام غیب پر در آسانی خبروں پر اور ان خبروں و قصوں پر بخبر نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے جس سے وہ اس میں تم پر بخبر نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔ و تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کامیں چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپاتے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں کئی نہیں فرماتے۔ بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔

اس آیت و عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں۔ اور سکھانے کا وہی جو جو د جانتا ہے۔

(۱۸) وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلَمًا "اور ان کو ہم لدنی علم کیا۔ یعنی حضرت خضرؑ۔"

(تفسیر ابن عربی یہی آیت) اِیْ مَثًا يَحْتَضُّ بِهَا لَا يَعْلَمُ اِلَّا سِرَّ قِيَمًا وَهُوَ عِنْدَ الْغَيْبِ

"حضرت خضرؑ کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے۔"

تفسیر ابن عربی میں سید محمد اللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا كَانَ رَحْلًا يَعْنِي عِلْمَ الْغَيْبِ فَدَعَلَهُ دَعَاكَ

"حضرت خضرؑ سے فرمایا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے وہ خضرؑ کو علم غیب پانچنے سے کہ انہوں نے جان لیا۔"

(روح بیان یہی آیت) هُوَ عِنْدَهُ الْغُيُوبُ وَالْاَحْبَارُ عِنْدَهُ مَا دَنَاهُ يَعْلَمُ كَمَا دَهَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ

"حضرت خضرؑ کو جو لدنی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے حقائق خبر دیتا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھے ہیں۔"

(تفسیر رک یہی آیت) يَعْنِي الْاَخْبَارَ بِالْغُيُوبِ وَقِيلَ الْعِلْمُ الدُّنْيَا مَا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِيقِ الْاِلَهَامِ

"یعنی حضرت خضرؑ کو غیب کی خبریں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔"

(تفسیر خازن یہی آیت) اِیْ عِلْمِ الْبَاطِنِ الْهَدْمَا "یعنی حضرت خضرؑ کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا۔"

اس آیت و تفسیر میں باتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضرؑ کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا جس سے لازم آتا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق اسی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضرؑ علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

(۱۹) وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلٰكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پارہ ۲ سورہ ۲۱ آیت ۱۷)

"اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔"

(تفسیر خازن یہی آیت) اَلْقِيْمَ عَلٰی صَحْرَةٍ وَكُشِفَ لَهُ عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتّٰی رَاٰ الْعَرْشَ وَالْكُرْسٰی وَمَا هِيَ

السَّمٰوٰتِ وَكُشِفَ لَهُ عَنِ الْاَرْضِ حَتّٰی نَظَرَ اِلَى اَرْضِ حَمِيْنٍ وَرَاٰ مَا فِيْهَا مِنْ اَعْجَابٍ

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صحرا پر کھڑا کیا گیا اور ان سے آسمان کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کیلئے رسی کھول دی گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمین کی چکی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔"

(تفسیر رک یہی آیت) قَالَ مُجَاهِدٌ فَرَحَ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فَظَرَ اِلٰی مَا فِيْهِنَّ حَتّٰی اَنْتَهٰی بَظَرُهُ اِلٰی

الْعَرْشِ وَفَرِحَتْ لَهُ الْاَرْضُ وَنَظَرَ اِلٰی مَا فِيْهِنَّ

"روح البیان یہی آیت" عجائب و بدائع آسمان و زمین بار در وہ عرش و تخت الہی بر وے منکشف ساختہ۔ مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچ گئی اور ان کے لئے سات زمینیں کھولی گئیں کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔ ابراہیم کو آسمان و زمین کی عجائبات و غرائب دکھائے اور عرش کی

بلندی سے تخت الہی تک کھول دیا۔

تفسیر میں جو باتیں حاکم میں اسی آیت کے تحت ہے۔

أَمْ جَلَّ لَهُ الْأَمْرُ سُبُّهُ وَعِلَانِيَتُهُ فَلِمَ يُحَفِّ عَمِيهِ شَيْءٌ مِّنْ أَعْمَالٍ لِّحُلَاقِقٍ  
 "حضرت، یہ ہم پر کھلی پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں ہیں ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپتا رہا۔"

(تفسیر کبیریہ آیت) اِنَّ اللّٰهَ شَاقُّ لِهَ السَّمٰوٰتِ حَتّٰی رَاٰی الْعَرْشَ وَالْكَرْسٰی وَالْمٰی حَيْثُ يَسْتَهٰی اِلَيْهِ فَوَهِیَ  
 الْعَالَمِ الْجَسْمَانِی وَرَاٰی مَا فِی السَّمٰوٰتِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْبِدَایِ وَرَاٰی مَا فِی بَطْنِ الْاَرْضِ مِنَ  
 الْعَجَائِبِ وَالْعَرَائِبِ

"لقد تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کیسے آسمانوں کو چر دیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہاں تک جسمانی علم کی قوت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے پیٹ میں ہیں۔"

اس آیت اور ان تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اعرش و عرش تحت اثر نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو تجربی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو بتانا چاہئے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ معلوم عطا ہوئے۔  
 خیال رہے کہ عرش کے علم میں روح محفوظ بھی تھی اور روح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے۔ لہذا ماکان و ماکون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہو اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۲۰) یٰسَیِّدُ السَّلَامِ نَے فرمایا کہ لَا بِأَنَّكُمْ طَعَامُ نُورٍ فَإِنَّهُ الْإِسْلَامُ بتاویلہ اس کی تفسیر روئے الہیان و کبیرہ احازن میں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھائے کے گوشت و دستکدہ کے سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ کھانا کھاسے یا داراب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر لے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہی بتا سکتا ہے جو ہر وہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔

دَنَّكُمْ مِمَّا عُمِّي رَنِي (پارہ ۲ سورہ ۱۲ آیت ۳) یہ علم تو میرے معلوم کا بعض حصہ ہے۔

اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم برحق تو علم مصطفیٰ کے سندر کا قطرہ ہے اور یہی عیا السلام نے فرمایا۔

وَبَشِّرْهُمْ بِمَآئِدَاتِنَا كُنُوزٍ وَمِمَّا تَحْزَنُونَ فَمِنْ نَبِيِّنَا (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۴۹)

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم چاہتے ہو میں کھاتے اور اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔"

دیکھو کہ ناگھر میں کھایا اور کھا گیا۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود نہیں تھے اور انکی خبر تپ ہا ہر دے رہے ہیں یہ علم غیب۔

(۲۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْنُبُوْا عَنۡ اَشْيَآءٍ اَنْ يَّبَدَّلَڪُمۡ تَسْنُوْكُمْ (پارہ ۵ سورہ ۵ آیت ۱۰۱)

"اے ایمان والو! اس بات میں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہری چاروں تو تمہیں ناگوار ہوں۔"

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی عس ابن عباس قال کان قوماً يساءون رسول الله صلى الله عليه وسلم اسهراء فيقولون لربنا من ابي ويقولون الرحد بيننا فتنى فانزل الله فيهم هذه الآية  
 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْنَا۟ لَوَاعِنَ اَشْيَآءٍ

تفسیرہ مخالفین سے اس دلائل کے جواب کچھ نہیں بتنے صرف یہ کہ یہ ہیں کہ جس آیت میں کُلُّ شَيْءٍ کا ذکر ہوا ہے فرمایا گیا عالم تکس  
 تعلم ان میں مراد شریعت کے حکام ہیں نہ کہ اور چیزیں اس کے لئے چند دلائل لاتے ہیں۔

(۱) کُلُّ شَيْءٍ غیر متناہی (بے انتہا) ہیں اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدے سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسلے۔

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی کُلُّ شَيْءٍ کے معنی لے ہیں میں امور الذہنیہ یعنی دین کے حکام جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ کُلُّ شَيْءٍ فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے وَأَوْنَيْتَ مِّنْ كُلِّ شَيْءٍ بَلِّغْهُنَّ كَوْنُ شَيْءٍ دی گئی۔ ہاں کہہ بقیوں کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں۔

مگر یہ دلائل نہیں صرف منطق ہی ہے اور محسوس ان کے جوابات یہ ہیں۔

عربی زبان میں کھر کھر اور کھر نامعلوم کے لئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کھر قطعی ہے اس میں کوئی قید نہ لگنا محض بے قیاس سے جائز نہیں۔

قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث احادیث سے بھی خاص نہیں بنا سکتے۔ چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔







(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

خُفِّفَ عَنِ دَاوُدَ الْقُرْآنَ فَكَانَ يَأْمُرُ دَوَاتَهُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قِيلَ وَ نُسْرَحُ

"حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (ریور) کو اس قدر بلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین گانے کا حکم دیتے تھے تو آپ اس کی زین سے پیسے ریور پڑھ لیتے تھے۔"

یہ حدیث اس جگہ اس لئے بیان کی گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں ازاول تا آخر واقعات بیان فرما دیئے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد ان کی آن میں ساری زیور شریف پڑھ لیتے تھے۔

(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

ثَلَاثٌ فَاطِمَةُ اِنْ شَاءَ اللهُ عَلَامَةٌ لِّكُنُوْنَ فِي حَجْرِكَ

"حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ ہر اس کے فرزند پیدا ہوگا۔ جو تہاری پرورش میں رہے گا۔"

(۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

عَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرِ بْنِ يَعْدُبَانَ فَقَالَ لَهُمَا يَعْدُبَانِ وَمَا يَعْدُبَانِ هِيَ كَبِيرٌ اَمَّا احَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَبْرِءُ مِنَ الْمَوْتِ وَاَمَّا لَا حَزْزَ فَكَانَ يَمْنُنُ بِالْمَيْمَةِ ثُمَّ احَدٌ حَرِيْدَةٌ طَبَّةٌ فَشَقَّهَا بِصُفْهِينَ ثُمَّ عَرَفَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً وَفَاِنْ لَعَلَّهُ اِنْ يَحْقُقُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبْسُ

"حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ اس دونوں محضوں کو عذاب دیا جا رہا ہے در کسی دشوار بات میں طلب نہیں ہو رہا ہے میں سے ایک تو چوبیساب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا جھلی نہا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ کو لے کر اسکو آدھا آدھا چیر پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے اس دونوں محضوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔"

(۱۳) بخاری کتاب المصنوع والکتاب والسنن اور تفسیر خازن میں روایت لا تَسْتَلُوا عَنْ اَشْيَاءِ اِنْ تَبَدَّلَكُمْ

فَدِمَ عَلٰی الْمَسْرُودِ لِمَسَاعِدَةِ وَدَكَرَ اَنْ يَسْ مَدِيْهَا اَمْوَرًا عِطَاءً ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ احَبَّ اَنْ يُسْتَنَالَ عَنْ شَيْءٍ فَلَيْسَتْ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ لَا تَسْتَنْوِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا احْبَرْتُكُمْ مَا ذُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هَذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ بِنَ مُدَحِلِيْ قَالِ اِنَّا زِلْنَا فَعَدَّ اللهُ بِنَ حُدُودَ فَنَاقَ مِنْ اِيْسَى قَالِ اَبُوْكَ خَدَفَةُ ثُمَّ كَثُرَ اِنْ

كُلُوْا سَلُوْا سَلُوْا

"حضور علیہ السلام خبر پر کھڑے ہوئے کسی قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ ہی خبریں ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا اہل خانہ کہاں ہے؟ فرمایا ہم میں محدث ہند فتنے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حد افہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔"

خیال رہے کہ جنسی یا جنتی ہونا علوم غیبیہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا ہے یہ اس بات ہے کہ جس کا علم سوائے اس کی اس کے در کسی کو نہیں ہو سکتا قربان ان لوگوں کے جو کائنات حیرت جالے، دیا و آخرت سب کو سمجھتی ہیں۔

(۱۴) باب مناقب اہل بیت میں ہے۔

قَالَ يَوْمَ حَبِيرٍ لَا عَظِيْنُ هَذِهِ الزُّبَّةُ عَذَارًا خَلَا يَفْتَحُ اللهُ عَلٰی يَدَيْهِ بَحْثُ اللهِ وَرَسُولُهُ

"حضور علیہ السلام نے حَبِیر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جہنم اس کو دیں گے جسکے ہاتھ پر اللہ تجیر فتح فرمایا اور وہ اللہ و اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔"

(۱۵) مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت میں ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عَفْرِ حَسْبُ عَمَلِيْ اَعْمَالِيْ اَفْتَنِيْ حَسْبُهَا وَصِيْنَهَا فَوَ حَدَّثَ فِيْ مَحَاسِنِ عَمَالِهَا اِلَا دِيْ يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ

"ہم ہمارے عمل کی انتہا کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی ہم نے سکھ دیے ہیں اچال میں وہ تکلیف دہ بھی بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے۔"

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَصْرُغُ قَلْبٍ يَصْغُ بِهِ عَلَى الرَّحْمَةِ هَهُنَا قَالُوا فَمَا هَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْصِعٍ يَدْرُسُونَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص نے گمے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے وہی نے فرمایا کہ کوئی بھی مشغول میں سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ڈر بھی نہ تھا۔"

خیال رہے کہ کس جگہ رہے گا۔ یہ عوم غمہ میں سے ہے۔ جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ بدر میں ایک روز پہلے دے رہے ہیں۔  
(۱۷) مشکوٰۃ باب الحجرات میں حضرت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَخِلْ تَاللهِ اِنْ رَنِيتُ كَالْيَوْمِ دَبَّ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الدَّبُّ اَعْجَبَ مِنْ هَذَا رَخِلْ فِي الْحَلَاتِ بَيْنَ الْحَرَتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضَى وَهَ هُوَ كَانَتْ بَعْدَكُمْ

"فکاری آئی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیر داتیں کر رہا ہے تو بھینریا ہوا کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک صاحب (صور) دوسرے لوگوں کو رہائی دلائے (مدینہ) میں ہیں اور ترکہ کو گشتہ اور سگندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔"

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۳ ترجمہ ماکان اللہ لیدر المؤمنین علی ما ائتمہ علیہ ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَرِصَتُ عَلِيٍّ أَقْنَى فِي ضَوْرِهَا فِي الطَّبِيسِ كَمَا غَرِصَتُ عَلِيٍّ أَدَمُ وَأَعْمَسْتُ مِنْ يَوْمَنْ وَمَنْ يَكْفُرُ بِي فَبَلَعْ ذَلِكَ الصَّافِي قَالُوا "اسْهَرَاءُ رَعِمَ مُحَمَّدًا يَعْزَمُ مِنْ يَوْمَنْ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرُ مَضَى لَهُ يَحْلِقُ بَعْدَ وَحْنٍ مَعَهُ وَمَا يَعْرِفُ فَبَلَعْ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَى الْمَسْرِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَنَسِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مَالُ اقْوَامٍ طَعَمُوا فِي عَمِي لَا تَسْتَلُوْنِي عَنْ شَيْئٍ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ إِلَّا بَيَانَكُمْ بِهِ

"حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت عیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں صخر کے حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتا دیا گیا کون ہم پر ایمان لایا اور کون کفر کیا۔ یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ جس کر کہنے لگا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر دوسوں کی خبر ہوگئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں درہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کی پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے در خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طے کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔"

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طے کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک کہ وہ کھات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب النقص باب معارف فضل اہل میں مسلم سے روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

أَنَّى لَا عَرَفَ أَسْمَاءُ هُمْ وَأَسْمَاءُ آبَاءُ هُمْ وَالْوَالِ حَبْلُ لِهَيْمَ حَبِيزُ فَوَارِسُ أَوْ مِّنْ حَبِيزِ فَوَارِسَ عَلِيٍّ

ظہر الآز حین

"ہم ان کے (دیباں سے جاوہی تیار کی کہ انوں) نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ دے زمین پر بھترین سوار ہیں۔"

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض تارے اب تک ظاہر نہ کوسا منشی آیت سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی ہماری یکا یک نشی وہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدمہ بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر قصار آبی قدر پر کفایت کی گئی اس احادیث سے اسے معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور ﷺ

کے سامنے اس طرح ہے جیسے پتی کف دست۔ خیال رہے کہ عام کہتے ہیں ماسواۃ اللہ کو تو عالم اجسام، عام ارواح، عام امر، عالم مکان، عام مادہ، عرش و فرش، غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے۔ جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے دیکھنے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تریک راتوں میں تجلی کے اندر جو کام کئے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے پوشیدہ نہیں کہ عبد اللہ کے والدہ خدیجہ کو بتا دیں۔ چوتھے یہ معلوم ہو کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن، غور کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر تجلی میں غرضیکہ روزہ روزہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔

## تیسری فصل

شارحین احادیث کے اقوال میں بار بار وہ علم غیب

(۱) یعنی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد ساری شرح بخاری۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے تحت ہے۔

فیه دلالة علی انه احب فی المجلس الواحد لجميع احوال المخلوقات من ابتداء الہام الی منتہاها  
اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی رابندہ تادیکھا خبر دے دی۔  
(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح مظاہر علی قاری و زرقانی شرح مواہب۔ نیم الریاض شرف شفا میں حدیث نمبر ۴ میں ہے۔

وحاصلہ انه طوی لہ الارض وجعلها محمودة کھیمہ کف، فیه مرء ۛ یبظر الی جمعہا و طواھا  
بتفریب بعیدھا الی قریبھا حتی اطمعت علی ما فیھا

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کہتے رہیں سمیت دی گئی اور اس کو ایسا مجمع فرمادیا گیا جیسے ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اس پر رہے۔ آئینے کو دیکھتا ہے اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور کی کو قریب کر دیا اسکے قریب کی طرف۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ اس تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۵ کے تحت ہے۔

فعمدت بسبب و ضول ذلك العیص ما فی السموت و الارض یعنی ما عنده الله مما فیہما من  
المنسکة و لا شجار و غیرھا و هو عبارة عن سعة عنده الہی فتح الله و قال ابن حجر ای جمیع  
الکائنات الّتی فی السموت بل و ما فوقھا کما یستأذ من فضا المعراج و الارض ہی بمعنی  
الحس و جمیع ما فی الارض من الشیع بل و ما تحتھا کما افادہ اخبار و علیہ السلام عن الثور  
و الخوت الّذی علیہما الارضون

”اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو“ سموات اور زمین میں ہیں یعنی“ سمات و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ سے تائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ تمام مخلوقات جو سمواتوں (بلکہ جواس کے اوپر ہے) جیسا کہ حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے اور زمین میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو سمواتوں میں بلکہ جواس سے نیچے ہیں جیسا کہ ن حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور بھینس کی خبر دی جن پر دشمنیں قائم ہیں۔“

الحدیث المعتمدات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث ۵ کے تحت ہے۔

”عبارت است از خصوص تمام علوم بزرگی و کلی و احاطہ آن“ یہ حدیث تمام جزئی و کلی مخلوق کے حاصل ہونے اور انکے احاطہ کا بیان ہے۔

(۷) الحدیث المعتمدات میں حدیث نمبر ۷ کے تحت بیان فرمایا۔

”میں نے ہر شے کو ہر چیز اور علوم و دانش تمام ہر“ ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے تحت فرماتے ہیں۔

ای اظہر و کشف لی الذبیا بحیث احطت بجميع ما فیھا و ما یظُر لیھا والی ما هو کائن فیھا الی  
یوم القیمة کائما انظر الی کفھی هذه اشارة الی انه یظُر حقیقة دفع به انه ارید بالظن العلم

”یعنی ہمارے سامنے دینی ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم نے انکی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دینی کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا



ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حقیقہً ملاحظہ فرمایا یہ احتمال رفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔“  
(۸) امام احمد قسطلانی موجب شریف میں یہ حدیث نمبر ۸۹ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَطْلَعَهُ أَرِيدَ مِنْ ذَلِكَ وَالْقَى عَلَيْهِ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ  
”اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ پر مطلع فرمایا وہاں جو سارے عالم کے پچھلے حضرات کا علم دیا۔“  
ملاحی قاری مرقاۃ میں حدیث نمبر ۷۷ کے تحت فرماتے ہیں۔

يُحْبِرُكُمْ بِمَا عَصَىٰ آدَمُ فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْجِنَّةِ الْأُولَىٰ وَمَا هُوَ كَائِنْ بِعَذَابِ آدَمَ مِنَ الْجَنَّةِ الْأُولَىٰ  
فِي الدُّنْيَا وَمِنْ حَوَالِ الْأَحْمِشِ فِي الْفَقْهِ  
”تم کو حضور علیہ السلام، گلوں کی گدڑی ہوئی خبریں دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے سارے حالات۔“  
(۹) مرقاۃ میں حدیث نمبر ۹ کے تحت فرماتے ہیں۔

فِيهِ مَعْ كَوْنُهُ مِنَ الْمُنْعَجَرِ لَا تَدْرِي نِعْمَتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُحِيطٌ بِالْمَكِيبِ وَالْخُرَابِ مِنَ الْمَكَانَاتِ وَغَيْرِهَا  
اس حدیث میں منجبر ہو گئے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی دراست ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم بھی اور بڑی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔  
محدثین کے ان رسومات سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو در اس میں ازس تا بد ہونے والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔  
جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ سے کرکس کو دیکھتا ہے اس عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہو کہ تمام اولین و آخرین یعنی امیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ کا عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت فخر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں عاتین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور ان کا علم تو سارے ممالک و ممالک کو محیط ہے۔ تو حضور کے علم کا کیا پیمانہ۔ اس وسعت علم میں علوم قسم بھی نہ گئے۔

## چوتھی فصل

علمائے امت کے اقوال کہ بیان میں دربارہ علم غیب

در اربعۃ منہ کے قصید میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (پارہ ۲ سورہ ۵۷ آیت ۳)  
”وہی اول ہے وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن پوشیدہ و در ہر چیز کو جانتا ہے۔“

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعمت مصطفیٰ علیہ السلام بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ”وہی علی اللہ صمد و سلم و ناماست بہرہ چیز اور شہادت و احکام بھی و احکام و صفات حق و اسرار و افعال و آثار و کمال و عموم ظاہر و باطن و اول و آخر و حاطہ مودہ و صداق فوق کُلِّ دَیْ عِلْمِ عَلِيمِ شَدِّ“ حضور علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدائے پاک کی شائمی اس کے احکام حق تعالیٰ کے صفات و افعال اور سارے ظاہری باطنی و آخر کے علوم احاطہ فرمایا ہے۔

اسی درجہ اول باب علم در ذکر افعال آنحضرت صلی علیہ وسلم میں ہے۔ ”از زمان آدم تا کجی ادنیٰ بر دے علیہ السلام مختلف ساختہ تاہم خواں او در اول و آخر معلوم گردد و یا در ان خود رائے بعضی احوال خبر داد۔“

حضرت آدم سے صور پھونکنے تک تمام حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمایا تا کہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آچکے معلوم ہو جائیں اور حضور ﷺ نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔  
علامہ ذرقانی شرح حواسیلہ میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَاتَّصَفَتْ مَعَالِيهَا عَنِ الْإِطْلَاعِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْغَيْبِ وَلَا يَفِي الْإِيْتِ  
الدَّائِلَةُ عَلَىٰ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ لِأَنَّ الْمَصْنُوعَ عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسْطَةِ أَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ  
بِأَعْلَامِ اللَّهِ فَصَحِّقْ بِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ الْأَمِنْ أَرْتَصِي مِنْ رُؤُوسٍ

احادیث اس پر متواتر ہیں اور کئی معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس دلائل کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ ہم بغیر واسطہ ہے (دانی) لیکن حضور کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ

ثابت ہے، عرب کے اس قول سے کہ سوائے پیغمبر و رسول کے۔

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (خود از پوئی شرح قصیدہ)۔

حَضُّهُ تَعَالَى بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْإِطْلَاحِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ سَبِيحِهَا وَالدِّينِ وَمَصَالِحِ أَمْتِهِ وَكَانَ  
فِي الْأُمَمِ وَمَا سَبَّكَوْنَ فِي أَمْتِهِ مِنَ الْفَقِيرِ وَالْفَقِيرِ وَعَنِ جَمِيعِ قُلُوبِ الْمَعَارِفِ كَأَحْوَالِ الْقَبْرِ وَالْغَرَابِ  
وَالْمَوْتِ وَالْمَعَادَةِ وَالْحِسَابِ

”اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصنفوں پر مطلع فرمایا کہ اور اپنی امت کے مصلحت اور گزشتہ امتوں کے واقعات و رہنمائی  
نفس کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمادیا۔ اور توحی معرفت کے فنون پر مطلع فرمادیا جیسے دل کے حالات و نقل و ہجرات اور علم حساب۔“

فَلَمْ يَكُنْ مِنْ خُذْكَ الدُّنْيَا وَحُسْرَانَهَا وَمِنْ غُلُومِكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْقِيمَةِ

”دنیا آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے۔“

شرح قصیدہ بروہ معتمد علیہ مدارائیم بجزوری میں اس شعر کے تحت ہے۔

فَإِنْ قِيلَ دَاكُنْ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْقِيمَةُ بَعْضُ غُلُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَا لِبَعْضٍ لَا حُرَّ أَحَبُّ بَانَ الْبَعْضِ الْآخِرِ

هُوَ مَا حَبَّرَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْوَالِ الْآخِرَةِ لَأَنَّ الْقِيمَةَ نَسَبُ كُنْتُ فِي السَّلَامِ مَا هُوَ كَسَلِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ

”گر کہا جاوے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہو تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں جواب دیا جاوے گا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا  
علم ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہی لکھا ہے جو قیامت تک ہوئے والا ہے۔“

ملا علی قاری علیہ السلام شرح قصیدہ بروہ میں اس شعر کے تحت فرماتے ہیں۔

وَكُنْ غُلُومُهُمَا مِنْ غُلُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ عِلْمَهُ تَنَوُّعُ إِلَى الْكُتُبِ وَتَجَرُّبَاتِ وَحَقَائِقِ وَمَعَارِفِ

وَعَوْرَاتِ تَتَعَلَّقُ بِذَاتِ وَالْضَمَنَاتِ وَعَسْمُهُمَا يَكُونُ بَهْرَ أَمْسٍ يَحُورُ عِلْمُهُ وَحَرْفًا مِنْ سَطُورِ عِلْمِهِ

”دروغ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم خفیم ہیں تجربات اور حقائق اور معارف و رن

معرفوں کی طرف جس کا تعلق ذات و صفات سے ہے لہذا لوح و قلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی

سطروں کا ایک حرف۔“

ان جہاتوں سے فیصلہ فرمادیا کہ وہ لوح و قلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ

وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ”کوئی خشک و تر چیز کی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔“

اس کے علوم علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ ماسک و مایکون کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر  
کا ایک نقطہ ہے۔

امام بصری صاحب قصیدہ بروہ اپنے دوسرے قصیدہ ”الغفر“ میں فرماتے ہیں۔

وَمَسَّحَ لِعَالَمِيْنَ عِلْمًا وَ حَلَفَ فَهُوَ بِحَوْزِهِ تَعَالَى الْأَعْيَاءِ

”حضور علیہ السلام نے اپنے علم و خلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے والے نہ گھیر سکے۔“

شیخ سیماں جمل اس شعر کی شرح میں اقوال احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

أَيُّ وَسْعٍ عِلْمُهُ غُلُومَ الْعَالَمِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَطْعَمَهُ عَلَى الْعَالَمِ كُلِّهِ فَعَلِمَ

عِلْمُ الْإِنْسِ وَالْأَحْيَاءِ وَالْأَحْيَاءِ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَحَسْبُكَ عِلْمُهُ الْقُرْآنُ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَا

فَرَّقْنَا لِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

”یعنی آپ کا علم تمام جہاتوں یعنی جن انسان و فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے

پچیسوں کا علم سکھایا اور ماکان و مایکون بتایا اور حضور علیہ السلام کے علم کے لئے علم قرآنی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز

افشا نہ رکھی۔“

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القدی میں فرماتے ہیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى اَطْلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ فَعَمَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُونُ

”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہان پر حیر واد فرمایا پس آپ نے اولین و آخرین کو درجہ کچھ ہو چکا اور حجہ کچھ ہو گا اس کو جان لیا“  
ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو ہو گیا۔ جہان والوں میں حضرت آدم و ہانکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب تو یومیہ ہی مانتے ہیں۔  
امام یحییٰ قسیدہ مجددہ میں فرماتے ہیں۔

وَكُنْهُمْ مِنْ رُسُلِ اللَّهِ مُلْتَمِسٌ عُرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اِذْ شَفَا مِنَ الذَّيْمِ

”تمام رسوں حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں سمندر سے ایک چلو یا تیز پارش سے چھین۔“  
علامہ فرماتی شرح قصیدہ مجددہ میں اس شعر کے تحت فرماتے ہیں۔

”جميع الانبياء كل واحد منهم طلبوا وحده نعمه من عنده عليه السلام لئلا يلقى كالحبر في سعة لكرم من كرمه عليه السلام الذي هو كانه يه لانه عليه السلام مفيض وهم مسعفون لانه تعامى خلق ابتداء روجه عليه السلام ووضع علوم الانبياء وعلوم ما كان وما يكون لهم خلفهم فاعندوا غلومهم منه عليه السلام“  
”ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور نبی جو مسحت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور ﷺ کے اس کرم سے حاصل کیا جو تیز پارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام مفيض دینے والے ہیں اور وہ نبی مفيض دینے والے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ﷺ کو حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ماں کاں وہ انکس کے علم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس اس سب نے اپنے علوم حضور ﷺ سے لئے۔“  
حافظ سلیمان امیر پز شریف ص ۲۵۸ میں فرماتے ہیں۔

يَعْلَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرْشِ لَمِ الْعَرْشِ وَبَطْنُ عَمِيٍّ جَمِيعَ مَا فِيهَا وَهَذَا الْعُلُومُ بِالسَّبَبِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَالْفَيْ هِيَ الْقُرْآنُ الْعَرَبِيَّ  
حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے علوم حضور علیہ السلام کی بہت سے ایسے ہیں جیسے اللہ ۶۶ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم ہیں۔

امام سلطان مواب میں فرماتے ہیں۔

السُّبُوءَةُ مَا حُوِّدَتْ مِنَ السَّامِعِ الْحَبِيرِ اِى اَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ

”بہت بڑے شق ہے جس کے معنی ہیں خبر یعنی تدنہ ان کو غیب پر خبردار فرمایا۔“

سواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ القسم الثانی فیما احبر به عليه السلام من الغيوب میں ہے۔

لَا شَكَّ اَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ اَطْلَعَهُ عَلَى اَرِيدَ مِنْ دَسِكِ وَالْفَيْ عَلَيْهِ عَمَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ

”اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر، گویا پچھوں کا علم پیش کر دیا۔“

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اول مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں۔

ہر علم کہ مخصوص۔ دوست بھانڈ خاص رسل و اطلاع سے محفوظ۔ نہ راجح التیوۃ جداول میں ہے۔“ اور بعض صحابہ اہل فضل شفیہ شدہ کہ بعضے (عرفا کتا ہے نوشتہ احزابت کردہ نہ کہ آں حضرت را تمام علوم لمی معلوم ساخت بودند و این سخن بظاہر مخالف سید رہے از و راست تا قائل آنچہ قصد باشد۔

جو علم رب تعالیٰ کیساتھ خاص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ بعض علمائے صاحبین میں سے سنا گیا ہے کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم اہمہ معلوم کر دیئے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے راہل کے خلاف ہے نہ معلوم کہ قائل نے اس سے کیا مراد لی ہے۔

یہ عبارت اس لئے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطا کی کا جانا۔ مگر شیخ عبدالحق نے اس کو مشرک نہ مانا۔ بلکہ عارف کہا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علم غیب مانا مشرک نہیں۔ میرزا محمد رسالہ کے خطبہ میں ہے۔ کماں صوابی التصدیقات بطبیائعہ متو حثہ الی حصر بہ الا قدس و حقائق التصورات بانفسہا مائسۃ الی حباب المفض من قرو حہ المعلى مر کر المعقولات تصور اتہا و تصدیقاتہا و نفسہ الغلیا

مسیح العقائیات نظر ثانیات و فطریاً تھا اس کی شرح لواء الہدی مصنف غلام خٹکی میں اس عبارت کے ماتحت ہے **ہدایتہ علیہ السلام** جامع بیس جمیع احقاء العلوم سبحان اللہ اس عبارت نے پروے اٹھا دیے منطقیوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رکڑ دی۔

مولانا عمر العلوم عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حواشی میر ہمدرد سالہ میں فرماتے ہیں۔

**عَلَّمَهُ غَنُومًا مَا تحتوي عليه العنم لا عني وما استطاع على احاطتها اللوح الا وهي لم يلد الذهر مثله من لا دل ولم يولد الى الابد فليس له من هي سموت والارض كفوا احد**

"حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم کل بھی مشتمل نہیں اور جس کے پھرے نے پر وہ محفوظ قادر نہیں نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہو کر سے اور نہ اب تک ہو در آسمانوں و زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔"

علامہ شتوتانی صحیح التہلیہ میں فرماتے ہیں۔

**قد ورد ان الله تعالى لم يعرج شي عليه السلام حتى اطعمه عني كل شئ**

"یہ روایت چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو نبی سے نہ لگا لیا یہاں تک کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا۔"

شرح معانی طوسی صفحہ ۷۷ میں ہے۔

**بالجملة العليم بالغيب امر نزل به الله تعالى لا سبيل ليه للعباد لا بعلام منه او لها ف بطريق المعجزة او الكرامة**

"غلام یہ ہے کہ غیب جانتا ایک ہی بات ہے جو خدا سے خاص ہے بعد ازاں تک کوئی راہ نہیں علیہ رب کے بتائے یا ہم فرماتے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر۔"

در مختار شروع کتاب انجلی میں ہے۔

**فمرص الحنح سنة تسع واثنا عشرة عليه السلام بعشر لعدد مع علمه بقاء حياته ليكمل التسبيح**

"حج ۹ھ میں فرمیں ہو اور حضور علیہ السلام نے اس کو سورہ اح تک مؤخر فرمایا کسی تذکر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا۔ تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے۔"

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جانا علوم غیب سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی خبر تھی۔ کہ ۹ھ میں نہ ہوگی۔ اسی سے اس میں حج نہ فرمایا۔ ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں۔

خرپاتی نے شرح قصیدہ پردہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا۔

**وَوَاقِفُونَ لَدَيْهِ عِنْدَ خَلَدِهِمْ وَفِي حَدِيثِ بَرُوي عن معاوية انه كان يكتب بين يديه عليه السلام**

**فصل له اني الذود خرف الله واقم اباء ووزق لسين ولا تعوا الميم مع انه عليه السلام لم يكتب ولم يقرء من كتاب الا ولى**

"حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے لکھا کرتے تھے۔ جس حضور علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ دوام اس طرح رکھو۔ قلم کو بچھا کر اب کو سیدھا کرو۔ سین میں فرق کرو۔ اور ہم کو بخل حاکم کرو۔ باوجودیکہ حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ دیکھا اور نہ انگوٹ کی کتاب پر مسمی۔"

تفسیر روح البیان میں روایت **ولا يحط بمسبك** ہے۔

حضور علیہ السلام غلوں کو جانتے تھے اور انکی خبر بھی دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ انکی پوری تحقیق ہماری کتاب شارب حبیب الرحمن بابات القرآن میں دیکھو۔

مشغولی شریف میں ہے۔

مرمر کن در چشم خاک لولہاء	تاہ بنی ز ابتدا تا انتہا
کاملاں از دور نامت بخود	تاہر تار پودت در رعد
بلکہ غش از نادان تو سالہا	دیرہ ہاشمت محمدی عالم





# چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں

چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان و مکوں کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الہیہ کے وزیر اعظم بلکہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم و درمیں میں نائب رب العین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم میں دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیار۔ اس دنیاوی سلطنت کے حاکم جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی مصلوبات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ گلکش کو سارے ضلع کا علم و اختیارات۔ وائس کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں کہ ان دونوں کے بغیر حکومت کری نہیں سکتا۔ درمسلاتی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات امیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ ای قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہی خلافت الہیہ کے لئے موزوں ہیں پھر ملائکہ سے بعد و کمران کے اختیارات خصوصاً کاشوت تھا کہ ملائکہ بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے بی و عرش و فرش کے لوگ آپ کے آتی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم و زیادہ اختیارات دیئے جاویں۔ کی لئے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند شمس سے چاروں ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا۔ پانی برسا، پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خدا واد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) موسیٰ قاسم صاحب نافوتی نے تقدیرِ ماس میں لکھا ہے کہ اچھا نصف سے علوم ہی میں متاثر ہوتے ہیں۔ رہا اہل۔ اس میں اظہار بھی آتی نی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں ممتی نی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے آتی تو ملائکہ بھی ہیں لیکنوں للعلمین مدبراً تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں نصف سے افضل ہوں گے اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو ماکان و مکوں کا علم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔ (۳) چند سال کامل استاد کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک کروڑوں برس رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے **لفد حاء** کہ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک ستر هزار سال بعد چمکتا تھا۔ اور میں نے اسے بیتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا وہ تار اہم ہی تھے۔ حسب لکاو۔ کتنے کروڑ برس دربار خاص میں حاضری رہی۔

(۴) اگر شکر کے علم میں کچھ کی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شاگرد اہل تھا۔ استاد سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاد کامل نہ تھا کہ مکمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاد یا پھیل تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس زیادہ کوئی اور پورا شاگرد تھا کہ اس کو سکھا نہ پاتا تھا۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ اس چار وجوہ کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں یہاں سکھانے والا پورا درکار سیکھنے والے محبوب بن گیا۔ کیا سکھا یا قرآن وراپنے خاص علوم بتا دیا رب تعالیٰ کامل استاد نہیں۔ یا رسول اللہ علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؟ حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پورا ہے؟ یا قرآن مکمل نہیں؟ جب ن میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل صفا فرماتے والا محبوب علیہ السلام کامل پینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب۔ **الترجمہ عنہم الفقرا** وہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص۔

(۵) رب تعالیٰ سے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لئے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یا دوسروں کے بتانے کے لئے رب تعالیٰ تو مجھوں سے پاک لہذا اس نے دوسروں ہی کے لئے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہذا وہ قرآن حضور کے لئے ہے۔

(۶) نبیوں کی غیب رب تعالیٰ کی وامت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرما دیا گیا۔ **لسنہ نرانی** تم ہم کو نہ دیکھ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں پتی نا ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کی چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کی تم سے کہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود

دیدار الہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الامان باللہ فصل اوّل کے آخر میں ہے۔

كَمْ اَنْ لِّسَىٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُوِيَ فِي الدُّبَا لَا يَفْلَاحُ بِهِ نُوْرًا

”حضور علیہ السلام سے دی جا میں رب کو دکھا۔ کیونکہ خود فور ہو گئے تھے۔“

(۷) شیطان دیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے بادی۔ گویا شیطان دیا کی بیماری ہے۔ درجی علیہ السلام طیب مطلق۔  
رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کر کے لے لئے اتنا وسیع علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے قاصب نہیں۔ پھر سے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس جیلہ سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لئے ہر جگہ سے روکتا ہے۔ ہر بڑائی کراتا ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ **لَا غَوْ بَيْنَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُحْصِينَ** جب گمراہ کرنے والے کو تھا علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دیا کے طیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اس کیسے زیادہ علم والے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے طلائع کو جانیں۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہوگی۔ اور رب تعالیٰ پر اعتراض پڑے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور بادی کو کمزور رکھا۔ لہذا اگر اسی کو کامل رہی اور ہدایت ناقص۔

(۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا **يَا أَيُّهَا نَبِيُّ**۔ اور نبی کے معنی ہیں۔ خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو مولوی ہی ہے اور اگر دین کے وقت اور مراد ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو، خطہ، تاریخیجے والا ہی ہو جاوے۔ معلوم ہو کہ نبی میں خبریں معتبر ہیں جیسی فرشتوں کی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تاریخ، اخبار، کام نہ سکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہو کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جانتا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اسی کے گمراہ کو کبھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر نہ کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے مستند کا قہرہ۔  
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تا یف شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

**العبدُ يَفْقَهُ فِي الْأَحْوَالِ حَتَّى يَصِيرَ إِلَى مَعْنَى نَزْوِ حَابِيهِ فَيَعْلَمُ الْغَيْبَ**  
بندہ حالات میں متخل ہو جا رہا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پا رہا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔  
اسی کتاب مرقاۃ میں کتاب عقائد تک سے نقل فرمایا۔

**يَطْمَعُ الْعَبْدُ عَلَى حِفَاقِ الْأَشْيَاءِ، وَيَسْأَلُ لَهَ الْغَيْبِ وَعَيْبِ الْعَيْبِ**  
”کامل بندہ حیرت کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب انبیا کھل جاتے ہیں۔“  
مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۶ باب الصلوة عینی نسی و صہا ثمراتے ہیں۔

**السُّفُوسُ الزَّكِيَّةُ الْقَدْسِيَّةُ دَاخِرُ زُتْ عَنِ مَعْلَاقِ الدَّبِيَّةِ حَرَحَتْ وَأَنْصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْأَعْلَى وَلَمْ يَبْقَ لَهُ حِجَابٌ فَتَرَى الْكُنَّ كَ الْمُهْدِ بِنَفْسِهَا أَوْ بِأَحْبَارِ الْمَلِكِ لَهَا**  
”پاک و صاف نفس جبکہ بدنی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو ترقی کر کے بزم ہا، مل جاتے ہیں اور نہ پر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ پس وہ تمام یروں کا کل محسوس و حاضر کے دیکھتے ہیں خود اپنے آپ یا فرشتے کے الہام سے۔“  
شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزری سورہ جن میں فرماتے ہیں۔ ”طالع بروح مخلوق و بدن نقوش نیز از بیضی و لیلہ۔ تو از راست۔“ ”روح مخلوق کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق توڑ معقول ہے۔  
امام ابن حجر کی کتاب، ”الاعلام میں اور علامہ شاہی سل الجہام میں فرماتے ہیں۔

**الْحَوَاضُ يَحْجُوزُ أَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ فِي قَصْبِهِ أَوْ قَصَائِهِ كَمَا وَفَّعَ لَكُنْزٍ مِنْهُمْ وَاشْتَهَرُ**  
”جائز ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معامد یا نیسے میں غیب جاں میں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا اور یہ مشہور بھی ہو گیا۔“  
شاہ ولی اللہ صاحب الطائف القدس میں فرماتے ہیں۔

”نفس کا یہ بجائے جسد عارف سے شوق و عارف بجائے روح او بہرہ عام علم ضروری سے چند۔“  
عارف کائنات یا کل جسم میں جاتا ہے اور عارف کی ذات بجائے روح کے ہو جاتی ہے وہ تمام عارف کو علم ضروری سے دیکھتا ہے۔  
ذرقانی شرح مواہب جلد ۲ صفحہ ۳۶۸ میں فرماتے ہیں۔

**قَالَ فِي لُطَائِفِ الْمَسْ أَطْلَاعُ الْعَبْدِ عَنِ عَيْبٍ مِنْ عُيُوبِ اللَّهِ بِدَسَلِ حَبْرِ تَقْوَى مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ**  
**فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بَوَدِ اللَّهِ لَا يَسْتَعْرِبُ وَهُوَ مَعْرِ كُنْتُ بَصَرُهُ الْوَدَى يَصْطُرُّ بِهِ فَمَنْ الْحَقُّ بَصَرُهُ فَطَلَاغُهُ**  
علی لغیب لا یستعرب

”انکف امس میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے غیور میں سے کسی عیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دنیا کی سے ذرہ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہی اس حدیث کے معنی ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس اسکا دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے لہذا اس عیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔“

امام شعرانی (رحمۃ اللہ علیہ) والہذا ہر میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَجْتَهِدِينَ الْقَدَمُ غَنُومَ الْغَيْبِ "نہی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔"  
حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نظرتِ الٰہی بِلَادِ اللہِ جَمْعاً  
 ”ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔“

کَافِرٌ ذُلُّهُ عَلٰی حُكْمِ اِصْصَالِی  
 ”ہے چدرائی کمانے لے ہوئے ہوں۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ذہداء، شرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

قال رضى الله عنه ب ابطال ب ابطال هُمُومُو حَذُوا عَنْ هَذَا الْبَحْرِ لَقَدْ لَا سَاحِلَ لَهُ وَغَرَّةٌ رُبُّهُ اِنْ  
 الْمَعْدَاءُ وَالْاَشْقِيَاءُ يُعْرِضُونَ عَلَيَّ اِنْ بُوْنُوْا عَيْبِيْ فِى النَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَاَتَانِيْ نَصْرٌ فِى الْبَحْرِ عِنَّمَا اللَّهُ  
 "اے بہادر اے فرزند آقا اس دریا سے کچھ لے لو جسکا ستارہ عی نہیں۔ ہم ہے اپنے رب کی کہ عقیق تک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر غش کئے  
 جاتے ہیں اور ہمارا گوشہ چشم میں محفوظ رہتا ہے اور میں اللہ کے علم کے سمندر میں غوطے لگا رہا ہوں۔"  
 مولانا جاننی لکھتا، اس میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیہ قدس سرہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عزیز ان علیہ الرحمۃ گفتے اند کہ میں در نظر این طائفہ چوں سفرہ ایست دلی گوئی کہ چوں مانے است بچہ چیز ز نظر ایشان غائب نیست۔  
 "حضرت عزیز ان علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ میں گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دستہ خواں کی طرح ہے۔ درہم کہتے ہیں کہ سخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔"  
 امام شعرانی کبریۃ ائمہ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ شَهِدَ النَّبِيُّ عَلَى الْحَوَاضِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَمَعْنَاهُ يَقُولُ لَا يَكْمُلُ الرَّحُلُ عِدَمًا حَتَّى يَهْمَ حَرَكَاتُ مُرِيدِهِ فِي اسْتِقَالِهِ فِي الْأَصْلَابِ وَهُوَ مِنْ يَوْمِ الْمَوْتِ إِلَى اسْتِقْرَارِهِ فِي الْحَيَاةِ أَوْ فِي الْمَنَارِ

”ہم نے اپنے شیخ سیوطی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نہیں کوئی نہ جان لے۔ ہم مشتاق سے بے کراں کے جنس یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔“

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ إِنَّهُ يَجْدِبُ إِلَى حَبْرِ الْحَقِّ الْبَصِيرِ عَبْدُ اللَّهِ الْبَاحِي لَهُ كُلُّ شَيْءٍ

”پھر وہ مرد عارف ہمارا دھن کی طرف جذب ہو جاتے ہیں لیکن وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں، اور انکو سرخسے کا ہر ہوجاتی ہے۔“

مفکوة جداول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والقرآن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بروایت بخاری۔

فإذا أحيته فكنت سمعاً ألدَى يسمع به و بصره ألدَى يبصر به و يده ألدَى يبطش بها و رجليه ألدَى يمشي بها

”رب تعالیٰ فرماتا ہے جس جگہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کال بن جاتا ہوں جس سے وہ منتہا ہے اور نگہ میں جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، دراصل کا تمہ بن جاتا ہوں جس سے وہ چکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے چلتا ہے۔“

یہ بھی خیر رہا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیہا کی علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرت ابی نعیم مصطفیٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جبہ تشریف لائیں گے دو بھی اس نعیم کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی نعیم کے ائمہ کے علوم ہیں۔



# دوسرا باب

## علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل اس آیت قرآنیہ کے بیان میں جو حقائق پیش کرتے ہیں دوسری فصل احادیث کے بیان میں تیسری فصل اقوال علماء فقہ کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس بات کے شروع سے پہلے بطور چند ضروری بحثیں قاضی غور ہیں۔

(۱) جن آیات و احادیث یا اقوال فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے یا قہری مملوہات بھی رب تعالیٰ کے مملوہات کے برابر عطائی علم کی نفی نہیں کرتے پھر آیات و احادیث میں جو ہم ثبات میں جاس کر چکے ہیں مطابقت کیوں کر ہوگی۔

علامہ ابن حجر قہری حدیث میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعَا هَا لَا يَعْنِي ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَعَلَيْهِ اِحْطَاءُ الْاَلَلَهُ تَعَالَى اَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ لِمَا لَعَلَّ

اللہ تعالیٰ

” اس کے معنی یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اور احاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات جس وہ خدا کے قہر سے ہوتے ہیں۔“

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد سب کچھ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد ذاتی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ تو جہاں آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ و اقوال علمائے شیعہ کے خلاف ہے۔ جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم۔ اسی طرح یوحنا مملوہات کا علم سب سے بڑا کوشاں ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ہاتھ کے ہے لہذا یہ تو جہ بالکل باطل ہے۔

(۲) مخالفین کے پیش کردہ دلائل کہ سب فرمانا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہاء فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ وہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ماکان و یکوں میں اختلاف ہے ان آیات و اقوال فقہاء سے تو یہ بھی نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف ہو۔ ساریہ کلیہ کی نقیض موجدہ جزئیہ ہوتی ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ سب دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ ماکان و یکوں علم ہی کے سمندر میں کافر ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے علوم غیبیہ کے متبادل میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔

(۳) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب حد کی صفت ہے ہذا غیر خدا کے لئے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت غیبیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہو جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی صفت عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا اشرف شہادہات یہی ہم کہتے ہیں۔

# پہلی فصل

## آیت قرآنیہ کے بیان میں

(۱) قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِلْدِي خِرَانٌ اَللّٰهُ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبُ (پارہ ۷ سورہ ۶۰ یس ۵)

”تم قرآن کو کہہ رہے ہو کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہہ کر میں آپ قیام جاتا ہوں۔“

اس آیت کی چار تفسیریں مفسرین نے کی ہیں اور ان میں سے پہلی یہ ہے کہ علم کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ کلام تو صحیح و اکسار کے طور پر بیان فرمادیا گیا ہے۔ چہاں یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں جتنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی ملاحضہ ہوں تفسیر۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے تحت ہے۔

يَحْتَمِلُ اَنْ يُّكُوْنَ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبُ عَطْفًا عَلٰی لَا قَوْلُ لَكُمْ اَيُّ قُلْ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبُ لِيُكُوْنَ فِيْهِ

دَلَالَةٌ اَنَّ الْغَيْبَ لَا سَقْلًا لَا يَعْلَمُ اِلَّا اللّٰهُ

”اس آیت میں یہ اضمحلال بھی ہے کہ اہم کلمہ لا اقول پر ہو جتنی اسے محبوب فرماؤ کہ میں غیب نہیں جانتا تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاسقلال یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر بیضاوی یہی آیت۔

لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ مَا لَمْ يُوْحَ اِلَيّْیْ اَوَّلُهُ يَنْصَبُ عَلَيْهِ دَلِيلٌ

”میں غیب نہیں جانتا جب تک اس کی بھڑک نہ ہو کہ کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔“

یہ اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ہے۔

قَوْلُهُ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ يَدُلُّ عَلٰی اَعْتَرَاةِ مَا هُوَ عَزِيزٌ عَلٰی كُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ

”یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔“

یہ کلام بطور توضیح و اکسار فرمادیا گیا۔ تفسیر حازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وَلَمَّا نَبَىٰ عَنْ نِعْمَةِ الشَّرِيفَةِ هَذِهِ الْاَشْيَاءُ تَوَاصُّهُ تَعَالٰی وَاعْتَرَفَا لِلْفُتُوْحِ فَلَسْتُ اَقُوْلُ شَيْءٌ مِّنْ

ذٰلِكَ وَلَا اَدْعِيْهِ

”حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی نفی ذات کر دی ہے کہ میرے لیے فرمائی رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی ہدایت کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں انہیں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر مرآۃ البیان میں ہے۔

وَلَمَّا صَحَّ حَيْثُ اَقَامَ نَفْسَهُ مَقَامَ لَا سَابِيَةَ بَعْدَ اَنْ كَانَ اَشْرَفَ خَلْقِ اللّٰهِ مِّنْ الْعَرْشِ اِلٰی الْاَرْضِ وَ

اُطْهِرَ مِّنَ الْكُفْرِ وَبَيِّنَ وَالزُّوْا حَاسِبِيْنَ خُصُوْعًا لِّحَبْرَتِهِ وَخُشُوْعًا لِّعُكُوْتِهِ

”حضور علیہ السلام نے اکسار فرمادیا کہ اپنی ذات کو انہیں کی جگہ میں رکھا اور نہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملکہ اور روحانی سے زیادہ متفرق ہیں۔ حق تعالیٰ کی شان جہاد کے سامنے عاجزی کے طور پر اسکی عظمت کے سامنے ہستی کے عباد کے طریقہ پر یہ فرمایا۔ یہ دعویٰ علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر غیثا پوری میں ہے۔

اَيُّ لَا اَدْعِيْ الْفُدْرَةَ عَلٰی كُلِّ الْمَقْذُوْرَاتِ وَالْعِلْمُ بِكُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ

”یعنی میں تمام مقذورات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔“

تفسیر کبیر یہی آیت۔

اَيُّ لَا اَدْعِيْ نَكْوِيْ مَوْضُوْعًا بَعْلَمُ اللّٰهُ وَبِمَحْمُوْعٍ هَدِيْتِ الْكَلَامِ حَيْثُ اَنْهَ لَا يَدْعِيْ اِلَّا لِهَيْبَةِ

”یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہو نہ کہ دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہو نہ کہ دعویٰ نہیں کرتا۔“

روح ہیوان یہی آیت۔

عَطَفَ عَمِي خَرَاتِيں اللہ ولا مذکور نہی ای ولا ادعی اُمی عادی وکن لا اقول لکم فمن

قُلْ اِنَّ بِيَّ اللّٰهَ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ سِرُّكُمْ شَيْئًا وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ  
نہی کا یہ دور ہے اور یعنی میں یہ دعوی نہیں کرتا کہ خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ قرآن اللہ میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ کئی اللہ غیب نہیں جانتے تھے اس سے مطلب کی اس آیت میں جس میں یہ نصیب تھا۔

تفسیر مدارک یہی آیت۔

وَمَحَلٌّ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ، انْصَبَّ عَطْفًا عَلَى مَحَلٍّ عَدَى حَرَائِشِ اللَّهِ لِأَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُولِ كَمَا أَنَّهُ قَالٌ لَا أَقُولُ لَكُمْ هَذَا الْقَوْلَ وَلَا هَذَا الْقَوْلَ وَلَا أَعْلَمُ أَعْيَبُ

"وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا مَا رُبِّي بِهِ عَدِي حِوَالِنُ" اللہ کے کمال پر مصطفیٰ کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔"

تفسیر مشاہیری ای قُلْ لَا أَعْلَمُ الْعِيبَ لِيَكُونَ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْعِيبَ بِسَمْعِهِ لَا يَعْلَمُ إِلَّا اللَّهُ

منكوه اس آيت میں "لا اهلواں" دو جگہ ہے پہلے "لا اهلواں" کے بعد دو جگہ اس کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے "لا اهلواں" کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے۔ یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ "أَوْفَيْتُ مَقَاتِيحَ حِرَاسِ الْأَرْضِ مَنْكُوهَ بَابِ فَصَائِلِ سَبَدِ الْمَرْسِيَةِ" یعنی مجھ کو زمیں کے خزانوں کی کیوں دے دی گئی اور علم غیب کی حادیت ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ نہیں۔ تو ایک ہی جگہ "لا اهلواں" اتنی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا کہ ہماری جاس کا ہوئی تو ہمیں نہ کی جادویں تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو ادھی دانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی ہے۔ نیز یہاں لکھہ میں کفار سے خطاب ہے یعنی کافروں میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم تو چور ہو۔ چوروں کو تو نے نہیں بتائے جاتے۔ مگر شیطانوں کی طرح دوسری چوری نہ کرو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے سی لئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہہ چاؤں گا کہ مجھے خزانہ الہیہ کی خبریں ہیں اور میں نیز یہاں حنفی فرما کر بتاؤ کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خدائی کے پاس اور ملک کی ملک میں ہوتا ہے۔ میں خزانہ نہیں بتاؤں دیکھا کہ ان کے اشارہ پر ہاں برسائے۔ ان کی انگلیوں سے پیشے جاری ہوئے۔

۳) وَلَوْ كُنْتَ اعْلَمُ الْغَيْبِ لَا تَسْكُرُ مِنْ الْحَيْرِ (پارہ ۹ سورہ زبت ۸۸)

"اور اگر میں غیب جان لو کہ تقویٰوں میں سے کون کون نے بہت بھلائی جمع کر لی۔"

اس آیت کے بھی مفسرین نے نفس مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور دیکھا رکے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں کلام معلومات الہیہ جاننے کی لگی کرنا مقصود ہے۔ تیسرے یہ کہ علم حبیہ و قی کی نفی ہے۔

قوله ولو كنت أعلم الغيب فأز الصقي عنه من غير واسطة وأما إطلاعه عليه السلام بعلام الله تعالى فامرٌ مُتَحَقِّقٌ بقوله تعالى فلا يُظهِرُ عَلَى عِيهِ أَحَدٌ إِلَّا مَن رَّزَقْنِي مِنْ رُّسُولِ

علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتَ اعْلَمُ الْغَيْبِ اِنَّكَ فَنِيَ عِلْمِ بَيْنِ رِاسُطِیْ كِی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے تائید سے واقع ہے یہی تعالیٰ کے اس فرمان کہ ہوتے  
فَلَا يَظْهَرُ عَلٰی غَيْبِهِ اِنَّ كُلَّ مَطْلُوْمٍ اِلَيْهِ جَانِعٌ كِی ہے۔

شرح موافق میں میر سید شرف فرماتے ہیں۔

الَا طَّلَاعُ عَلَىٰ حَمِيعِ الْمَغِيبَاتِ لَا يَحِبُّ لِلنَّبِيِّ وَاَلَا اَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ  
(الایہ) و حَمِيعُ مَغِيبَاتٍ عَمْرُ فُتَاهِيَةٍ  
صادی حاشیہ جلائین میں ہے یہی آیت۔

اِنْ قُلْتُ اَنْ هَذَا يَشْكُلُ مَعَ مَا تَقْدَهُ مِنْ اَنَّهُ اطَّلَعَ عَلَىٰ حَمِيعِ مَغِيبَاتِ الذُّبِّ وَالْاَحْرَةِ وَالْحَوَاتِ اِنَّهُ  
قَالَ ذَلِكْ تَوَاضَعًا

ترم صحوں پر مطلع ہونائی کیسے ضروری نہیں اسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا يَضُرُّهُ تَوَضُّعُ غَيْرِ تَنَاهِي  
ہیں۔ (یہ کلام نکار کے طور پر ہے اگر ترم کہو کہ یہ آیت گزشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ اسلام کو ترم دینی و دنیوی محبوب پر مطلع کروایا گیا تو  
جواب یہ ہے کہ یہ کلام لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ بطور انکار فرمایا گیا ہے۔

تفسیر خازن میں جلیل حاشیہ جلائین سے اسی آیت کے تحت نقل کیا۔

فَاِنْ قُلْتُ قَدْ اخْبَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمَغِيبَاتِ فَدَحَاءُ اِحَادِيثُ فِي الصُّحُوحِ بِذَلِكَ وَهُوَ  
مِنْ اعْظَمِ مُعْجَزَاتِهِ فَكَيْفَ الْحَمْعُ بِيَسِهِ وَبِئْسَ قَوْلُهُ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ قُلْتُ يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ قَدَرُهُ  
تَوَاضَعًا وَادْنَا وَالمَعْنَى لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اَنْ نَطْلُعَ مِنْ عَمِّهِ وَبَعْدَ ذَلِكَ وَبِئْسَ قَوْلُهُ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ قُلْتُ يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ قَدَرُهُ  
ذَلِكَ قَبْلَ اَنْ يَطْلُعَ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ فَمَا اطَّلَعَهُ اللَّهُ اخْبَرَهُ

جیس اگر ترم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت سے غیب کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور علم غیب تو حضور علیہ اسلام کا  
بڑا معجزہ ہے تو اس باتوں میں اور اس آیت میں لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ میں مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہوں گا کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ یہ  
کلام نکار کے طریقہ پر فرمایا ہو اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام محبوب پر مطلع ہونے سے  
پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ اسلام کو غیب پر مطلع فرمایا تو خبریں دیں۔

علامہ سیمان حمل نے فتوحات البیہ حاشیہ جلائین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی شکل فرمادی۔

اِي قُلْ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ لِيَكُوْنَ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى اَنْ الْعَيْبَ بِاسْتِفْلالٍ لَا يَعْلَمُ اِلَّا اللَّهُ  
"یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا غرض اس آیت میں اس پر دہشت ہے کہ غیب ہر استغفار یعنی اِلَّا اَنْ خُدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔"  
تفسیر صادی یہی آیت

وَنْ عَلِمَهُ بِالْمَغِيبِ كَلَامٌ مِنْ حَيْثُ اَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُ عَلَى تَغْيِيرِ مَا قَدَّرَ اللَّهُ فَيَكُوْنَ الْمَعْنَى حِينَئِذٍ  
لَوْ كُنْ اَعْلَمُ حَقِيقَتِي بَاِنْ اَقْدَرُ عَمِّي مَا اُرِيدُ وَقُوْعُهُ لَا مَسْكَوْثٌ مِنَ الْحَبِيرِ  
"حضور علیہ اسلام کا علم غیب جانات نہ جانے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں۔ تو معنی

یہ ہونے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔"

یہ تو جہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتے درمصر کسی چیز کا جانا  
خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ  
بہت چار آدیاں اور اس کے بعد مجھ کو یہ تکلیف پہنچیں گی۔ مگر یہ صاف ہے کہ دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خبر ہے کہ فہر چند روز کے بعد گرج  
ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپے نہیں کہ بہت سا ذخیرہ لوں خرید نہیں سکتا۔ مظلوم ہو کہ خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں  
پر متوقف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ ہو۔ یہی علم ذاتی جو لام الوہیت ہے جس کے ساتھ  
قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی نہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدمہ اور تالی میں فرمادہ نہیں رہتا اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

نیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر چونکہ میرے پاس خیر



ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا ہوا غیب نہیں جانتا۔

ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ خدا کر لو اگر میرے پاس خبر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو کچھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خبر تو ہے۔

مِنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ حَيْرًا كَثِيرًا نِزَآءً عَاطِيكَ الْكَوْثَرَ نِزَآءً نَعْلَمُهُمُ الْكُتُبَ وَالْحِكْمَةَ

میں مصیبت سے بھی محفوظ کر رہا تعالیٰ ہے فرمایا واللہ بعضفک ما شأس لہ مجھے علم غیب بھی ہے۔ یہ آیت لاعلم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

درج الہیاء پہلی آیت

وَقَدْ دَهَبَ بَعْضُ الْمَشَاحِ لِيْ اَنْ الشَّيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتُ السَّاعَةِ بِاعْلَامِ اللَّهِ وَهُوَ لَا يُنَالِي الْحَصْرَ فِي الْاَيَةِ كَمَا لَا يُحْصَى

”بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتائے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حق کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ نقل نہیں۔“

۳) وَعِنْدَ مُنَافِحِ الْغَيْبِ لَا يَعْنِفُهَا لَا هُوَ (بارہ۔ سورہ۔ ۶۵۔ بت ۵۹)

”اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی ان کو وہ ہی جانتا ہے۔“

مفسرین نے فرمایا ہے کہ منافح غیب (غیب کی کنجیاں) سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں۔ یعنی سارے معلومات الہیہ کا جانا یا اس سے مراد ہے غیب کو احاطہ کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا۔ کیونکہ کئی کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے نقل کھوا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور مٹا دینے کی قدرت ہے پروردگار ہی کو ہے۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ہے۔

فَكَذَلِكَ هُنَا لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِمَجْمُوعِ الْمَعْلُومَاتِ عِبْرَ هَذَا الْمَعْنَى بِالْهَيْبَةِ الْمَذْكُورَةِ وَعَنِ

التَّجْدِيرِ النَّاسِي الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلَى كُلِّ الْمُمْكَاتِ

’جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔“

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وَقَسَمُ لِتَصْوِيرِ هَآؤُلَٰئِیْ هُوَ مَقْصُوحٌ يَنْصَحُ بِهِ بَابُ عَدَمِ تَكْوِينِهَا عَلَى ضَوْرَتِهَا وَكَوْنِهَا هُوَ الْمَلَكُوتُ

فَلِقَدْ بَدَأَ الْمَلَكُوتُ كُلُّ شَيْءٍ يَكُونُ كُلُّ شَيْءٍ وَقَدْ بَدَأَ الْمَلَكُوتُ بِيَدِ اللَّهِ لَأَنَّ الْغَيْبَ هُوَ عَدَمُ التَّكْوِينِ

”ان چیزوں کے نقشہ بد سے کاظم جو کسی کچھ ہے جس سے ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے (وہی مناسب صورتوں پر) وہ ہی ملکوت ہے، ہاں ہر چیز کے ملکوت کے کلم سے ہر چیز کی تسبیح ہوتی ہے اور ملکوت کاظم اللہ کا ہاتھ میں ہے اسلئے کہ غیب سے مراد پیدا کرنا جانتا ہے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

لَأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِمَجْمُوعِ الْمَعْلُومَاتِ عِبْرَ هَذَا الْمَعْنَى بِهَذَا الْعِبَادَةِ وَعَلَى التَّجْدِيرِ النَّاسِي

يَكُونُ الْمَعْنَى وَعَدَهُ حَوَائِشَ الْغَيْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ لِكَمْنَةِ عَلَى كُلِّ الْمُمْكَاتِ

”کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اس کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ۔“

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الہی کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

قَالَ الْحَرِيرِيُّ لَا يَعْنِيهَا لَا هُوَ وَمَنْ نَطَعَهُ عَلَيْهَا مِنْ خَلْقٍ وَحَيْثُ لَا يَعْنِيهَا لَا أَوْلَٰوْنَ وَلَا أَحْزَٰوْنَ قَبْلَ

إِظْهَارِهِ تَعَالَى ذَلِكَ لَهُمْ

”حریری نے فرمایا کہ نہ کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ جبرد رکھے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہچان نہیں جانتے۔“

وَحَدِّ احْتِصَاصِهَا بِهِ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَا يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ ابْتِدَاءُ الْاٰهَوُ

”غیب کی کتبوں کے حد تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونگی وجہ یہ ہے کہ ہمیں وہ ہیں اس طرح ابتداء خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

اس آیت کے گروہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ جاننے کے بھی طرف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی جانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

مکتہ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ پھر تفسیر قرآن میں اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں ہے۔ **عَدَدُ مَصَاحِحِ الْغَيْبِ** دوسری میں ہے **لَهُ مَقَالِدُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ** متاع اور مقالید دونوں کے معنی ہیں کتبیاں اور اگر متاع کا دس آخری صریح مارج و اور مقاید کا دس آخری صریح مارج، دو قوتیں ہیں، دو قوتیں ہیں **عَدَدُ** (تعداد) جس سے کچھ میں آتا ہے کہ رت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتبیں ہیں

**لَا يَعْلَمُهَا الْاٰهَوُ** میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے ہیں وہ کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانے **مَصَاحِحِ** جمع اس لئے ہوا کہ آپ کی ہر رحمت الہی کی کتبیں ہیں آپ کا نور عالم کی کتبیں **كُلُّ الْعَالَمِ** میں موری قیامت میں آپ کا مجدہ شفاعت کی کتبیں ہیں جنت میں آپ کا نام ہر رحمت کی کتبیں اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لئے جنت کے کھلنے کی کتبیں ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب شاں حبیب الرحمن۔

**نَعْلَمُ** اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کتبیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ کتبیں سے کسی کے لئے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یا نہیں؟ یا کسی کو کوئی کتب دی گئی یا نہیں؟ اس جواب قرآن وحدیث سے پھر قرآن فرماتا ہے۔ **نَافِعُكَ فَخَافَ** ہم نے آپ کے لئے غیب پر رکھ دیا۔ کیا رکھ دیا؟ اس کی نہیں تو جس ہماری کتاب شاں حبیب الرحمن میں آیات القرآن میں دیکھو۔ **قُلْ** در کتب میں وہ ہی چیز رکھی جاتی ہے۔ جو رکھ کر کمالی ہوا اور جسے کائنات نہ ہو۔ وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب کی کوئی کتاب اس لئے کتبیں بھی ہیں۔

حدیث میں ہے۔ **اَوْفِیَتْ مَصَاحِحُ حُرِّ** میں الارض مجھ کو زمین کے خزانوں کی کتبیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ کو کتبیں دی بھی گئی آپ کے لئے حق باب بھی ہوا۔

(۴) **قُلْ لَا يَعْلَمُ مِنْ فِی السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ غَیْبُ الْاٰلِهَةِ** (پارہ ۲۰ سورہ ۲۱ اب ۱۵)

”تم فرمادو غیب نہیں جانتے آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا۔ کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر المودع جلیل میں اسی آیت کے تحت ہے۔

**مَعَاذَ یَعْلَمُ غَیْبُ لَا دَلِیْلَ الْاَوْ لَا تَعْلِیْمُ وَ حَمِیْعُ الْغَیْبِ**

”اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر پتے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر مدارک یہی آیت

**وَلِغَیْبِ مَا لَمْ یَقْضَ عَلَیْهِ دَلِیْلٌ وَلَا اُصْلَحَ عَلَیْهِ مَحْنُوْقِ**

”غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔“

مدارک کی اس توجہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو ہم مطالبی ہو وہ غیب نہیں کیا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جس آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے۔ اس آیت کے کچھ آگے ہے۔ **مَا مِنْ عَابِدٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاوَاتِ** **اَلَا فِی کُتُبٍ مُّبِیْنٍ** جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

نورانی، مہدوی

**مَا مَعِیْ قَوْلُ اللّٰهِ لَا یَعْلَمُ مِنْ فِی السَّمَوَاتِ وَ اَشْبَهَ ذٰلِکَ مَعِ اِنَّهٗ قَدْ عَلِمَ مَا فِی عِبْدٍ وَ الْحَوَاثِ** **مَعَاذَ لَا یَعْلَمُ ذٰلِکَ اسْتِقْلَالًا وَ اِنَّ الْمُعْجَزَاتِ وَ الْکَرَامَاتِ فَحَصَلَتْ بِعِلْمِ اللّٰهِ لَا اسْتِقْلَالًا**

آیت **لَا یَعْلَمُ مِنْ فِی السَّمَوَاتِ** وغیرہ کے کیا معنی ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جو اب اس کے معنی یہ ہیں کہ غیب کو مستقل طور پر (ذاتی) کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات جس بیدب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔

امام ابن جریر کا دینی صحیفہ میں فرماتے ہیں۔

مَذْكُورَاهُ فِي الْآيَةِ صَرَّحَ بِهِ الْمَوْوِي فِي قَدَوَاهُ فَضْلًا لَا يَعْنَى ذَلِكَ اسْتِفْلَالًا وَعَدَمَ احاطَةِ بَكْرٍ  
المعنومات

شرح شفاء غشاخی میں ہے۔ ہذا الا یسافی الا بت الذلّٰلۃ علی أنّہ یعلمہ العیب الا اللہ وانّ النبی علّمّا من غیر  
واسطۃ ما اطلّٰعہ علیہ باعلام اللہ وامر متحقق

ہم نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہہ چکی امام مودودی نے اپنے قوی تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الہیہ کو  
کوئی نہیں جانتا یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ کئی جہ واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعظیم  
سے چاہنا یہ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیوب کا علم حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اس میں  
بالکل لٹی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک اسوت کو غیب مانا ہے دیکھو برہان چلوہ ص ۵ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں  
ہے ان محکمہ الا اللہ علم خدا کے سوا کسی کا نہیں کہ مافی السور و مافی الارض خدا کی ہی وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں  
و کفی باللہ شہید اللہ کافی گواہ ہے و کفی باللہ وکیلا اللہ کافی وکیل ہے و کفی باللہ محسبا اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہو کہ حکومت، ملکیت، مگروری، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اب بادشاہ کو حکم، ہر شخص کو اپنی چیزوں  
کا مالک، مشرکین کو وکیل محاسب اور عام لوگوں کو قہدات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت، ملکیت وغیرہ سے  
حقیقی دردی مراد ہے اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بہ عطاء الہی دئے گئے اسی طرح آیات غیب میں جو چیزیں کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے لٹی  
ہے اور عطا کی کا ثبوت۔

(۵) وَمَا عِنْدَ الشَّعْرِ وَمَا يَسْعَىٰ لَهُ اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْآنٌ مُّبِينٌ ہرہ ۲۳ سورہ یس ایہ ۶۹  
"اور ہم نے اس کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ کی شان کے، حق سے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔"

مفسرین نے اس آیت کے میں مطلب بتائے ہیں و لایہ کہ علم کے چند معنی ہیں۔ جانا بلکہ (مشق و تبحر۔ طیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد  
ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا علم نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا رائج لفظ شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی  
ہیں ایک تورث و تاقید و کلام (حسن) دوسرے جھوٹی دروہی یعنی ہم نے ان کو جھوٹی دروہی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔  
تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ معانی کلام ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے۔ کہ معنی اور معنی باتیں و تفصیلات کس کس  
علم یعنی ملکہ قرآن کریم فرماتا ہے و علمہ صعبہ لبوس سکھ اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہنا دینا نہ سکھایا۔  
وہی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔

عَلَّمُوا اَيْسَكُمْ الرُّمِيَّ يَنْفِي اَيْمِي اَوْ دَوْتِي نَدَرِي سَكَاوِي

و لَا صَحُّ لَهْ كَا لَا يَحْسَنُهْ وَلَكِنْ كَا لَا يُعَيِّرُ حَبِيْدَ الشَّعْرِ وَرَدِيْدَهْ  
"نہ یاد بھیجیے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے لیکن نا بھیجے اور وہی شعر میں فرق فرمائیے تھے۔"

روح بیان یہی آیت نامحضرہ علیہ نہ ہو انشاء اللہ شعر آپ کے لئے شعر بنا مانع تھا۔ شعر کے معنی ہیں جھوٹا کلام کفار کہہ کر تے  
تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ بل خود شاعر اس شعر سے مراد بھی جھوٹا کلام تو ان کے اس کہنا کی تردید اسی آیت سے  
کردی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اَلْهُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْآنٌ مُّبِينٌ و جو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں کہ شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت  
سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

ہذا رکب یثی آیت

اَی مَا عَلَّمْنَا النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ قُرْآنَ الشَّعْرِ اَوْ مَا عَلَّمَاهُ بِعَبِیَةِ الْقُرْآنِ لَشَعْرِ عَلٰی مَعٰی اِنَّ الْقُرْآنَ لَیْسَ بِشَعْرِ  
"یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا ہم نے ان کو قرآن کی تعظیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔"

خازن یہی آیت۔

وَلَمَّا نَسَىٰ أُنْذِرْنَا مِن جَنِّهِ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْفُرْقَانِ أَكْبَرُ

”جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرما دیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور ڈنکنا کتاب۔“

قِيلَ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ قُرَيْشٍ قَالُوا إِنَّهُ مَحْمُودٌ شَاعِرٌ وَمَا يَفْقَهُ شِعْرَ الْمُرْسَلِ اللَّهُ تَكْدِيمًا لَهُمْ وَمَا عَلَّمَاهُ الشَّعْرَ

”کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔“

تبیین یہ اس جگہ غائب ہے یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی۔ حتیٰ آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو

ڈنکنا پڑھ جاتا۔

دیکھو اسی خازن میں ہے۔

أَيُّهَا يَسْهَلُ لَهُ ذَلِكَ وَمَا يُصْلِحُ مِنْهُ بِحَيْثُ لَوْ أَرَادَ نَطْقَهُ شِعْرًا لَمْ يَتَّكِلْ لِدَلَالِكَ وَارَكِ أَيْ جَعَلَهُ

بِحَيْثُ لَوْ أَرَادَ قِرَاءَةَ شِعْرٍ لَمْ يَسْهَلْ

”یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست۔ اور اہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرما دیا اور وہ پڑھتے تو۔ ہو سکتا تھا یعنی ہم نے آپ کو اس طرح

کہا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔“

تفسیر کبیر وما يتسهل له حتى انه ان تمثل له بيت شعر نسمع منه خرا حفا

”آپ کو شعر آسان نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ارادہ فرما دیں تو آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور پڑھنے والے شعر اور طرا، کا کر پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے مگر

شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روئی پکا نا پڑے نہیں مگر ابھی بری، موٹی ہار یک خوب جان لیتے ہیں۔

آپ کی صاحبزادوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا طلقہ و درشن تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام

کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔

روح، ایمان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كَانَ أَحَدُ الْحَدِيثِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَشِعْرٍ وَابْتِغَاءً كَانَ مَقْصِدُ الْحَدِيثِ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ

”حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا اور نہایت ناپسند بھی۔“

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعر کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی جیسے کہ لَا كُفْرَ شَيْئًا مَا حَلَّلَ اللَّهُ بَاطِلًا

مگر اچھے برے شعر کی پہچان نہیں تو یہ تعریف فرماتا کیسا؟ شعر سے مراد ایمان یعنی غیر محصل کلام اور معنی ہیں۔

روح، ایمان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ الشَّيْخُ الْأَكْبَرُ أَعْلَمَ أَنَّ الشَّعْرَ مَحَلٌّ لِلْأَحْمَالِ وَاللُّغَرِ وَالتَّوَرِثَةِ أَيْ مَا مَرَّ بِهِ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ

السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا الْعَرَبَ وَلَا حَظَّهُ شَيْئًا وَبِحَيْثُ نُرِيدُ شَيْئًا وَلَا جَعَلَهُ لَهُ الْحَطَّابُ حَيْثُ لَمْ يَهْمُ

”جانتا چاہیے کہ شعر ایمانی اور کلمے اور اشعاروں کا مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کئے در نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ

کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں اور اس سے اس طرح ایمانی کام نہ فرمایا کہ کچھ میں نہ آوے۔“

٦) مِنْهُمْ مَن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَن لَّمْ يَنْفَعِصْ عَلَيْكَ (پارہ ۳ ص ۵۰ آیت ۸)

”سانچوں میں سے کسی کا احوال تم سے میں فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔“

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی غی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صریح

ذکر کی کمی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحتاً بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیل کی کمی ہے۔ اور ایمان و کرم کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے

یہ کہ وحی کا ہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔



تفسیر ہادی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

اِنَّ السَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَحْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ عَمِمَ جَمِيعَ الْاَسْبَاءِ تَفْصِيلاً كَيْفَ لَا وَهُمْ مُخْتَفُونَ  
مَعَهُ وَحُلَّتْهُمْ لَيْلَةُ الْاَسْرَاءِ هِيَ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ وَلَكِنَّهُ اَعْلَمُ الْمَكُونِ وَنَمَّا تَرَكَ بَيَانَ قَصَصِهِمْ  
لَا هُنَّ رَحْمَةٌ بِهِمْ فَمَنْ يُكَفِّرُهُمْ اِلَّا بِمَا كَانُوا يُبْتَغُونَ

"حضور علیہ السلام دنی سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء کو قصیدہ جان لیا۔ کیونکہ ہر نبی دو سبب جمع آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب  
معراج بیت المقدس میں آپ کے حقدی بنے لیکن یہ علم تکون ہے اور ان فقیروں کے قصے چھوڑ دیئے امت کے لئے ان پر رحمت فرماتے ہوئے  
پس انگوشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔"  
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۵۰۵ میں ہے۔

هَذَا لِابْنِ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ مِنْهُمْ مَنْ لَّمْ يَنْقُصْ عَلَيْكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَصْبُ وَلَئِنْ هُوَ اِلَّا حِمْلُ  
اَوْ اَلْسُنُ فُقَيْدٌ بِالْوَحْيِ الْحَلٰى وَ لِنُبُوْتِ مُسْحَقٌ بِالْوَحْيِ اِلٰهِي

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ **مِنْهُمْ مَنْ لَّمْ يَنْقُصْ عَلَيْكَ** کیونکہ نبی تو ہم تنہا کی ہے اور نبوت ہم اجماع کا ہے یا نبی نبی ظاہر  
(قرآن) کی ہے۔ اور نبوت وہی نبی (حدیث) کا ہے۔

قرآن فرماتا ہے **كَذٰلَا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ بَءِ اَنْزَلْنٰ مَآثِرًا بِهٖ فَوَازِكُ**  
"اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔"

(۷) یَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَنْقُصُ مَادًّا حِسِّهٖ فَلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَصْبُ (پارہ ۵ سورہ ۵۵ ص ۹۰)  
"جس دن اللہ جمع فرمادے گا رسولوں کو۔ پھر فرمادے گا کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے کہ ہم نے کچھ علم نہیں بے شک تو ہی نبیوں کا خوب جاننے والا ہے۔"  
طبرین نے اس آیت کی روایتیں فرمائی ہیں اور یہ کہ خدا یا تیرے علم کے متبادل میں ہم کو علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ اذنا یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے  
یہ کہ قیامت میں جس وقت کسی شخص فرمے گا وقت ہو گا اس وقت ایمانے کر م یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ  
احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جس پر انسہ صلی علیہ السلام انبیائے کرام کی گواہی دے گی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

فَعَلٰى هٰذَا الْاَصُوْلِ اَنَّهٗ يَتَوَقَّعُ الْعِلْمُ عَنِ اَنْفُسِهِمْ وَ اَنْ كَانُوْا اَعْلَمَآءَ لَآ اَنْ عَمِلُوْهُ صَارَ كَلَامُ عَلِيٍّ عَمْدَ عِلْمِ اللّٰهِ  
"پس اس قول کی بناء پر غیبروں نے اپنی ذات سے علم ہی نبی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کہ تکلم اللہ کے علم کے سامنے شکل نہ ہونے کے ہو گیا۔"

مَدَارِكُ قَالُوْا اِنَّكَ تَاْذُبُ اِیَّ عَلَمًا مَّاءَ فِطْرًا مَّعَ عَلَمِكَ فَكَاْنَهُ لَا عَمْدَ مَا  
"نہ ہونے پر عرض کیا دنیا میں ہمارا ہم تیرے علم کے ساتھ ساتھ ہے پس گو کہ ہم کو علم ہی نہیں۔"

تفسیر کبیرہ یہی آیت۔ اِنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمْ يَخْلُوْا اِلَّا اللّٰهُ عَالِمًا لَا يَجْهَلُ حَلِيْمًا لَا يَسْخَرُ عَادِلًا لَا  
يُظْلَمُ عِلْمُوْا اِنَّ قَوْلَهُمْ لَا يُفِيْدُ خَيْرًا وَلَا يَدْفَعُ شَرًّا فَالَا دَبَّ هِيَ السُّكُوْتُ وَ تَقْوِيْصُ الْاَمْرِ اِلٰى اللّٰهِ

وَعَدْلُهُ فَصَلُّوْا اِلَّا عِلْمًا لِّمَا يَضَاهٰى يٰۤهٰۤى اَيْتٍ وَفِيْلِ الْمَعْنٰى لَا عَمْدَ لِمَا اِلٰى حَسْبَ عَلَمِكَ

"(حارثی) مجھ نے کرام نے جب جاں لیا کہ تقد عام ہے یہ علم نہیں۔ علم ہے سمی نہیں۔ انصاف اور ہے غلام نہیں تو وہ کچھ گئے کہ ان کی ہمت  
نہ تو بھلائی کا فائدہ دے گی اور نہ مصیبت کو دفع کرے گی۔ پس ادب خاموشی میں ہے اور معاذ کو اللہ کے عدل کی طرف پروردگار نے میں ہے لہذا  
انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے علم کے مقابل علم نہیں۔"

رد المحتار یہی آیت اِنَّ هٰذَا الْحَوَابُّ يَكُوْنُ فِیْ مَعْصِیَةِ الْاَعْمٰی وَ رَحْمَةِ الْغَفُوْرِ اَللّٰهِمَّ فِیْشَهِدُوْنَ عَلٰی  
قَوْمِهِمْ اَنْهُمْ يَتَّبِعُوْنَ الرُّسُلَ وَاَنْ قَوْمُهُمْ كَيْفَ رَدُّوْا عَلَيْهِمْ

یہ جو بقیامت کے صحن مقصور میں ہوگا۔ اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور  
ہمارے قوم نے کیا جواب دیا (الخصا)۔

۸) وما ادری ما یفعلُ بی ولا یفعلُکم "اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاویگا اور تمہارے ساتھ کیا۔"

اس سے مخالفین دلیل پکارتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دوقوس ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں روایت کی گئی ہے نہ کہ ہم کی۔ وراثت اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی سے قیاس سے یہ سوچ نہیں جانتا۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے۔ لہذا یہ منسوخ ہے۔ تفسیر صادی میں ہے یہی آیت۔

ما حرج علیہ السلام من الذب حتی علمہ اللہ فی القرآن ما یفعلُ بہ وبالْمُؤْمِنِینَ فی الذَّبِّ وَالْاٰخِرَةُ اَجْمَالًا وَتَفْصِیْلًا

"کران سے اور مؤمنین سے اور کافروں سے دنیا و آخرت میں کیا کیا جاویگا۔ کہ ان سے اور مؤمنین سے اور کافروں سے دیا اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔"

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ شریفی رسالہ تاریخ منسوخ میں فرماتے ہیں۔ وما ادری ما یفعلُ بی ولا یفعلُکم نُسخ بقولہ اِنَّ فَتْحَکَ اٰیۃ مَا اَدْرِی مَنُوْخٌ ہ اِنَّا فَتَحَکَ ع۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

لَمَّا بَرَزَتْ ہذِهِ الْاٰیۃُ فَرِحَ الْمُنْشَرُکُوْنَ فَقَالُوْا اِلَّا اَلَاتُ وَالْفَرِیُّ مَا مَرُّا وَامْرُؤٌ مُّحَمَّدٍ الْاِ وَاحِدٌ وَمَالِہٖ عَلِیْہَا مِنْ مَّرِیۡفَةٍ وَفَصَلَ لَوْلَا اِنَّہٗ مَا اِبْتَدَعَ مَا یَقُوْلُہٗ لَا حَبْرَہٗ لَدِیْہِ بَعَثَ بِمَا یَفْعَلُ بِہٖ فَاَبْرَزَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لِیَعْرِضَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ دَسْکِ الْاٰیۃِ الْفَقْدِ لَصَحَابَۃٍ هَیۡبَۃً نَّکَ بِاَسْنِیِّ اللّٰہِ قَدْ عَلِمْتَ مَا یَفْعَلُ بِکَ فَمَا دَانَ فَعَلُ بِمَا فَاَبْرَزَ اللّٰہُ نِیۡدَ حُلِّ الْمُؤْمِنِیۡنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتِ (الایہ) واوروں و بشیر المؤمنین بَاۡنَ لَہُمْ مِنَ اللّٰہِ فَصْلًا کَبِیۡرًا وَہَدَفُوْا اَسْبَیۡ وَفَتَادَہٗ وَعَکْرَمَہٗ قَالُوْا اِنَّمَا ہٰذَا قَبْلُ اِنْ یَحْجِزْ بِفُتْرَانِ دِیۡہِ وَاِنَّمَا اُحْجِزْ بِفُتْرَانِ دِیۡہِ عَامِ الْخَدِیۡبِیۡہِ فَسَحَ دَلِکَ

"جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ رات و روزی کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے انگوٹھ پر کوئی زیادتی اور بڑائی نہیں اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گمراہ نہ کہتے ہوتے تو ان کو بھیجے والا خدا نہیں تاویجا کران سے کیا معاملہ کریگا تو رب نے یہ آیت اتاری لیغصربک اللہ ما تقدم من دسک الایہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جاسانی جو آپ کے ساتھ ہوگا ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتاری کہ داخل فرمایا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنسوں میں (الایہ) اور یہ آیت اتاری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ اس کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس اور قرق دو دھرم کا تو ہے۔ یہ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور علیہ السلام کو ان کی عظمت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر آچکھو یہیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔

اگر کوئی کہے کہ آیت لا ادری خبر ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء فتح جبر جائز کہتے ہیں۔ جیسے وان تَبْذُرُوا (آیہ) لا یکنف اللہ نفسا سے منسوخ چاہیے ہی لا ادری کو بن ہاس و انس و ابن ابی لک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اِنَّا فَتَحَکَ لَکَ سے منسوخ ہا (تفسیر کبیرہ و مشکوٰۃ و مسود) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا کیا۔ قُلْ لَا اَدْرِی اِرْزُلْ اَمْرَہٗ فَخ کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر دو معنی میں علم ہیں جیسے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصَّیَامُ بِاللّٰہِ عَلٰی السَّاسِ حُجَّ الْمِیۡتِ وغیرہ۔ ابھی خبروں کا فتح حائر ہے چوتھے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفسیر اور احادیث پر ہے جس سے فتح ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکور ہاں مطلب نہ بیان کئے جاویں تو صمد باحدیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ قیامت کے دن لَوِاۡءُ الْحَمْدِ ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم و اسمان ہمارے جہنم کے نیچے ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایبا ہوگا۔ اس کے برتن اس طرح ہوں گے وغیرہ وغیرہ اب ذکر جنتی ہیں۔ حسن و حسین جو انان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہؑ ہر اخوتین جنت کی سردار ہیں۔ کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت چھ جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خود کشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی بھی جہنم ہو تو اپنی اور دیگر حضرات کی پیروی میں کس طرح ستار ہے جس وقت وہ جس کے ایمان کی رجسٹری فرمادیں۔ وہ کامل

مومن ہے۔ اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں، حد اور سمت سمجھ عطا فرما دے آمین۔

(۹) لَا نَعْلَمُهُمْ لَحْنٌ نَعْلَمُهُمْ (پارہ ۹ سورہ آیت ۱۰) ”تم ان کو نہیں جانتے ہم انکو جانتے ہیں۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام وہاں میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے بلکہ علم عیب کیسہ؟ مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اور ضرور تم ان کو بات کے طریقے سے پہچان لو گے۔ ہذا یہ آیت منسوخ ہے یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے انکو نہیں پہچانتے۔

اس میں اسی آیت کے تحت ہے۔

فَإِنْ قُلْتُمْ كَيْفَ نَعْلَمُ بَعْضَ السَّافِقِينَ إِنْ هُمْ إِلَّا أَهْلُ الْأَنْبَاءِ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْيُنَ النَّاسِ وَمَعَارِجَ الْأَعْيُنِ وَمَنْ يَحْفَظْ عَمَلَهُ تَتَمُتْ لَهُ الْأَمْرُ كَمَا بَدَأَهُ هَذَا لَهُمْ مَبَاسٌ

اسی جمل میں رہا آیت۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ہے فکں بعد دلیک لَا يَتَكَلَّمُ مُطَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَلَيْهِ فساد باطنہ و بھافہ

اسی جمل میں رہا آیت۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ہے فکں بعد دلیک لَا يَتَكَلَّمُ مُطَافِقٌ عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا عَرَفَهُ وَيَسْتَدِلُّ عَلَيْهِ فساد باطنہ و بھافہ

اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی ٹٹی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ٹٹی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے تری ہے اس آیت کے بعد کو ٹٹی بھی منافق حضور علیہ السلام کی حرمت میں کام نہ کرتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام ان کو پہچان پتے تھے اور اس کے فساد باطن اور خفاق پر دلیل پکڑتے تھے۔

تفسیر بیضاوی یہی آیت۔

حَقِي عَمِيكَ حَائِلُهُمْ مَعَ كَمَالِ فَطْنَتِكَ وَصِدْقِ فِرَاسَتِكَ

”آپ پر ان کا حال، وجود آپ کی کمال سمجھاؤ اور سچی مردم شناسی کے مخفی رو کیا۔“

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں ہمارے سے پتہ لگانے کی ٹٹی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجیہ نہیں کی جاوے تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔

یعنی شرح بخاری جلد صلی ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: أَخْرَجَ بِأَقْلَانِ فَأُنْكَ مُطَافِقٌ فَأَخْرَجَ مِنْهُمْ نَاسًا فَضَضَهُمْ

”حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ اس فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔“

شرح شفاء دلائی قاری جلد اول صفحہ ۲۳۱ میں فرماتے ہیں۔

عَنْ أَبِي عُبَيْسٍ كَانَ لِمُضَفَّقُونَ مِنَ الزَّحَابِ ثَلَاثَةُ مِائَةِ وَفِي الْمَاءِ مِائَةُ وَسَبْعِينَ

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد و عورتیں سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر۔“

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پر ہماری تسبیح پیش کی گئی۔ ہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لئے آئی۔ سب وہاں میں مطابقت کرنے کے لئے یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام کھار غصب کے لئے ہوتا ہے اگر بچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچے تو وہ کہتا ہے کہ اس غصیہ کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی ٹٹی نہیں۔

۱۰) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَا تَصْلُ عِسیٰ اَحَدٌ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا** حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن ابی منافق کی نماز جنازہ پڑھ کر پڑھنا یا پڑھنا چاہی فاروق عظمیٰ سے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سنی یہ آیت اتری۔ جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ مگر عظمیٰ نے کہا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

**جواب** اس منافق کا حضرت عباس پر کچھا حساس پر تھا اور اس کا فرزند شخص موس تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھاؤں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ بعد اوجی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیر و روح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت تھی اور شریعت کا حکم ظاہر ہے۔ جس پر حضور علیہ السلام نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور تھا کہ حبیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاوے۔ لہذا رات کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی عرصہ تک اس مسئلہ کو ہم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصیقتیں تھیں۔ کریم کا کرم فیروز تھیں وہاں ہے اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق عظمیٰ کو پتہ نہ لگے۔

۱) **وَسَنُؤْتِكَ عَنِ النُّوْحِ قُلْ** النُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اَدْبَسَ مِنْ لَعْنَةِ الْاَقْبِلَا (۱۶۰ سورہ ۵۵ آیت ۸۵)  
 "اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرمادے کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملے مگر تم کو "

منافقین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہذا آپ کو علم عیب کلی نہ ہوا اس میں نہیں، مورخ قاضی غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہذا اس آیت کو کئی علم روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھا تو اسادیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ **قُلْ** النُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مرسل شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمۃ نے

سیف چشتیائی میں حضرت امی الدین ابن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ **قُلْ** النُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ مراد روح اور کہ روح میرے رب سے ہے۔ یعنی عام بہت سے ہیں عام حاضر، عالم مرعوم، امکاں وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور ہم لوگ عالم حاضر کے قسم اس کی حقیقت کو نہیں جانتے کیونکہ اسے کافر تو کہہ کر توڑا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ** ہے۔

**لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ**  
**وَصَلَ اِلٰی عَالَمِ الْاَمْرِ وَعَيْنُ الْوُاسِ مِنْ عَالَمِ الْاَحْسَاءِ فَاسْلَحْ عَنْ لُكْنٍ وَرَاۤیْ رُتَبَ الْاَبْصَارِ**  
 "حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم حاضر سے آگے بڑھے پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں تک کہ عالم امر تک پہنچے اور سر کی آنکھ عالم اجسام سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو گئے اور رب تعالیٰ کوکل ذات سے دیکھا۔"

اس سے معلوم ہو کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر نہیں فرمائی بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور پے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کی کمر غلطی روکتی ہے۔ جس طرح ہم جس کو کچھ جانتے ہیں۔ یہی عالم سلام آدمی بشر اور آدمی روح تھے کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح فارسیہ ایسا زو حیا ہم نے حضرت مریم کے پاس اپنی روح بھی جبریل کو بھیجی۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی پھونک سے ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔  
 فتوحات کلیہ باب ۵۷۵ میں شیخ کبر فرماتے ہیں۔

**فَكَانَ بَصْفُهُ بَشَرًا وَ بَصْفُهُ الْاَحْزَاوُ خَامِطُهُ مَكْنَانٌ حَسْبِیْ وَ هُوَ لَمْرَبِّیْ**  
 "حضرت مسیح کشف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں۔ کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انیس بخشا۔"  
 اور اس کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سر تا پا روح ہیں۔

روح البیان نے اسی آیت **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ** کے تحت لکھا ہے۔

**الْحَقِیْقَةُ لِمُحَمَّدٍ هِيَ حَقِیْقَةُ الْحَقِیْقِ وَهُوَ الْمَوْخُوذُ الْعَامُّ الشَّامِلُ**  
 "حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہی وجود عام ہے۔"

یہاں آیت کے معنی یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر بھی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ حقیقت محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ کہ عالم کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن جبریل مراد ہیں۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کجانت؟ جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ قرآن امر الہی ہے نہ شعر نہ جادو۔ جبریل مرلہی سے آتے ہیں۔



وما ينزلُ الا بامر ربك اکی کیر میں ہے۔ ہذا کان معرباً اللہ تعالیٰ مُمکنۃً بل حاصۃً فی مایع  
 یسبح من معرفۃ الروح "جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو کیوں نہ پہچانیں۔"  
 تیسرے یہ کہ مسرین و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔  
 تفسیر فائز نے اسی آیت کے تحت لکھا۔

قیس ان السبی علیہ السلام عدم معنی الزوج لکن لم یحبر بہ لانہ مرک الاخبار کان علماً لنبوتہ  
 و لقول الا صبح ان الله استأنف بعلم الزوج  
 "کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن اسکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر دینا آپکی نبوت کی علامت اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح  
 سے عاقل ہے۔ اس مہارت میں علم روح، مانے والوں کو مشرک نہ کیا اور انسان کے قول کو خطا بنا دیا۔"  
 تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

حل مصیب حبیب الله ان یکنون حاحلاً بالروح مع انه عالمہ بالله وقد من الله علیه بقوله وعلمک  
 ما لم تکن تعلم  
 "حضور علیہ السلام کی شان میں سے بلند ہے کہ آپ روح سے ناواقف ہو لی حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان فرمایا کہ فرمایا جو  
 کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتا دیا۔"

تفسیر رک یہی آیت۔ وقیل کما سئل عن حق الروح یعنی مخلوق ام لا لقوله من امر ربی دلیل  
 خلق الروح فكان جواباً  
 "کہا گیا ہے کہ سراسر روح کی پیدائش سے متعلق تھا کہ روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان میں امر ربی روح کے مخلوق ہونے کی  
 دلیل ہے لہذا یہ جواب ہو گیا۔"

اس مہارت سے معلوم ہو کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے یہاں تو ذکر کفایت روح کا ہے۔ روح انبوت  
 جدید و صلحہ وصل، بے ارسائی کا فقرہ علامہ امین شیخ فرماتے ہیں۔  
 "چہ گو نہ جرات کند مومن عارف کثلی علم حقیقت روح رسید امر مسلم و امام اخبارین کند و اوادہ ست اور احق سبحانہ علم ذات و صفات خود فتح کردہ  
 برے فتح یمن از علوم اوین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در حسب جامعیت اسے فقرہ ست از در وادارہ نیست از بدو۔  
 احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

ولا تظن ان ذلك لم یکن مکتوفاً لرسول الله علیه السلام فان من لم یعرف نفسه فكيف  
 يعرف الله سبحانه فلا یعد ان یکنون ذلك مکتوفاً ببعض الاولیاء والعلماء

"مومن عارف یہ امت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ رب نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم  
 دیا ہے، ورنہ ان پر علوم اوین و آخرین کھول دیجئے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ اور جنگل  
 کا ایک درہ ہے۔ تم یہ گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا۔ وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی نہیں کہ  
 روح بعض اولیاء و علماء کو ظاہر ہو۔"

ان مہارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء کو بھی ملے۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی  
 کیا۔ مگر وہ بد دلیل ہے۔ نیز جب نبوت و نبی کے دلائل ہوں تو نبوت کو اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

۱۲) عفا اللہ عنک لما اذنت لہم غزوہ تبوک میں بعض منافقین نے غلط ہاند کر کے شرکت نہ کی۔ حضور علیہ السلام کو ان کی حیلہ ساری کا پتہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جانکی اجازت دے دی اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کہیں اجازت دی۔ مگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر نکاہر ہوتا۔

جواب: اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے فریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش! آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سے ہوئی تھی؟ عفا اللہ عنک عفا عافیہ ہے۔ کے عتاب۔

۱۳) یسئلونک عن الساعة ائین مرسہا فیہ اب من ذکرہا (پارہ ۳۰۵ سورہ ۹۰-۹۱ اب ۳۰، ۳۱، ۳۲)  
 ”تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ظہری ہوئی ہے تم کو اس یاں سے یا تعلق۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہذا آپ کو علم غیب نکل نہ ہو۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے اس آیت کی چند تفسیریں کی ہیں۔ یکہ تو یہ کہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے مقصود سالہین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپ کے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ است من ذکرہا آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جاں بیا چاہیے کہ قیامت قریب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتاتے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صادی ہی آیت۔

وہذا قبل اعلامہ بوقفہا فلائت فی ائہ علیہ السلام لم یخرج من الدنیا حتی اعمدہ اللہ بجمیع مہیبات الدنیا والا حرة

”یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہذا یہاں اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم عطا کیے۔“  
 روح البیان یہی آیت۔

قد دہب بعض المشایخ الی ان اسئ علیہ السلام کان یعرف وقت الساعة باعلام اللہ وهو لا یسأل العصور فی الایة

”بعض مشایخ ادھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے وقت جانتے تھے اذ کے مانے سے اور یہ قول اس آیت کے صحر کے خلاف نہیں۔“  
 روح البیان میں یہی آیت پارہ ۹۰ برآیت یسئلونک کانک حتی عشا میں بھی ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷۰ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیح ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔

تفسیر حارثی یہی آیت وقیل معہ فیہ انکار لیسو لہم ای فیہم ہذا السوال لثم قال است ی محمد من ذکرہ ای من علامتہا لانک احز الراس لکھفہ دیک دلیل اعی ذنہ

”کہا گیا ہے کہ فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی اس کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں جس اس کو دلیل کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔“

تفسیر ربیع یہی آیت او کان رسول اللہ علیہ السلام لم یزل یدکر الساعة ویسئل عہا حتی برلت فیہو تعجب من کثرة ذکرہا

”یہ حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور انکے بارے میں سوال کئے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری جس پر آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔“  
 اب اس آیت کا مطلب یہ ہو کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

مدارک یہی آیت اوفیم انکار لسوا لہم عیہا ی فیم ہذا لسوا لثم قال انت من ذکرہا وانت اخر

الانبياء علامۃ من علامہا فلا معی لسوا لہم عیہا

”یہ انکار کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہیں اب ان کے قیامت کے پوچھنے کے کوئی حقیقی نہیں۔“  
اب اس آیت کا مطلب یہ ہو کہ اس کا قیامت کے حلق پوچھنا سوجھ آپ خود اس کی علامت ہیں وہ کیوں پوچھتے ہیں۔  
۲۔ رک یہی آیت۔

قبیل فیم اب من ذکرہا متصل بالسوال ای یسئلونک عن الساعة ای من سہا ویقولون ای انت من ذکرہا ثم استأنف فقال لی ربک

”وکہا گیا ہے کہ فیم انت سوال سے ملا ہوا ہے یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا پھر آپ تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی لیس ربکم اب اس آیت کا مطلب یہ ہو کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔

مدارک یہی آیت انت من سئل عن یحشہا ای لم یحشہا لنعلمہم نوب الساعة انت لہ یعنی آپ اس لئے نہیں پیچھے گئے کہ کو قیامت کے وقت کی خبر دیں۔“

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں اور نہیں۔ محض یہود ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ احکام ضروری ہے۔

مدارج المجلد دوم ص ۳۰ وصل ایہ ازسانی کفار قرآن صحابہ میں ہے۔

وبعض علماء علم ساعد نیز مثل ابن معنی گفتند ”یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا۔“

(۱۳) یسئلونک کانک حقی عیہا قل انت عیہا عند اللہ ۹ سورہ ہمت ۸۰

”تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے سکون و تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں اس کے وجہ ہیں۔ یک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دے دی گئی نہیں۔ دوم یہ کہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔

تفسیر صمدی یہی آیت والدی یحش لا یمان بہ ان الشی عیہ السلام لم یفل من الذیہا حتی اعلمہ اللہ

بحمم المعینات انی تحصل فی الذیہا والا حرة فهو یعلمہا کما ہی عین یقین لہ وورد زہمت لی مذیہا انظر فیہا کما نظر الی کفی ہدہ وورد انہ اطلع لی الذیہا وما فیہا وشار وما

فیہا وغیر ذلک من تواتر الاخبار ولکن امر یکتدن بعصا

”جس پر ایمان نہ ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے کھل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے آپ کو وہ تمام چیزیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت میں آیا کہ ہمارے سامنے دیا پیش کی گئی۔ مگر ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے بچے اس ہاتھ میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو حمت اور وہاں کی محنت اور دروغ اور وہاں کے غم یوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں اور متواتر خبریں ہیں جسک بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔“

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ یسئلونک عیہا کانک حقی یعنی یہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو حقائق دینے کے حالانکہ یہ اسرار الہی میں سے ہے وغیرہ سے چھپانا ہے۔ معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے مگر انہی کی اجازت نہیں۔

يَسْتَنْكُ الدَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ فَلْيُتَمَّاعِلْهَا عَمَدُ اللَّهِ رِبْرَه ۲۲ سورہ ۲۲ آیت ۶۳

"لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"

**جواب** تفسیر صادی یہی آیت اُتھا وقت السؤال و الاُفہم یحرج علیہ السلام حتی اطلعہ اللہ عسی  
جميع المعنیات ومن جملتها الساعۃ

"یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تو درت نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام مخلوق پر مطلع  
فرما دیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔"

روح بیان یہی آیت۔ و لیس من شرط النبی ان یعلم الغیب بغیر تعلیم من اللہ تعالیٰ  
"اور نبی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب جائے۔"

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں بلکہ اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جانے پر دلیل پکڑا گیا ہے۔  
تفسیر صادی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

المعنی لا یفہد علمہ غیرہ تعالیٰ فلا یسا فی ن رسول اللہ علیہ السلام ہم یحرج من الغیب حتی اطلع علی  
ما کان وما یشکون وما ہو کائن ومن جملته علم الساعۃ

"معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ یہاں  
تک کہ بہت حد تک اسے ان کو رہنے والے جگہ پر مطلع فرما دیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔"

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مقلوۃ کی وہ ہدایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا، أخبر می عن  
الساعۃ مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا۔ ما المسنون علیہا علمہ ما مناسن یعنی اس بارے میں ہم مسائل سے زیادہ  
جاننے والے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علمی کی کی۔ دوسرے فرماتے لا علم  
"میں نہیں جانتا" حتیٰ دراز مہارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اسے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی

خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جب بن کر حضرت جبریل نے عرض کیا۔ فاعبر علی ما  
دالھا تو قیامت کی نشاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولاً تا فرماں ہوگی اوکھیں لوگ عزت پائیں گے  
وغیرہ وغیرہ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ ن سے نشان پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام سے  
قیامت کا علم ہونے کا دلائل بتا دیے۔

مقلوۃ اب الجحد میں ہے۔

لا تقوۃ الساعۃ الا فی یوم الخمرۃ "قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔"

کلر اور ج کی نقل مد کر فرمائی۔

بُعِثْتُ اِذَا السَّاعَةُ كُفَّتِ "ہم اور قیامت اس طرح طے ہوئے پیچھے گئے ہیں۔" (مقلوۃ اب الجحد ۱۲۰)

یہی ہمارے زمانہ کے بعد جس قیامت میں ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں۔ کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں  
کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی دجاس آیا۔ حضرت مسیح و مہدی نہ آقا قیامت مغرب سے نکلا۔ ال علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرما دیا مگر  
قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ ایسی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ بتایا کہ ظلام سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا  
ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہو اس سال منسوب کر دیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری  
کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دل کے علامات وغیرہ سب بتا دیئے اور جو ذات اس قدر تفصیلی علم میں یوں کر نہ وہ بے علم کس طرح ہو سکتی ہے؟ نیز  
اہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے سن و عین و قہات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ  
قیامت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا جو آخری واقعہ فرمایا وہی دنیا

کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دہلی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہا کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت عبدالخالص مرشدی استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مرواؤ آبادی نے ایک تقریر کے دوران ارشاد فرمائی۔

**اعتراض ۱۶** ان الله عهده عمن لساعة ويترن لغيث ويعلم ما في الارحام وما تدرى نفس

مادا تكسب غذا وما تدرى نفس بى ارض تموت ان الله عليم حبير (پارہ ۲ سورہ ۱۳ آیت ۳۳)

”بیگ اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور تانتا ہے مزار اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی حال نہیں جانتی کہ کل کیا کمانے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیگ اللہ جانتے والا بتا دیتا ہے۔“

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیلئے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم غیبہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی ہمارش کب ہوگی جمرت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شرح مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ **فسي حمس لا يعلم هس الا الله ثم قرء ان الله عهده عليه الساعة** یعنی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ہم علوم غیبہ کے بارے میں نہیں بہت مصفاہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے قنائے قبول رکھتے ہیں، والا اس آیت کی تفسیر میں مسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیر تاحمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

ولكن ان يقول ان عدم هذه الخمسة وان لا يعلمها احد الا الله لكن يخور ان بعنهم من يشاء من محبيه و اولياءه بقرينة قوله تعالى ان الله عليم حبير بمعنى الضعيف

”اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے ولیوں و محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس باتوں کے قرینہ سے کہ اللہ جانتے دانتاے والا ہے خیر معنی خبر۔“

تفسیر صادی آیت مادا تکسب غذا کے تحت فرماتے ہیں۔

ی من حيث ذاتهم واما باعلام الله للمعد فلا ماع منه كالا نبیاء وبعض الاولیاء فان تعالی ولا یحیطون بشی من علمه الا بماشاء فان تعالی فلا یظهر عی عیبه احد الا من ارتضى من رنوب فلا ماع من کون الله یطیع بعض عباده لصلح علی بعض لغیبت فتكون فمعرفة لشی و كرامة لدو لی ولذلک قال العماء الحق انه لمه یخرج بینا من الذیبا حتی اطلعه علی تلک الحمس

”یعنی اس باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے ماننے سے جانتا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے عیادہ اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے قیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرمائا سو بے برگزیدہ رسولوں کے ہاں گھر خدا تعالیٰ اپنے بعض ایک بندوں کو بعض عیوں پر مطلع فرمادے تو کوئی مانع نہیں جس یہ علم نبی کا معجزہ اور وحی کی کرامت ہوگا اسی سے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرمادیا۔“

تفسیر عرسل البیان زیر آیت **یعلم ما فی الارحام** ہے۔

سمعت ایض من بعض الاولیاء انه احبر ما فی الرحم من ذکر و انشی و رنیث بعینی ما اخبر

”ہم نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے پچھڑائی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں سے اسی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

وما زوی عن الایساء والا ولیاء من الاحبار عن العیوب فیتعیم الله ما بطریق الوحی او بطریق الالهام والکشف وکذا احبر بعض الاولیاء عن نزول العطر و حبر عفا فی الرحم من ذکر و انشی هو وقع کما احبر ”اور جو غیب کی خبریں انبیاء و اولیاء سے مروی ہیں یہ زندگی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض اولیاء نے ہارش آئے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے پچھڑکے یا لڑکی کی خبر دی تو وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔“

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ جو علوم غیبہ میں سے ہے۔



ان نقائیر کی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس پر قصہ کرتا ہوں اب رسمی مشکوٰۃ شروع کتاب ایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا اس کی شرحیں ملادیتے ہوں اب مرقہ فیضی امام عینی امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملاحی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب ایمان فصل اول میں اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

فصل اذعی شیخی مہا غیر فسیب لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان کادبا فی دعویہ  
 "میں جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔"  
 احادیث میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

المُرَادُ بِعَلَمِهِمْ بِذَوْنِ تَعْلِيمٍ اللہ تعالیٰ "مراد یہ ہے کہ ان پانچ باتوں کو بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔"  
 بعض اصناف میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں "مراد آنسب کہ بے تعلیم انہی بحسب عقل ایسا راجح و امور اعیب الذکر کہ  
 جز حدیث تعالیٰ کے آں واقعہ مگر آنکھ دے تعالیٰ اور خود کے راہی و الہام بتاؤ۔" مراد یہ ہے کہ ان امور عیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل  
 کے نہ رہے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے۔ وہی یا الہام سے۔  
 امام قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ مد میں فرماتے ہیں۔

لَا يَعْلَمُهُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ وَالْأَمْرُ مِنَ الرَّسُولِ فَإِنَّهُ يُطْلَعُهُ عَلَى عَيْبِهِ وَالْوَلِيُّ السَّابِقُ لَهُ  
 بِأَعْوَدُهُ عَدَّة  
 "کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا تابع ولی  
 ان سے وہ عیب بتاتا ہے۔"

الصحیح الخلیفہ حاشیہ ابن ماجہ باب اثراء المسلم زعم حدیث حمص لا یعلمون الا الله ہے۔  
 خیر الضمّة یقرّو حنہ بس حار حة انہا حامدة بس ہو مدت بعد وفاته ثم کثیوم بست امی بکیر  
 فہذا من الفرسۃ والظنّ ونصدّق اللہ فراسة المؤمن  
 "صدیق کبرئیل اللہ عزّوجلّ نے پٹی بچی بہت خارجہ کو خبر دی کہ وہ نبی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی وفات کے بعد کم کثوم بہت صدیق پیدا ہوئیں  
 میں یہ فرست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مؤمن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے۔"  
 سید شریف عبدالحق رحمہ اللہ کتاب الامارۃ میں فرماتے ہیں۔

ہو علیہ السلام لا یحییٰ علیہ من شیء من الخمس المذكورہ فی لایۃ وکیف یحییٰ ذلک  
 و لا قطب الشبۃ من ائمۃ الشریعۃ یعلمونہا وہم دون العوۃ فکیف یلعوۃ فکیف یسید الا  
 ولین و لا حریب الذی ہو سب کل شیء ومنہ کل شیء  
 "حضور علیہ السلام پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور چھپی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی انصاف کے ساتھ قطب الی کو  
 جانتے ہیں پس لوٹ کا کیا ہو چکا اور پھر سید الانبیاء علیہ السلام کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جس سے ہر چیز ہے۔"  
 علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

قولہ علیہ السلام الا هو معاذ باللہ لا یعلمہا احد مدائہ لا هو لکن قد بعلمہ بہ ما اعلام اللہ فان لم من  
 یعلمہا وقد و احد ما ذلک بعیر و احد کما ر با جماعة علمون امتی یمنون و علموا ما فی الارحام  
 "حضور علیہ السلام کا کفر مانا لا ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ جو بچے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ کے بتانے سے جاں بیتے ہیں کیونکہ  
 یہاں وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں ہم نے خدا کو اب یہ جیسے ہم نے ایک جماعت کو، یکساں وہ جاں بیتے ہیں کہ کب مرینگے اور جانتے ہیں حکم کے پچھو۔  
 مکی علامہ جلال الدین سیوطی خاص شریف میں فرماتے ہیں۔

غرر علیہ ماہو کائن فی ائمۃ حتی تقوۃ الساعۃ  
 "حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں جو آپ کی انصاف میں قیامت تک ہونیوالی ہیں۔"

علامہ گجراتی شرح تصدیقہ و ردہ مطمحہ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُحَرِّجِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا الْأَبْعَدَ أَنْ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِهِدَا الْأُمُورَ لِحِمْمَةِ  
"حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لیکے مگر یکے بعد کے اللہ نے آنجان پانچوں چیزوں کا علم بتا دیا۔"  
جمع النہایہ میں علامہ شتوکی فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحَرِّجُ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
"یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع نہ کر دیا۔"  
یہی علامہ شتوکی کی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ لَا يَعْنِي هَذَا الْحِمْمُ عَلَمًا لِدُنْيَا بِلَا وَاسِطَةٍ إِلَّا اللَّهُ فَالْعَلَمُ بِهِدَا الصَّفَةِ مِمَّا  
اِخْتَصَّ اللَّهُ بِهِ وَأَمَّا بِلَا وَاسِطَةٍ فَلَا يَحْتَضِرُ بِهِ  
"بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی طور پر بلا واسطہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اس طرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ  
وہ خدا سے خاص نہیں۔"

فتوحات دہلیہ شرح اربعین ہادی میں فاضل ابن علیہ فرماتے ہیں۔

الْحَقُّ كَمَا حَمَّعَ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْصُرْ سِيْرًا عَلَيْهِ السَّلَامَ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ مَا ابْهَمَ عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُ أَعْمَرُ  
بِكُنْهٍ بَعْضِ الْأَعْلَامِ بَعْضُ

"حق وہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو وفاتِ ندوی پہنچانے کے پوشیدہ چیز اس پر خبردار کر دیا لیکن بعض کے چھپاے  
اور بعض کے بتائے گا حکم دیا۔"

شاہ عبدالعزیز صاحب بستان محمد میں صفحہ ۱۱۴ میں فرماتے ہیں۔ "نقل می کنند کہ الدیلمی ابن حجر افرغانی زیست کبیدہ و خاطر بکھنور شیخ فرمود کہ از پشت  
تو مرندے خواہ آید کہ معلوم خود بخوار پر کنند۔"

نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جیتا تھا۔ مومن دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہو گا کہ  
اپنے علم سے دنیا کو بھرا دے گا۔ یہاں تک کہ علومِ فہرہ کے سلی دباں تھے۔ اسکی عقل دلیل یہ ہے کہ کائناتیں بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام  
خلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تحذیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ خلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔  
مکتوٰۃ کتاب الایمان باللہ میں ہے کہ شرم دار میں بچے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَمْ يَعْثُرْ اللَّهُ لِهَيْبَةٍ مَدَنِيًّا مَارِيعَ كُنْهٍ فَيَكْسِبُ عَمَلَهُ وَاحِدَهُ وَرَدِّقَهُ وَشَهْنِيَّ أَوْ سَعِيدَهُ ثُمَّ يَصْعَقُ فِيهِ الْوُجُوحُ  
"یعنی مہربانِ تباریکہ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا علم اسکی موت اس کا رزق اور یہ کہ نیک بخت ہے یا بد بخت پھر مروج  
پھونک جاتی ہے۔"

یہی علومِ فہرہ ہیں اور تم موجودہ اور گذشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کتابِ تقدیر چانتا ہے  
مکتوٰۃ الایمان باب میں ہے۔

كُتِبَ لِلَّهِ مَقَادِيرُ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يُخْلَقَ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ بِحَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ  
"اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔"

معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں علومِ فہرہ ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوحِ محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اوصیاء جن کی نظریاتِ محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علومِ فہرہ  
حاصل ہوئے۔ مکتوٰۃ کتاب الایمان باللہ میں ہے کہ جبرائیل کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام احوال و آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی  
گئیں کہ سیاہ روحیں کافروں کی ہیں سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ ان کے داہنے  
جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح ہیں یعنی جنتی و دوزخی لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو کھانا دکھ کر غمگین۔ یہی مکتوٰۃ  
کتاب الایمان باللہ میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے مجھ تکابہ میں تشریف لائے۔ اور داہنے  
ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ تمام ان کے تباہی کے ہیں۔ اور آئیں ان ناموس کا ٹوٹ بھی لگا دیا گیا ہے۔ کہ کل کہتے۔

اس حدیث کی شرح میں ملائی قاری نے مرقات میں فرمایا۔ **الظاہر من الاشارات انھما حسیان وقیل تمثیل** شروع سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھیں جس سے تمہیں۔ اسی مشکوٰۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جو مرد نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ **قَدْ كُنَّا مَعَهُ** شک **تَقُولُ** ہذا ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان مینت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندی قانون یا معرض کامرند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بوی اس لڑکی ہے تو خست سے حور نکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چندوں کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آؤ اور اس جھگڑا کر مشکوٰۃ کتاب الکراج فی عشرة النہب معلوم ہو کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ حضور علیہ السلام سے جنگ بدر میں ایک دن پہلے میں پریشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کا غمر ہے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہو۔ (مشکوٰۃ کتاب البہاد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم غمہ کا علم اللہ نے بعض بدو لوگوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کو حیدر تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم غمہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطا کی حدیث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ صحت، لہجہ میں شرکت تہو کل جا تہ نہ خط۔ ان دلائل کے جواب اس شہداء مخالف سے یہ سن سکیں گے۔

اعتراف ۱۶ **وَمَعْنَهُ تَأْوِيلُهُ** **إِنَّ اللَّهَ** تفکرات آیات کی تائید رب تعالیٰ کے سو کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تفکرات آیات کا علم تھا۔

**جواب** اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے مشاہدات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ**  
اپنے حبیب کو رحمان سے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھادیا تو مشاہدات بھی سکھا دیے۔ اسی سے خلقِ مہذب کا عقیدہ ہے کہ  
حضور علیہ السلام مشاہدات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا تارل کرنا یا رکھنا ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ **وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ**  
برہنہ کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مشاہدات کا علم اللہ تعالیٰ اور مصدق علیہ السلام کے سوا کسی کو نہیں۔

## دوسری فصل

### نقی غیب کی احادیث کے بیان میں

حافظین نقی غیب کے لئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ **اللہ علم** کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتایا یا پوچھنا **اللہ اعلم** فرمانا اور بہت سی مصنفین کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود نفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عام فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطع الدالات ایسی لاؤ۔ جس میں عطیہ علم غیب کی نفی ہو۔ مگر ان شاء اللہ نہ سیکھیں گے۔ یہ جو بات نہایت کافی تھا مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ **وما للہ الا فیہ**

**اعتراض (۱)** منقولہ باب اعلان نکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام یک نکاح میں عسریف سے گئے جہاں نصاریٰ کا کچھ بچیاں دف بجا کر جنگ بدر کے متوالین کے مرثیہ کے ریت گائے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

**وفیما سبیٰ بعلمہ ما فی عبد** ہم میں ایسے ہی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہی گائے جاؤ جو پیسے گا رہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ لگی بات سے کہاں روکا۔

**جواب** اول تو خود نکاح چاہیے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں سے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بتانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بتایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو یہ نہیں بتاتے تھے راہ حال یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بتانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور ﷺ نے نہ تو اس شعر بتانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گائے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور کسر کہتے ہیں۔ رے میاں! یہ باتیں چھوڑ دو یہی باتیں کرو۔ یہ بھی کسر افرامی۔ دوم یہ کہ تمہیں کوہ گائے بتانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لئے ادب چاہئے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو نا پسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا نا پسند فرمایا۔ جیسا کہ سن کل نعت خواں کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ کو ملا کر پڑھتے ہیں۔

مرقاۃ میں اسی حدیث کے ماقبہ ہے۔

**لکرامۃ نسبہ علم غیب لانیہ لانیہ لانیہ لا یعلم الغیب الا اللہ و اما بعلمہ نورسول من غیب ما علمہ و**

**لکرامۃ** یہ بدکرداری ثناء صریح انذاف و ثناء مرثیۃ الفتنی لعنوا مصعبہ عن دانک

”منع فرمایا کہ علم کی نسبت، اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ نا پسند کیا کہ آپ کا ذکر صرف بتانے میں و مختصین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔“

**اللہ الامعات** میں اسی حدیث کے ماقبہ ہے۔

”گفتہ اند کہ منع حضرت ابراہیم توں بہت حق است کہ دروے خدا و علم غیب است چہ آنحضرت را تا حوش بدو یعنی گویند کہ بخت آں مست کہ ذکر شریف دے و در اثنا بہ مناسب نہ باشد۔“

شراحین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا سنئے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے۔ ہذا آچکونا پسند آئی در بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف کہیں کو د میں مناسب نہیں۔“

**اعتراض (۲)** حدیث پاک میں انصار باخون میں بر درخت کی شاخ بادور درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فصل سے انصار کو حضور ﷺ نے منع فرمایا (اس کام عربی میں تلفیح کہتے ہیں) انصار سے تلفیح چھوڑ دی۔ خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت مرکا رو عام کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔

**انتم اعلمہ بأمر ذب نکم** ”اپنے دیاوی معاملات تم جانتے ہو۔“

معلوم ہوا کہ آچکونا علم نہ تھا کہ تلفیح روکنے سے پھل گھٹ چاہیے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔

**جواب** حضور علیہ السلام کا فرمانا **انتم اعلمہ بأمر ذب نکم** انکھار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان اس سے نفی ہم تصور نہیں۔

شرح شفاء علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَحُصَّةُ اللَّهِ مِنَ الْإِطْلَاقِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ الدِّينِ وَالْدُنْيَا وَاسْتِكْثَالَ بَاقِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَدَ الْأَنْصَارَ يُلَاقُونَ الْحُلَّ فَمِنْهُمْ مَنْ كَتَمَهُ فَمِنْهُمْ مَنْ بَخَّرَ شَيْئًا وَخَرَجَ شَيْئًا فَعَلَّ مِنْهُمْ عَمُّ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ قَالِ بَشِيحٌ بَسْوَاسِيٌّ إِنْ دَانَ يَحْمِلُهُمْ عَلَى حَرْقِ الْهَوَاتِ فِي ذَلِكَ إِلَى بَابِ التَّوَكُّلِ وَأَمَّا هَذَا فَلَمْ يَمْتَنُوا فَقَدْ أَنْتُمْ عَرَفْتُمْ بِدُنْيَاكُمْ وَلَوْ مَتَلُّوْا وَتَحَمَّلُوْا فِي سَفَاوِ سَتِيْنٍ لَكُنْوَ أَمْرَهُ بِمَحَبَّةٍ

”لہذا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام وحی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرماتے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلخ کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم سکو چھوڑ دیجئے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی مفاد سے تم جانو۔ شیخ سہمی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو عارف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچا دیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمادیں کہ تم جانو۔ اگر وہ مانا جاتے اور وہ ایک سارا نقصان برداشت کر بیٹے تو اس محنت سے بچ جاتے۔“

ملاذاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۳۳۸ میں فرماتے ہیں۔

ولو لیتو عنی کلامه لاقو می، نص مع علیہ کلفة المعاحاة  
 "مگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر عبادت رہے تو اس فن میں فوقیت مجھے اے اراد سے اس کتب کی محنت دور ہو جاتی۔"  
 فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا۔

وَلَا يَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ مِنْ حَبِّ مُرْتَبَةٍ وَإِنْ كَانَ يَقُولُ  
اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِأُمُورِ دِيَارِكُمْ

”حضور علیہ السلام کے علم سے ہمیں آسمان میں درد بھر چڑ پاشیدہ قبضہ اگر چہ آپ فرماتے تھے کہ دیوادی کا مہمہ جانوں“  
حضرت جاسق علیہ السلام نے بھی کاشکاری کی تھی اور کاشکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر وہ مارے سے پہلے حکم دیا کہ لاد خوب کاشت کر۔ اور فرمایا۔  
**لما حصدتہم فلدروہ فی نسیہ** ”کہ جو کچھ کھائے اس کو پانی ہی میں رہنے دو۔“  
یعنی جیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی لند و بھو سے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ کو کھیتی باڑی کا خفیہ رکنس طرح معلوم  
ہو؟ اور فرمایا۔

احمسی علی خرائس الارض امی حفظ علیہ (بارہ ۳ سورہ ۲۵ آیہ ۵۵،  
 "مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کرو میں اس کا بھروسہ اور ہر کام چاہنے والا ہوں۔"

یہ بڑی بڑی شکایات وغیرہ کس سے کی گئیں؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی ذاتِ انسانی اور حضور کاظم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے۔ معاذ اللہ۔  
**اعتقادِ حق (۳)** ترجمہ کی کتاب التشریح سورہ الاحقاف میں ہے کہ حضرت مسروق عاشر صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شی کو چھوا یا وہ چھوا ہے۔

وَمَنْ رَعِمَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي عِبْدِ فَقَدْ اعْظَمَ الْغُرْبَةَ عَمِّي اللَّهُ  
 "اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ بات بھائی۔"

**جواب:** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ تہوں باتیں اچھے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول بڑی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جسہو مل سلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور مبسوط و غیرہ میں جہاں کتاب شریف حصیب الرحمن سورہ و نجم میں اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپی۔ اس سے مراد احکام شریعہ بتدقیق ہیں۔ ورنہ بہت سے امراء الہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مفکوۃ کتاب العلم دوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جن کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس راہبہ نامحرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیق کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جاننا اور نہ بعد ازاں قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، دجال کی، امام مہدی کی اور غرض



فَمِنْ وَحْدَتِهِ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ حَبِيرٍ فَحَبْرُ حَوْءٍ  
 ”جس کے دل میں مائیکے کے برابر ایمان پا کر اس کو نکال لے جاؤ۔“

دیکھو جتنی مسلمان روزنی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پیچھے نہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ وینار کے برابر یازرہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علماء دین دیکھ کر بھی خیر نہیں ہوئی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ کچھ نصیب کرے۔

**اعتراض (۶)** بخاری جلد اول کتاب ابنا نزل میں حضرت ام العلاء کی روایت ہے۔

وَاللّٰهُ مَا اَدْرٰى وَاَنَا رَمَوْتُ لَہٗ یَعْمَلُ بٰی

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جادے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔

**جواب** اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ روایت کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اہل دین سے نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الہی سے ہے تو ہر ام علاء تم جو حشاش ایسے معصوم کے فطرتی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو۔ یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ ورنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم ولاد آدم کے سردار ہیں اس روز ہوا الحمد للہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم آدمیان ہمارے جہنم کے بچے ہونگے اس کی مطابقت کس طرح کی جادے گی۔

**اعتراض (۷)** بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث انگ میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے چلے۔ فرما سکے کہ یہ تہمت مجھ سے یا خدا اگر مہم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک حاشوش کیوں فرمائی۔

**جواب** اس میں بھی نہ تا نا ثابت ہے نہ کہ نہ جانا۔ شقائے سے نہ جانا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو خبر نہ تھی یا بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔

مَا عَلِمْتُ عَمٰی اَہْلٰی لَا حَبِیْرًا "میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔"

حس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے وقت سے پہلے ظہار نہیں اور یہ تو ہو سکتا نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا۔

لَا تَسْمَعُوْا حٰثِرَ السَّوْمِیْنَ وَاَسْمٰوْمَیْنَ حَبِیْرًا وَاَقْلُوْا هٰذَا فَاَنْتُمْ مُّسٰی (سورہ ۲۴ آیت ۱۲)

یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں ٹیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کہیں نہ کہا کہ کھانا ہو جیتا ہے۔

چنانچہ کہ نزولِ برات سے پہلے ہی مسلمانوں پر ٹیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرام سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کافر یا فرما، **هٰذَا الْکُفْبٰیْرُ** آپ پر وہ جب تھا کہ کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رضی پریشانی اور تنا سکتا ہے کہ کس ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عزت و عظمت والے کو خدا التزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ التزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدگمانی کے مدینہ سے پریشان ہوتا ہے لوگوں میں افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیاتِ مزوں کے انتظار میں نہ فرمایا جاتا۔ اور پیسے ہی عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل حاشوشی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقامات میں تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدقہ انگبری کو ممبر کا دو ثواب نہ ملتا جواب ملا۔ اس تاخیر میں صد ہا شکستیں ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ ملکا نہ کہ ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْحَبِیْثٰتُ لِلْحَبِیْثِیْنَ وَ الْحَبِیْثُوْنَ لِلْحَبِیْثٰتِ (سورہ ۲۴ آیت ۲۶)

"گندہ عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں اور گندے مرد گندہ عورتوں کے لئے۔"

اس گندگی سے مراد گندگی رہتا ہے۔ یعنی بیوی کی بیوی رہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں کافر ہو سکتی ہے کہ کفر فحش جرم ہے۔ مگر گھونٹی چیز نہیں۔ ہر شخص اس عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لئے عیالہ کی بیوی کو بھی جواب میں احتلام نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب ارحمان میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سیدہ انبیاء کی زوجہ پاک ہیں نہ سے یہ قصور ہو سکتا ہی نہیں۔ نیز مرضی بھی یہ تھی کہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہِ راست دیں اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کہ مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھو لیں کہ نبی نہ روم میں ان کی عصمت کے گیت گایا کرتے ہیں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرمادیتے تو یہ غویاں حاصل نہ ہوتیں غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

ملف یہ ہے کہ یہ سید علیہ السلام کو یہ بھانپنے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان فرمائی بلکہ ایک شیر خر رچے کے درمیان چا کداسی سے پاکدامنی فرمادی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خر روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ کو اگر ملامت لگا تو کسی

بچہ یا مرثیہ سے مصمت کی گواہی نہ دلائی گئی۔ بلکہ یہ گواہی خود خاقان نے دی اور گواہی کو قرآن کا جزو بنایا۔ تاکہ یہ گواہی جہاں کا کرکٹ بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

**تجسس** ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جانتا ہے۔ نسیاں جان کر حافظہ سے نکل جاتا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ ہے۔ ایک شخص قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھرا دیا۔ تیسرا شخص حافظہ کال ہے۔ اگر کسی وقت کوئی سیت اس پر بھی تو تانا نہ سکا۔ توجہ نہ دی۔ پھر تو قرآن سے جا مل۔ دوسرا ناسی، تیسرا رائل ہو، خیائے کرام کو بعض وقت کسی خاص چیز کا نسیان ہو سکتا ہے مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہے۔ قرآن کریم سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے۔ **فلسیٰ ولہ محمد لہ عروفا** وہ بھول گئے ہم سے ان کا قصہ نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر روح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر ارادہ الکی نہ کچھ مدت کے لئے نسیاں ہو گیا۔ قیامت میں شفع کی تلاش میں سارے مسلمان جس میں محمد شیں و مفسرین و فقہاء و مسیحی ہیں۔ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت تو نہ کریں گے۔ ورنہ شفع اللہ میں کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جاؤ۔ وہاں جاؤ، وہاں جاؤ شاید وہ تہا ربی شفاعت کریں۔ حارثہ دہا میں سب کا عقیدہ تھا وہ ہے کہ قیامت میں شفع اللہ میں حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ ہوا ذہول کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ مگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ ذہول (ادھر توجہ نہ دیا) ہو سکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہوگی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے

**وَنُكِنْتُ مِنَ الْعَالَمِينَ** اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے سہ پر دہاتے غافل فرمایا جا مل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ عظم میں ہے۔ مگر ادھر دھیان نہیں گھٹان میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا۔

زمعشر ہوئے یحییٰ بن شعیبہ چرا در چاہ کھائش ندیدی

کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرکٹ کی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کھان کے کوئی میں رہے۔ تو آپ معلوم نہ کر سکے۔ جواب دیا۔

بلکہ حال ہا برقی بہاں مت دے پیدا دو مگر دم نہاں است کہے برطام اعلیٰ تشنم کہے پر پشت پائے عودت عظم

فرمایا کہ ہمار حال بجلی کی ترپ کی طرح ہے کبھی فدا پر کبھی چھپا ہوا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہ کھان مصر میں چل دے رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

**وَعَدِمُ مِنَ اللَّهِ هَالَا تَعْمَلُونَ** (پارہ ۳ سورہ ۲۰ آیت ۸۶) ”مجھے خدا اصراف سے دہا تمیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم۔“

روح البیان پارہ ۲۰، آیات **وَلَقَدْ ارْسَلْنَا نُوحًا ابْنِي قَوْمِهِ** میں ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوحؑ اذکار وئے کا نام ہی نوح ہوا۔ یعنی نوح اور گریہ داری کرنے والے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لئے فراق یوسف سبب بنا بری تھا ورنہ ن کا رونا بلندی درجات کا سبب تھا۔ ہذا اں کا یہ دنا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے تھا بلکہ **المحذر فطرۃ لحقیقہ** مشکوٰۃ میں ہے۔

حقیق لکن نیست امیں کا رمنس جس لکن عکس رخا رمنس خوش بیاید ہار شب ہائے تو ذوقا درم پیار بہائے تو بلایا میں کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک حید سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم کھائی اور قاتلے واپوں کی گواہی پیش کی کہ دنیا میں مصر شافق قیدی ہائے گئے مگر فرمایا۔

**بَلْ سَأَلْتُ لَكُمْ اَنْفُسَكُمْ اَمْرًا** (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت ۱۸) ”کہ تمہارے لیس نے تمہیں حید سکھا دیا۔“

یعنی یوسف کو بھی مجھ سے ہماری دلا دینے ہی حید کیا اور دنیا میں کو بھی، میری اولاد حضرت یوسف نے حید ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی جڑ ہے۔ پھر بھائیوں میں یعقوب علیہ السلام کے دفر دروہ گئے تھے ایک دنیا میں دوسرے پر ہوا۔ مگر فرماتے ہیں۔

**عَسَى اللَّهُ اَنْ يَّاتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا** ”قرب ہے کہ اللہ ان تینوں کو مجھ سے ملائے۔“

تین کوں تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔ جب زلیخانے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر میں بند کر کے بری خو پیش کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور وادعت کئے انگلی دیا کہ شاد رہا کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزند یہ کام تمہارا نہیں ہے کہ تم نے کیے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے۔

**وَهُمْ يَبْهَلُونَ لَا رُؤْيٰى لَّهٖ رُءُودًا** ”وہ بھی رہا کا قصہ کر لیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ جیتے۔“

یہ بھی خیال رہے کہ برادر اس یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ ان کو بھیج دیا تھا گیا اور آپ کو تمہیں اور بھیجئے کی خبر سے ر کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیجئے کے عرض کیا تھا کہ ہم پر امیاء کا گوشت حرام ہے، دیکھو تفسیر خازن، ہرون البیان سورہ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل میں کیوں نہ گئے؟ معلوم ہو کہ باختر تھے مگر رادار تھے جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں مذاقات ہوگی۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بہت سے موقع ملے مگر والد بڑی خبر ندی معلوم ہوا کہ حکم کا اتھا رہا کھان سے بیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات دیکھ لیں۔ مگر

حضور علیہ السلام اپنی طبیعت اور ہر حدیث کی بنی حضرت صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جواب انکو اتنا علم دیتا ہے طاقت ضعیف بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے مرضی الھی راز فاش نہیں کرتے ہیں **لَا تَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ** ہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی۔

ان شاء اللہ

**اعتراض (۸)** حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض اروج کے گھر شہدہ عتقہ فرمایا اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے دکن پاک سے مغایر کی بوتری ہے تو فرمایا کہ ہم نے مغایر نہیں استعمال فرمایا۔ شہدہ بیبا ہے۔ مگر حضور نے اپنے پرشہدہ کو مکرہ کیا۔ جس پر یہ آیت اتری **لَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ** معلوم ہوا کہ اپنے دہن پاک کی بوتری بھی علم نہ تھا کہ اس بوتری سے پائیں۔

**جواب** اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ **تَسْعَىٰ مِرْصَاتٍ رَوَّاحِكُ** اے حبیب یہ حرام فرماتا ہے آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ نہ معترض رواج کی رضا کے لئے ہے نیز پنے مسکی بونیب نہیں محسوس چیز ہے ہر صحیح الدماغ محسوس کر لیتا ہے کیا دوجو بندی، عیاد کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے ان کے حواس کی قوت کو دوانا نہ بیان فرمایا۔

لفظی گو منکر حنا سست در حواس او بیاد بیگنا سست ۱

**اعتراض (۹)** اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلم غیب تھا تو غیر میں ذہب آؤد گوشت کیوں کھالیا۔ مگر جانتے ہوئے کھا تو یہ خود کشی کی کوشش ہے۔ جس سے نبی معصوم ہے۔

**جواب** اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں ذہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ ذہر ہم پر حکم ہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ ہم اسے کھالیں تاکہ بوقت وفات اس کا ثلوث اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے رضی برضا تھے۔

**اعتراض (۱۰)** اگر حضور علیہ السلام کو ظلم غیب تھا تو یہ معوذہ کے منافعیں دھوکے سے آپ سے ستر (۷۰) صحابہ کرام کیوں لے گئے؟ جنہیں وہاں لے جا کر شہید کر دیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں پھنسا یا۔

**جواب** نبی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ یہ معوذہ دوائے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ لوگ ان ستر صحابہ کو شہید کر دیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الھی یہی ہے اور ان ستر کی شہادت کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے اور یم علیہ السلام تو مرضی الھی پاکر فرمودہ پر چھری لے کر تیار ہو گئے کی یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ انہیں بلکہ دشائے مولیٰ پر راضی تھے۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو کوئی خبر تھی کہ گوشت میں ذہر ہے۔ اور یہ معوذہ دوائے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وہی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھو دے۔

# تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعتواہی (۱) قلای قاضی خاں میں ہے۔

وَحُلْ تَرْوُحَ بَعِيرٍ شَهِودٌ قُتِلَ الرَّحْلُ وَالْمَرْءُ عَدُوٌّ رَسُولٍ رَاكِبًا كَرِيمٍ قَالُوا ابْكُوا كَفَرًا لَّانَهُ اعْتَقَدْنَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِينَ كَانَ فِي الْحَيَاةِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ  
 ایک نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا ہم خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چنانچہ موت کے بعد۔  
 اعتواہی (۲) شرح فقہ کبریٰ میں طبع المرتضیٰ جاتے ہیں۔

وَذَكَرَ الْحَقِيَّةَ بِصَرِيحٍ بِالنَّكْصِيرِ بِاعْتِقَادِ ابْنِ لُسْنِي عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمَصَاوِصَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ  
 "حقینوں نے صریحاً ذکر کیا ہے کہ یہ عقائد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدا نے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرما دو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"  
 ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب ان دونوں عبارتوں کا اجماعی اور لٹری جواب تو یہ ہے کہ حقین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ ہذا وہ بھی کافر ہونے کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا ذکر نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور علیہ السلام کو علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک گمانے یا زیادہ گمانے۔ تو وہ بھی خیر منائیں مولوی شرف علی تھانوی نے حلقہ الامین میں بچوں، بچوں اور جانوروں کو بعض علم غیب مانا ہے۔ مولوی طیل احمد صاحب نے برہن قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب مانا۔ مولوی قاسم صاحب نے تحفہ رسالت میں کہا کہ ساری مخلوقات سے حضور علیہ السلام کو علم زیادہ غالب اس تینوں صاحبوں پر کیا حکم لایا جائے گا؟ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خاں کی عبارت میں ہے قَالُوا لَوِ اس لوگوں نے کہا اور قاضی خاں وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ قَالُوا اس جگہ بولتے ہیں جہاں اس کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شری مجددی ص ۳۳۵ میں ہے۔

لَمَطَةُ قَالُوا أَنْدَ كَرِّ لِمَا فِيهِ حِلَافٌ "لفظ قَالُوا وہاں بیان جاتا ہے جہاں اختلاف ہو۔"  
 فقہ المسلمین شرح منہج المصلی بحث قوس میں ہے۔

كَلَامٌ قَاصِي حَرِّ يُشِيرُ إِلَى عَدَمِ احْتِبَارِهِ لَهُ حَيْثُ قَالَ قَالُوا لَا يُصْنِي عَلَيْهِ فِي الْقَعْدَةِ الْإِحْبَارَةُ فَقَالُوا قَالُوا إِشَارَةً إِلَى عَدَمِ اسْتِحْسَانِهِ لَهُ وَالْإِشَارَةُ عِبَرٌ مَرْوِيَةٌ عَنِ الْأَنْمَةِ كَمَا قُلْنَا فَإِنَّ دَلِيلَ مُتَعَارِفَاتِ فِي عِبَارَاتِهِمْ لَمَنْ اسْتَقْرَأَهَا  
 "قاضی خان کا کلام ان کی پسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا قَالُوا قَالُوا کے قائل کہنے میں اشارہ اور ہے کہ یہ قول پسندیدہ نہیں اور یہاں سے مراد نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کیونکہ یہ فقہاء کی عبارت میں متشابہ ہے جس کو معلوم ہے جو اس کی تلاش کرے۔"  
 درمختار کتاب النکاح میں ہے۔

تَرْوُحَ رَحْلٍ بِشَهَادَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَخْرُسْ فِيهِ بِكَفَرٍ  
 "ایک شخص نے نکاح کیا اللہ اور رسول کی گواہی سے تو نہیں جائز ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جائیگا۔"  
 اس عبارت کے ماتحت ثامی نے تاثر غایب سے نقل ہے۔

وَفِي الْحُجَّةِ ذَكَرَ فِي الْمُنْتَظَرِ لَا بِكَفَرٍ لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ تُعْرَضُ عَنِ رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَنَّ الرُّسُلَ يَعْرِفُونَ بَعْضَ الْغَيْبِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مِنْ أَرْنَصِي مِنْ رَسُولٍ قَدْ بَلَ دَكَرُوا وَافِي كُتُبِ الْعُقَدَانِ مَنْ خَمَلَهُ كَرَامَاتُ الْوَلِيَاءِ إِلَّا طَلَاغُ عَنِ بَعْضِ الْمَغْشِيَاتِ  
 "منتظر میں ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ تمام چیزیں حضور علیہ السلام کی روح پر عین کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب جانتے ہیں رب سے فرمایا ہے کہ



پس نہیں ظاہر فرماتا ہے غیب پر کسی کو سوائے چند دوسروں کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں ہے کہ اویاء اللہ کی کرامات میں سے بعض انہوں پر مطلع ہوتا بھی ہے۔"

شرعی باب امرتین میں مسئلہ بزرگ فرما کر فرمایا۔

حاصلہ ن دعوی الغیب معارضة لنص الفرائد بکفر بها الا اذا اسد ذلك صریحاً او دلالة الى سبب کوحی او الہام

"اس کا خلاصہ یہ ہے دعوی علم غیب نص قرآنی کے خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صراحت یا دلائل کسی سبب کی طرف نسبت کر دے جیسے کہ وحی یا الہام۔"

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزائن الودائع میں ہے۔

وفي المصمرات و لصحيح انه لا يكفر لان الاشياء يعلمون الغيب ويعرض عليهم الاشياء فلا يكون كُفراً

"مضممرات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا کیونکہ نبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں عرش کی جاتی ہیں۔ اس پر کفر نہ ہوگا۔"

ان عبارات سے معلوم ہو کہ عقیدہ علم غیب پر ثواب کفر کا قائل ہے۔ بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔

ملا قاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثم اعلم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما اعلمهم الله وذكر الحنفية نصر يحا با لتكفير النج

"پھر جان لو کہ عینے کرام غیب پھر و کنوئیں جانتے سوائے اس کے جو ان کو اللہ تعالیٰ اور انہوں نے کفر کی تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب جائے۔ غ"

اب پورا مطلب معلوم ہو کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی، نئے کو ملا قاری کفر فرما رہے ہیں۔ کہ عطائی۔ کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر چکے ہیں کہ ملا قاری حضور علیہ السلام کو تمام کائنات و مایکون کا علم دیتے ہیں۔

# چوتھی فصل

## علم غیب پر عقلی اعتراضات کہ بیان میں

**اعتراض (۱)** علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی العصب ہے لہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

**جواب** غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ **عالم الغیب والشہادۃ** اسی طرح مستند دیکھنا زندہ ہونا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم مانا یا کسی کو سبغ یا بصیر یا کسی مانا ہر طرح شرک ہو۔ فرق یہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا مستند دیکھنا زندہ ہونا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی صلائی اور حادث اور متناہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہیہ کا ہے نیز یہ شرک تو قرآن پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا کسی۔ اور خدا کی صفت میں لکھا ہوا ہر طرح شرک کرنا شرک ہے۔ نیز مولوی حسین علی صاحب واں پھر والے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب جنتہ اخیر ان زیر آیت **نعلہ مستقرہا ومنسودعہا کُل فی کتب منہب** میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ نہ تو جب اعمال کر لیتے ہیں۔ جب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

**اعتراض (۲)** حضور علیہ السلام کو علم غیب سب حاصل ہوا تم بھی تو کہتے ہو کہ شب معراج میں قطرہ پڑا گیا اس علم غیب کا اور کسی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ جس قسم علوم حاصل ہوئے۔ بھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول قسم ہونے سے علم غیب خدا اس میں کوئی بات درست ہے۔ اگر زور قرآن سے پہلے عمل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل حال ہے۔

**جواب** حضور علیہ السلام کو اس علم غیب و اذات سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ و اذات سے قبل عام روح میں ہی تھے۔

**کُنْتُ بِنَا وَ اَدَمُ بَیْسَ اَطْطِیْنِ وَالْمَاءِ** اور نبی کہتے ہیں اس کو ہیں جو غیب کی خبر رکھے مگر کاب و یا یکن کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ قسم معلوم ہوئی تھی کہ تمام اشیا کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی سے قرآن میں ہے۔ **نَبَا لَکَر شَیْءٍ** ہر چیز کا بیان اور معراج میں **لِیْ کُلِّ شَیْءٍ وَ عَرَفْتُ** دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھا دیں۔ بعد میں ان کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو **لَئِنْ عَرَفْتُمْ صِفَتِہُمْ عَلٰی الْمَدِیْنَةِ** کے کیا سمجھتے ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو خاک پر پیش فرمایا پھر دلوں تو بگم ہیں کہ معراج میں بھی علم ہو۔ اور قرآن سے بھی۔ گرکہ چاہے کہ پھر زور قرآن سے کیا فائدہ سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پر رد دیگر فائدے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری۔ ہوں گے۔ اس کی احادیث و غیرہ نہ ہوگی۔ گرنہ زور قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لئے ہے تو بعض سورتمیں دو بار یکساں نازل ہوئیں۔

تفسیر ہادک میں ہے۔

**فَاِنَّ حَۃَ الْکِتَابِ مَکْیَۃٌ وَ قَبِیْلَ مَدِیْنَۃٍ وَ الْاَصْحٰہُ اَیْہَا مَکْیَۃٌ وَ مَدِیْنَۃٌ بَرَلتْ بَعَثَہُ ثُمَّ بَرَلتْ بِالْمَدِیْنَةِ**

”سورۃ فاتحہ کی ہے اور کیا مکیہ ہے کہ مدنی ہے اور مکیہ تریہ ہے کہ یہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی والا کہ میں ہاں ہوئی پھر مدینہ میں۔“

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے حواں کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورۃ بقرہ مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

**حَاصِیْہُ اِنَّہُ وَ قَع تَکْرٰرُ الْوَحٰی فِیْہِ تَعْظِیْمًا لِّہٖ وَ اِہْتِمَامًا لِّشَہَادَہٗ وَ حٰی اَللّٰہُ اَیْہِ فِیْ تِلْکَ الْبَیْئَۃِ بَلَا**

**وَ اِبْطَیْۃٌ جَبْرِیْلَ**

”خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وہی تکرار ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپ کے احترام شان کیلئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔“

اسی حدیث کے تحت احادیث میں ہے۔

سُرَّسْتُ عَلَيْهِ صَلَّيْ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمَعْرُوحِ بِبَلَا وَاسْطَةِ ثَمَرٍ رَوَى بِهِ حَبِيبُ اللّٰهِ قَائِلٌ فِي الْمَصْحُفِ  
 "شُبَّ مَعْرُوحٍ مِّنْ يَّيَاتٍ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ كَيْ تَرَى بِحُرَّانِ جَبْرِئِلَ نَزَّادًا وَقُرْآنَ مِّنْ رَّحْمٍ مَّكِينٍ۔"  
 بتاؤ کہ دونوں کس نے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے رسول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل اٹنی حضور علیہ السلام کو سارا  
 قرآن سناتے تھے۔ مقدمہ اور الالہ تعریف کتاب میں ہے۔

لَا نَهْ كَانَ يَسْرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَفْعَتَهُ وَاحِدَةً فَمَا كُنْ شَهْرَ رَمَضَانَ خَمَلْتَهُ  
 بتاؤ یہ رسول کیوں تھا؟ بلکہ قرآن سے مظلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ  
 پھر سورہ ۵۵ باب ۱

"یہی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے دور رسوں کے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بہت سے سزا گز فرماتے ہیں۔"  
 اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو ان کا ظاہر فرمایا نہ فرمایا مگر حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اس ہی سے قرآن کے  
 عارف تھے مگر قرآنی احکام نہ رسول سے نقل جاری۔ فرمائے اسی لئے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عارف میں پہلی بار آکر عرض  
 کیا اقرء آپ پڑھیں یہ۔ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیں اور پڑھوئی سے کہتے ہیں جو پڑھا ہو حضور علیہ السلام نے فرمایا انا بقدر علم میں  
 نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں پڑھ تو پیسے ہی یہ ہے روح محفوظ میں قرآن ہے اور حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ  
 ولادت سے پہلے ہی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا ماننا ہوگا کہ نقل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ آج بھی بعض بچے حافظ  
 پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا انا قاسی انکب رب نے مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں بعض  
 مغیبروں کے لئے فرمایا اَنْبِیَاۡءُ الْحَکْمَہِ صَبَیْہَا ہم نے انہیں بچپن ہی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے تسبیح کی  
 شفاعت کی۔ تاکہ سجدہ اور شفاعت عظم قرآنی ہے۔ حضور کوٹ پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی عظم قرآنی ہے۔ نور انوار کے  
 خطبہ میں ملحق کی بحث میں ہے سنی اَنْ الْعَمَلُ بِالْفُرْاں كَانَ حَبْلَتَهُ لَمْ مِّنْ غَیْرِ تَكْفِیْ مظلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور ﷺ  
 کی پیداؤی عادت ہے ہمیشہ صبر دانی کا ایک پستان پاک چوسا۔ دوسرے بھائی کے لئے بھڑا۔ یہ ہر و انصاف بھی قرآنی علم ہے۔ گرا بتداء سے  
 قرآن کے عارف نہیں تو یہی کیسے فرما رہے ہیں۔ دوجہندیوں کا یک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری قرآن کرہ آجوں کے عوام سے لازم آتا ہے  
 کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر آجوں میں قیامت تک کی قید لگاتے ہو عالمہ نکلن تعلم میں۔ تو قیامت کی قید ہے۔ ما کاں وایکون کا  
 ذکر۔ در ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ خصوص کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہذا ہم آجوں میں احکام شرعی کی قید لگاتے ہیں یعنی  
 اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں بلکہ عقلی اشتباہ کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا دارغ غیر متناہی علوم نہیں ہے  
 سکا۔ برہان خمس وغیرہ سے لہذا امتنا ہی ہوگا۔ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت تک کی صورت نے خبر دی اسی لئے یہ دعویٰ کیا گیا اشتباہ کا در علم ہے اور  
 تخصیص کا حکم دوسرے دیکھو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ سے بچے روانے کا نذر خارج ہیں یہ تخصیص نہیں بلکہ اشتباہ ہے۔

فقیر نے یہ مختصر تقریر علم غیب کے متعلق کر دی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو رسا کہ مبارک اللہ علیہ العباد کا مطالعہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا یہ اس بحر کی  
 ایک ہر ہے چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرتا ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدَتِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَاصْحَابِہٖ اٰجَمِیْنَ بِرَحْمَکَ وَہُو اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

# حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ حاضر و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنی ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا المصباح المہر میں ہے۔ حاضر حصراً مجلس القاضی و حصر الغائب حضوراً اقدم من عیستہ حتی الارب میں ہے حاضر حاضر شذوہ۔ ناظر کے چند معنی ہیں۔ دیکھنے والا، آنکھ کا گل، نظر، ناک کی رگ، آنکھ کا پانی۔ المصباح المہر میں ہے۔ والنظر الشواذ لا صغر من العین لندی یضربہ الانسان شحصہ۔ کما سوس اللغات میں ہے۔ والنظر الشواذ فی العین والنظر بضمہ وعرق فی الالف وفہاء البصر علی الاصحاح میں اس کی تکرراری کہتے ہیں۔ لنظر فی المفتہ الشواذ لا صغر لندی فیہ الماء العین جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تعریف کریں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر یعنی دیکھے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس جگہ یہ یا گھر میں ہم موجود ہیں وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیر والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صد ہا کون پر حاضر ہوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ قدر بخوبی صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو تو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنی کا ثبوت بردگان دین کے لئے قرآن و حدیث و اقوال علماء

# پہلا باب

حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں

پہلی فصل آیات قرآنیہ سے ثبوت

(۱) یا ایہا النبی! ارسک ما ھذا فخرٌ و تدبیرٌ و ذلک ما ھذا سرٌ و اجنبیٌ ۱ پہرہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۴۶  
 اے غیب کی خبریں بتانے والے چنگ ہم نے تم کو بھیجا تھا غرور اور خوشخبری دینا اور ذرا سنا اور اللہ کی طرف اٹکے حکم سے بڑا اور چکا دیے وال "غیب"  
 شاہد کے معنی گوہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، گوواہ کو شاہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس نے  
 فرمایا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء و مرسلین اس لئے کہ قیامت میں تم انبیاء کی جتنی گواہی دیں  
 گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا ہمیشہ اور تہذیب و دردی نبی اللہ ہونا ہے کہ سارے مشکموں نے یہ کام کئے مگر تم نے حضور  
 علیہ السلام نے دیکھ کر اسی لئے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سرخ منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے مگر گھر میں موجود۔ آپ بھی  
 ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) وکذالک جعلکم ائمةً و سطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسولون علیکم شہداء ۲  
 پہرہ ۲۵ سورہ ۲ آیت ۴۳

"اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے تمہارے تمہارے گواہ۔"  
 (۳) فکیف اذا جاء من کل امة بشہید و احب مک علی قولا شہیدا ۱ پہرہ ۵ سورہ ۴ آیت ۴۱  
 "تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر دے میں۔"  
 ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء و کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے  
 تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ امیائے کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے اور اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام  
 کو پیش کریں گے۔ اس کو گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے س پیغمبروں کا زمانہ۔ پاپا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم  
 سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا جب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ نبیوں نے تبلیغ کی۔  
 دوسری یہ کہ میری امت و اے قائل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء و کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گزشتہ انبیاء کی  
 تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے مدح نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جتنی کہ امت کی  
 گواہی پر جرح ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی  
 تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

(۴) لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنکم ۲ پہرہ ۹ سورہ ۹ آیت ۲۸  
 "بے شک تمہارے پاس تشریف دے گا رسول جس پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔"

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ **جاء** تم میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم  
 سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف دے گا جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عام میں ہر جگہ ہیں تو حضور  
 علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا **من انفسکم** تمہاری نفسوں میں سے ہے یعنی ان کا آتما تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آتما  
 کہ قالب کی رنگ اور روکتے روکتے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسی ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن شکل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جان  
 ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے نہیں اس شان کی جلوہ مائی ہے!

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو **من انفسکم** کافی تھا **من انفسکم** کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا  
**عزیز علیہ ما عنکم** ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو  
 ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں **من انفسکم** کا بیان ہے کہ جس



طرح جسم کے کسی حصہ کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ ہو تو آقا کو اگر انی اس کرم کے قریب۔ صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا  
رُحِيمًا (پارہ ۵ سورہ ۳ آیت ۶۳)

”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی کمال طرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرمادیں۔ اور یہ تو مطلب ہوسکتا نہیں کہ عین پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پر کسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہوگی۔ اور باللہ رحیمی میں ایک دوہری پہنچنے ہیں اور گناہوں کی رات کرتے ہیں۔ لہذا تکلیف **مَافُوقِ الطَّاقَاتِ** ہوگی بڑا مطلب یہ ہو کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر متوجہ ہو جاؤ۔

پیارے نزدیک تر ر من بمن است  
دین عجب میں کہ من ازوئے دورم  
معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

(۶) وَمَا رَسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ پھر فرماتا ہے۔ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ  
”اور میں نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ ہر احوال پر اسلام جہانوں کو محیط، خیال رہے کہ رب کی شان ہے رب العالمین۔ حبیب کی شان ہے رحمتا مظہرین معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لئے رحمت۔

(۷) مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ لَمْ يُجِرُوا (پارہ ۹ سورہ ۹۰ آیت ۳۳)

”اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک کہ عجب تم ان میں تشریف فرما ہو۔“

یعنی عذاب الہی اس لئے نہیں آتا کہ ان میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں۔ بلکہ روح البیان میں فرمادیا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری لصل میں آتا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَسَوْا اَنْ فِيْكُمْ رَسُوْلٌ اللّٰهُ ”جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔“

یہ تم سب پر کرم سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو تلف جگہ جے جے معلوم ہوا کہ حضور سب جگہ کے پاس ہیں۔

(۸) وَكَذٰلِكَ نُبْرِ اِبْرٰهِيْمَ مَدْكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پارہ ۷ سورہ ۲۱ آیت ۷۵)

”اور اسی طرح ہم پر ایم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت پر ایم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم پر شہر ملاحظہ کرا دیا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہذا ضروری ہے کہ آپ سے بھی عالم کو مشاہدہ فرمادیا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث طریفی میں گذر گئی۔

(۹) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْقُلُبِ (پارہ ۷ سورہ ۱۰۵ آیت ۱)

”کیا تم نے دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔“

(۱۰) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعٰدٍ (پارہ ۷ سورہ ۸۹ آیت ۶)

”کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیا تھکایا کیا۔“

قوم عاد اور اصحاب ثل کا وہ حالات پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے کہ تم تو کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمَا اٰهٰنٰكُم مِّنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قُرُوْنٍ (پارہ ۷ سورہ ۲۱ آیت ۶)

”کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہار کر دیں۔“

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہونے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھنا ایسوں کے قوس کا جو یہ ہے کہ اس آیت میں نہ کفار کے اجزے ہوئے ملک اور جاہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفروں میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس چیز کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاست فرمائی اور نہ قوم کا دوسرے کے اجزے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ یہاں اور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

(۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ اد فرماتا ہے **وَادْفَالِ رُكْ لِمَلِكْتِهْ جِدَا** آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا **وَدَفَالِ مَوْسٰی لِقَوْمِهْ** جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا **وَمَعْرِهْ** اور معیرہ اس جگہ مفسرین معذوف نکالتے ہیں **اُدْکُو** یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی ہوئی ہو اور توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گزشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں۔ روح بیباں نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے بارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے، اگر کوئی کہے کہ نبی اسرائیل سے بھی خطاب ہے **وَادْعِبِیْ نَحْمَ مِنْ اَلْهَرَعُوں** اس وقت کو یاد کرو۔ جبکہ ہم نے قرآن و فروع سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مگر مفسرین یہاں بھی **اُدْکُو** معذوف نکالتے ہیں۔ جواب دیا دیا کہ اس نبی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرف ان کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پڑھاتے کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی مورخ کی صحبت میں رہے نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی تب آپ کو بخیر نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

(۱۲) **اَوَّلٰی مَا مَوْسٰی مِنْ اَنْفُسِهٖ** ”پہلی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔“  
موسوی قاسم صاحب اپنی مدد رس **دایہ** بند قلمبر **مناہ** صفحہ ۱۸۱ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں **اَوَّلٰی** کے معنی قریب ترین ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور یاد وہ قریب چیز بھی سمجھی رہتی ہے۔ سی پادتی قریب کی جہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

**تسبیہ** اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں وہ تو قول امام فاضل کرے۔ لہذا ائمہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہیں اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہوئے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ہر عقیدہ کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ حقائق میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہاد یہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیت و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں اس سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔  
معاذی میں ہے۔

**وَمَا فُهِمَ اِلَّا حُكْمٌ مِنْ تَحْوِ الظَّاهِرِ وَالنَّصِّ وَالْمَقْسُورِ لَيْسَ مُحْتَضَّاهُ دَاۤیِ بِالْمُحْتَنَدِ بَلْ يَقْدَرُ عَلَیْهِ الْعُمَمَاءُ لَا عَمَّ**

”جو حکام ظاہر نص و مفسر سے سمجھ جاویں۔ وہ مجتہد سے خاص نہیں۔ بلکہ اس پر عام عہدہ قائم ہیں۔“  
مسلم اثبوت میں ہے۔ **وَاِیضًا شَاعَ وَدَاعَ اِحْتِحَاحُہٗ سَدَّ وَحُلْفًا بِالْعُمُومَاتِ مِنْ غَیْرِ کُبَرٰ**  
تیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و صف میں بغیر کسی انکار کے شائع ہے۔

قرآن بھی فرماتا ہے **فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر والوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں۔ چوتھے یہ کہ مسئلہ حاضر و ناظر پر فقہاء محدثین اور مفسرین کے قوس بھی آئمہ و فضلوں میں آ رہے ہیں دیکھو و غور کرو حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

## دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزریں گی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر ۶، ۷، ۸، ۹، جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر ہماری امت اپنی صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ داروں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ کی طرح ن کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جائیں گے خصوصاً امر قافہ، ررقانی، وغیرہ کی عبارتیں اس کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی۔

مشکوٰۃ باب اثبات عقد البقرہ میں ہے۔

(۱) فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّحْلِ لِمُحَمَّدٍ

”کبیر بن میت سے پوچھتے ہیں کہ قرآن کے (محررین اللہ) کے بارے میں کیا کہتے تھے۔“

الاعتصامات میں اسی حدیث کے تحت ہے ”یٰ ذَا الرَّحْلِ كَيْفَ وَبَيِّنَا تَغْضُرْتَ رَامِي خَوَابِنْد۔ ہذا الرحل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات متودہ صفت ہے۔ الاعتصامات میں یہی حدیث ہے یا حضار ذات شریف دے اور عیائے باہی طریق کہ (دقبر مشائے دے علیہ السلام حاضر ساختہ ہاشد دور دریں جا بشارتے است عظیم مرمتیں غزوہ راہ کہ گرامیدیں شادی جاں دہندہ زندہ در گور روند جائے دار دیا قبر میں عطا ہر ظہور آپ کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کر دیتے ہیں اور اس جگہ مثلاً قاتن فردہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقع ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں یہی حدیث ہے۔ فقیل یُكشِفُ لِلْمَيِّتِ حَتَّىٰ بَرَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَىٰ عَظِيمَةٌ

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔“

قططانی شرح بخاری جلد ۳ ص ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

فقیل یُكشِفُ لِلْمَيِّتِ حَتَّىٰ بَرَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَىٰ عَظِيمَةٌ لِّلْمَوْتِ اِنْ صَحَّ

”کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرحل معبود ذاتی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت سے سوال ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی مذاہن ہے۔ نیز کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا۔ میں انہیں جانتا ہوں پوچھتا ہوں کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے لائق آدمی کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھتا ہے مگر کچھ نہ کہتا ہے اور یہ اشارہ خارجی ہے۔

اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرنا سوال ہوتا ہے تو اس میں طبعی بدردستی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ دکھانا قریب کر کے بھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنہ کرتے ہیں اور قبر کہ چلی رات کو دولہا کے دیدار کی رات کہتے ہیں۔

المختصر فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جاہنگی قیامت یہ ہے کہ یہاں مرنے پہ غم نہ ہے نگارہ حیرا

مولانا آسی فرماتے ہیں۔

”ج چلوئے نہ سائیں کفن میں آئی جس کے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے۔ مرقد کی چکی شب ہے دولہا کی دید کی شب اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیا اسی لئے برکان دین کے وصال کے دن کو روز عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عرس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا کے دیدار کا دن ہے۔

اور ایک وقت میں بزرگ بزرگ ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر و ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب داری نگاہوں پر ہے۔ ملائکہ اس حجاب کو ہٹا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھایا۔

(۲) مشکوٰۃ باب آخر فی علی قیام النیل میں ہے۔

استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة فبرغ يقول سبحان الله ما ذا ابرل الليلة من الحرائر

وَمَا ذَا نُزِّلَ مِنَ الْفَتْحِ

"ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے پیدا ہوئے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر فتح ہے اور کس قدر فتح اتارے گئے ہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کو چشم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ باب منجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

سَمِعْتُ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ رُبَّمَا جَعَلَ وَابِئِ رِوَا حَهُ لِنَاسٍ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ حَبْرُهُمْ فَقَالَ أَحَدُ الرُّأْيَاةِ رُبَّمَا فَاصَّبَ إِلَيَّ حَتَّى أَحَدُ الرُّأْيَاةِ سَيْفٌ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ يَعْنِي حَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

"حضور علیہ السلام نے زیادہ درجہ فرما دین رواج کی تک جبر موت آنے سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جہنہ اریہ نے لے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جہنہ اللہ کی لکھو ر خالدا میں وید نے پایا تا آنکہ کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ موت جو کہ یہ سورہ سے بہت ہی دور ہے ہاں جو کہ ہو رہا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب انکرامات کے بعد باب وقایع نبوی علیہ السلام میں ہے۔

وَأَنْ مَوْعِدُكُمْ الْحَوْضُ وَأَنْتُمْ لَا تَنْظُرُ إِلَيْهِ وَأَنْ فِي عَقَامِي

"جہاں رہی ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔"

(۵) مشکوٰۃ باب تسویۃ الصف میں ہے۔

اقْبِمُوا صُفُوفَكُمْ فَاسِي اِرْتَكِبْ مِنْ ذُرِّيَّتِي "اپنی صفیں سیوی رکھی کیونکہ ہم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔"

(۶) ترمذی جلد دوم باب العلم باب ما جاء فی دھاب العلم میں ہے۔

كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَحْصَنَ بَصَرُهُ لِي السَّمَاءُ ثُمَّ قَالَ هَذَا وَإِنْ نُحْتَلِسُ الْعِلْمَ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا عَلَيَّ شَيْئًا

"ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ علم لوگوں سے چھین لیا جائے گا حتیٰ کہ اس پر بالکل قابو نہ پا سکیں گے۔"

اس حدیث کی شرح میں طاعی قاری مرقۃ کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔

فَكَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ تَحْصِنَ بَصَرَهُ أَجَلُهُ فَاحْبِرْ بَدَنَكَ

"جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ پر آپ کی موت کا قرب ظاہر ہو گیا تو انکی خبر دے دی۔"

(۷) مشکوٰۃ شروع باب الخصال میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

فَأَنسَى رَى الْفَتْحِ تَفْعَ حَلَلِ بِنُوتِكُمْ كَوَفِ الْمَطَرِ

"میں جہاں سے گھروں میں بارش کی طرح تھمتے کرتے دیکھتا ہوں۔"

معلوم ہوا کہ یریدی و جاری تھمتے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آنکھوں کے واقعات اور دور قریب کے حالات اور حوض کوثر حست و دور رخ و غیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدا کو بھی خدا کے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے۔

(۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب انکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو کجا کر کہا دند بیجا۔

فَيَسِمَا عُمَرُ بِحَطُّتٍ فَجَعَلَ يُصْبِغُ بِأَسَارِيَةِ الْحَبْلِ

"عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے کہ اسے ساریہ یہ یاد رکھو۔"

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ یہ یاد رکھو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے کیا۔ خدا نے انکو شکست دے دی۔

(۹) امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حادث بن عمران اور حارث بن عمران رضی اللہ عنہما سے

روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار نے مجھ سے سوال فرمایا کہ اسے حادثہ تم کس حال میں دیا۔ میں عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے میں نے عرض کیا۔

وَكُنِّيَ اسْطُوْا اِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ بَارِزًا وَّكَانِيْ اَنْظُرُ اِلٰى هٰلِ لَحْنَةِ يَنْبَرٍ وَّرَوُّوْنَ فِيْهَا وَّكَانِيْ اَنْظُرُ اِلٰى اَهْلِ الدَّرِّ يَنْصَاعُوْنَ فِيْهَا

"میں کو عرش الہی کو تہہ ہر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں جتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔"

یہ تھوڑا کٹھنی شریف میں نقل کیا ہے۔

بشت حث بہت دورخ پیش من است پیدا ہم چل بت اہم خوش ہن  
یک یک دای شام خلق ما ہم مگرم من رجہ در آہا  
کہ بشتی کہ دریاہ کی است خوش من پیدا چو مورد ہاہی ست  
مں گویم یا فرد بندم نفس لب گزیش مصطفیٰ جی کہ ہں

میرے ۷۸ بشت اور ۸۰ دورخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک قلوب کو یہ پہچانت ہوں جیسے جگہ میں جواد گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے یہ سب پھلی اور خوشی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں۔ حضور نے ان کا سہہ بکریا کہ اس۔

جب اس آفتاب کے زروں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کو نبین کی نظر کا کیا پوچھتا ہے۔

۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز رکوع میں عت صبا کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ بیٹا جاتے ہیں بعد نماز صبا بے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑیں۔ مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم واجب قائم رہے۔ مگر یہ توڑ بیٹے تو لوگ تاقیامت اس سے کہتے رہے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جسم مدینہ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے باغ کے خوشہ پر یہ ہے حاضر دناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ادنیٰ کشی پر پہنچ کر پڑ پار کر سکتا ہے۔

## تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء امت کے اقوال سے

۱) در مختار جلد سوم باب المرتدین بحث کراہت اولیاء میں ہے۔

یا حاضر یا ناظر لیس بکفر "اے حاضر اے ناظر کفر نہیں ہے۔"

شافی میں اسی کے ماتحت ہے۔

فإن الشخصور بمسئ العثم شائع ما یكون من بحوی ثلثة لا هو راغفهم والطر بمعی الرویة الم یعمہ ہاں للہ نبوی فاللمعی یا عالمہ من رأی

"(بخاری) کیونکہ حضور بمعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تم کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نظر بمعنی دیکھتا ہے رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے ہاں نکلے معنی یہ ہوئے کہ اسے عالم اے دیکھنے والے۔"

۲) در مختار جلد اول باب کلیۃ اصولہ میں ہے۔

و یقصد بالفاظ التشہد الاشء کأنہ بحی عی اللہ ونسلم علی سہ نصہ

"القیات کے لفظوں میں خود کہنے کی ریت کرے گویا ہماری رب کو تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔"

شافی میں اسی صورت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

ای لا یقصد الاحبار والحکماء عثا وقع فی المعراج منه علیہ السلام ومن رآہ ومن المثنیة

"یعنی اقیات میں معراج کے اس کلام کے قصد کی نیت نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہو۔"

فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر دناظر کہنا کفر نہیں ہے اور اقیات میں حضور علیہ السلام کو حاضر چان کر سلام عرض کرے اقیات کے متعلق اور بھی عبارت "تی ہیں صحیح ابیرکات میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں۔ "و علیہ السلام بر احوال و احوال بامت مطلق ست بر مقرباں و



خاصیت رنگا رنگ جو مفیض و حاضر و ناظر است۔ ”حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین یا رنگا رنگ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ ہزرم کشی۔ ص ۱۰۱ اقرب السبل یا تنوید سید ارساں میں فرماتے ہیں۔ ”چندیں اختلاف و کثرت مذاہب کے درمیان امت ہست یک کس دریں مسئلہ خلائی نیست کہ حضرت علیہ السلام تکلیف حیات سے شائبہ مجاز تو ہم تاویل و انہم و باقی امت و بر غمال امت حاضر و ناظر ہست و مراد بیان حقیقت را و حو جہاں حضرت را معیض و مرئی (او خال سب) اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے امتحان کے باقی و در انہم ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبکار اور حاضرین یا رنگا رنگ کو فیض رساں اور مرئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح توح النبی ص ۳۳۳ فرماتے ہیں۔ ”اھم ما جیہ یمیم السلام بحیات حقیقی و دنیاوی حی و باقی و منحصر ان دریں جائز نیست۔ ”انبیاء یمیم اسلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و محل و آدھ مرانے والے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں۔

مرقات باب ما یقال عند حضورہ الموت کے آخر میں ہے۔

و لا تباعد عن الاولیاء حیث طوب لھم الارض و حصن لھم ابدان مکتسبۃ متعددۃ و حد وھا فی اماكن مختلفۃ فی ان و اجد

”یعنی دنیا، اللہ یک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں وراں کے یک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔“

علامہ ہیں۔ ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام عبدیک ابھ النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
”جب گھر میں کوئی نہ ہو تو کہہ کر اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔  
اس کے ماتحت طاعنی قادری شرح فطامین فرماتے ہیں۔

لان روح نسی علیہ السلام حاضر فی نبوت اھل الاسلام

”کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔“

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں۔ ”اگر کسی دربار و دربارت پر دے علیہ السلام و ہاں در حال ذکر کو یا حاضر است قیام تو در حاکم حیات دی بھی تو اور احتیاج با جداس و تقسیم و حیثیت و جدا جدا نگہ دے علیہ السلام ہی پیدا می شود و کلام ترازیہ کہ دے علیہ السلام متصف است بصفات الہیہ و یکے در صفات الہی آں است کہ اس حلیہ میں ذکر می۔“ حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور یاد بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے رہو کہ حضور حاکم حیات میں تمہارے سامنے ہیں و تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تقسیم اور حیثیت و جدا جدا رہو اور چاہو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی یک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذکر کا کام نہیں ہوں۔ امام ابن عربی، عارج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم ص ۱۰۱ در فصل ثانی ریاۃ قبرہ الشریف میں فرماتے ہیں۔

وقد قل غصماء لا فرق بین موتہ و حیوۃ علیہ السلام فی مشاہدۃ لائنہ و معرفۃ باحوالہم و نبیائہم و عرائسہم و حواطیرہم و ذالک حلیۃ عندہ لاحقاء نہ

ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دنیاوی اور رازے اور اس کی باتوں کو جانتے ہیں یا آپ کو ہاں نکل ظاہر ہے۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔“  
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں طاعنی قادری فرماتے ہیں۔

وقال الغزالی سلم علیہ ادا دخل فی المسجد فائ علیہ السلام یحضر فی المسجد

”امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں جاؤ تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو تو جگہ آپ مسجد میں موجود ہیں۔“

تیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

الانبياء علیہم من حہتہ الاحسام و الطواہر مع البشر و بواسطہم و قوہم الروحانیۃ منکبۃ و لداتری مشارق الارض و مقاربہا تسع اطیاط السماء و تشعہ راعیۃ حیریں اذا اراد السؤل الیہم  
”مجھے کرام جسمانی و دنیاوی طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں بھی ہیں اسی لئے وہ زمیں کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چار چاندیہ ہستیں ہیں اور جبریل کی خوشبو پہنچنے ہیں جب وہ اس پر اترتے ہیں۔“

درائل الثیرات کے ختم میں ہے۔

وقيل لرسول الله اراء يب صلوة النصيب عليك من عاب ومن ياتى بعدك ما حالهما عندك فقال اسمع صوة هل محسبى واعرفنيهم وعرض عني غيرهم عرضاً

”حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور انکو پہنچاتے ہیں اور غیر خالصین کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

شفاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

عن عیصمة قال اذ حدثت المسجد اقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته

”عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔“

اس کی تائید یوں آدوں نے بحار باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوئی ہے۔

مدارج النبوۃ صفحہ ۳۵ جلد دوم قسم چہارم و سلم حیات عیاء میں ہے۔ ”اگر بعد ازاں گویہ کہ حق تعالیٰ جس شریف راجا لے قدر سے عظیمہ و است کدر ہر مکان کے خود بہ تشریف عظیمہ خواجہ عیاض خواجہ جمال خواجہ آسان و خواجہ برہن خواجہ رقبہ یا غیر دے صورتے دار و پا وجود و نسبت خاص بظہور در ہر حال۔“ اس کے بعد گر کہیں کہ رب تعالیٰ سے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواجہ عیاض اس جسم سے خواجہ جسم مثالی سے خواجہ آسان پر خود قبضہ میں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت راقی ہے۔ مصباح الہدایۃ ترجمہ جہاد رقبہ المعارف مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے۔ ”کس بایہ کہ بندہ بچاں کہ حق بخاندہ پیوستہ بر صحت احوال خود طہر آداب طہارۃ وقف و مطلق بپند رسول اللہ علیہ السلام را نیز طہارۃ باطن و خرواندہ تا مطالعہ صورت و تقسیم دو کات اور ہوا رہہ بکافکت آداب و طہر شریک بود از قائلت دے مراد طہارۃ شرم دار و دو کاتہ دقیقہ و دقائق آداب صحبت و افروختہ گزرو۔“ پس چاہئے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کو ہر حال میں ظاہر و باطن طور پر وقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن جانتے تاکہ آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تقسیم و تقار کرے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے۔ آپ کی ظاہر و باطن میں تقابلت سے شرف کرے اور حضور علیہ السلام کی محبت پاک کے ادب کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔

فتاویٰ رفیعہ و معاد است کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا خضوع و اطاعت و غرضی واضح ہوا اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کمازی لہر میں حضور ﷺ کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم در بخار اور شامی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگان دین کی عبارتیں سنئے اور پہنچان دین کو تازہ کیجئے۔ اشعۃ اللمعات کتاب اصول آداب التکلمہ اور مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۳۵ آداب پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ ”و بعضی عرفا گفتہ اند کہ میں بہت سرایاں حقیقت محمدیہ ست در در و موجودات و افر و ممکنات پس آنحضرت در ذرات مصطفیان موجود حاضر است پس مصفی را باید کہ معنی آگاہ شدہ و ازین شہود غافل نہ بودا و اقرب و اسرار معرفت سور و قائمہ گردا۔“ بعض عارفین نے کہا کہ اقیات میں یہ خطاب اس لئے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے در و درہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کئے ہے۔ پس حضور ﷺ لہر کی دست میں موجود حاضر ہیں لہر کی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے لہر اور معرفت کے ہیروں سے کامیاب ہو جاوے۔ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم لہر کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔

و حصصی فیک انشی علیہ السلام و شحصہ الکریم و قل السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو آپ کی ذات پاک کو حاضر جانتا ہو اور کہو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

و برکاتہ اسی طرح مرقاۃ آداب التکلمہ میں ہے۔ مکمل الکلام میں خواجہ صدیق حسن خان بیوپاری دہلی صفحہ ۳۳ پر وہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ اللمعات کی اقیات کے بارے میں لکھی تھی کو چاہئے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر اقیات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں۔

در رہ عشق مرحدہ قرب و بعد میت ی جمع عیاض و دعای فرستہ

عشق کی راہ میں دور و قریب کی مزن نہیں ہے تم کو دیکھتے ہوں اور دعا کرتا ہوں ا

علامہ شیخ محمد فرماتے ہیں۔

و حو طب علیہ السلام کائنۃ اشارۃ ائہ تعالیٰ یکشف لہ عن المصلین من ائمہ حیۃ یکنون کالخاصر یشہذ لہم لنعقل اعمالہم و لیکون قد کثر خضودہ من لمرید العشوق و الخضوع

”حضور علیہ السلام کو ہر خطاب کیا گیا شاید کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں سے نہروں کا حال آپ پر ظاہر فرمادیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ مثل حاضر کے ہوتے ہیں اس کے اعمال کو لکھنے میں اور اس لئے کہ آپ کی حاضرت کا خیال ریاضتی حشوع و خضوع کا سبب ہو جاوے۔“

مسئلہ ضرر و ناظر بعض قسمی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ روج شرق میں ہو اور روج مغرب میں اور بچہ پیدا ہو۔ اور روج کھانا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اس کا ہے شاید یہ ولی اللہ ہو در کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔

دیکھو شری جلد دوم باب ثبوت النسب شری جلد سوم باب المرتبة من مطلب کرامات اولیاء میں ہے۔

و طس المسافة منه لفعله عليه السلام رويت لى لارض ويدل عليه ما قالو فيمن كان فى المشرق وتروى امرأة للمغرب فالتت بوليد بدحضه وفى انصار حابة ان هذه المسئلة تؤيد الحوار " دور ستر طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے کہ میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی۔ اس پر وہ مسئلہ درست کرتا ہے جو فقہانے کہا کہ کوئی شخص شرق میں ہو اور مغرب میں رہے والی عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت بچہ بنے تو بچہ اس مرد سے ملحق ہوگا اور شاذ خاصہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہو سکتی تائید کرتا ہے۔"

شرعی یہی مقام۔ والاصاف مذكورة الامام نفی حسین عن عبدی حکى ان نكبة كات نروى واحذ من الاولياء هل يجوز القول به فقل نقض العادة على سبب لكرامه لاهل الولاية حنوز هي السنة " نصاب کی بات وہ ملتی ہے جو امام مٹلی نے اس وقت کہے جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک دن کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لئے خلاف عادت کا سر کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔"

اس صہارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لئے عالم میں پھرتا رہتا ہے۔

تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں ہے۔

قال الامام العزالي والرسول عليه السلام له الحجاز في طواف العالم مع ارواح الضحابة لقدر افة كثير من الاولياء

" امام عزانی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں یہ فرمانے کا اپنے صحابہ کے ہمراہی کے ساتھ اختیار ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔" ائمہ لاؤ کیا وہ فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

الطظر فی اعمال ائمتہ والاستعصار لئمتہ من الشیبات والدعاء بکشف البلاء عنهم وتروذ فی المضار الارص والسرکة فیہا وخصوز حسارة من صالحی ائمتہ ان هذه الامور من اشدله کما وردت بدلك الحديث والار

" اپنی سنت کے اعمال میں نکاح رکھنا ان کے لئے گناہوں سے استفادہ کرنا ان سے دفع ہلاکت اور فرمائنا اطراف زمین میں آنا جانا اس میں برکت و نفاذ اور اپنی سنت میں کوئی صانع آدمی مر جاوے تو اس کے جنازے میں جانا یہ جرم ہی حضور علیہ السلام کا عقیدہ ہیں جیسے کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں۔"

امام غزالی اللہ من الصلال میں فرماتے ہیں۔ "رباب قلوب مشاہدہ کی کنندہ و پیرواری انبیاء و ملائکہ و روحانہ کا مہم کا کام ہی شہید ہائیں۔

" صاحب دل حضرات جانتے ہوئے انبیاء و ملائکہ کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی شرح حدود میں فرماتے ہیں۔

ان اعتقد الناس ان روجه ومثابه فی وقت قراءة المولد وحرم مصاص وفراءة الفصائد بعصر حار " مگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی روح اور آپ کی مثال مولود شریف پڑھنے اور ختم مصاص اور نعت خوانی کے وقت آتی ہے تو جائز ہے۔ مسوی عبدالحی صاحب رسالہ ترویج الیماں تشریح حکم شرب الخمر میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خوان تھا اور حقہ بھی پیتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حقہ آ جاتا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کی ذرہ ذرہ پر ہے اور نہ رخصت و قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجال میں اسی طرح صاحبین کی نماز جتارہ میں خاص طور پر اپنی جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح برآیت ان ارمسک شاہدا ہے۔

فإنه لما كان أول مخلوق خلقه الله كان شاهداً بوحدانيته الحق وشاهداً بما أخرج من العدم إلى الوجود من الأرواح والنفس والنفوس والاحياء والاركان والاحياء والمعادن والنبات والحيوان والمك والحی والنسب والانس وغير ذلك لئلا يشك عنه ما يمكن للمخلوق واسرار افعاله وعجابه

"چونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لئے اس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کو شاہدہ کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے روح، نفوس، اجسام، معدنیات، نباتات حیوانات فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار اور عجائب غفلت نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہے۔"

اسی جگہ کچھ اے مال کر فرماتے ہیں۔

فشاهد حقيقه وما حُرِي عليه من الاكراه والاحراج من لحيته بسبب المحالفة وما ناب الله عليه الى اخر ما حُرِي الله عليه وشاهد خلق ابليس وما حُرِي عليه

"حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا ان کی تعظیم ہونا اور خط پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر تو یہ قبول ہونا آخر تک کے سارے معاملات جنہاں پر گزرے سب کو دیکھا اور ابلیس کی پیدا کیش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالت کا شاہدہ فرمایا۔

یہی صاحب روح الہیوں کچھ اے مال کر ہی مقام پر فرماتے ہیں۔

فقال بعض سكاران مع نخب سمير فبعد من روح نبي عليه السلام هي لرفيق العبيد عليه ولما فقص لروخ لنعلمه عن ادم ائدي كمال به د سم لا بصين ولا بسبي حرم عليه ما حوري من نسب وما يتبعه بعض اكار برن فرمايا کہ ہر سید کے ساتھ حضور علیہ السلام کی روح رہتی ہے اور یہی رقیب جمہ سے مراد ہے در جس وقت روح محمدی کی توجہ دینی حضرت آدم سے ہٹ گئی تب اس سے لسیاں اور اس کے نتائج ہوئے۔"

ایک حدیث میں ہے کہ جب راتی راتا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔

روح الہیاں میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفیٰ ہے یعنی جو مومن کوئی چھ کام کرتا ہے تو حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی ہے تو تنہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عن قصیدہ نعمت میں فرماتے ہیں۔

و ادا سمعت فعك قول طيبا و ادا نظرت فلا اري الاكبا

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں

اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا

## چوتھی فصل

### حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تجدید الناس مضاف ایش مولوی قاسم صاحب پانی پور سے یوں کہتے ہیں کہ **السُّبُّ رِسَالَةُ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ** کو بعد کا صمد **مِنْ أَنْفُسِهِمْ** کے دیکھتے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ و قریب ہے کہ نہ کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ معنی اقرب ہے۔ ترجمہ مراد مستقیم مضاف مولوی انشیل دہلوی ص ۱۳ میں چمکی بدیت جب عشق کے بیان میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں۔ "اسی طرح جب اس طب کے نفس کامل کو روحانی کوشش اور جذب کی موجیں ادریت کے دریاؤں کی تہ میں کھینچ کر لے جاتی ہے تو **سَا الْحَقِّ** اور **لَيْسَ فِي حُبِّي سِوَى اللَّهِ** کا دورہ اس سے صادر ہوسکتا ہے اور یہ حدیث قدسی **كُنْتُ سَمْعَهُ** **الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَبَدَنَهُ الَّذِي يَبْطِشُ بِهِ** اور ایک اور روایت کی رو سے **لَسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ** اسی حالت کی دکایت ہے۔ اس عہدت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان **دَقِيقِ** اللہ ہو جاتا ہے۔ تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوتا اور بولا ہے۔ یہی عام کی ہر چیز دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو چکرتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان خدائی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جائیں تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ ذکر خدائی اللہ کوں ہو سکتا ہے تو بدراجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے۔ امداد اسلوب صنفی ایش مولوی رشید محمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

"ہم علیہ عظیم دیکھ کر روح شیخ متعب یکے مکان بیست پس برجا کر مرید باشند قریب یا بعید اگرچہ شیخ اور ست اور دعائیت اور در بیست چہ اس امر محکم دار و ہر وقت شیخ را بونا و وار و در دہ قلب پیدا آید ہر دم مستغنیہ بود شیخ و قلب حاضر آرد و ہر حال سوال کند ابنت روح شیخ ہاں اللہ تعالیٰ القاء خود ہر دگر رہا تمام شرط ست و سبب رہا قلب شیخ را سن قلب باطنی کی خود ہوئے حق تعالیٰ راہے کشند حق تعالیٰ اور احمد ثقی کی کند۔"

"مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگرچہ پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت اور نہیں جب یہ بات چلت ہوگی تو ہر وقت پیر کی یاد رکھے اور وہی تعلق اس سے ظاہر ہو و ہر وقت اس فائدہ دیتا ہے مرید واقعہ جات میں پیر کا تعلق ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے دیکھنے پیر کی روح اللہ کے حکم سے ضرور القا کر گئی۔ مگر پیر تعلق شرط ہے اور شیخ سے یہ تعلق کی وجہ سے بدل کی رہا ہو گویا جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ مکمل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اسکو صاحب الہام مکر دیتا ہے۔"

اس عہدت میں حسب ذیل فائدے ہیں (۱) پیر کا مرید دل کے پاس حاضر و ناظر ہوتا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہتا (۳) پیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھو کر پہنچے پیر سے ملے (۵) پیر مرید کو القا کرتا ہے (۶) پیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب پیر میں یہ طاقتیں ہیں تو جو ملاکہ اور نسلوں کے شیخ الشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات مانا کیوں شرک ہے؟ اس عہدت سے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی پھیر دیا **للہ الحمد** سب تقویٰ ایمان ختم۔ حفظہ ایمان محمدی میں مولوی اشرف علی صاحب تھلوی لکھتے ہیں کہ ابویزید سے پوچھا گیا **طیبة زمین کی نسبت**۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو ایش مشرق سے مغرب تک ایک خطہ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عہدت میں صاف اقرار ہے کہ آفاقا مشرق سے مغرب تک پہنچے جاتا اعلیٰ اللہ تو کیا کائنات زمین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہونا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقریب الامان کے لحاظ سے شرک ہے۔ مسک الختام معتمد ثواب صدیق ص حال بھوپالی و ہالی کی عہدت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اقیات میں اسلام عینک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے درو زوہ میں موجود ہیں۔ لہذا انماری کی ذات میں موجود حاضر ہیں۔ ان عہدت سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا غیبی و ضعیف ہے۔



# پانچویں فصل

## حاضر و ناظر ہونا کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جان کمال ہے یعنی جس قدر کمالات کردگار مہیائے کریم یا آئندہ اویسائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بلکہ ان سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرما دیئے بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے ان کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فَیْہْدٰی ہُمْ اَفْقَدَہٗ** آپ ان سب کی راہ چلو۔

اس کی تفسیر روح بیاباں میں ہے۔

**فَیَجْمَعُ اللّٰہُ کُلَّ خَصْلَۃٍ فِی حَبِیْبَہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ** "اللہ نے ہر ایک کی خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔" مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حسن یوسف دم بھی یہ بیضا داری

آنچہ خواہاں ہر دارم تو تھا داری

تیر ہووی محمد قاسم صاحب تفسیر اناس صلی ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے کراستوں کو پہنچاتے ہیں۔ فرض اور نبیاء میں جو یکوہ ہے وہ عقل و فکس محمدی ہے کہ قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن و احادیث و اقوال علماء سے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو ماننے میں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ جو صفت کمال کسی مخلوق کو ملی وہ تمام علی وجہ الکمال حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حضور و ناظر ہونا عطا کیا گیا، مانا پر ہے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حضور و ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہو۔ ہم اس بحث حاضر و ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حضور و ناظر ہونے کے تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام نام کو شل کف دست کے دیکھنا۔ ایک آن میں عام کی سیر کر لینا اور صد ہا کوس پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا متحدہ جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں۔

(روح البیہود و خازن و تفسیر کبیر و غیرہ تفسیر میں پورے سورہ انعام۔)

حتیٰ ذابوا احدکم الموت یوفیہ و صدنا جعلت لازمن ملک الموت مثل لفضیلت یسور من حیث شاء "یعنی ملک الموت کے لئے ساری زمین طشت کی طرح کردی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں لے لیں۔" اسی روح البیہود میں اسی جگہ ہے۔

لیس عنی ملک الموت صفوۃ فیض الارواح و ان کثرت و کانت فی امکۃ متعدّدۃ "ملک الموت پر جو فیض کرے جس کوئی دشواری نہیں اگرچہ روحیں زیادہ ہوں اور مختلف جگہ میں ہوں۔" تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

ما من اهل بیت شعر ولا صدر الا ملک الموت یطیّف بہم یومئذ مرئیں "کوئی خیمہ اور مکان والے نہیں مگر ملک الموت ہر روز ان کے پاس دوہر جاتے ہیں۔

مفلکونہا باب فصل ما ذان میں ہے کہ جب اذان و تکبیر ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے پھر جہاں پہنچتا ہے وہیں کہ پھر موجود اس تاریکی کے رقص کا یہ عالم ہے۔

جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرتی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے۔ **وَنَسُکُ اٰخَرٰی** اور جہاں کسی نے جسم کے پاس کھڑے ہو کر اس کو اغوا یا وہی روح جو بھی ملک مظہر یا مد۔ پاک میں تھی آنا کا نام جسم میں آکر داخل ہو گئی اور آدمی بیدار ہو گیا۔

روح بیابان ریا آیت **وہو الہدی یتوفکم باللیل** ہے۔

قد انتہ من النّوم عادت الروح الی جسمہ باسرع من لحظۃ

"یعنی جب انسان چاند سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لمحہ سے بھی کم میں لوٹ آتی ہے۔"

ہاں اور نظر آن کی آن میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آ جاتا ہے ہاں راخیال آن واحد میں تمام عالم کی سیر کر لیتا ہے کلی تاریکیوں اور دو ڈھنگ کی قوت کا

**اعتراض ۵** ترجمہ میں ابن مسعود سے روایت ہے۔

لَا يَنْفُصِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي شَيْئًا فَأَنْتَ أَحِبُّ أَنْ أُحْرَجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَعِيمٌ الْمَضْمَرُ  
"کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں۔"  
اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو جبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو ایسے ہی خبر دیتی۔

**جواب** انبیاء کرم کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ دینا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں  
جائی مگر اللہ صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ ب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف  
سے ناراض نہ بنائے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے **دُرُوسِي مَاتَرُ كُنْكُمْ** جب تک ہم تم کو چھوڑے ہیں تم بھی چھوڑے رہو۔  
**اعتراض ۶** غلطی میں ہے۔

**مِنْ صُنِّي عَلِيٍّ عَدَّ قَبْرِي سَمْعُهُ وَمِنْ صُنِّي عَلِيٍّ نَبَأُ الْبَلَاةِ**

"جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور دور سے بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچا دیتا ہے۔"  
اس سے معلوم ہوا کہ درود کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچنے والے کی کیا ضرورت ہے۔

**جواب** اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل یہ ہے کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ درود دور والے کا  
درود سنتے بھی ہیں اور پہنچا دیتے ہیں۔ یہ ہم کا ضرور ناظر کے ثبوت میں دلیل ظہور کی ضرورت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم نفس نہیں  
خود ہی سنتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچا دیا جاتا ہے تو درود قریب سے مراد ولی درود کی قرعہ ہے نہ کہ مسافت کی طرف سے۔

**مگر یہ مٹی و پٹیل دور بھی** **مگر ہا مٹی دور بھی پیش مٹی**

پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ ورنہ ہا نگہ بند گنگے اعمال ہا نگہ اسی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی  
پٹیل میں بندوبست کی عادت ہے کہ درود آپ کی برکت سے ان کا یہ تہہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہ امی ہا نگہ میں آ گیا۔ **صُنِّي لَكَ عِدَّةٌ وَسَمْعٌ**  
فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توہین نہیں۔ دیکھو شی باب امرتین کیونکہ یہ توہین حق الہیہ ہے جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا مگر  
توہین کی صورت کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق الہیہ کی خبری۔ نسبت اسی وقت حق الہیہ بنتی ہے جب اس کی جبراس کو ہو جائے جس کی قیمت کی گئی ورنہ حق اللہ  
رہتی ہے۔ دیکھو شرع نقدا کبر معصہ مدلی قاری۔

کتاب جہاد مال فہم معصہ ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ ص ۳۷۷ حدیث نمبر ۱۰۸ میں ہے۔

**لَيْسَ مِنْ عِبَادَةِ يَنْصُنِي عَنِّي الْإِنْفُصِي صَوْنَهُ حَيْثُ كَانَ فَبَعْدَ وَفَالنَّكَ فَإِنْ وَبَعْدَ وَفَاتِي**

"یعنی کوئی گنہگار سے دور و شریف پر مے مجھے نکل آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہیگا۔"

حالا لہام مطبوعہ ادارہ المطابع الحدیثیہ یہ ص ۳۷۷ میں انہیں معصہ مولانا جلال الدین سیوطی ص ۳۲۷ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔  
**أَصْحَابِي حَوْسِي صَلُّوْا عَنِّي فِي كُلِّ يَوْمٍ لَا تَنْبِسُ وَاجْمَعَةُ بَعْدَ وَفَاتِي فَاسْمِعْ صَلَاتَكُمْ بِأَوَّلِ اسْطِطَةِ**  
یعنی ہر جمعہ کو کچھ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔"

**اعتراض ۸** لغوی برائے میں ہے۔

**مِنْ قُلِّ أَنْ رَوَّاحَ الْمَشْرِحِ حَاصِرَةٌ نَعْمٌ يَكْفُرُ** "جو کہے کہ مشائخ کی رو میں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہیں۔"

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح اعجاز ص ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین والوازم الوصیت از عظمیٰ و شہید مراد ہر کس در ہر جاد قدرت بر جمیع  
مقدورات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے لئے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت  
کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب در ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا حد کی صفت ہے۔ کسی اور میں ماننا صریح کفر ہے۔ یہ فقہ کی معتبر کتاب ہے  
وہ حکم کفر و کفر ہے۔

**جواب** لغوی برائے میں ہے ہر عبارت کے زو میں تو حائضین بھی آتے ہیں۔ اور انہوں نے کہ ہم اہل ادا السلوک معصہ مولوی رشید احمد صاحب کی  
عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جانے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لئے  
کہ برائے میں عبارت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے ہر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی  
مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا علم بھی مانے تو کافر ہے اب حائضین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام صلین بر رخ وغیرہ  
جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانے کی۔ پس کہیں بھی مانا کفر ہوا۔ تیسرے اس لئے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں مشائخ کی عبارت پیش کر چکے

ہیں کہ یہ حاضرین ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ بعضہ المذہبات اور احیاء العظمیٰ یکدوب معہ حق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عہد امت بیان کر چکے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جلال کر **السلام علیک یھذا النبی** کہے۔ اب ان اکابر فقہاء پر ہر ذریعہ کا فتویٰ جاری ہو گا یا نہیں بعد اماننا ہو گا کہ ہر اذیہ میں جس حاضر و غائبا نے کو کفر فرمایا جا رہا ہے وہ حاضر و ناظر ہونا ہے جو صفت الہیہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب، بغیر کسی جگہ میں ہونے کے ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں، پہلے سوال کے جواب میں ہم فتویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ کی عبارت اور براہین مکتبہ صفحہ ۲۲ کی عبارت نقل کر چکے ہیں۔ جس سے ثابت ہو کہ مولوی رشید احمد ڈھیلی احمد صاحبان بھی اس فتوے میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و نبیاء کی قدرت تمام قدورات الہیہ پر تہذیبی طرف ماننا کفر ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب **و یسکون النسنون علیکم شہیداً** کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ اس کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

**اعتراض ۸** اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہذا یا تو حضور نور نہیں یا نور ہیں مگر ہر جگہ حاضر نہیں۔

**جواب** اس کے دو ہیں ایک اثری دوسرا تحقیقی۔ جواب اثری تو یہ ہے کہ قرن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی غیر فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی سر رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہذا یا تو فرشتے۔ قرآن مجید۔ خدا تعالیٰ نور نہیں یا حاضر نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لئے دیکھو۔ دے لے میں بصیرت کا نور چاہئے بھٹل مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

**اعتراض ۹** بعض علماء میں جب کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم طیس میں ہر جگہ پہنچ جائیں گی طاقت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت میں یہ طاقت حسیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ دیگر حقوق کے کلمات و ظہروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ "راہل اس میں بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں" رجوم المؤمنین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو وقت بلقیس لانے کی طاقت حضرت سلیمان میں تھی اور آصف میں تھی وہ نہ آپ خود ہی کیوں نہ سنے اسی طرح پند نہ کہہ کر **احصیٰ سماءہ نعظہ حیراً** اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی خبر آپ کو نہیں نیز پند کی آنکھ میں کے اندر کاپانی دیکھ سکتی ہے اسی لئے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں رہتا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کاپانی تائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر زمینی معلوم ہوا کہ نبیاء کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانوروں کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

**جواب** غیر نبی میں نبی سے زیادہ کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور حدیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبادت ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہ آغواں اعتراض خواہے مذہب کو پھوٹا ہے۔ شاہ شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے لگاں کامل حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر ۸۰ سال ہو اور وہ اس قدم مدت میں عبادت ہی کرے ور کہے کہ میری عبادت تو ۸۰ سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل تکمیل برسی کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ یہ دین ہے۔ ن کے یک بعد کے کا جو ثب ہے وہ ۱۷۱۲ء کو اس کی عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے صرف یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہی، درجہ اور ثب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے۔ مشکوٰۃ باب فضائل اصحاب۔ میں ہے کہ میرے صحابی کا قہوڑے جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ پھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ قصون ی اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۴ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اتری **بیلہ القدر حیر** میں لکھ شہر شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی ۷۷ مسلمانوں تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت نبی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جس مسجد پاک کے یک گوش میں سید الانبیاء و المرسلین یعنی مسجد نبوی وہاں کی یک رکعت پچاس ہزار سے بڑھ کر ثب رکھتی ہے۔ جس کے قریب میں ۱۷ عبادت ایسی پھونتی چلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اس طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بیہودہ بکواس ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وقال الادی عسده عثم من الکتاب اما انبک به فیس ان یزید الیک طرفک** (پارہ ۹ سورہ ۷۷ آیت ۳۰)

"اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت بھیس کو آپ کے یک چھپکنے سے پہلے صرغہ مت کر دوں گا۔"

معلوم ہوا کہ آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسرار عظیم یاد تھا جس سے وہ تختہ لائے۔ یہ علم حضرت سلیمان کی برکت سے ملے۔ پھر یہ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان میں یہ قدرت ہو اور ان کے استاد سیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو رہا ہے کہ پھر آپ خود نہ لے وہ بالکل ظاہر ہے کہ کام کرنا عوام کا کام ہے۔ کہ ملاطین کا وہ بہرہ سلطنت چاہتا ہے کہ خدام سے کام لیا جاوے۔ بادشاہ اپنے لوگوں سے پانی منگو کر پیتا ہے تو کیا خوراس میں پانی لینے کی طاقت نہیں۔ سب ممکن دیا کے سارے کام فرشتوں سے کرتا ہے کہ بارش برساتا، جہاں لگانا، پیٹ میں کچھ بنانا سب ملانگہ کے پیر دے تو کیا خدام میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔

تفسیر روح البیان نے زیرِ بحث **فصل شہریں** **فصل** پانچم سورہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان کا آصف کو بتلیسی تختہ دے گا حکم دیتا اس لئے تھا کہ آپ نے اپنے وجہ سے قرآن چاہی یعنی یہ کام خدام کا ہے۔ اسی طرح وہ بہرہ کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جسکی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ کو خبر تھی کہ یہ وہ کچھ کہ شاہ اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہہ یا ہذا اس سے سند نہیں پکڑی جاسکتی۔ نیز ہندو نے عرض کیا کہ **حطت لہم لہ** میں وہ بات دیکھ کر آیا تو آپ سے دیکھی یعنی اس ملک میں آپ یہاں جس شریف مشاہدہ فرمائے۔ گئے خبر کی لٹی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ خبر تھی مگر نشانہ لگی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک ہندو چڑا کے دربار ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ غنیمت کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے اگر حضرت سلیمان کو خبر نہ تھی تو آصف اس پر فدا بغیر کسی سے پتہ پوچھے یمن کے شہر ہامی بتلیس کے گھر پہنچے اور اس کی تن میں تختہ کیسے لے آئے؟ معلوم ہو کہ سارے جس حضرت آصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کیسے نقلی رہ سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ معلوم تھا۔ مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تا کہ قضا سالی پڑے اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو۔ پھر باپ سے مدد کا تہا۔ نیز زمین کے نیچے کا پانی معلوم ہوا ہند کی یہ خدمت تھی مسلمانین ان کاموں کو آپ نہیں کرتے۔ مشغولی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے مورے اتار کر رکھ دیئے کہ ایک قیل نے جھپٹ کر ایک موزہ اٹھ لیا اور وہ بے جا درکارا کر کے پھینک دیا۔ جس میں سے سب لگلا۔ حضور علیہ السلام نے قیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے میرا موزہ کیوں اٹھا یا؟ عرض کیا کہ جب میں اذنی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا کہ اس میں آکر مجھ پر زمین کے سب نور ملے روشن ہو گئے۔ اس سے میں نے آپ کے مورے کے اندر کا سب دیکھ لیا تو اس خیال سے اٹھ گیا کہ شاید آپ بے نور میں تھے اس کو یمن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے مولانا فرماتے ہیں۔

دار در موردہ - ختم اور ہوا ۱ نیست در من عکس تست اے مصطفیٰ

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔

گرچہ ہر فیض خدا مدامود دل دریں لطف سخن مشغول ہوا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آج بہت تیز دانش تھی اور آپ قبرستان میں تھے آپکے کپڑے کیوں ترن ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا دیکھا ہو ہے؟ عرض کیا کہ آپ کا تہنہ شریف فرمایا۔

گفت بہر آں نمود سے پاک حبیب چشم پاکت را خدا ہار ان غیب ا

نہست ایما ہار ان الزیما اور شاہ دست ہار ان دیگر و دیگر سا ا

اے محبوب اس تہنہ شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے۔ یہ بارش نور کی تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اس کا ہوا اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتی۔ تم نے ہمارے تہنہ کی برکت سے اس کو دیکھ لیا۔ ہند کی کٹھ کو یہ طاقت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان کی صحبت سے۔

**اعتراض ۹** اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہ نظر ہیں تو حدیث پاک کا ضرہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

**جواب** جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر صحیح میں حضور علیہ السلام کے عرض پر جانے کا کیا فائدہ تھا؟ جناب مدینہ مودہ و ماسکت ہے۔ اور عاصی جی کا وجہ کہ بتی طاقت کے لئے پورا ہوا اس بلکہ اولیٰ ہذا کہ تو مختلف پادروں کے قلعے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے۔

**اعتراض ۱۰** اگر حضور خدا نظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو ہر جگہ حضور ہی امام ہونے چاہئیں۔

**جواب** کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کر سکتا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات شریف میں نماز پڑھائی حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضور کی موجودگی میں نماز پڑھائی خود حضور انور ﷺ نے ان کے پیچھے ایک رکعت پڑھی۔ جناب امامت کے لئے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے حضور حاضر ہیں اور تمام جہاں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں مگر وہ تو نظر نہیں آتے ناظر ہیں مگر منظور نہیں ہزار آپ یہ نہ کہی کو نہیں پڑھاتے کہ یہ نماز اسی عالم کی چیز ہے حضور دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وضو پر بے نماز عرض نہیں ہم پر فرض ہے عرض والا نقل والے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا۔

# حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

**مقدمہ** نبی کی تعریف اور ان کے درجہ کے بیان میں

**عقیدہ** نبی و انساں ہیں جن کو اللہ کے حکام شرعی کی تبلیغ کے لئے بھیجے (شرح حاتمہ) مہدائی تو غیر انسان ہوا نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَحَلًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ بِآيَاتِنَا

"اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر اس مردوں کو جس کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔"

معلوم ہو کہ جن ارشاد عورت و غیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ نبی عیسیٰ خلی خاندان اور عاقل نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اعتقاد اس کو عطا ہوتے ہیں۔ دلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہا شریعت) بخدائی جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہر قل بادشاہ روم کے پاس حضور ﷺ کا فرمان عادی پہنچا کہ **اسلم تسلم** سلام لےا سلامت رہے گا۔ تو ہر قل نے افسوس کیا کہ حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوچا نہ تھا۔

کہنے پہلا سوال یہ تھا کہ **کیف سبہ فیکم** تم میں ان کا خاندان و نسب کیا ہے؟ صحابہ نے کہا **هو فیما ذو نسب** وہ ہم میں بہت اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریش دشمنی و مظلومی میں **سبہ** نسب اس کے جواب میں ہر قل نے کہا **وکنہ لک لؤس نبعت فی قومہا** ہمیشہ جیسے کرم عادی قوم و اعلیٰ خاندان میں جیسے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو کہ امیہ نے کرم عادی خاندان میں تشریف لائے ہیں۔

**تنبیہ** بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاد اللہ بھائیوں، چھاروں، ہندوؤں، بدھ اور جینی وغیرہ میں اس کی ہی قوم سے آئے۔ ہذا لاں گرد، کرشن، گوتم بدھ میر وچنگ نہی تھے اس لئے ان کو یہ نہ کہو۔ قرآن فرماتا ہے۔ **لکل قوم ہاد** ہر قوم میں ہادی ہیں۔ نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے۔ **ووحب الہی ثم فوسی** وغیرہ ہذا یہ عورتیں نبی ہیں۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں اؤں تو اس لئے کہ وہ آیت پوری نہیں بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔

**انما است فسد و لکل قوم ہاد** تم ڈرستانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اسے محبوب قوم ہر قوم کے نبی ہو۔ مگر ہم کی کیا جاوے کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ قوم میں اس ہی قوم سے ہادی ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر قومیں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ السلام قریش ہیں۔ مگر پھان، شیخ، سید، فریدک ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں **ہادی** عام ہے کہ نبی ہونا غیر نبی۔ تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لئے رہبر ہوئے۔ بلکہ مہادیو، کرشن و میرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن و حدیث نے اس کی خبر نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ اس کا پتہ لگا دیا بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں۔ کسی کے منہ پر ہاتھ کی سی سونہ۔ کسی کے چوڑے پر نگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے دال کی صورتیں بھی۔

رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

ان ہی الا اسماء سمتموها انتم و اباءکم (پارہ ۲ سورہ ۵۳ اب ۲۳)

"یہ تمہارے بے اور تمہارے باپ داداؤں کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔"

جب ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں ہی مان لینا کون سی عقل مند ہے۔

دوسرا قول اس لئے ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جدہ کے دل میں القا یا ہا مکیا گیا تھا جسے قرآن نے **اوحی** سے تعبیر کیا وحی

یعنی الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے **واوحی ربک لی النحل** آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی یہاں وحی بمعنی دل میں ڈنا ہے حضرت مریم کو وہ وحی تسلی بھیجی اور نہ وہ تبلیغ حکام کے لئے بھیجی گئی۔ نیز فرشتے کا ہر گھام وحی نہیں اور ہر وحی تبلیغ نہیں بعض صحابہ نے ملائکہ کے کلام سے ہیں اور بوقت موت اور قبور و حشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کریں گے حالانکہ سب نبی نہیں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔

**عقیدہ** کوئی شخص اپنی عبادات و اعمال سے نجات نہیں پاسکتا۔ نہ تو شخص عطاء الہی ہے۔ **اللہ اعلمہ حیث یجعلہ رسالہ** اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے اور غیر نبی خواہ موحث ہو یا عقبہ بدال یا کچھ اور تو نبی کے برابر ہو سکتا ہے تناس سے بڑھ سکے یہ چند مورخیاں میں رہیں۔



پہلا باب

اس بیان میں کہ نبی علیہ کو بشر یا بشری وغیرہ کہنا حرام ہے۔

نہی جس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ جن یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے یہ یا وہی احکام ہیں۔ ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ کیونکہ وہی بولشہر ہیں اور حضور علیہ السلام اس وقت ہی ہیں جبکہ وہ علیہ السلام آب و گل میں ہیں خود فرماتے ہیں **کُنْتُ بَيْبٌ وَادَمُ بَيْسُ الْمَاءِ وَالطَّيْلِ** اس وقت حضور ہی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کہے یا درہیم کے پاب یا اے بھائی یا دادا وغیرہ برائی کے الفاظ سے یا کرنا حرام ہے۔ اور اگر ہانت کی نیت سے پکارا تو کافر ہے۔ عائشہؓ کی وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ غرض حضور علیہ السلام کو **هَذَا الرَّجُلُ** یہ مرد ہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع اللہ میں وغیرہ عظمت کے کلمات سے یا کرنا، رام ہے۔ شعرہ جو اشعار میں یا محمد لکھ دیتے ہیں وہ سچی موقع کی وجہ سے ہے پڑھنے والے کو رام ہے کہ **حَسْبِيَ عَدِيہ وَاسْمِہ** کہہ لے، اسی طرح جو کہتے ہیں کہ

اب کیا جو نہ کرم ہے وہ بھلی حیرا

یہ تیرا انتہائی نازک کلمہ ہے جیسے آقا میں تیرے قرباں۔ اے ماں تو کہاں ہے؟ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما اس تو اور تجھے کی حیثیت اور ہے۔  
(۱) قرآن فرماتا ہے۔

لا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پارہ ۸ سورہ ۲۴ آیت ۶۳)  
 وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (پارہ ۸  
 رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کرتے کہ جیسے ایک دوسرے  
 کہیں تمہارے اعمال بے ہودہ ہو جاویں اور تم کو خبر نہ ہو۔"

منطقی احوال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تاریخ جلد دس واصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے 'تکوید اور اہتمام سہارکہ' اور پناہ تکذبی خواہندہ ہنسنے رہنا بعض راہکار بلکہ مجنوں یا رسول اللہ یا نبی یا تو قیرو تو ضیع۔ "نبی علیہ السلام کو ان کا کام پاک لے کر نہ جا، جیسے بعض بعض کو جانتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ تو قیرو و عرت کے ساتھ۔

تفسیر روح البیان در آیت **لَا تَجْعَلُوا** -

والمعنى لا تتعبدوا بديانكم أيافاً وتسميكم له كدء بعضكم بعضاً لاسمه مثل با فحتمل ويد ابن عبد الله  
ولكن بسبقه الضميمة مثل يا بني الله ويد رسول الله كما قال الله تعالى يا أيها نبي ويا أيها لرسول  
"معنى یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام پڑنا ایسا نہ بنانا جیسا کہ بعض لوگ بعض کو تاس سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا بن عبد اللہ وغیرہ لیکن ان  
کے عظمت و بے القاب سے پکارنا جو ہے نبی اللہ یا رسول اللہ جیسا کہ خود سب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول"

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین دہم دہش سے معلوم ہو کہ کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے خواہ میں، کلام میں، ہر دیش۔  
 ۲) دینوی عظمت والوں کو بھی اس کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ اس کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے لفظ سے یاد کرتے ہیں مگر کوئی بچہ، ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام سے کر پکارے یا اس کو بیٹا وغیرہ کہے۔ تو اگرچہ بات تو سچی ہے مگر بہ ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابر ہی کے کلمات سے کیوں یاد دینا۔ حضور علیہ السلام تو صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ مگر میں، ہم، اس بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا جدا گتہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بہ ایمان ہی ہے اور جو نام سب کو ایک ٹکاد سے دیکھے وہ مردوہ ہے، ایسے ہی جو نئی کو امی یا امی کو نئی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے، ایچ بند یوں سے نئی کو امی کا درجہ دیا ان کے پیشوا مسیحی مسیحین نے سید احمد بریلوی کو نئی کے برابر کر دیا کیونکہ صراط المستقیم کا حاکم۔ حنا نقہ

(۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے۔ مگر وہی وہی سلطنت کی طرف سے کسی کو نائب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا عورتی کا پند بھیجی وغیرہ کہتے اور ان القاب کو یاد کرنا جرم ہے کہ سکا مطلب تو یہ ہے کہ تم حکومت کے عطا کیے ہوئے اس خطاب سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے یہی رسوا کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھیائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا ایا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المؤمنین یا ایہا المسلمون یا ایہا المدثر وغیرہ وغیرہ پکارے۔ القاب سے پکارا احار نگہ و رب ہے تو ہم خدا موصول کو کیا حق ہے کہ ان کو بیشمار یا محمدی کہہ کر پکاریں۔

(۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ عیاد کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوا مَا اسْمُكَ الْأَبَشْرُ مَنْ أَنْتَ وَلَيْسَ لَكَ بِشَرٌّ مِنْكَ أَنْتَ إِذْ الْخَسِرُونَ (پارہ ۸ سورہ ۶۷ آیت ۱۵)

”کافر ہو لے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر کرتے ہیں“

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں اسی طرح مساوات بتانا یا سچا کر مہ کی شاں گھٹانا طریقہ انجیلس ہے کہ اس نے کہا۔

حقیقی میں نادر و حلفہ میں طیب ”نمایا تو نے مجھے آگ سے اور انگوٹھی سے پیدا فرمایا۔“

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور توحیدوں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر نہ کہ ہم دلوں وہ مردے یہ سب ابلیس کا کام ہے۔

## دوسرا باب

### مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

**اعتراض مہر ۱**      **قرآن فرماتا ہے۔**

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ ۲۳ سورہ ۱۳۱ ایہ ۶) ”اے محبوب فرماؤ کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔“

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی nاری طرح بشر ہیں اگر نہیں تو آیت معاد اللہ جھوٹی ہو جاوے گی۔

**جواب:** اس کیفیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے **فیل** اے محبوب آپ فرما دو تو یہ لکھ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو

اجارت ہے کہ آپ بطور کس تو واضح فرمادیں یہ فیصلے کہ **قانوناً** ہونا ہو بشرت **منما** سے ہو تو تم کہہ کر کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ

**قُل** میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر و خیر و کلمات تم کچھ دوسرے کو نہ کہیں گے۔ بھرفہ نہیں گے۔

شَهِيدٌ وَمُفَسِّرٌ وَدَسِيسٌ وَأُدْعِيٌّ أَمِيٌّ اللَّهُ بِأَدْوَمِهِ وَسِرِّ حَافِيهِ ائْتَمَرْتُكَ كَيْفَ يَأْتِيهَا الْفَرْمَلُ بِأَيْدِيهَا الْمُذَلِّلُ

وغيرہ ہم تو ان کی شاں بڑھائیں گے آپ انصار یہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے، چونکہ ہر چہ جی غیر مبص سے نفرت کرتی

ہے لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے تعبیر اذنیس میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی تو نہیں نکال کر شکار کرتا ہے۔

اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے مگر ديو بندى بھى کفار مں سے ہى ہوں تو ان سے بھى يہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا

**ایک دم منس** طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر درخشاں تیند کے چھپے کمرے سے کہہ کر بولے ہیں تاکہ طوطا پناگس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جس کی

۳۔ وار ہے انجیل نے کرامت رب کا آئینہ ہیں اور روایت ان کی کہتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مشغول دوست۔ یہ عکس کا لفظ ہے دوسرے اس

طرح کے مفہوم پر بحث ختم نہ ہوئی بلکہ آگے رہا ہے۔ یوحی لئی + یوحی ایسی کی قید کسی ہے جیسے ہم کہتے کہ رب دیگر خداؤں کی

طرح حیوان ہے مگر تاملق ہے تو تاملق کی قید نے زید اور دیگر جمیع اہانت میں ذوقی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے ریہ تو اشرف المخلوقات انسان ہو۔

اور دوسرے جو مائت در شے اسی طرح وہی کی صفت نے ہی اور امتی میں بہت بڑا فرق بتا دیا۔ حیوں اور ساس میں صرف ایک وجہ کا فرق ہے مگر

بشریت اور شانِ مصلوٰی میں ۷۲ درجہ کا فرق ہے اولاً بشر محمد شہید محمد تقی محمودی محمد ابدال محمد دارا محمد قطب محمد عوث محمد عظیم محمد تاج محمد

صحابی مگر یہ جو مگر صدیق مگر نبی مگر رحمتہ اللعالمین وغیرہ (یعنی اس کتاب کا اجماعی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہوتا ہے) ماری کتاب شمس حبیب الزماں میں

ماہنامہ نوروں کو عام بشر درستی علیہ السلام ہیں سرکرت کی بی بی کنز، بی بی یحییٰ کی ماں عام کے مرنے کو انسان سے ہے یہ

اور سب کے موجود میں کوئی نسبت بنی نہیں۔ اسے اپنی ہماری پیشیت اور محض علیہ السلام کی پیشیت میں کوئی نسبت نہیں۔

مسائل مشترک در اقتصاد

اے خدایاں جہ نکل اندر پشہ

”حضور علیہ السلام کی جثرت ہزار ہا جبریل حشیت سے آئی ہے۔“

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے۔ **مَنْ نَزَّاهُ كَمْشَكُوفَةً فِيهَا مَصْبَاحٌ** رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک علقہ کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ شل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا تعالیٰ کی طرح روشنی ہے۔ اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا رِصٌّ وَلَا ظَنِرٌ يُظَيِّرُ بِجَاحِهِ اَلَا مَثَالُكُمْ (پارہ ۷ سورہ ۱۰۶، باب ۳۸)  
 "نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو بے بازو نہ ہو مگر وہ تمہاری طرح آشیں ہیں۔"

یہاں بھی کلمہ شل موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے، اونٹ جیسے ہرگز نہیں نیز ان کا حصر ضاتی ہے نہ کہ حقیقی

یعنی میں خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خاص بندہ ہوں جیسے ہاروت، ہاروت کا کہنا **اِنَّمَا مَحَلٌ فَنَسَہُ**

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادات، معاملات غرضیکہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم

ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے **اِنَّا رُسُلُ اللّٰہِ** میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں۔ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو حجت و دروغ کو ملاحظہ فرمائیے۔ ہمارا ایمان نہ ہوا ہے ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ حضور علیہ السلام کے لئے چار یعنی آپ پر

رکوع فرض نہیں۔ دیکھو شی شروع کتاب الخروکہ۔ ہم پہ پانچ نمازیں فرض حضور علیہ السلام پہ چوتھی تہجد بھی فرض **وَمِنَ اللَّیْلِ فَسَبَّحْہُ**

**سَافِئَہُ لَکَ** ہم کو چار چیزوں کی اجازت حضور علیہ السلام کے لئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری پیہاں ہمارے مرنے کے بعد

دوسرے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں **وَارِوَاحِہُ اَقْمِہَا تُہْمُ** کسی کے نکاح میں نہیں آسکتی

**وَلَا تَنْکَحُو** اور **اِحَدُہُ مِنْ بَعْدِہُ** ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور کی میراث نہ بنے ہمارے پیشاب پانچا نہ تاپاک۔ حضور ﷺ

کے فضائل شریفہ امت کے لئے پاک (دیکھو ہی باب ۱۱۱) مرقات باب احکام المیاء فصل اول میں ہے **ثُمَّ اَحْصَا کَثِیْرُہُ**

**اَصْحَابُ طَہَارَۃٍ فَصَلَّاتِہُ** اسی مراقبہ باب استر کے شروع میں ہے۔ **وَلَدَا حُجْمَہُ اَبُو طَیْبَہُ** فشراب دہمہ اسی طرح ہرج

النبوۃ میں ہجداں اصل عربی شریف صفحہ ۲۵ میں بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں مورخین فرق عظیم ہے۔ ہم کو اس ذات

کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں کہہ دو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثل حق کے منظر ہو پھر مثل تمہارے کیسے ہو  
 نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا

اس قدر فرق عظیم کے ہوتے ہوئے مشابہت کے کیا معنی۔

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے **بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ** یعنی بشر کے معنی ہیں دو بشر۔ یعنی ظاہری چہرے مہرہ والے۔

بشر کہتے ہیں ظاہر کمال کو۔ تو معنی یہ ہوئے کہ میں ظاہر رنگ و روپ میں تم جیسے معلوم ہوتا ہوں کہ صفائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے

ہیں مگر حقیقت یہ ہے **یٰۤاَیُّہَا حَسْبُ اللّٰہِ** ہم صاحب الہی ہیں۔ یہ گفتگو بھی قصہ ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری صفہ کو حضور علیہ السلام کے

اصفا و مہار کے سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الہی تو دیکھو کہ کمال العباب شریف کھادی کوہیں میں پڑے پانی کو شل کر دے۔ حدیبیہ کے جنگ کو نہیں

میں پڑ جاوے تو پانی پید کر دے حضرت جابر کی داغی میں پڑ کر شہر باہر بولیاں بڑھا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے صدیق کے

پاؤں میں بٹکی کر ساپ کے سر کو داغ کر دے۔ مہادہ میں چٹکے کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر بڑی جزد دے۔ حضرت علی کی کھٹی ہوئی آنکھ سے گئے تو کل

جو ہر کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی رو بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر حضور شریف کی برکات دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب شان

حبیب رحمان کا مطالعہ کرو۔ ہمارے ہر حصہ کا سایہ حضور ﷺ کے کسی عضو کا سایہ نہیں پسینہ پاک میں ملک و غیر سے بہتر خوشبو۔

جیسے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوة جلد اول باب سوم اصل اولہ شبہات میں فرماتے ہیں **وَرَحِیْقَتُ قَشَابَاتِہُ** اندھا آں راسعانی لائقہ

تاویلات رائقہ کردہ رافع بحق **سَاحَہُ اَنَدَہُ** یہ آیات حقیقت میں قشابات ہیں کہ اندھا نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویلیں کر کے حق کی

طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح **یٰۤاَیُّہَا حَسْبُ اللّٰہِ** فوق **یٰۤاَیُّہَا حَسْبُ اللّٰہِ** یا **مَنْ نَزَّاهُ كَمْشَكُوفَةً** وغیرہ آیات جو بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم

ہوتی ہے وہ قشابات ہیں۔ اسی طرح **اِنَّمَا بَشَرٌ** وغیرہ وہ آیات جو بظاہر شان معطی کے خلاف ہیں قشابات ہیں لہذا ان کے ظاہر سے دلیل

چکانا لائقہ ہے۔

سرا تو اس طرح کے روز وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا: **اِنَّكُمْ مَنَظَرِي** تم میں ہم جیسا کہ ہے؟ دیکھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا: **لَكُنْی لَسْتُ كَیْ حَدِّكُمْ** لیکن ہم تمہاری طرح نہیں۔ صحابہ کرام نے بہت موقعوں پر فرمایا **اِیْسا مِثْلُه** ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کوں ہے؟ حادثہ تو فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آٹھویں اس طرح کہ تفسیر سورہ اعراس میں کھپھعص کے تحت ہے کہ حضور علیہ السلام آتی صورتیں ہیں۔ صورت بشری، صورت فنی، صورت ملکی، صورت کا ذکر **اِنَّمَا** اما بشر حقی کا ذکر ہوا۔ **مَنْ رَاسِی فَقَدْ رَءَا لِحَقِّی** جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت ملکی کا ذکر **لِی مَعَ اللّٰهِ رَفِثٌ لَا یَسْفِی فِیْهِ مَنَکَ مَفْوُتٌ وَلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ** بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں مقرب فرشتہ کی نمونائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سورہ بکح کر طاقت جبرئی فتم ہو گئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری طاقت کی بھی ابتداء نہ تھی اس آیت میں محض یک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ **بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں۔ یعنی جس طرح تم محض بندہ ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اسی طرح عبد اللہ ہوں شائد ہوں نہ ابن اللہ ہوں جیسا نبیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صد ہا معجزات دیکھو یہ نہ کہہ دیا بلکہ عبد اللہ و رسول۔

تفسیر کبیر شروع پارہ ۱۲ پر آیت **فَقَالَ الْمَلَاءُ الْاَذِیْنَ كَفَرُوا قَدْ رَوَّحَ بَشَرٌ** میں ہے کہ یہی بشر اس نے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کوں کی ملکی طاقت پر چھو کر بیٹے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں توں کا کمال معلوم ہوتا ہے فرمید انبیاء کی بشریت اس کا کمال ہے لہذا آیت کا مقصود یہ ہو کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں۔ تم تو دکھا دو۔

دسویں اس طرح کہ بہت سے لفظ وہ ہیں جو خیر پنے کے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے مگر دوسرا کوئی ان کی ش میں یہ کہے تو مستغنی ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا **رَبَّنَا ظَلَمَ الْاِنْفُسَ بِنَاسٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ** نے رب سے عرض کیا **نَبِیُّ کَسْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا **لَعَلَّیْہِ اَنْزَاہُ** میں بھالیس لیکن کوئی دوسرا اگر ن حضرت کو ظالم یا ضاں کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

**اعتراض؟** حضور علیہ السلام نے اپنے حلقہ فرمایا **اَکْرَمُوْا اَحَنَکُمْ** تم اپنے بھائی کا (ہر) احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر سے بھائی ہیں۔ مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔

(۳) قرآن فرماتا ہے۔

**وَلِیْ مَدِیْنٍ اِحَافَہُ شَعِیْبًا وَّ اِلٰی نَمُوْدٍ حَافَہُ صَمْعًا وَّ اِلٰی عَادٍ اِحَافَہُ هُوْدًا** (پارہ ۹ سورہ ۱۱) "آیات میں رب نے انبیاء کے اہل کرام کو مدین شمو و عا و کا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء متبعین کے بھائی ہوتے ہیں۔"

**جواب** حضور علیہ السلام نے اپنے کرام کو مدین شمو و عا و کا بھائی فرمایا **اِحَافَہُ** اس فرمے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ بچی رہا ہے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب سے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب و صالح و ہود علیہم السلام مدین اور عا و و عا و و عا و میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے لئے **اِحَافَہُ** فرمایا یہ کہاں فرمایا کہ ان کی قوم و ان کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کے حضور برابری کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ چاہے بھی گوارہ نہیں کرتا کس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

**اعتراض؟** قرآن کہتا ہے **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوٰةٌ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ** میں بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی موسیٰ ہیں لہذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جاوے۔

**جواب** پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہہ کر تکبر بھی مومن ہے قرآن میں ہے **الْمَلَکُ الْمَلٰٓئِکَةُ** اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ بعد ازاں بھی مسلمانوں کا بھائی معاہدہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھی بھائی ہوتی ہے اور اس کا حلال اور نبی کی بیوی مسلمانوں کی، ان میں ان سے نکاح کرنا حرام ہے (قرآن کریم) ہر آدمی ہمارے لئے محض والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے۔ کے بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں اور حضور علیہ السلام مومن ہیں۔

تصویر بردہ شریف میں ہے۔

**فَالصَّدِيقُ فِي الْغَارِ وَالصَّدِيقُ لَمْ يُرِ** ”یعنی غار اور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔“

حضور علیہ السلام اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا شراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت مومن میں ہم اور طرح کے مومن ہیں انکی تفصیل ہم جناب نبی جان کر چکے ہیں۔

**اعتراض ۵** حضور علیہ السلام اور آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور رزق کی گذارتے ہیں چار ہوتے ہیں موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے کو شراک اپنا بھائی کیوں نہ کہا جاسکے۔

**جواب** اس کا فیصلہ مشغی میں خوب فرمادیا ہے۔

مکت ایک ماثر ایٹیاں بشر	ماہ ایٹیاں بست قرآنم دھور ۱
ایں نہ دالمہ ایٹیاں الہی	بست فرقتے درمیاں ہے اٹھا
ہر دو یک گل خورد و زہر و محل	زاں یکے شد نبش زب دیگر عمل
ہر دو گوں آہو گیا خورد نہ و آب	زین یکے سرگیں شد و راں مقلاب
ایں خورد گرد و پایدی زین چھا	وہاں خورد گرد و ہر خورد خدا

کھانے کی ہم اور پیٹر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں وابستہ ہیں انھوں نے یہ نہ جانا کہ انیم میں بہت بڑا فرق ہے۔ بھڑ اور شہد کی مکھی یک ہی پھوس چوتی ہے مگر اس سے ہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہر ان ایک ہی نہ پانی کھاتے ہیں۔ مگر ایک سے پاخانہ اور دوسرے سے منک بنتا ہے۔ یہ جو کہتا ہے اس سے پچیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سہرا تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن یکساں ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی راشائی سے ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ یک ہی قسم کے حروف گھٹی ہی دونوں میں ایک ہی پرنس میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی انصاری میں رنگی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے۔ مگر کوئی یہ توقف بھی نہیں کہے گا کہ اس ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہوگئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا لکھ پڑھا جاتا ہے ان کو معراج ہوئی نہ کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام عبادت وادب وادب کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف واثبات کیا خاکہ کو بھی نہ ملے۔

**فَمُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَّا كَالْبَشَرِ** ”حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں“

**يَا قَوْمُ حَمْرٌ لَّا كَالْحَمْرِ** ”یا قوت پتر ہے مگر عام پتر نہیں“

بعض دین بندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہئے کہ انسان یا محد کہنا بھی حرام ہو کہ سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر کلہ میں **عَبْدٌ وَرَسُولٌ** کیوں کہتے ہو؟

**جواب** یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہت اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا **حَقِيقَ الْاِنْسَانِ عَظَمَةُ الْيَدِ** اور اسری بعدہ **لَيْلًا** لہذا یہ اللہ تعظیماً کہنا جائز ہے اور بشر کہنا حرام ہے جیسے **رَاعِيَا** اور **اَنْظُرْنَا** ہم معنی ہیں مگر **رَاعِيَا** کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔

ذکر تباہ نے کیا خوب فرمایا۔

**معد و مگر معد چڑے و مگر** **لو سراپا انتظار او منتظر**

حضور کی عہدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عہدیت چمکی دہری بھی شامی خادم ہے اور پانی بھی مگر ویر سے بادشاہ کی شان کا ظہور اور شامی نوکری سے پانی کی عزت۔

**اعتراض ۶** شاہل ترندی میں حضرت صدیق کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں **کَانَ بَشَرٌ مِّنَ الْبَشَرِ** حضور علیہ السلام بشر ہیں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام سے عائشہ صدیقہ کو اپنی روحیت سے مشرف فرمایا چاہا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو دل بسد دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

**جواب** بشر یا بھائی کہہ کر پا کر تباہ کا ویرہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں۔ حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہا عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے یہاں ضرورتاً اس لفظ کو استعمال فرمایا ہے مصداقہ الکبریٰ تو یہ برامدی ہیں



کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت سیکھی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گزری کہ چنانچہ اس اپنے ہاتھ ہی سے انجم دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر منتقل بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری ور حضور کو حلال ہوگی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیل نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ کو فرمایا **هَذَا اخوتی** یہ میری بہن ہیں سارہ تک وہ آپ کی بیوی تھیں۔ اس سے لارہ نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپ کی بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم سہ حضرات کا عام ہمارو دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے رواج اور سیدنا علی کے بھائی حضرت عباس کے بھائی کی اور دیں۔ مگر یہ حضرت جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ کہیں فرماتیں کہ میرے رواج سے فرمایا یہ حضرت عباس یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا۔ سب یہی فرماتے ہیں **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم** تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے تو ہم کینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں۔

نیت خود بسک کرم وس معظم  
زاکر نیت بسک کوئے توشہ ادبی ست  
بزر ہار بشویم دامن بھک و گلاب  
بنور نام تو گفت کس ہے ادبی ست  
جناب شروع سلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے۔ وہ پہلے کچھ صدقہ دے بعد میں عرض کرے۔

قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا مَا حِيلَ لَكُمْ الرِّسُولَ فَقَدْ مَوَّاهِينَ يَدِي مَحْوَ كُمْ صَدَقَةٌ (سورہ ۲۸ سورہ ۵۸ آیت ۲)  
”یقینی ہے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔“

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مساکین دریافت کئے (عبارت حاذقہ ہی آتے) مگر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو۔ لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو مگر بھائی کہنا کہاں رہا؟



قصیدہ درود میں ہے۔

سواک عد خلُول الحادِث العِصم  
"کہ مصیبت عامہ کے وقت حس کی پناہ لوں"

یا اکرَم الخلق مَالِی من اَلو دُبہ  
"اے بہترین مخلوق کے سوا میرا کوئی نہیں"

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں۔

مَحْبُوسٌ اِیْدِی الظُّلْمِیْن فِی مَوَکِبِ المُرْدِہِم  
"وہ اس زورعام میں ظالموں کی قید میں ہے"

یا رَحْمَتِہ لِّلْعَمِیْمِ اِدْرَکْ لِدِیْنِ العَابِدِیْن  
"اے رحمت معالین زین العابدین کی مدد کو پہنچے"

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نہ سخر رَحْمَتِہ لِعَالِیْسِ دَعْر و ماں چہ قَارِغِ نَشْنِی ۱

زنجیری بر آید جان عالم ترحم یا نبی اللہ رحم

جدائی سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرما۔ کیا آفریبا رحمت لعلیں نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے قارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

یا سید السادات حُشْکِ قاصِدا  
اِرْخُورِ صَاک و اِحْتمِی بِحِماک

اے پیشواؤں کے پیشواؤں! دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضاء کا امیدوار ہوں۔ دراپے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

ان اشعار میں حضور کو نہاد بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استعانت بھی اور یہ انداز اور سے بعد وفات شریف ہے۔ قسم مسلمان نماز میں کہتے ہیں۔

السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا اَسْتِی و رَحْمَتُہ اللہ و بِر کاتہ

یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ کو پکارنا واجب ہے۔ اقیات کے متعلق ہم شی اور

اشعہ المعاصات کی عبارتیں حاضر دنیا ظہری بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو یہ گفتگو تھی تہذیب و رسوم اللہ کہنے کہ۔ اگر بہت ہوگ ل کر غرور رسالت

لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہو تو ایک ساتھ ظہری کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو طمانے سے مجموعہ مباح ہی ہوگا

جیسے برائی حلال ہے۔ اس سے حلال چیزوں کا مجموعہ ہے نیز اس کا ثبوت صریح بھی ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث ابجر قاش حضرت برادر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الزَّحَامَ وَالتَّسَاءَ فَوْقَ النَّبِیِّتِ وَنَمَرُوقَ الْعَدَمَانِ وَالْحَدَمُ فِی الطَّرِیقِ یَاذُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُولَ

اللہ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُولَ اللہ

"تو عورتیں اور مرد مکر کی چٹوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام لگی کوچوں میں متفرق ہو گئے غفرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔"

اس حدیث مسلم سے غرور رسالت کا صریح ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام غرور لگایا کرتے تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام

نے جلوس بھی نکالا ہے اور جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے

اور جلوس نکالتے (دیکھو مشکوٰۃ و بخاری وغیرہ) جلسہ کے معنی ہیں بیضکت یا نشیط، جلوس اس کی جمع ہے جیسے جلد و کی جمع جلود۔ ہنسی کو زور و قہار ذکر

اکن کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے، درج کا ذکر جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر کرتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت یکے کو ملائکہ نقل

جلوس لائے۔ یقوت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے۔ لہذا یہ مروج

جلوس اس اصل کی نقل ہے اور باعث ثواب ہے۔

# دوسرا باب

فداء۔ یارسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (پارہ ۱۰ سورہ ۱۰۶)

”اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع (نفع) نہ پہنچا سکیں۔“

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا مباح ہے۔

وَيَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ

”خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں جو ان کے لئے نافع و مضر نہیں۔“

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بات پرستوں کا کام ہے۔

جواب

اس جگہ میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس مراد، انہیں بلکہ پوجنا (دیکھو جلالین اردو تفسیر) معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیت اس معنی کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ يَحْمِلْهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (پارہ ۱۰ سورہ ۱۰۶) یعنی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ غیر خدا کو کد کبھ نہ پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنی نہ کئے جاویں تو ہم نے جو آیات واحادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کئے ہیں میں غیر خدا کو پکارنا کیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکارنا یا مردہ کو سامنے دالے کو پکارنا اور دالے کو سب ہی شرک ہوگا، اور از ہم لوگ بھی یمن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عام میں کوئی بھی شرک سے نہ بچے۔ نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آدرا پکارنا اس میں کون سے صفت اکی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

(۲) فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا عَلٰى خُبْرِكُمْ (پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور کھڑے کھڑے یاد کرو۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام چپا شرک ہے صرف یہ ہی کا ذکر کرنا چاہئے۔

جواب

اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا ناہی ہے۔ بہت تو یہ فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ بغیر وضو نہ ہو، بعد رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم ہو، بلا طہر بیٹھ کر یا بیٹھ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندی اٹھ سکتی۔ اب کھڑے بیٹھے اپنے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قائل غور ہیں ایک یہ کہ یا سر فادْكُرُوا اللَّهَ وجوب کے لئے نہیں صرف جو رکے لئے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خود غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لئے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نفی نہیں تاکہ ذکر اللہ کے وجوب ہوے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نفی عدم ذکر اللہ ہے، تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نفی مان بھی لیا جاوے تب بھی ایک نفی کے وجوب ہونے سے دوسری نفی زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرض یا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چھتے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ طہر یعنی کا ذکر ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاعَ اللَّهَ (پارہ ۵ سورہ ۳۰ آیت ۹۰)

”جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔“

جب کلمہ نماز حج درود و خطبہ اذان عرض کہ ساری عبادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذکر داخل اور ضروری ہے تو نماز سے خارج انکار کر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہوگا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس طرح نسبت ہذا ابی لہب اور سورہ منافقوں اور وہ آیات جن میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں۔ ہر کلمہ پڑھنا ہے اگرچہ اس آیت میں نہ کہ کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام لہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الہی یا اور کئی محمد رسول اللہ کا ذکر، اللہ ہو یہ کیا انصاف ہے؟ قرآن میں ہے فَاِنْ فَرَعُوْنَ فَرَعُوْنَ فَرَعُوْنَ نے کہا فَاِنْ پڑھنے پر تمہیں ثواب اور لفظ فَرَعُوْنَ پڑھنے پر پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فَرَعُوْنَ کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نکلیں میں اور محمد رسول اللہ کا نام لیا تو مشرک ہو گیا۔ یہ کیا فعل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فریق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رت فرماتے تھے اور ان

کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فریق حضرت خدیش حضرت امام ربیع العابدین فریق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام چا کر گئے تھے اور جہان حال یہ کہتے تھے۔

حال میں درجہ حرارت والدکم ربیعہ نبیست اور پھر گرم کردہ یودمن پھر گرم کردہ ایم

بناؤں پر یہ حکم شرک جاری ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو آج تو عاشق بر حال میں اپنی نبی کو یاد کرے وہ کیوں شرک ہوگا؟ ایک تاجران رت تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے صاحب علموں رت بر حال میں سخی یاد کرتا ہے۔ وہ بھی غیر خدا کا نام چپ رہا ہے وہ کیوں شرک نہیں۔

**موت** بنا کر وہ غائب میں امارا درموی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ نہ یا رسول اللہ پر متاثر ہو۔ ثناء اللہ صاحب سے یہ ہی امت فیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کئے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک نفیض کے واجب ہونے سے دوسری نفیض حرم ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی نفیض کیا ہے؟ ذکر میر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے غمراں سے سون کیا کہ بدعت کی صحیح تفریب اسکی کرد و جس سے مغل میں دو حرام رہے اور اخبار احمدیث کا کائنات سنت ہو؟ یہ سوالات اب تک ان تمام پر قائم ہیں۔ ابھی وہ زندہ ہیں کوئی صاحب ن سے جو بات دلو دیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب انہوں نے ثناء اللہ صاحب تو بغیر جواب دینے دینے سے چلے گئے کاش کوئی ان کے حلفہ صاحب جواب دے کر ان کی روح کو خوش کریں۔

**اعتراض** بخاری جلد دوم کتاب، عقیدت بحث معاصر باب الاخذ بالیومین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے اقیات میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سکھا یا فلما فیص قلد السلام علی نسی صلی اللہ علیہ وسلم جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تو ہم نے اقیات میں یوں پڑھا السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

لفظا ہر ہا انہم کانوا یقولون السلام علیک بکف لخصب فی حبائہ نسی علیہ السلام لثامات ترکوا الحطب و ذکر وہ بلفظ العیۃ فصارو یقولون السلام علی النبی "حدیث کے نا جری معنی ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں سلام علیک کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ فاعب سے ذکر کیا اور کہنے لگے۔"

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہو کہ اقیات میں السلام علیک بہا زندگی پاک معنی علیہ سلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد اقیات میں بھی مداد چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے اقیات میں سے خدا کو نکال دیا تو جو شخص اس کے خارج میں یا رسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے۔

**جواب** بخاری اور بخاری کی یہ عبارات تو آپ کے خلاف بھی ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے اقیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی راہ و امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی اقیات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں اقیات میں السلام علیک ایہا النبی ہے میر مقلد بھی حواشی ثانی ہوں یا غزوی یہی خطاب والی اقیات پڑھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے اقیات کو بدل دیا اور حدیث حروف کے متقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس نئے تبدیلی نہ کیا کہ نہ وہ غائب حرم ہے۔ اور نہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی اقیات نہ پڑھتے۔ آخر میں انجیر، مکہ مکرمہ، نجد، عراق تمام جگہ نہ رہوئی تھی۔ تو اس میں وہی اقیات پڑھی جاتی تھی۔ نہاد عاصب بربر ہوئی تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور نہ والی اقیات ہر جگہ پڑھی جا رہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شریا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اقیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ اقیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات شریف کے بعد دوسری پڑھنا۔

نہادے رشید یہ جلد اول کتاب اعطاء صفحے میں ہے۔ "ہمذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تاکید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ اور نہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہر حال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جو یہ ہو اگر بعض صحابہ کا یہ فعل حجت نہیں وہ نہ لازم آدے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ درمخت نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلنا نہ کر لیا۔



بلکہ مرقات باب التعمد فی نفس میں ہے۔ وَاَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنْتُ نَقُوں الْجَفْوِ رَوَيْتُهُ ابْنِ عَوَاقِبَةَ وَرَوَيْتُهُ  
النَّحْرَ رَوَيْتُهُ فِيهَا اَنَّ ذَلِكُمْ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ مِنْ فَمِ الْرَاوِي عَنْهُ وَلَقَدْ طَلَعْتُ فَلَمَّا قَبِضْتُ  
فَلَمْتُ سَلَامَةً يَسْعَى عَلَى النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ فَمَا سَلَامَةٌ يَعْمَلُ ثُمَّ اَوْ دَبَّهِ اسْتَمَرَّ مَا عَمِيَ مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ  
اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے انجیت پرگز نہ بدلی یہ صرف روئی کی ہمیت کہ اصل واقعہ۔

(۳) بعض وہابی یہ کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ کچھ کر پکارنا وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے  
بیرضہ میں یہ حالت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو تو یا رسول اللہ یا خوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو وہ دیا کرتے ہیں ”سن اے ہوا  
صبا“ وغیرہ کہ وہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سنتی ہے آج کل عام وہابی یہی غرض پیش کرتے ہیں تو ای رشیہ یہ وغیرہ میں اسی پر رد دیا ہے۔  
**جواب** دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز زود دہنے جو پکارنے والے سے دور ہو۔  
رب تعالیٰ تو شرک سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

مَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ”ہم تو شاد و گ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

وَاَسْأَلُكَ عِبَادِي عِندِي قَرِيبٌ ”جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرماؤ کہ قریب ہیں“

مَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ

اپارہ ۲ سورہ ۱۶ آیت ۱۵

”اے اس بیمار سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔“

ہذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان لیا جاوے کہ دور کی آواز سننا اس کی  
صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے ہذا چاہیے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ شرک ہو جاوے گا سب کو بہرہ  
جانو۔ نیز جس طرح دور کی آواز سننا خدا کی صفت ہے اسی طرح دور کی چیز دیکھنا دور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت اسی ہے اور ہم علم طب اور حاضر و ناظر کی  
بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ جب ان کی نظر دور قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور و نزدیک  
کی آواز میں کن میں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ صفت ان کو بہ عطا ہوئی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دور کی آواز نیچا دہا دہا سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کعبہ میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قہقہوں کی خوشبو پال اور فرمایا۔ اَنَسِيَ لَاحِدًا رَیْحَ يُوْسُفَ  
بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو تھوہ نہ دند میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت  
ساریہ نے وہ آواز سن لی (دیکھو مقلوۃ باب الکرامات فصل ثالث) حضرت قاروق کی ”کھنہ دور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دور سے  
سن لیا تفسیر روح البیان وجلائین ودارک وغیرہ تفسیر میں آیات وَاَذْنُ هِيَ اَلْاَسْمُ بِالْحَبِّ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ  
بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام رحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سب نے وہ آواز سن لی۔ جس نے  
بیک کہہ یا ضرور حج کرے گا اور جو رحوں کا خوش دہی وہ بھی حج نہیں کر سکتی کیسے یہاں تو دور کے خانہ پیدا آتش سے پہلے سب نے حضرت خلیل کی  
آواز سن لی یہ شرک ہوا یا نہیں؟ اسی طرح حضرت خلیل نے بارگاہ رب علیل میں عرض کیا کہ سونے مجھے دکھاوے کہ تو مردے کو کس طرح زندہ فرمائے گا  
تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو ثُمَّ دَعَاهُمْ بِاَنَسِيك سَعِيًا پھر انہیں پکارو دوڑتے ہوئے  
”نہیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ ڈارے ہوئے آئے تو کیا اولیاء اللہ ان جانوروں سے بھی کم ہیں؟“ حج ایک شخص سندان میں بیٹھا کہ  
بندہ یہ بیٹیوں ہندوستان کے دی سے بات کرتا ہے اور یہ کچھ کہ اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آکر کہ ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارتا  
شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوتِ بیوتِ بیٹیوں کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرت علیہ قوتِ خدا سے ہر ایک کی آواز سنتے  
ہیں۔ پھر پکارے یا رسول اللہ انجیت تو کیوں شرک ہو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چوٹی کی آواز دور  
سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

يَا بَيْهَاتُ الشَّمْلِ ادْخُلُوا مَسْكَنَكُمْ لَا يَعْصَعُكُمْ سُلَيْمٌ وَحُودٌ وَهَبْ لَا يَشْعُرُونَ اپارہ ۶ سورہ ۲۷ آیت ۱۸

”اے خود شمشیر پنے گھروں میں چل جاؤ جہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں (پارہ ۹ سورہ شمل)“

تفسیر روح بیدار وغیرہ اسی آیت کے تحت ہے کہ آپ نے تمس میں سے جھوٹی کی یہ آؤ ذی خیال کرو کہ جھوٹی کی آواز اور تمس میں کا غاصد کہئے یہ شرک ہو کہ نہیں؟ مشکوٰۃ باب اثبات القدر میں ہے کہ قرآن کے بعد میت قبر میں سے باہر دوں کے پاؤں کی آؤ ذی خیالی ہے اور زمین کو کھینچ اور پھینچتی ہے اسی لئے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرتا چاہئے اس قدر کہی کے نیچے ہو کر آتی آہستہ آہستہ آواز کو سنتا کس قدر دور کی آواز سنتا ہے۔ کہو شرک ہو یا نہیں؟ ہم بحث علم غیب دیا، اللہ میں مشکوٰۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا وہی حدیث کا وقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوٹا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ پٹی قوت سے عطا فرمادے۔ وہ اگر دور سے سن لے تو کیوں شرک ہے؟ انہیں کے معتقد اور معتبر عام مولوی عبادی صاحب لکھنوی قادی عبادی کتاب العقائد ص ۳۳ میں اس سور کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ **لہ یلد ولم یولد** حضور علیہ السلام کی شان ہے اور **قل ھو اللہ احد** حضور علیہ السلام کی صفت ہے یک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے مطلق نے میرا ہاتھ مضبوط بندھ دیا تھا۔ اس کی ادیت سے مجھ کو روٹا تھا اور چاند منہ کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ نہ لوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا: یونہی محفوظ قلم چل تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ حکم ہمارے تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سناتا تھا۔ حالانکہ حکم ہمارے تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والدہ ماجدہ کے حکم میں ہی عرش فرش کی تمام آوازیں سننے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے لڑے تو جنت سے خور پکار کر اسے خدمت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جنگ کو کور آتی دور سے دیکھتی دیکھتی ہے اور پھر سے علم غیب بھی ہے اس آئی کا انہما بخیر ہوگا۔ دور میں سے دور کی چیز دیکھتے ہیں رہے یونینوں سے دور کی آؤ ذیتے ہیں۔ تو کیا بیوت و نیت کی طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت جبریل کی قدم کی آہستہ سنی حالانکہ جبریل کو معراج نہ ہونی تھی وہ اپنے گھر میں تھے۔ یہاں تہجد کے لئے چل پھر رہے ہوں گے وہاں آہستہ سنی جاری تھی اور اگر حضرت جبریل بھی تہجد میں پہنچے تو حاضرہ نظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہی کہے گا کہ وہ تو خدا نے بتایا تو اس حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا دور کی آوازیں سناتا ہے تو یہ سننے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی کی عطا کی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادثہ۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں خدا کا سنا بغیر کان وغیرہ عضو کے اس کا سنا کس سے اسے فرق ہوتے ہوئے شرک کیا؟ اس کو خدا کے متعلق اور بہت کچھ کہا جاسکتا ہے مگر اسی قدر پر ہی کفایت ہے۔

بڑے عباس نے عقول والے تھے ہی نہ آؤ دے نے میں بنیاد کچھ کہ اس لوں پھر بھی کلمہ پڑھ دے نے

# بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا

اوپر اللہ اور پیغمبر کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی مدد اللہ رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی دلی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

## پہلا باب

### غیر اللہ سے مدد مانگنے کی ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات، حدیث صحیحہ اور اقوال فقہاء و محدثین اور خود کائنات کے قوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیانات کرتے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمْ إِنَّكُمْ أَنْصَارُكُمْ (پارہ ۲ سورہ ۲۴ آیت ۲۳)

”اور اللہ کے سوا اپنے سارے منہجوں کو بلاؤ۔“

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی حیل ایک سورہ کا کر لے اور اپنی امداد کے لئے اپنے منہجوں کو بلاؤ۔ میرا اللہ سے مدد اپنے کی اجازت دی گئی۔

قُلْ مَنْ أَنْصَارِي أَلَمْ يَكُنْ لِلَّهِ قُلُوبٌ رَاغِبَةٌ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۵۲)

”کہا تم سب نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔“

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں مددگاروں ہے۔ حضرت مسیح نے میرا اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۲)

”مدد کرو ایک دوسرے کی نیکی و تقویٰ کے اور نہ تو کسی کے اور نہ دوسرے کی اوجھڑاؤ اور پادہ کی۔“

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

إِنْ تَصُورُوا لِلَّهِ يَضْرِبْكُمْ (پارہ ۶ سورہ ۷ آیت ۷)

اس میں خود اللہ تعالیٰ نے جو کہ تم ہی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا کہ اس آیت میں اللہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں مہدایا۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (پارہ ۳ سورہ ۱۳ آیت ۹۱)

”کہ تم نہ تو ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔“

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد جتنا کہ اللہ سے تم سے ہے۔

تَسْتَعِينُ بِالْضَّرِّ وَالْأَمْنِ (پارہ ۲ سورہ ۱۲ آیت ۱۵۳)

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَعِيسَىٰ بِقُرْبَىٰ (پارہ ۲ سورہ ۱۲ آیت ۱۵۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت دواقرمین نے دواقرمائی بنائے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَيُّدِكُمْ يَنْصُرُهُ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۲۲)

”اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی۔“

فرماتا ہے۔ بَأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۲۴)

”اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔“

فرماتا ہے۔

لَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاُ مَوْلَاُ وَحَبِيبِ وَصَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ (پارہ ۸ سورہ ۲۶ آیت ۲۶)

”یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔“

فرماتا ہے۔

اُمّ وَلِيْكُمْ لَهٗ وُرْسُوْلُهٗ وَ لَدِيْهِ اَمْنُوْ الدِّيْنِ يَفْقِمُوْنَ الصُّلُوْةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ  
(پارہ ۶ سورہ ۵۵ آیت ۵۵)

”یعنی اے مسلمانوں تمہارا مددگار اللہ اور رسول اللہ ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں تمہارے لئے ہیں۔“

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اُولٰٓئِكَ هُمُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا  
فِي الْاٰخِرَةِ مَعْلُوْمٌ ہُو کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ ہر عمل۔  
مومن علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعوں کے پاس جاسے کاظم ہوا تو عرض کیا۔

وَجَعَلَ لِيْ وَرِيْثًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰۤؤُلَآءِ اِجْمٰی اَشْذٰبُہٗ اَرٰی (پارہ ۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹-۳۰)

”خدا یا میرے بھائی کو میری جگہ پر کر دے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے۔“

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا سہارا کیوں یا میں کیا کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا الہی  
سلطنت انبیاء ہے۔

مقلوۃ کا سہارا جو دھلے میں ابن کعب اسی سے روایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا۔

سَلِّ لِّفَقْلَتٍ اَمْسِنٰکَ فَمَرِّفَقْلٰکَ فَمِی الْحٰجَۃُ قُلْ اَوْ عِبْرَ دٰلِکَ فَفَقْلَتْ هُوَ دَالِکَ قُلْ فَاَعْتٰی عَمٰی  
نَفْسِکَ بِکَثْرَةِ السُّجُوْدِ

”کچھ، نگ لائیں گے کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہر ایسی بات لکھا ہوں۔ فرمایا کچھ اور لکھتا ہے میں نے کہا صرف یہ ہی فرمایا کہ آپ  
نفس پر زیادہ نوازل سے میری مدد کرو۔“

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور  
ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد لکھتا ہے۔ پھر مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں اَعْسٰی سے رہیدہ تم بھی اس کام میں  
میری اتنی مدد کرو تو یہ نوازل پر حق کر دینے بھی غیر اللہ سے مدد طلب ہے۔ اسی حدیث پاک کے تحت اقصیٰ المصنوعات میں ہے۔ ”اور طلاق سوال کہ  
فرمودیں وخصیص نہ کرو بظلمو بے حاصل معلوم ہے شوکر کا کہ ہم بدست اہمت و کرامت اوست ہر چہ خود ہذا زن پروردگار خود بدہ۔“

فَاَنْ مِّنْ خَوْذِکَ لَذِیْبٍ وَ صَرْنٰہَا ”اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری“

وَمِنْ غُلُوْمِکَ عَلٰہُ النَّلُوْحِ وَ الْقَلَمِ ”بدر گاہش یا ہر چہ ی خوی تمن کن“

سوال کو مطلق فرمادے سے کہ فرمایا کچھ، نگ ہو۔ کسی خاص چیز سے مقید نہ فرماید۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ صورتی کے ہاتھ کر ہی نہ میں ہے۔ جو  
چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے علم سے دیدیں۔ نہ تنگ نہ آزاد خیرت آپ ہی کی سعادت سے ہے اور روح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر  
دنیا و آخرت کی خبر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بات رہے اور تیس سو ساٹھ رک رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں یہ پاک ہوا رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ  
میرے محبوب کے مدد اوکے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارا دل من کی نظر کرم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

تو رمانو کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ هُوَ الْجَوْدُ الْاَلْکُوْبِیْنَ وَ تَوَحُّدِہٖ اِیْ خَلْقِہٖ یعنی دونوں جہاں اور دوسرا کو بخش دینا اور خود  
خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہی بخشنے کا جو جو، ان کا مالک ہوگا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔  
شیخ مہدائیں کی ان عبارت نے مجھ کو یاد کیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، مال مانگو، حس مانگو، جسم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔  
ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

مگر از تو سے خواہم خدا را خدایا از تو خلق مطلق را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں

اور اے اللہ میں تمھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قنبرؓ کی چوری دامِ ظلم سے فرار کی کہ پتلی فرماتا ہے

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَنَّمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَحِّدُوا اللَّهَ تَوَّابًا حَيَّمَا  
اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آ جاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لئے دعائے  
مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پا لیتے۔ مگر کس شاں میں نُوْا نَارَ حَیْفَ تو یہ پورے فراموشی سے فراموش ہو گئے تھے آپ کے پاس آئے سے  
ان کو خدا مل جاتا۔

اللہ کو بھی پایا موتی تیری گل میں

اشعۃ اللمعات کی طرح مرقاۃ اشرف مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت فرمایا ہے **فَعَطَى لَمَسَ شَاءَ مَا شَاءَ** کہ حضور علیہ السلام جس کو چاہیں  
دے دیں تفسیر کبیر جلد سوم پارہ سورہ اسحاق میں آیا ہے **وَلَوْ أَنَّكَ كُنْتَ الْمَحْبُطُ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ** ہے۔

وَشَانِهَا الْإِبْيَاءُ وَهُمْ أَلَدِيں عَطَاهُ لَهٗ عَالِي مِّنْ لِّغَوْرٍ لِّمَعْرِفٍ مَّالًا حَنَفٍ يَّعْدُرُونَ عَلَى انْتَصَرَفٍ فِي بَوَاطِلِ  
الْخَلْقِ وَارَوَاهُمْ وَابْصَافَهُمْ مِّنْ الْعُدْرَةِ وَنَمَكُهُ مَالًا حَنَفٍ يَّعْدُرُونَ عَلَى انْتَصَرَفٍ فِي ظَوْهِرِ الْخَلْقِ  
"تیسرے ال میں نیا ہے یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں۔ جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور اس کی  
ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔"

اسی تفسیر کبیر پارہ الم واد قال رَبُّكَ لَمَسْكَنَهُ اس کی تفسیر میں ہے کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی  
جنگل میں پھنس جائے تو کہے۔

اعْيُوسِي عِبَادَ اللَّهِ يَرْحَمُكُمْ اللَّهُ " "سنا کہ بندہ میری مدد کو رب تم پر رحم فرمائے۔"

تفسیر روح البیان سورہ مائدہ پارہ ۱۲ آیت **وَيَعُونَ فِي الْأَرْضِ فَإِذَا** ہے کہ کثرت صلاح الدین فرماتے ہیں۔ مجھ کو رب نے قدرت  
دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گراؤں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم صلاح کی دعا کرتے ہیں۔  
مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

اولیاء باہست قدرت ازالہ تیر جہت باز مگر واحد زبدا !

ادیہ کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے کہ چھوٹا ہوا تیر وہیں کر لیں

اشعۃ اللمعات شروع باب زیارت الظہر میں ہے امام غزالیؒ گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بویں در حیات استمداد کردہ سے شود بویں بعد زوفات یکے  
از مشائخ گفتہ ویدیم چہار کس در مشائخ کہ تصرف فی کسند و تہو ر خود مانند تصرف ایشان در حیات خود یا بیشتر۔ تو سے بے گوید کہ ادا دینی قوی تر است  
و من سے گویم کہ ادا دین قوی تر دلیا در تصرف در کون حاصل است و اس نیست مگر روح ایشان را در دین باقی است۔ "ام غزالیؒ نے فرمایا  
کہ جس سے زندگی میں مدد ملے گی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد ملے گی جادے ایک برکات نے فرمایا کہ چار مضمون کو ہم نے دیکھا کہ وہ  
قبروں میں بھی وہی عمل در آمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ مدد کی مدد زیادہ دینی ہے اور میں کہتا ہوں کہ  
مردہ کی مدد زیادہ دینی دلیا کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر ان کی روح کو تکلیف دہاؤں جاتی ہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارت الظہر میں ہے۔

وَمَا إِلَّا سَمْعًا سَاهِلٍ نَّقُورُ فِي غَيْرِ الشَّيْ عِيهِ السَّلَامُ وَالْإِبْيَاءُ فَقَدْ انْكَرَهُ كَثِيرٌ مِّنَ الْمُفْقِهِاءِ  
وَبُنْتُهُ لِمَشَائِخِ الصُّوفِيَّةِ وَبَعْضُ النُّفُوءِ قَالُوا مَا الشَّافِعِيُّ قَبْرُ مُوسَى لَكَاطِمٌ لِّرَبَائِقِ مُجْرَبٍ  
لَا حَاجَةَ لِلدُّعَاءِ وَقَالَ الْإِمَامُ الْغَزَالِيُّ مَن يُسْتَعِذُ فِي حَيَاتِهِ يُسْتَعِذْ بَعْدَ وَفَاتِهِ

"نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہانے انکار کیا۔ و مشائخ صوفیہ و بعض فقہاء نے اسکو ثابت کیا  
ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موی کا حکم کی قبر جو بیت دعا کیلئے آزمودہ تربیاق ہے اور امام محمد غزالیؒ نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد ملے گی جاسکتی  
ہے اس سے بعد وفات بھی مدد ملے گی جاسکتی ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ تہو را دینا اللہ سے مدد مانگنے میں  
اختلاف ہے علمائے ظاہر میں نے انکار کیا صوفی کرام اور فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔



حسین صفحہ ۲۰۰ میں ہے۔ **و ان اراد عوناً فليقل يا عباد الله عيوني يا عباد الله اعيوني يا عباد الله اعيوني**  
 ”جب مدد پناہ ہے تو کہہ عاقل کے بندو میری مدد کرو، عاقل کے بندو میری مدد کرو، عاقل کے بندو میری مدد کرو۔“  
 اس کی شرح الحرمزاشین میں مائل قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

**اذا امنت ذائبةً حدّكم بارحى فلاة فيناديا عباد الله احسبوا**  
 ”یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو ”وارد کرو اے اللہ کے بندو اے روک دو۔“  
 عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

**الفراذيلهم لمنكئة او الفسلفون من الحق او رحان العيب الفسوف مابدا**  
 ”یعنی فسوف سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رحال عیب یعنی برائیاں مراد ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں۔ **هذا حديث حسن يحتاج اليه المسافرين وانه محتر**  
 ”یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں۔ ”ہا یہ قہید کہ استغاثہ اور عجز یا جے کہ اعتقاد باشد اور احوال الہی نہ مذہب حرام ست و اگر التماس تھل بجانب حق است و اورا یکے از مظاہر حق الہی دانست و بکار خادہ اسبابی و حکمت اوتقانی در آن مسودہ بخیر استقامت خدا بر سر نہاد دور از عرفان تخطو بہ بود و در شرح نیز جا زرد و ست در انبیاء و اویا و الہی نوع استقامت تعبیر کردہ اور حقیقت این نوع استقامت بغیر نیست بلکہ استقامت حضرت حق است لا غیر۔“ سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا مجھوسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر تو بھلائی کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے خدا بری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو انبیاء و اویا و الہی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا نہیں ہے لیکن اس کی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۲۶ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ ”حال عادی الہی و اصل تکلیف فرزند تو وسیع رزق و شفاء و مریض و امثال دالک و اشترکان نسبت بہ اور وحی شفاء و اتمام امر پندگاری شفیہ۔ اور تاثیر الہی و خواص قلوکات الہی و انند ارادہ و مضافہ و دعائے صلحاء و بندگان اکہ جہ ز جناب اور درخواست و اصرار مطلب فی کثرت الہی لمجد و در ایمان ایشان فضل الہی علیہ۔“ اللہ کے کام جیسے لڑکا و بچہ رقی بڑھاتا پیر کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو شکر کین غیبت راحوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الہی یا اس کی مخلوق کی حاجت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا مضافہ یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور اس مویشین کے ایمان میں اس سے مثل نہیں آتا۔

ہستاد محمد ثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب فتح ابوالہاس احمد زردنی کے یہ شعار نقل کرتے ہیں۔

**اما لفریدی جامع ہستائہ** اور **ما مضی خوز بزمان بسکتہ**

**و ان کنت فی صبی و کرب و حشہ** **فناد ببار زوق ات بسرعتہ**

میں بچے مرید کی پرگندگیوں کو مٹانے والے ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر تو تھگی یا مصیبت یا دشت میں ہو تو پکار کر اللہ زورق! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورہ یوسف آیات **فلست فی السحن بصع سبب ہے الاستعانہ بالناس فی دفع الضرر و مظلم حائرة اور خازن و آیات فاستاف الشیطان ہے الاستعانہ بالمحذوق فی دفع الضرر** جائز مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔

در مختار جلد سوم باب اللغو کے غرض کی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل تھا۔

**ان الانسان اذا صاع له شیئ و اراد ان یؤذہ اللہ عیہ فلیف علی مکن علی مستقبل القبلة و یقرء الفاتحة و یہدی ثوابہا للسی عیہ السلام** **ثم یہدی ثوابہا لسیدی حمد اس علوان یقول یا سیدی یا احمد ابن علوان** **ان لہ نرد عی صالئی و الا برعتک من دیون الاولیاء** **فین اللہ یؤد صالئہ بہر عتبہ**

”جس کسی کی کوئی چیز لم ہو جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس مدد دے تو کسی اونچی جگہ پر قبیلہ کو منہ کر کے کھڑا ہوا اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس  
 ثوب بی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو پکارید دعا پڑھے اسے میرے آقاے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں  
 ”آپ کو فخر اوسیداء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ کئی گم ہوئی چیز اس کی برکت سے مدد دے گا۔“  
 اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی اس سے گئی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی خفیوں کے فقیر اعظم صاحب  
 در مختار نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

یا اکرم القصبین یا کبر لؤری ندلی بخودک و ارضی برصاک  
 اما طامع بالحدود مک لم یکن لاسی حیفہ فی الانام سواک

”اے موجودات سے اکرم اور لغت انہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو بخشی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی  
 فرما دیجئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد مل گئی ہے۔“  
 قصیدہ ردو میں ہے۔

یا اکرم لحق مانی من الودہ سوک عند خلون الحادث العمم  
 ”اے تمام مخلوق سے بہتر میرا بچے سوا کوئی نہیں جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت“

اگر ہم ان علما و فقہاء کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے ہفتہ روزہ کار ہیں صرف اسے پڑھ کر اکتفا  
 کرتے ہیں۔ نیز ہم سطر برائے زیارت قدور میں شامی کی مہرت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی  
 ہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں اس کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ نیز علامہ الفارابی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مصنفہ عالم  
 قاری صفحہ ۱۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

”میں استغاثہ ہی فی کربۃ کشف عہ ومن مادیسی مادیسی فی شدۃ فرح عہ ومن یوشی ہی ای اللہ فی حاجۃ قصب  
 “یعنی جو کوئی رباعیہ میں مجھ سے مدد مانگے تو سکار و غم دور ہوگا اور جو حق کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی  
 حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ مانے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔“

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نقل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱ بار سورہ اعراس پڑھے۔ سلام پھر کر  
 بار صلوات ۱۰۰ پڑھے پھر بلند اس کی طرف (جانب شمال) ”قدم پڑھے بر قدم پر میرا نام لے کر پٹی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے۔

ایدر نخی صبیہ و اب دخیسی و علفہ فی اللہ و اب نصیری  
 دعار علمی حامی الحمی و فو محدی د صاع فی ابیاء عقل بعیری

یہ کہ کہ ملاحی قاری فرماتے ہیں وقد جُزب دالک مراد الفصح یعنی ہمارا اس نذر غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست لگا کیسے کہ حضور غوث  
 پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور غیبیوں کے پڑے معتبر عام ملاحی قاری رحمت اللہ علیہ سے بغیر تردید نقل فرما کر  
 فرماتے ہیں اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر گویا سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور جائد و مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات، اور احادیث اور قوال فقہاء و علماء مشائخ سے ثبوت دیا اب خود بخود کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔  
 مولوی محمود حسن صاحب دیوبند یوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ انہوں نے لکھا ہوائی کا مولوی شبیر احمد صاحب ہے۔  
 اس میں ”یاک سسین“ کے تحت فرماتے ہیں ”ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل کچھ کہ استعانت ظاہری اس سے  
 کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے“ اس قصیدہ کی دہائی یہی ہوتی ہے کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا  
 ولی کو خدا نہیں جانتا خدا کا فرض نہ محض وسیلہ مانا ہے۔

نمازی رشیدیہ جلد اول کتاب الفخر ۱۰۱۱ صفحہ ۶۴ پر ایک سوال وجواب ہے۔

سوال اشعار اس مضمون کے پڑھئے۔ ”یا رسول اللہ کبریا فرما دے + یا محمد مصطفیٰ فرما دے + مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ + میری تم سے ہر  
 گھڑی فرما دے + کیسے ہیں۔“

الجواب ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور محبت میں ہاں خیاں کہ حق تعالیٰ آپ کی واث کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے ہر کسی خیال کے جائز  
 ہیں۔ قدوسی رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور طریقہ یاد رکھنا کیسا ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ نظر حالاً

یا رسول اللہ ﷺ اسمع قلنا

انسی فی بحر ہم مغرق

خدیجی سہل لنا اشکنا

یا قصیدہ برد کا یہ شعر وغیرہ کرتا۔

یا اکرم المخلوق عالمی من الودیعہ

سو ک عد خلول الحادث العمم

جو ب دیا کہ ایسے کلمات کو لکھ ہو یا نہ ضرور دکرنا کرو تخریجی ہے مگر فہم نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز و زیادہ سے زیادہ مکروہ تخریجی کہا۔ تصاعد لکھی میں موبی کام صاحب فرماتے ہیں۔

مدد کر اے احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا ہر اکوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے + ترجمہ صراط مستقیم اور دعا قرہ تیسرے فائدہ صلی ۱۰۲ پر موبی سنخیل صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مضامین رفیعہ صاحبان عام مثلاً اور عام شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔

حامی ادا اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق ہے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں

قراب چاہے ادا کیا یا تر؟ یا رسول اللہ

نمازی رشید یہ جلد اس کتاب اہدات صلی ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو یہ ہے۔ **اعیسیٰ یا عباد اللہ** یعنی اے اللہ کے بند میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ مدد اللہ جو صحران میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اجاست ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے رچے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں ان سے مدد مانگنا جائز ہے + مدد ہمار بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور "تندہ عقلی دماں میں بھی بیان کر چکے۔

موبی محمود حسن (صاحب اولاد کا مد میں صلوات) پڑھتے ہیں۔ "آپ اصل میں بعد خدا، ملک عام ہیں جنادات ہوں یا حیوانات، یعنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ لہذا آپ اصل میں ملک ہیں اور بنی جہ سے کہ عدل و سہرآپ کے مدد واجب لادانہ تھا۔" صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صلی ۶۰ میں موبی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔ "اور حضرت مرثعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شہین پر بھی ایک گونہ نصیبت ثابت ہے اور وہ نصیبت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطیبت و غمیوہ اور ابدایت اور انہی جیسے ہائی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہ ہوں کی بادشاہت اور امروں کی مارات میں آپ کو وہ دخل ہے جو عام ملکوت کی سیر کرنے والوں پر ملتی نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہو کہ سلطنت امیری ولایت غمیوہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے دیا بند یوں کے بعد و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہوجاتا ہے اس کو بر رخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر تہذیب نہیں اس مرتبہ پہنچ کر عرف عالم پر مصروف ہوجاتا ہے۔ (ضیاء القلوب مبلور کتب خانہ شریہ رشید کتب خانہ دہلی ص ۹۹ کے مرتب کا بیان) غور کرو باقی صاحب نے بندہ کو باطن میں خدا مان سکا عالم میں مصروف۔

یکشنبہ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع کہ صدر پاکستان محمد ایوب خاں صاحب امریکہ کے دورے پر کرچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دہلی سے صدر کے بازو پر امام خاں باندھا اور ۱۰-۱۱ جی ۶۱ دوشنبہ کے جنگ میں مور۔ ناکا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام خاں باندھا رہے ہیں۔ امام خاں کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا روپیہ مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں امام خاں، سکے امام ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں۔ جب مسافر بخیریت واپس آئے تب اس روپیہ کی فاتحہ امام حسین کے نام کی جاوے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی دی گئی۔ ان فاتحہ بھی کی گئی کہ کی مدد بھی مانی گئی۔ جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا جہاں اللہ کیلئے ایمان، فردز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ ہندی بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد القادری مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد و الکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استقامت و استمداد یا عقائد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعقاد علم قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔ خواہ مستمد مذہبی ہو یا میت "س فیصلہ ہی فرمادیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت ماہ کراں سے استمداد جائز ہے۔ اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے یہی ہم کہتے ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحییب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا۔ جس میں حضور علیہ السلام سے بہ درجہ اہم مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الحییب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۳۵۔

یا شفیعُ العبادِ حدُّ بیدی	"دھیری کیجئے میری نی"
انت فی الاصرارِ معتمدی	"تکلیف میں تم ہی ہو میرے وق"
لیس لی مدحاء سواک اعث	"جز تمہارے ہے کہیں میری بناؤ"
مسی الصرُ سیدی سدی	"توچ کلفت مجھ پہ آ غائب ہوئی ا"
عشبی لذہر ابن عبد اللہ	"ابن عہد اللہ زمانہ ہے حلاق"
نکی مہیثاً فانت لی مدری	"اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری"

"نام احمد چوں چھینے شد حسین"

"پس چہ باشد دات آں روح الامین"

"نشر الطیب فی ذکر ابن الحییب"

# دوسرا باب

## اولیاء اللہ سرمدہ مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے مشرشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مشائخ سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سیریز زمین جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گمراہ نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی دشمن شریک ہو تو تمہاری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو غرض کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں قیہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنادیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی امیر اور کوئی ناقت۔ پھر اس تمام محکموں کا اعلیٰ حاکم اعلیٰ ور یا عظم کو منتخب کرتے ہیں۔ جیسی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے مشاء سے ہوتا ہے۔ ایسے واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے چاہے نہ دیکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود اپنی پی ملکتا ہے۔ اپنی انکڑی ضروریات زندگی خود اس م دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضہ ہے کہ ہر کام خدام سے کیا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ چہاری میں شفاء خانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں پکھری جا کر جج سے دکر، دکر ویر سے کہو وغیرہ اور معاصب میں رعایا کا اس حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بے نواست نہیں ہے بلکہ یہ یقین اس کی شفاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو حکام اسی لئے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب ہائی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو چنا حکم مانا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو سمجھو کہ یہی طریقہ سلطنت الہیہ کا ہے وہ کاور ہے کہ دیا جا کر اچھا و ناہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پور فرماوے مگر یہاں نہیں کرتا بلکہ نظام عالم کے لئے ملائکہ وغیرہ ہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ کئے کر دیئے۔ جان نکاسے واپس کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عز ر نکل ہیں۔ اسی طرح انسان کی حفاظت، رزق پہنچانا، بارش برسانا، واک کے پیٹ میں بیج بٹانا۔ اس کی تقدیر لکھنا۔ مدفن متوفی سے سوالات کرنا۔ صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ در قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرض کہ دنیا آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے ہر درجہ کی عالم کا نظام کیا اور اس کو اختیار رات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کئے طبع ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا تیس نہیں۔ بلکہ قرآن وحدہ عاں پرشاد ہیں۔

حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا۔

قَالَ اِنَّمَا اَنْزَلْنَاهُ رِبْكَ لَا هَبْ لَكَ غُلَامًا وَرَبِّكَ

”اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بنا دیتے ہیں۔

حضرت سیدہ السلام فرماتے ہیں۔

اِخْتَفَى لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفَحَ فِيْهِ فَبُكِّنَ طَيْرُ اِيَادِنِ اللّٰهِ (پارہ ۳ سورہ ۳۵ آیت ۳۵)

”میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پردہ میں جاتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح ہڈوں لپی ہے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ يَتُوبُ لَكُمْ مَلِكُ الْمَوْتِ اَلَّذِي وَكَّلَ لَكُمْ

”فرمادو کہ تم کو ملک الموت و فات دینے جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جس میں خدا کی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔

رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے۔

وَبَرَّ تَحِيَّهِمْ وَيُعْنِيَهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ

(پارہ ۳ سورہ ۳۵ آیت ۱۶)

”ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔“



اعوذ باللہ ورسولہ من قصصہ "انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔"

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گزنگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خُد من اموالہم صدقۃً تطہرہم و ترکتہم بہا (پارہ ۹ سورہ ۹۰ آیت ۳۳)

"آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول فرمادیجئے اور اس سے ان کو پاک فرمادیجئے۔"

معلوم ہوا کہ وہ اسی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔

ولو انہم رخصوا ما اٰلہم اللہ ورسولہ وقلوا حسبنا اللہ سئو تبنا اللہ من قصصہ ورسولہ

(پارہ ۱۰ سورہ ۹۰ آیت ۵۹)

"اور کیا چاہتے ہو کہ وہ اس پر راضی ہوتی جوائے کہ رسول نے انکو دیا اور کہتے تہ اللہ ہم کو کافی ہے اب ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔"

معلوم ہو کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہو کہ ہر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ عات دیتے ہیں مال وادب دیتے ہیں تو سمجھ لے کہ یہ کیا کہ

آیت نے یہ بتایا لیکن مقصد وہی ہوگا کہ یہ حضرات حکومت الہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اویس

اللہ یا انبیاء کے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔

قرآن نے فرمایا۔

ولو انہم اذ ظلموا لمفسہم حواء وک فاستغفروا اللہ و استغفر لہم الرسول لولا اللہ لظلموا

رحمنا (پارہ ۵ سورہ ۴۰ آیت ۶۳)

"کہ اگر یہ ظلمگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے مجبور تیار ہوئے پس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور مجبور آپ بھی ان کیسے دعا سے مغفرت

فرماتے تو یہ اللہ کو تو بقیوں کرنے والا مہربان پاتے۔"

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب رات روزہ پاک پر حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا۔ قبر میں

نہیں سوال گیرین کرتے ہیں۔ اول تو من ربک تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرے کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ سلام۔

ان سوالوں میں سلام کی ساری باتیں آگئیں۔ پھر بھی پس نہیں ہو۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ سبب شہدائے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراط

کہو اللہ کیا کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں ان کے نام کی امداد سے

نجات ہوتی۔ قیامت میں لوگ تنگ نہ کر شیخ کوئی ڈھونڈیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروے تک پہنچ جائیں گے تب حساب و کتاب شروع

ہوگا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہو کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں

بھی۔ اسی لئے فرمایا واستغوا الیہ الومسینہ تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یہی ہر جگہ وسیلہ صطفی علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے ظلمگار بد عمل اور مسلمانوں کے لئے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مر جاویں وہ سب

بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے فضل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی ہوا واسطہ صورتی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے

کلار بھی قائل تھے۔ وکانو يستغفون علی النبی کھروا کعبہ معظمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا

اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبر میں ہوا لیکن قبلانہ تر صیحا بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہہ دیا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے نبی

عانی ہونے سے کی مددنی ہیں ورنہ تو عرش ہیں۔

شیطان بد واسطہ نبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب سے بارود یا جاتا ہے اگر مدینہ کے رستے سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا

جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا چاہنا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی عبادت بلکہ عین قانون اسلامی اور

فطریہ الہی کے بالکل مطابق ہے جب صاحب معراج میں نماز ادا کرنا پس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ

رنگیں آخر کیوں؟ اسی لئے غلوں جانے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے۔ یہی اللہ کے مقبول بعدد قات بھی مدد

فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے ورنہ وجہ سے اول تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدا کی اثر اور ان کو چھوٹا

خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے ان کو اللہ یا شرک کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو

عیسیٰ اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ اس اللہ یا ثابت شدہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء وانبیاء کو کھنکھن بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا

ماتے ہیں۔ جیسے اہل دیوبند مالداروں کو ہمدرد کا معاوضہ دھوکا یا طیب و حاکم کو حق و حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس سے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیار رات شدہ بجے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا اختیار مان کر ان سے ہمد و غیرہ طلب کرتے ہیں لہذا وہ مجرم بھی ہیں و اللہ کے باقی بندے بھی۔ جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے خوب ظاہر کر دیا ہے بدلتیہ ایک بات پرست چتر کی طرف ہجرت کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کہہ کی طرف ہجرت کرتا ہے وہاں بھی چتر ہی کہ عبادت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا معنی حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ اور حکم الہی سے ہے مشرک کا مجدد خلاف حکم الہی چتر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ لگائیے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ مندر کے چتر کی تعظیم مشرک ہے مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی چتر ہی ہے۔

## دوسرا باب

### استب: اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر مخالفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں دو ہی برجہ ہیں کرتے ہیں۔

**اعتراض ۱** مقلدو باب الاداء واتخذہ ہمیں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا صی اللہ عنہا سے فرمایا۔

**لَا تُغْنِي عَنْكَ مِنْ اللَّهِ شَيْئٌ** "میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔"

جب آپ سے فاطمہ زہرا کی مدد نہ ہو سکی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟

**جواب** یہ اوں تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر تم نے ایسے قول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے خطاب در نہیں کر سکتا۔ دیکھو پہر لوح یہاں اسی سے سن، اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کی حضور پر جگہ اور فرائض کے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

**الْأَخْلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ الْأَخْطَرُونَ** پر بیزارگاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے **حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام** کہتے ہیں کہ وہ انوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گرفتاروں کو سنبھالیں گے۔ مٹی باب فسل ملکیت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے مٹتے ٹوٹ جائیں گے سوا میرے نسب اور رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے۔ ہم چونکہ بھرتی مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

**اعتراض ۲** **إِنَّا كُنَّا نَعْبُدُ وَإِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ** (سورہ آیت ۳)

"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت مشرک۔ تو غیر خدا کی استمداد بھی مشرک۔

**جواب** اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز کچھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے۔ **إِنِ الْخَلْقُ إِلَّا لِلَّهِ** نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا **لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ** اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان وزمین کی چیزیں۔ پھر ہم حکام کو حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعویٰ ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت، مگر بندوں کے لئے یہ خطائے الہی۔

نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے؟ کہ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون کچھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بت پرست جو کسی پرستش کرتے وقت مدد کے لئے دعا بھی کہا کرتے ہیں کہ "کالی مائی تیری دعا ہی" وغیرہ اس لئے ن دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی مشرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا ثبوت انہی طرح پہلے دے چکے ہیں۔ اب بھی دوسرے کے چندہ کے لئے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ سنا اپنی پیدائش سے لئے گرفتار قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دوائی کی مدد سے پیدا ہونے والے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گزارا اہل قربت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر طسار در دروری کی مدد سے غسل ملا اور کفن پہنا۔ گور کی مدد سے قبر کھدی۔ مسلمانوں کی مدد سے خاک دفن ہوئے پھر اہل قربت کی مدد سے بعد میں یہاں ٹوب ہوا۔ پھر ہم کس مدد سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس آیت میں کوئی فید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

**اعتراض ۳** رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَلَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا تَقْرِبُوا إِلَيْهِمْ** کہ وہ کس سے مدد مانگنا کوئی دلی ہے نہ دھوکا۔

**جواب** یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں۔ بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے۔ جنہیں کفار نے اپنا نام دھوکا دیا رکھا تھا یعنی بت و شیاطین، ولی اللہ وہ جسے رب نے پے بندوں کا نام دیا۔ جیسے انبیاء و اولیاء۔ دوسرے لندن سے حکومت کرنے کے لئے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کس کو خود



پانچ کراویں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ میری پانچ راہیں کی مگر بزرگانِ دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر پھر دوسری راہ کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استدعا کے مگرین کو چاہئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔ نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ چالو۔

وَلَا تَقُولُوا الْمَيِّتُ يَنْفُتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالُ بَنِي آدَمَ وَلَكِنْ لَا تَشْفَعُونَ لَهُمْ سُورہ ۲ آیت ۵۳

"جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اس کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ توراۃ میں لیکن تم اس کا شفا نہیں کرتے۔"

جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تھوڑے سے راہِ خدا میں مارے جاویں گئے۔ مگر یہ بجا وجہ زیادتہ ہے اس لئے کہ آیت میں تو ہے کہ تھوڑا ذکر نہیں ہے جو حضرات شہید لہی کی کھوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (دورِ انبیاء) اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ جو دوپ کر مرے، اہل جاوے، اطاعون میں مرے، عورت زچگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر و حیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تھوڑے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب مردے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام در صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسافر و حیرہ و نازل زم آوے گا۔ حالانکہ سب کا منتظر عقیدہ ہے کہ حضرات عیادت کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ہم شہوتِ استدعا میں کر چکے ہیں کہ اس معجزاتی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد چاہ سکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ حیرات اور غریب راتِ تھوڑے میں بھی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر صادیؒ فرماتا ہے: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ أَحَدًا کی تفسیر میں ہے۔

فَجَسَدٌ فَلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى مَا رَعَاهُ الْحَوَازِجُ مِنْ أَنَّ الطَّلِبَ مِنَ الْغَيْرِ حَيًّا وَمِنْ شَرَكٍ فَلَا تُدْعَى مَرْتَكِبٌ لِأَنَّ سُؤَالَ الْغَيْرِ مِنْ أَحْرَاءِ اللَّهِ الشُّعْ أَوْ لِنَصْرِ عِيسَى بَدَهُ قَدْ يَكُونُ وَاحِدًا لِأَنَّهُ مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْأَسْبَابِ وَلَا يَنْكُرُ الْأَسْبَابُ إِلَّا خُفُوذًا أَوْ حُفُولًا

"یعنی یہاں لائنہ دعا کے معنی میں نہ پوجا بلکہ اس آیت میں نہ خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے حوالہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خارجیوں کی یہ باتیں جانتے ہیں کہ چونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح شرک ہے کہ اس کے رب ال کے درمیان سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کر کے مانگنا مکر یا جہل۔"

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے (۲) اس طلب کا انکار خارجی کرتے ہیں (۳) لائنہ دعا میں پوجنے کی نالی ہے نہ کہ پکارے کی یا مدد مانگنے کی۔

**اعتراض ۱۰** بزرگاس دیں کہ دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں جمل بھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد دینا غش سے مدد کی طرح غریب ہے۔ اس کی دینی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ **وَأَنْ يَسْتَعِينَهُمُ اللَّهُ لَا يَسْتَفِدُّوْا مِنْهُ** اور اپنی قبروں سے کبھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے۔

**جواب** یہ تمام کمزوریاں اس جسم کی پر اس نے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح ہے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے ہزاروں کو کھینچتی اور قدموں کی آواز سننی ہے۔ خصوصاً ارواحِ انبیاء رب تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَلَا حَرَفٌ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰی** پر پھٹی گھڑی گدشت گھڑی سے آپ کے لئے بہتر ہے اور استدعا ادوی کی روح سے ہے۔ یہ نہ جسم غصری سے کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں نیز وہ چھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ آیت **يُحْمَلُوْهُ عَافًا وَ يُخْرَجُوْهُ عَافًا** کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خاندومر نے رہبر کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور علیہ السلام سے خیر میں رہ کر کیا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا کہ انہوں نے مقامِ حقیقت میں رہ کر رہا تھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقتِ بشریت کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی کمی تو کیا عالم کو پٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں۔ حالانکہ کعبہ میں تیس سو برس سے وہ رب سے دور نہ کیے تو کیا خدا کمزور ہے اپنے گھر سے نبی ست دور نہ کر سکا؟ رب کبھی

دے۔

**اعتراض ۱۱** حضرت علیؓ در اہم حسینؓ میں اگر کچھ طاقت ہوتی۔ تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی معصیت دفع نہ

کر سکے۔ تو تمہاری معصیت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَلَا يَسْتَعِينُهُمُ اللَّهُ لَا يَسْتَفِدُّوْا مِنْهُ**

**جواب** ان دفع معصیت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا و فرعون کو بھی

کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا اہم حسین رضی اللہ عنہ میں طاقت تھی کہ تہجد میں خوش کوڑھٹا بیٹے فراغت کی یہ حقیقت تھی مگر رضی اللہ عنہ الہی  
تھے۔ دیکھو یہاں میں ہمارے پاس پانی ہوتا ہے۔ مگر حکم الہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف جنوں کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں۔ لہذا یہ  
اہم انبیاء و اولیاء کے لئے پڑھنا ہے وہی ہے۔ یہ جنوں کے لئے ہے۔ حضرت حسین کے ماما نے بار بار پانی اٹھیوں سے پانی کے چٹھے بہا دیئے یہ  
پانی جنت سے آتا تھا۔



# بحث بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام ہیں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات ہیں۔

## پہلا باب

### بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنْ الرُّسُلِ، پھر سورہ ۲۶، آیت ۹، ”فرما دو کہ میں یا رسول نہیں ہوں۔“

تیز فرماتا ہے۔ بَدِيعٌ لِّلْمَوْتِ وَالْآرْصِ ”آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔“

تیز فرماتا ہے۔ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا ۖ مَا كَتَبَ هَا عَلَيْهِمْ

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہو ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، یا بنانا، وغیرہ۔

مرکبہ مشکوٰۃ باب الاحصاء بالکتاب و السنۃ میں ہے

قَالَ الْبُخَارِيُّ لِبَدْعَتِهِ كُلُّ شَيْءٍ غَيْرِ مَنَابِ سَبَقَ ”بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔“

اب بدعت عین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو صحیح سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت و حرم کی ہے۔ جسہ سیدہ دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سیدہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیدہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مرد ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں ہذا العادیت واقوال ما و آجس میں حصار میں لکھیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد مسام میں ایجاد ہوئے جیسا کہ یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی تھیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز برے عقائد کو جیسا کہ یہودی، مجوسی، سلاوی عقائد تھیں کہتے اور جبریہ، قہر یہ، مرہبہ، چکر الہی، غیر مقدس، دوجہندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ اس کو سلاوی عقائد نہ سمجھتے ہیں۔ مثلاً دوجہندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام قیب سے جا مل یا حضور ﷺ کا نبی نہ رہا میں تل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہنا پاک عقیدے بارعوی صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شری سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَحَسْبُكَ قُلُوبُ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِعَةً وَرَحْمَتُهُ ۖ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا ۖ مَا كَتَبَ هَا عَلَيْهِمُ الْاِتِّبَاعُ ۚ رَحْمَتُ

پھر فرماتا ہے۔ فَاَتَيْسَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْهُمْ اَحْوٰهُمْ اِسْ اٰتِیَ سَ مَعْلُوم ہوا کہ یہاں سے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا یا تارک

رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر جرم بھی دیا۔ ہاں جو سے نہایت سکنان پر عقاب تیز فرمایا گیا۔ قسار عموہا حق رعایتھا ویکھو ایہاد

بدعت پر عقاب نہیں ہوا بلکہ نہ بھانے پر۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا بُرا خیرُ الامور

اور دفعیہا لہذا چاہئے کہ مسلمان محفل میں دشریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوٰۃ باب الاحصاء کی پہلی حدیث ہے کہ من احداث فی

اَمْرٍ مَا هَدَاهُ اِلَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے تاکہ

معنی عقیدے اس لئے کہے ہیں کہ دین عقائد کا ہی نام ہے اعمال فروغ میں بے نزاری تنہا رہے بے دین یا کفر نہیں۔ بدعتا یا تو گمراہ ہے یا کافر۔

اس کے تحت مرقعات میں ہے۔

وَالْمَعْنٰی اَنْ مِّنْ اَحَدٍ فِی الْاِسْلَامِ رَاٰ اَنْهُ مَوْذُوۡۃٌ عَلَیْہِ اَقُوْلُ فِیْ وَصْفِ هٰذَا اَلَا مَرَّ اِشَارَۃً اِلٰی اَنْ

امر الاسلام کمال ”معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رو ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا امر کے وصف

میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ کمال ہو چکا۔“



علاوہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسامہ کے قاتلون ہیں کہ جو شخص کوئی بدعت ایچہ دکرے اس پر اس کام میں ساری جیروی کرنوالوں کا گناہ ہے اور جو شخص بھی بدعت نکالے اسکو قیامت تک کے سارے جیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔  
اس سے بھی معلوم ہوا کہ بدعت ثواب ہے اور بری بدعت گناہ۔ نئی بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ انکی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔  
مشکوٰۃ باب الاصصام میں ہے۔

”محدث فی امرنا هدا مالیس منه فهو رد“ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی شے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“  
دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ بعضہ المطعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ ”مراود چیز سے است کہ مخالف و غیر“ اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔  
اسی مشکوٰۃ باب الاصصام تیسری فصل میں ہے۔

”ماحدث قوم بدعة الا رفع منها من السنة فتسبک نسبة حیر من حدات بدعة“  
”کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔ لہذا سنت کو یہ نام بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔“  
اس کی شرح میں بعضہ المطعات میں ہے ”وچوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت جو بدعت اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والے ہوگا۔“  
اس حدیث اور انکی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ انکی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسد اور بدعت سیدہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اس جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

### بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسد اور بدعت سیدہ۔ اب یاد رکھنا چاہئے کہ بدعت حسد تین طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت جائزہ بدعت مستحبہ بدعت واجبہ۔ اور بدعت سیدہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام۔ اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔  
مرقاۃ باب الاصصام بالکتاب و بعضہ میں ہے۔

”البدعة اما واجبة كعلم السحو وتدوين اصول الفقه و اما محرمة كمدھب لحرثیة و اما مندوبة كاحداث الزو بط و المدارس و ثكل احسان لم یعهد فی لصدرا الا و كالتراویح ای بالجماعة العامة و اما مكروهة كذ حرفة المسحد و اما مباحة كاصفحة عقیب الطیج و التوسع بدید الماکل و المشارب“

”بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا لیکنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذھب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر حالوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زیارت دینا اور یا جائز ہے جیسے لچری خزانے کے بعد مصالحت کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔“  
شمی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے۔

ای صاحب بدعة محرمة و الا فقد تكون واجبة كصب الا دلة و تعلم السحو و مندوبة كاحداث سحو و باجد و مدرسة و ثكل احسان لم یكن فی اضدر الا و مکروهة كز حرفة المسحد و مباحة كالتوسع بدید الماکل و المشارب و الثاب کما فی شرح الجامع الصغیر

”یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نہ رکو وہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی جیسے کہ راناک تم کرنا اور ظلم ٹھیکنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زیارت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔“

ان عبارت سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوتیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ ظلم فقہ اصول فقہ قرآن کریم کا جمع کرنا قرآن کریم میں احزاب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں کے درس وغیرہ بتانا۔

## بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسد اور سیر کی پچاس تو تعدادی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے والی ہو۔ وہ بدعت سیئہ۔ اور جو انکی نہ ہو۔ وہ بدعت حسنہ ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔

**بدعت جائز** برو تیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ در پھر کسی سیرت حیر کے کیا جاوے۔ جیسے چند کھانے کھانا وغیرہ۔ اس کا حوالہ مرقاۃ اور شی میں گذر گیا۔ ان کاموں پر ثواب نہ عذاب۔

**بدعت مستحبہ** وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور اس کو عام مسلمان کا ثواب جاتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت حیر سے کرے جیسے غفل میلاد شریف و رقا توہرگان کہ عام مسلمان اس کو کا ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرے یا نہ کرے۔ اور نہ کرنے والا گناہگار نہیں ہوگا۔ ذرا دل ملاحظہ ہوں۔

مرقاۃ باب الاصحاب میں ہے۔

وَرَوَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ مَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسْبَ فَهَوِ عَبْدِ اللَّهِ حَسْبُ وَفِي حَدِيثٍ مَرْفُوعٍ وَلَا تَحْتَمِغُ أَقْنِى عَلَى الضَّلَالَةِ

"حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث مرفوعہ میں ہے کہ میری امت گمراہ پر تعلق نہ ہوگی۔"

مٹھکا آ کے شروع میں ہے۔

أَمَّا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَنَمَّا لِأَمْرِءٍ مَا نَوَى "اعمال کا اداریت سے ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جو نیت کرے۔"

**کلمہ** ہر مسلمان چمکے یا دکر تا ہے۔ یہ چمکے ان کی تعداد اس کی ترکیب کی یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اذان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون عشرہ میں پہلے بھی نہیں تھا۔

**قرآن** قرآن شریف کے تمیں پارہ بناتا۔ ان میں روع قائم کرنا۔ اس پر احرب مکان اس کی سنہری روپکی جلدی تیار کرنا۔ قرآن کو پاک و طیرہ بنا کر چھ پنا سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون عشرہ میں دکر بھی نہ تھا۔

**حدیث** حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ ضعیف، یہ طعیف، یہ معطل، یہ بدلس، یہ تسووں میں ترجیح دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر اس کے احکام مقرر کرنا کہ حرم و حلال، چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور ضحاک میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ فرحک سارا ان حدیث اسکی بدعت ہے۔ جس کا قرون عشرہ میں دکر بھی نہ تھا۔

**اصول حدیث** یہ ن ہانگل بدعت ہے بلکہ اس کا قوام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

**فقہ** اس پر آج کل دین کا زور دہارے۔ مگر یہ بھی از اس تا آخر بدعت ہے۔ جس کا قرون عشرہ میں دکر نہیں۔

**اصول فقہ و علم کلام** یہ علم بھی ہانگل بدعت ہے۔ اس کے قواعد و ضوابط سب بدعت۔

**مصار** نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت۔ جس کا ثبوت قرون عشرہ میں نہیں۔ رمضان میں میں تراویح پر پہنچتی کرنا بدعت ہے۔

خود امیر مومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ **بِعَمَلِ الدِّعْنَةِ هَذِهِ** یہ بانی اچھی بدعت ہے۔

**روزہ** روزہ افطار کرتے وقت رہاں سے دعا کرتا۔ **اللَّهُمَّ نِكَ ضَمْتُ** "خ اور عمری کے وقت دعا کرتا کہ **اللَّهُمَّ بِالصَّوْمِ لَكَ عَذَابِي** بدعت ہے۔

**زکوٰۃ** زکوٰۃ میں موجودہ مکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرون عشرہ میں یہ تصور دالے تھے نہ تھے نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادت و ہوتی تھی۔ موجودہ تھے سے ظلوں سے خطرات کا انکار یہ سب بدعت ہیں۔

در مختار جلد اول بحث مستحبات و نفوس میں ہے۔

وَمُسْتَحَبُّهُ وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرْءٌ وَتَرَكَهُ آخَرٌ وَمَا أَحْبَبَهُ السَّلَفُ

"مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے بھی کیا ہو یا دکر بھی چھوڑا ہو اور وہ کام جسے گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں۔"

شرعی جلد پنجم بحث قرآنی میں ہے۔

**فَلِّ لِّبَاتٍ تَجْعَلْ لِعَادَاتِ عِبَادَاتٍ** "کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بناتی ہے۔"

اسی طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے۔

ان حادثات و لغتی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عند اللہ بھی کار ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے پیچھے ہونے کی گواہی دیں وہ چاہے اور جس کو برکھیں وہ بر۔ گوئی کی نہیں بحث ہماری کتاب شاہ حبیب الرحمن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عربی بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا۔ **فائدہ**

**بدعت واجبہ** وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہوا اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم خود غیرہ پر حدیث اس کے حوالے گزرنے لگے۔

**بدعت مکروہہ** وہ نیا کام جس سے کوئی ملت چھوٹ جاوے۔ اگر ملت غیر مومنہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تخریبی ہے۔ اور اگر ملت مومنہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تخریبی۔ اسکی مثالیں اور حوالے گزرنے لگے۔

**بدعت حرام** وہ نیا کام جس کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹانوالی ہو۔

در مختار باب ۱۰۰۰ ان میں ہے کہ ادا ان کے بعد سلام کرنا ۸۱۲ھ میں ایجاد ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اس کے تحت ثانی میں ہے کہ ادا ان جو ق کے بارے میں فرماتے ہیں۔

**ففيه دليل على انه غير مكروه لان لفوارث لا يكون مكروها وكذلك نقول في الادان ليس يدي الخطيب فيكون بدعته حسنة اذ مراد المومنون حسنا فهو عند الله حسن**  
اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مرواج ہو جائے باعث ثواب ہے۔

۳۰۴ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست احکام ہو۔

**یمنیں** مسلمان کے بچے بچہ کو ایمان بخش اور ایمان مٹانے کی عبادت یاد کرنا یا جاتا ہے۔ یمن کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلث میں اس کا پتہ نہیں۔

**حج** ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔ مسلمانوں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ سوار یاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

**طہریت** طہریت کے قریب سارے مشاغل اور تصوف کے قریب سارے مسائل بدعت ہیں مرتبہ، چلے، پاس انگلی، تصور شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلث میں کبھی پتہ نہیں چلتا۔

**چار سلسلے** شریعت و طہریت دونوں کے چار واسطے یعنی خلی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی، ریا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنبلی، قادری نہ ہوئے۔

ب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے جگر دو دینی حیثیت سے رد ہوگی روکتے ہیں جب ایمان اور کلمہ میں بدعت داخل ہیں۔ تو بدعت سے چھٹکار کیا؟

**دیوبندی حیدریں** آج کل دنیا میں دو دو چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں۔ جن کا خیر القرون میں نام و نشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر ب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص اس کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، ٹانگوں، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لٹاف، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تو چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلیف استعمال کرتے ہیں۔

بولو دیوبندی وہ دہلی، بغیر بدعت حسنہ کے دیوبندی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

**لطیفہ** ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھا نے گئے۔ دوپہا کے پھولوں کے سوا بدعا ہو تھا۔ چاتے ہی بوسے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور نے یا بدعت صاحب کرم نے نہ تابعین نے نہ تابعین نے بناؤ کوئی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا یا بدعتوں کو انہوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دوپہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دوپہا نے ہاتھ پکڑ لیا۔ در کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لیا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضور نے لئے نہ تابعین نے۔ تابعین نے۔ بناؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی نہیں مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دوپہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ تم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان برادرگوں کی بدعت۔



# دوسرا باب

## اہم تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہووے بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

### اعتراض ۱

بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دیاوی نے کام بدعت نہیں۔ لہذا محفل میلہ وغیرہ تو بدعت ہیں دربار عیسویوں، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ **مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا** **هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ** جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معصوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حدیث میں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں اس سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

**جواب** دینی کام کی قید لگانا محفل اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ و اقوال علماء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے **كُلُّ فُحْدٍ بِدْعَةٍ** (مشکوٰۃ باب الاحصاء) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اربعۃ المذہبات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے عمرہ کھانے، اچھے کپڑے، بدعت چائے میں داخل کئے ہیں۔ یہ کام دیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا ہذا یہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو کہتے ہیں۔ جس پر ثواب ملے۔ مستحب، نافل، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جو اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے شکرہ پیشانی سے مناصدق کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پائنتیت خیر سے ہوتا ثواب ہے۔ **حَسْبِيَ الْمَقَمَةُ نَرَفْعُهَا فِيْ** **أَمْرَاءِ تَكْ** یہاں تک کہ جنت میں اپنی زوجہ کے مسس دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب مآذ کہ نیت خیر سے چلے کھانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دین بند کا دوسرا اہل کائنات دورہ حدیث، تفسیر، قرآن کریم کا پڑھنا، احکام اور تعلیمات کا پڑھنا، آج قرآن پاک میں احزاب لگانا قرآن و بخاری چھپنا، مصیبت کے وقت شتم بخاری کرنا جیسے کہ دین بند میں پندرہ روپیہ کے کر کر یا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فی حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کافہ پر جمع کرنا۔ اس میں رکوع ماننا۔ اس کے تسمیہ سپارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولوی حرم میں یہ حلال؟ پچارے محفل میلاد شریف اور قاف شریف نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لئے حرام ہوں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا اور آپ کے لئے سب کا حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے منظر و میں کہا تھا کہ آپ حضرت چارچے دس کی صحیح تعریف کر دیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو چارچے مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے احکام میں بدعت، شرک، دین، محابات اور اب بھی اپنے رب کے مجرورہ پر کہتے ہیں دنیا کا کوئی دین بدعت کوئی غیر مقدس اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چارچے دس کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس مذہب کا جاوے۔ آج بھی جبر و بھدی، اور ہر غیر مقلد کو احکام عام ہے کہ اگر کسی کی صحیح تعریف کر د جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور دینا اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد دین اسلام اور کہہ دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں مدد ہوگی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہذا چاہئے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اپنیست و ابجاعت میں داخل ہوں اللہ تعالیٰ۔ وہ حدیث جو آپ کے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کے چکے ہیں یا تو تاسرے مرد عظام ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقلم پر ہوتا ہے اور اگر مرد اطفال بھی ہوں تو **لَيْسَ** **مِنْهُ** سے مراد وہ عظام ہیں۔ جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا۔ ستر شامی، اربعۃ المذہبات اور مرقاۃ کی عبارت پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے چار نوا جب، مستحب، مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ہر بدعت حرام ہے تو حدیث میں وغیرہ کو ختم کر دے یہ بھی حرام ہیں۔ نیز مسائل فقہیہ اور اشغال صوفیہ جو خیر القروں کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے چار سینے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی در طریقت کے چار سینے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہاد یہ اور عظام و قلیہ، مراۃ، پتلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ اس کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں، چوکلہ، بھان، جمس و مفصل قرآن کے تسمیہ پاورے، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یہ حسن ہے یا معتزل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جلد و ستارہ بندی، سند

بیٹا، بچڑی بندھنا، ان چیزوں کا کھیل، قرآن وحدیث میں نام بھی نہیں کوئی دیوبندی وہابی اس چیز اس کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث میں نہیں دکھاسکا۔ پھر حدیث کی سناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کر سکا، غرض کہ شریعت وطریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

موسویٰ سنیین صاحب مراد مستقیم صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "تیز اکابر طریقت نے گرچہ انکار و مراءقات و ریاضات و عبادات کی تعمیل میں جو راہ وایات کے مہدی ہیں کوشش کی ہے لیکن نیکم ہر حق وقتی ہر محنت مقامی و رد۔" ہر ہر وقت کے مناسب شغلات اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں۔ "اس عہد امت سے معلوم ہوا کہ تصوف کے اشغال صوفیہ کی بنیاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جا تر ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے ملے ہوتی ہے۔ کہنے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر حق چیز حرام ہے؟ ماننا ہے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ بر ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

**اعتراض ۴** مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا صحیح تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہوگا۔ وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جا نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔  
اس لئے کہ مقلوۃ باب الاصحاب میں ہے۔

(۱) **فعلیکم بسنی و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین نمشکو بہا وعضوا علیہا لثو اجد**  
"تم پر زہم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑو۔"  
اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے معلوم ہو کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔  
(۲) **مقلوۃ باب فضائل اصحاب میں ہے۔**

**خیر امتی قریبی ثمة الدین یلویہ ثمة الدین یلویہ ثمة بعد ذلک قوم یشہدوں ولا یستشہدوں و یخونون ولا یؤتمنون**  
"میری امت میں بہتر گروہ میرا ہے پھر وہ جو ان متصل میں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ ہائے ہوئے گواہی دیتی پھر گئی اور جو ضمانت کریں گے۔ لیکن نہ ہوں گے۔"  
اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا صحیح تابعین کا اور پھر شر اور خیر کا زمانہ میں جو یہ ابوہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو یہ ابوہ شر یعنی بدعت ہے۔

یہ مقلوۃ باب الاصحاب میں ہے۔

(۳) **تشرق امتی علی ثلب و سبعین منۃ کلہ فی الذر الا واحدۃ قلو من ہی یرسلو اللہ قال**  
**فالا علیہ و اصحابی**  
"میری امت کے بہتر فرقے دو ہوں گے ایک ایک کے سوا سب جہنمی ہیں۔ جس کو کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کون ہے؟ قرآن میں پر نام اور اللہ سے صحابہ ہیں۔"  
معلوم ہوا صحابہ کرام کی پیروی سنت کا راستہ ہے اس لئے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔  
مقلوۃ باب فضائل اصحاب میں ہے۔

(۴) **صحابی کالجوم فابہم اقتدیہم اہتدیہم**  
"میرے صحابہ (رسول اللہ صلی علیہ وسلم) تاروں کی طرح ہیں تم جسکے پیچھے ہو لو ہدایت پاؤ گے۔"

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے بہذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں۔ کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔  
**جواب** یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں۔ نیز اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ عبادت دیکھ کر فرمایا۔

**بعمیت البدعۃ ہذہ** "یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔"

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، باب القلوب میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے کہا کہ تیرے تعلق پر چھ تو آپ نے فرمایا ہے یہی بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت تارکہ بدعت سیئہ کیوں ٹھہری۔ اور ماہنامہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بخیر مرقات گزر چکا ہے کہ تراویح کی بدعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی ہے۔ جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا۔ چونکہ اس لئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو امرت پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ **كَيْفَ نَعْمَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قُلْ هُوَ خَيْرٌ** آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی چھل ہے جس سے چھ لگا کر فعل صحابہ کر م بدعت حسنہ ہے چھ لکھن کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) **فَعَلَيْكُمْ بَسْنَى وَنَسْنَى الْحَقْلَاءِ لِرَاشِدِينَ** "خلفاء راشدین کی اقوال و افعال کو نفی معنی سی سنت فرمایا گیا۔" یعنی بے مسنونہ تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو فقیر و غنیہ کر دیجیے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔

مس سن فی الاسلام سننہ حسنہ فله احوها اور مس سن فی الاسلام سننہ سیئہ اس حدیث میں سنت یعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **سُنَّتهُ مِنْ قَدَرٍ سَلَا فَمَنْ كَفَرَ بَرَّأ مِنْهَا وَلَا يُجِدُ لَهَا شَيْئًا وَحَوِيلًا** نیز فرماتا ہے **سُنَّتهُ اللَّهِ الَّتِي قَدْ حَلَلَتْ لَنَا** یہ حدیث اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ یعنی طریقہ ہے سنت، اس لئے لفظ کا طریقہ انہیں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث **فَعَلَيْكُمْ بَسْنَى** کے تحت اجماع العلماء میں ہے وہ اجماع سنت خلفائے راشدین ہمارا سنت ظہیر است کہ درہاں حضرت علیہ السلام شہرت یافتہ بودور زمان ایٹاں مشہور و مضاف۔ ایٹاں شدہ۔ خلفائے راشدین کی سنت چھوٹے سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہوئی اور انکی طرف منسوب ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسنونہ میں رائج کر کے اے خلفاء راشدین ہوں پانچویں اس لئے کہ کھ شین اور فقہا فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملتی ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے افاق کے ہوئے ہیں مگر ان حضرات کے ایجا دفنودہ کام سنت ہی ہوتے تو افاق کے کیا مقلی۔ نوامو رکے شروع میں ہے **وَقَوْلُ الصَّحَابِيِّ فِيمَا نَعْمَلُ مَدْعُو بِالْفِاسِ وَفِيمَا لَا يَعْضَلُ فَمُلْحَقٌ بِالسُّنَنِ** صحابی کا فرماں عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملتی ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملتی ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول اصل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے افاق کے کیا مقلی؟ اجماع العلماء سے یہ حدیث **فَعَلَيْكُمْ بَسْنَى** ہے۔ جس پرچہ خلفائے راشدین ہمارا حکم کردہ شدہ۔ گرچہ ہاجتا دو قیاس ایٹاں بود موافق ہوا است اطلاق بدعت برآں ہواں کرد۔ "جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہوا اگرچہ اپنے قیاس و اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر فقہا بدعت نہیں ہوں سکتے ان مہارات سے بالکل واضح ہوگا کہ سنت خلفاء راشدین یعنی نبوی سنت ہے اور سنت شرعی سے ملتی ہے ان کو ادب بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت کثر بدعت سید کو کہتے ہیں۔

(۲) **حَسْبُ أَهْلِ قُرْبَى** رخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور اس کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجا ہو اور کوئی بھی ایجا کرے وہ سنت ہو جائے۔ یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبر یہ اور قدر یہ زمانہ تاہیں ہی میں ایجا ہو، م حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ہی زمانوں میں ہوئے یہ کیا معاد اللہ اس کو بھی سنت کہا جاوے گا۔

(۳) **مَادَاعِيهِ وَصَحَابِي كَالْخُودِ** سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کر م کی قدیمی ان کی بیروی کرنا بدعت ہدایت ہے اور ان کی مخالفت بدعت گمراہی۔ یہ بالکل درست ہے اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ اس کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

**اتَّبِعُوا السُّوَادَ لَا عَظَمَ وَهُ مِنْ شَذَّ شُدِّهِ نَشَر** "بڑی جماعت کی بیروی کرنا بدعت ہے عید و ہود و جنیم میں عید و کیا گیا۔"

مَارَاتُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عَمْدُ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَرٌّ جَمَعَ رِيقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ  
 "جس کو مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کی ایک بھی اچھا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے جدا ہو گیا ہے۔ مسلمان کی سی اپنے گلے سے اتار دی۔"  
 قرآن کریم میں ہے۔

وَيُتَبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّوْا وَنُصَدِّهِمْ هَيْهَاتَ وَبِشْرَ ۝ ۵

"اور مسلمانوں کی راہ سے جدا اور اپنے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوسروں میں داخل کریں گے۔"

اس آیت وحدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعتِ مسلمین کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہم کا راستہ ہے لیکن اس پر  
 تو زور نہیں کہ جماعتِ مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہو گا مگر بدعتِ حسنة۔ جس طرح ایجادت صحابہ  
 کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ "یعنی ضروری تھی پسندیدہ دینی طریقہ۔"

**ہدایت ضروریہ** جو حضرات بدعتِ حسنة سے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس کا قہر و گھبرائے کیا معنی کریں گے کہ **الاصول فی الاشیاء**  
**الاباحۃ** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع  
 ہے۔ یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کر کے ہونے سے۔ یہ قہر و قرائن پاک اور عادیٹ میوہ و اقوات فقہاء سے ثابت ہے درغالب کوئی مقلد  
 کھانا وغیرہ الا تو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا مِنْ أَشْيَاءِ أَنْ تُبَدِّلَكُمْ تَنَوُّكُمُ وَإِنْ تَسْتَلُوا عَنْهَا حِينَ يُرْسَلُ الْفُرْقَانُ  
 تُبَدِّلْكُمْ عَنْهُ ۚ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ۝ ۵

"اے ایمان والو! اس بات میں نہ پوچھو کہ جو تم پر عبادت کی باتیں تو تم کو پوری نکلیں اور اگر ان کو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں  
 گیانہ انکو معاف کر چکا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ ہاں نہ ہوا ہونہ حلال ہونے کا۔ حرام تو معافی میں ہے اسی سے قرآن کریم نے حرام و حلال کا ذکر فرما کر فرمایا  
**وَحُلُّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ** اس کے سوا باقی صورتیں تہرے لئے حلال ہیں نیز فرمایا۔ **وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ** تم  
 سے تفصیل و بیان کر دی نکلیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند نحریات ہیں  
 جن کی تفصیل بتادی ان کے سوا سب حلال۔ مخلوق کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

**الحلال ما أحلَّ الله في كتابه وما حرَّم الله في كتابه وما سبَّ عنه فهو مشاعی عنه**  
 "حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔"  
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جس کا حلال ہونا صریحہ قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جنکی حرمت صریحہ آگئی۔  
 تیسری وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؟ ثانی جلد اول کتاب اطعمہ رہ بحث تہذیب سنت میں ہے۔

**المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمهور من الحنفیہ والشافعیہ** جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہی مسئلہ ہے  
 کہ اصل مباح ہوتا ہے اس کی تفسیر خارج و روح بیان اور تفسیر خراسان و غیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہی ہے کہ وہ مباح  
 ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ چھ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میاں و شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا  
 صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو چاہئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میاں و شریف کرنا حرام  
 ہے جب خدا حرام نہ کرے۔ رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میاں و شریف  
 وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہو سکتا عدمت ہے وہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَا أَحَدٌ فِيمَا أَوْحَى إِلَيَّ مَحْزُومًا عَلَى طَاعَتِهِ يَطْعُمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَتْبُوعًا ۚ

یہ نیز فرماتا ہے قُلْ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَالْمُنْتَكَرَاتِ مِنَ الرِّدْقِ ۚ

یہین آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملتا حلال ہو سکتا دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی یہ حضرت اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی  
 منطق ہے چھ بتاؤ کہ ریح سے سفر و درس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے دو حلال میسے ہی یہ بھی جائز اور حلال

# بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں، پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات۔

## پہلا باب

### میلاد شریف کے ثبوت میں

اولاً تو معلوم ہونا چاہئے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا، حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرمات، نسب نامہ یا شیر خوارگی و رحلت حمیدہ رضی اللہ عنہ کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک یا نثر میں پڑھنا سب اس کے نتائج ہیں، اب وہ ولادت خود تنہا کی میں پڑھو یا مجلس جمع کر کے اور لکھ میں پڑھو یا نثر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو سید دکھا جاوے گا، محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی سے ہودہ اس کے بطن کے موقد پر خوشبو لگانا، گلاب چھڑکانا، شیرینی تقسیم کرنا وغیرہ حقیقت کا اظہار جس کا نہ طریقہ سے ہودہ مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الہی کے نزول کا سبب ہے۔

(۱) عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا اسْمُرْنَا عَلَیْهَا عَمَانَةً مِنَ السَّمَاءِ نَحْنُوْنَ لَا عِیْفًا لَّوْلَا وَآخِرُ مَا مَعْلُومٌ ہوا کہ مادہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا، آج بھی اتوار کو عیسائی اسی عید مناتے ہیں کہ اس دن دسترخوان اتر تھا اور حضور ﷺ کی تشریف آوری اس مادہ سے کہیں بڑھ کر نعت ہے لہذا اس کی ولادت کا دن بھی عید ہے۔ ہاں سب مجلس پاک میں حرم کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ جیسی مرد میں سخت منع ہے عورت کی اور راضی مرد کو سننا چاہئیں، مگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے نکلنے سے روکے تو آواز سے بھان اللہ کہہ دے، لیکن عورت کسی کو روکے تو سبحان نہ کہے بلکہ ہائیں ہاتھ کی پشت پر دھنا ہاتھ مارے جس سے معلوم ہو کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو بولی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں ہائیں کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ پہلے کہیں خود اور عورتوں میں سے یہودی یا یہودیہ یا کافر یا کافرہ جو کہ عبادت ہے اس کو ہاں پر استقامت کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں خرمیوں یا کادی گئی ہوں تو سب خرابیوں کو دور کیا جاوے لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا اُلوہ قرآن کریم ہائے سے پڑھے لکھے قرآن پڑھو گیوں کو سناوے قرآن پڑھنا نہ روکے تو یہ نکتہ یہ عبادت ہے۔ میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوال علماء و ائمہ کبار و فضیلوں کے فضل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

(۱) رَبِّ تَعَالٰی فَرَمَانَا بِہٖ وَادْکُرُوا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہذا محفل میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) وَافِیْ سَعْمَۃَ رَبِّکَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر حسان جنایا اس کا چرچا کرنا ہی آیت پر عمل ہے آٹن کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔ کسی کو سسکت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشن جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد و بیکہ جگہ ارشاد فرمایا۔ فَرَمَانَا بِہٖ لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ الْاٰیۃ

”اے مسلمانوں تمہارے پاس حکمت والے رسول تشریف لے گئے۔“ اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا ”فَنَفْسُکُمْ“ حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ حَرَبِ بَصْرَ ‘عَبِیْکُمْ“ سے آخر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہی تمہیں باتیں ہوتی ہیں۔

(۳) لَقَدْ مِّنَ اللّٰہِ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمُوْا رَسُوْلًا ”اللہ نے مسلمانوں پر بڑی ای حسان کیا کہ میں نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا۔“

ہُوَ لَدُنِّیْ اَرْسَلَ رَسُوْلُوْہٖ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ ”رب العالمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچ دین کے ساتھ بھیجا۔“



غرض کہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر مستند الہیہ ہے، اب اگر جہت کی نگرانی میں ہم یہی آیات و روایات پڑھیں تو یقیناً ان میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے، نہ کچھ نام صاحب کے پیچھے جمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے، پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کہ نکلا اس میں ہے **فَحَمْدُ رَسُولِ اللَّهِ** محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنی ہیں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا، میلاد پاک گیا۔ قرآن کریم نے تو انجیل علیہ السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورہ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر حتیٰ کہ حضرت مریم کا درود۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ **يَسْتَبِيئُ مِنْ قَبْلِ هَذَا** پھر ان کی ملائکہ کی طرف سے سلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غم کھائی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمایا عرضہ سب ہی بیان فرمایا، یہی میلاد خیر بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں سحرت دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح حوران بخشی "پ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ منظرہ نے آمنہ خاتون کے گھر کو کھدہ کیا، وغیرہ وغیرہ وہی قرآنی نسخہ ہے اس طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کی شیر خورگی، ان کی پرورش ان کا چلنا پھرنا، ان میں جانا، حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور ان کی بکریاں چراانا، ان کا کھاج، ان کی نبوت ماننا، سب کچھ بیان فرمایا یہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں۔

مدارج النعمہ وغیرہ نے فرمایا کہ سرے سے پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا۔

**وَمُبَشِّرٌ بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ خُصْدُ**

"میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔"

صحابہ اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں ہارکتے ہیں مگر ولادت پاک سے ۷۹ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا نام احمد ہے، ہوگا فرمایا معلوم ہوا کہ ان کا نام پاک وہی ہے جس نے کہا کہ کھانا "یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی مید شریف ہے، صرف اتنا فرق ہو کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے مجموعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے ہم سچے مجموعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف آئے، فرق باطنی و مشفق کا ہے بات ایک ہی ہے ثابت ہوا کہ میلاد مستند انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ لَبِيتُكُمْ قَبِيضُ خُو** "یعنی اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔"

معلوم ہوا کہ فضل لینی پر خوشی مانا، اہم الہی ہے اور حضور علیہ السلام رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی۔ لہذا رب کی ولادت پر خوشی ماننا اسی "ت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے۔ ہر جائز خوشی اس میں داخل۔ لہذا مکمل میلاد کرنا وہاں کی ذہب و نسیب و حج و غیرہ سب بامصلہ ثواب ہیں۔

(۴) مواہب لدنیہ اور مدارج النعمہ وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ وہ ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ ان دن رات وہ ہوا شیطان رنغم میں بھاگا بھاگا پھرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میلاد مستند ملائکہ بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے، اور بھاگا بھاگا پھرنا شیطان کا فضل، اب لوگوں کو فقیر ہے کہ چاہے تو مسند پاک کے ذکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور علیہ السلام نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت اور اپنے وصف بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا مستند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک پر طعن کرتے ہیں۔

**لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ** "پس منبر پر قیام فرما کر پوچھتاؤ میں کوں ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ اللہ نے حقوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔ پھر ان کے دھنسنے کے عرب و غم، ہم ان کو اس میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا، پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا، پھر قریش کے چند خاندان بتائے ہم ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے کیا، اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم نبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بیثبات، وراثی والدہ کا دیہ اوہں جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک اور بچہ کا جس سے شام کی عمارتیں نکونظر آئیں اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے پانچواں نام اپنی امت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا یہی میلاد شریف میں ہوتا ہے ایسی صدا اداوت و شہس کی جاسکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعمت شریف سے محروم نہ ہو کہ میلادِ مسنونہ صحابہ بھی ہے چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص ۱۷۱ میں ہے کہ حضرت عطاء بن یدر فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نعمت سزاوارتہ جو کہ توریت شریف میں ہے انہوں نے پڑھ کر سنائی اسی طرح حضرت کعب جبار فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں اچھے اللہ کے دوسوں ہیں، میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کہ خلق، نہ نعمت طبعیت، ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اردان کی ہجرت طیبہ میں نہ کا ملک شام میں ہوگا، اُن کی نعمت خدا کی بہت حد کرے گی کہ نہ رنج و خوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی۔ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

(۷) یہ تو متیوں بدوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی، تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کریں، چنانچہ بخاری حدیث دوم کتاب النکاح باب وَأَمَّا نَكُمُ الْيَتَّىٰ أَرْصَنَكُمْ وَمَا يُعَوِّدُ مِنَ الْمَوَاعِدَةِ میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ الْيَتَّىٰ لِبَعْضِ أَهْلِهِ بَشَرٌ هَيْبَةٌ قَدْ لَهُ مَا دَاقِبَتْ قَالَ الْيَتَّىٰ لِبَعْضِ لَمْ يَلْقَ بَعْدَكُمْ حَيْرًا  
إِنِّي سَقِيتُ فِي هَذِهِ بَعْثَاتِي نَوِيَّةً

”جب الیولہب مر گیا تو اس کو اس کے بعض مکرہوں نے خوب مس برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری الیولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی، ہاں مجھے اس تلخی کی انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے نوبہ کو بڑی کوتاہی کر دی تھی۔“

ہاں یہ بھی کہ الیولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا اس کی بونٹری ثوبیہ نے آ کر اس کو جبری کہ تاج تیرے بھائی عبداللہ کے مگر فرزند تھے (رسول اللہ ﷺ) پیدا ہوئے۔ اس نے خوشی میں اس بونٹری کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آؤ، یہ نعمت کا فرشتہ جس کی برائی قرآن میں آ رہی ہے مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا جب دور رخ میں وہ عیاں ہوتا ہے تو پتی اس انگلی کو چھو تا ہے عیاں کچھ جاتی ہے، نکلہ وہ کا فرشتہ ہم موسیٰ وہ دشمن تھا، ہم ان کے بندے ہے دام، اس نے پیچھے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی، مذکور رسول اللہ کی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں۔ تو وہ کرم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

دوستان! کجا کسی معصوم کو کہہ بادشمن نظر داری

مدارج السنۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی الیولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

”دوریں چاند است مہ اہل الموالید را کہ دو شب میلاد آں سرور سرور کنند و بذل اموال نہایت یعنی الیولہب کہ کافر یوں جس سرور میلاد آں حضرت و بذل شیر جاریہ دے بہت آں حضرت جزا دہدند تا حال مسلمان کہ مخواست بخت و سرور و بذل ماں و دے چہ باشند لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ حوام احداث کردہ اند از انگشتی و آلات مکررہ منکر است خالی ہاں۔“

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور ماں خرچ کرتے ہیں یعنی الیولہب جو کا فر تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی اور بونٹری کے دودھ پلانے کی وجہ سے اس کا ہوا گیا تو اس مسلمان کا کیا دھنگا جو محبت خوشی سے بھرا ہوا ہے اور ماں خرچ کرتا ہے لیکن چاہئے کہ محفل میلاد شریف عام کی بدعتوں جی گانے اور حرم ہاں جو دھیرہ سے خالی ہو۔“

(۸) ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء و ادبا و مشائخ و علماء مسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جوں کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی لہذا بہت اجتماع سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے، جس ملک میں بھی جاؤ، مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے، اویہ اللہ و اللہ تعالیٰ نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام و مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ تِلْكَ الْأُمَمِ سَامِعِينَ كَلِمَاتِهِمْ يُدْرِكُونَ۔ حدیث پاک میں بھی ہے نَحْمُ شُهَدَاءَ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ قَرِيبِينَ مِّنَ اللَّهِ كَمَا نَحْمُ الْغُلَامَ الَّذِي بَلَغَ مِلَّةَ الْإِسْلَامِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ سَائِرِ الْمُسْلِمِينَ۔

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵ میں ہے کہ شیخ محمد بن عبد البر محدث ربیع اوس کے حلق فرماتے ہیں، وَفِي شَهْرِ رَجَبٍ نَظِيرٌ لِّعَبْرٍ فِيهِ كُلُّ غَامٍ مَعْلُومٍ ہوا کہ ربیع الاول میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲ سورۃ فتح قرأتِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ۔

وَمِنْ تَعْظِيمِهِ عَمَلٌ لَا مَامُ الشُّيُوطِي يُسْتَحَبُّ لَنَا اَظْهَرُ الشُّكْرِ لِمَوْلَدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

”میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ نبی ہاتوں سے عاں ہوا نام سے پکارتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔“

محرراتے ہیں لفظ فقال ابن الحجر، لِهَيْئَتِي اِنَّ الْبَذْعَةَ الْحَمِيْمَةَ مَتَّقُ، عَلَيَّ فُذُّ بِهَا عَمَلُ الْمُؤَلَّدِ  
وَحُصْمَا عِ السَّامِي لَهُ كَذَلِكَ بَذْعُهُ حَمِيْمٌ" قَالَ الشَّحَاوِيُّ لَمْ يَفْعَلْهُ اَحَدٌ مِّنَ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ وَ  
اُمَّا حَدِثُ بَعْدُ ثُمَّ لَارِلْ اَهْلُ الْاِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْاَقْطَارِ وَالْمَدَنِ الْكِبَارِ يَغْمُونُ الْمُؤَلَّدَ وَيَتَصَدَّقُونَ  
بِاسْمِهِ لِيُصَدِّقَتْ وَيَغْنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلَدِهِ الْكَرِيْمِ وَيُظْهِرُ مِنْ بَرَكَاتِهِ عَلَيْهِمْ كُلِّ فَصْلٍ عَظِيْمٍ قَالَ  
ابْنُ الْجَوَارِيِّ مِنْ حَوَاصِئِهِ "اَمَّا" فَيُ دَالِكِ الْاَعْمُ وَيُشْرَى عَدْلَةً" بِسَبَبِ الْمُنْعَةِ وَالْمَرَامِ وَوُ  
سْنِ اَحْدَثِهِ مِّنَ الْمُتْلُوْكَ صَاحِبُ اَزْمَلٍ وَصَفَ لَهُ اَبْنُ خُبَيْزٍ كِتَابًا بِهِيَ الْمُؤَلَّدُ فِي حَارِهِ بِالْف  
دِيَارِ وَقَدْ اسْتَحْرَحَ لَهُ اَلْحَفَظُ ابْنَ حَجَرٍ اَصْلًا مِّنَ السُّنَّةِ وَ كَذَلِكَ اَلْحَافِظُ السُّيُوْطِيُّ وَرَدَّ عَلَيَّ اِنْكَارِ  
هَافِي قَوْلِهِ اِنَّ عَمَلِ الْمُؤَلَّدِ بِبَذْعَةٍ مَُّدْمُوْمَةٍ

"ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ بدعت حسد کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلا دشریف کرنا اور اس میں لوگوں کو جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت  
حسد ہے امام ستاد کی سے فرمایا کہ میلا دشریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میں ان ایجادیں ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود دشریف  
کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلا د چڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اس مجلس  
پاک کی برکتوں سے ان پر تہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے، امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلا دشریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال ہجرات کی برکت سے امن رہتی  
ہے اور اس سے مراد ہیں پوری ہوٹلی خوشخبری ہے جس پر بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا و بادشاہ رمل ہے و ابن امیہ نے اس کے لیے میدان دشریف کی ایک  
کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو بڑا شریفی سے تدریس اور حافظ ابن حجر و حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت کو ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے جو اس کو  
بدعت سمجھ کر منع کرتے ہیں۔"

ملاحق قاری سورہ امدی میں دیا چہ کے متصل فرماتے ہیں۔ لَارِلْ اَهْلُ الْاِسْلَامِ بِحُصْلَفُوْنَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ حَدِيْدَةٍ وَيَغْنُوْنَ  
بِقِرَاءَةِ مَوْلَدِهِ الْكَرِيْمِ وَيُظْهِرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهِ كُلِّ فَصْلٍ عَظِيْمٍ اور اسی کتب کے دیا چہ میں یا شعاع فرماتے ہیں۔

بِهَذِهِ لَشَهْرٍ فِی الْاِسْلَامِ فَضْلٌ" و مصعبہ "تَفُوْقُ عَلٰی الشُّهُوْرِ

رَبِيعٌ فِی رَبِيعٍ" فِی رَبِيعٍ وَنُزُورٌ فَوْقَ نُزُورٍ فَوْقَ نُزُورٍ

ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوئی، ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء  
محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کا اچھا جانا ہے جیسے امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی، امام ستاد کی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیرہم، تیسرے یہ کہ  
میلا د پاک کی برکت سے سارے بحر تک گھر میں اس، مراد پری ہوتا، مقاصد پر آنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلا دشریف بہت مفید محفل ہے، اس میں چند فوائد ہیں، مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و  
کرم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھتی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھانے کے لیے  
زیادتی درود دشریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حارات دیکھ سکتے ہیں مگر ناخواندہ  
لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ اس کو اس طرح سننے کا مقصد مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلمانوں میں تبلیغ حکام کا دریہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریف ہوں،  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات حقیر سنیں، اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے اسلام آے تو میں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ مسلمانوں  
کو مسائل دینیہ بتائے گا موقع ملتا ہے، بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے جاؤ تو جمع نہیں ہوتے، وہاں محفل میلا دشریف کا  
نام ہو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہوتا ہیں خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا، اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقع ملتا ہے۔

چوتھے یہ کہ میلا دشریف میں ایسی مجلسیں بنا کر پڑھی جاویں جس میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاوے کیونکہ ہر جگہ شریعت کے نظم و  
نظم میں زیادہ شر کرتے ہیں اور جلد بازی ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سنتے سنتے مسلمانوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف اور ولاد پاک،  
ازواج مطہرات، ارواں دست پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو بے مذاہب کی پوری پوری معلومات  
ہوتی ہیں، رافضی کے بچے ان کو بھی بارہ ماہوں کے نام اور عقائد و راہنمائی کے استماع فرما کر نے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا پڑھے بھی  
اس سے غافل ہیں، میں نے بہت سے پڑھوں کو پوچھا کہ حضور ﷺ کی ولادت کتنی ہیں؟ وہاں کہتے ہیں اے جبر پیا۔ اگر اس مجلس میں ان کا چہ چا  
رہے تو بہت مفید ہے، یہی ہوئی چیز کو تہ کا ڈو۔ بلکہ مجازی ہوئی چیز کو بتانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے چرچہ مرشد حاجی مدد اللہ صاحب نے فیصلہ غنت مسند میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے مصنف پر فرماتے ہیں ”کہ شرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل میلاد شریف میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعہ برکت سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔“ عجیب بات ہے کہ چر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدیں گلشن کا عقیدہ ہو (کہ شرب و فحش محفل ہے محفل میلاد) نہ معلوم کہ سب چر صاحب پر کیا فتویٰ لگے گا؟

(۱۱) ہم عرش کے بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بھیر دلیل کہرت تفریق کا بھی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور انتخاب کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں، جو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کی نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ شرعاً منع نہیں اور مسلمان اس کو کاروائی سمجھتے ہیں، نیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب ہے مگر حرام کہے دے اس کی حرمت پر کوئی قطعی الثبوت قطعی الدلیل حدیث یا آیت نہیں گے صرف بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

## دوسرا باب

### میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں

**اعتراض نمبر ۱** مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے، لہذا مولود حرام۔

**جواب** میلاد شریف کو بدعت کہنا نہ دینی ہے، ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت النبۃ، سنت انبیاء، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہ کرام، سنت خلفاء رضی اللہ عنہم اور عام مسلمانوں کا معمول ہے، پھر بدعت کسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی تو ہر بدعت حرام نہیں، ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز ہوتی ہے اور مکروہ حرام بھی، سزا پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

**اعتراض نمبر ۲** اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کو حلقہ صط، داڑھی منڈاؤں کا نعت خوانی کرنا، غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام اقوال کا مجموعہ ہے لہذا حرام ہے۔

**جواب** اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ کئی نہیں ہوتیں، عورتیں پردوں میں علیحدہ، غلطی ہیں اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے غلطی سے روایات سننے والے دوسو جہنمیتے ہیں۔ سب اور دشریف پڑھتے رہتے ہیں اور رفت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہو سکتا ہے اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔

لذات بادہ عشقش ز مہر معصیت مہر ص      دوق ایں مہر مہ شہنامی مجد اتانہ چشمنی

بالے کعبہ تونہ ہی ہی نہ ہوں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر و رات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں حرام ہوگا، بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ اور نہ سب سے پہلے دینی دھرم سے حرام ہونے چاہیے کیونکہ وہاں مرد بے داڑھی بچے جو لوہ کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کا آئین میں اشتعال بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے ذمے نتیجہ بھی برآمد ہوتے ہیں اور قرآن و حدیث کی بخاری، ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث و تفسیر پڑھتے ہیں ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں بعض ضعیف بلکہ منسوخ بھی ہوتی ہیں بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے دھرم سے بند کئے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان عمرجات کو روکے کی کوشش کی جاوے گی بتاؤ اگر داڑھی منڈ قرآن پڑھتے تو کیا؟ قرآن پڑھنا بند کر دو گے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھتے تو کیوں بند کرتے ہو؟

**اعتراض نمبر ۳** محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے، جسکی وجہ سے فجر کی نماز رخصا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہذا میلاد حرام۔

**جواب** اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا، بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا، دس گیارہ بجے ختم ہو جاتا ہے تی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہیں، اگر دیر لگ بھی جاوے تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں، جیسا کہ پہلے کا تجربہ ہے لہذا یہ اعتراض محض ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کا ہاتھ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر سے ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر ایسی دینی جلسے رات کو دیر تک ہوتے

ہیں اور بعض جگہ جناح کی مجلس سحر رات میں ہوتی ہے رات کی ریل سے سحر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے کہو کہ یہ جلے، یہ نکاح، یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میں دپاک کیوں حرام ہوگی؟ اور نہ وہ فرق عیاں کرنا ضروری ہے۔

**اعتراض مہمور** علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث خذرا موات میں کہا کہ میں دشریف سب سے بدتر چیز ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ شریف میں مکمل میں دشریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کفار کہی، جس سے معلوم ہوا کہ محفل میں دخت نری چیز ہے۔

**جواب** شامی نے مجلس میں دشریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور نقویات ہوں اور اس کو لوگ میں دکہیں، کارٹراپ کہیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

**وَقُلْ مَنِ الدُّرُ بَقَرَانَةُ الْمُؤَلَّدِي الْمَا بِرِ مَعَ اِسْمَالِهِ عَلِ لَعَاءٍ وَ لُئِبٍ وَ نِيَهَابِ ثَوَابِ دَالِكِ اِلٰى حَضَرَتِ الْمُصْطَفٰى**

”اس سے بھی نری میناروں میں مولود پڑھے کی نذر مانتا ہے، باوجود یہ کہ اس مولود میں گانے و رکھیل کود ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور ﷺ کو ہدیہ کرتا۔“

اسی تفسیرات احمدیہ ہم نے گانے کی مجالس کو منع کیا ہے کہ جب میں کہیں گانے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان (یرأت ومن الناس من يشتري لهو الحديث ہم نے بھی پہلے عرض کیا کہ مکمل میں دشریف میں غیبت نہ ہوں، میں نے خود ذکر و بی میں دیکھا کہ بعض جگہ دجے پر نعت پڑھتے ہیں اور اس کو میں دشریف کہتے ہیں ایک یا دس سو ان مطلع بدوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی فاتح کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گرامفون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روٹ کو بخشا، ایسی بیہودہ و حرام باتوں کو گویا جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی لغو و بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں اگر مطلقاً میں دشریف کو جائز مانتا کفر ہے تو حاجی امداد اللہ حب ویر احمد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

**اعتراض مہمور** سنت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئے ہے اسی طرح تقسیم شیرینی کہ یہ اصراف ہے۔

**جواب** نعت کہنا اور نعت پڑھنا بھریں عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ دیکھو اس کی حقیقت ہماری کتاب شاں حبیب الرحمن میں، مگر شدت انہوئے کرم سے حضرت علیہ السلام کی نعت خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور ﷺ نے اپنی نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعا کہیں دین، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نعتیہ شعرا اور کفار کی خدمت منکوم کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں آتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کیلئے مسجد میں مہر بچھوا دیتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف شایہ کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعا کہیں دیتے تھے کہ **اللَّهُمَّ اِنْدِهِ بَرَزَجِ الْقُدُسِ** ”اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر۔“

(دیکھو مکتبہ شریف ہمدرد، باب اشعر) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت کوئی در نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مجلس معطلی صلی اللہ علیہ وسلم میں مہر دیا گیا۔ ابو طالب نے نعت لکھی حر پاتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ کو فائز ہو گیا تھا کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا، آخر کار قصیدہ بردہ شریف لکھا۔ رات کو خوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنا۔ شفا بھی پائی اور انہم میں چار درہارک بھی ملی۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مورا تا جانی، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سارے اولیاء و علماء نے نعمتیں لکھیں اور پڑھی ہیں، اس حضرات کے تھا کہ نعتیہ مشہور ہیں۔ حدیث اقدس میں گانے بجانے کی برائیوں میں نہ کہ نعت کی۔ جب گیتوں میں غریب اخلاق مضامین ہوں، عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں اس کی پوری تحقیق کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مَا يُقْبَلُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ (کتاب الصلوة) اور باب اشعر میں دیکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بیخ اشعار کا یکساں فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین غریب ہوں مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے، دیوان حسینی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں، تو متعین اشعار سیکھنا یا دکرنا، پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ پاکیزہ کسی طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شمر کی بحث میں ہے۔

**وَمَعْرِفَةُ شَعْرِهِمْ رَوِيَّةٌ وَ دَرَابَةُ عَمِدِ فُقَهَاءِ الْإِسْلَامِ فَرَضٌ "كُتَابِيَّةٌ" لِأَنَّهُ تَنَبُّهُ بِه قَوَائِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَ كَلَالَا مُهْمُهُ وَأَنَّ جَنْبِيهِ اَلْحَطَاءُ فِي الْمُعَايِ فَلَا يَخْجُورُ فِيهِ اَلْحَطَاءُ فِي اَلْأَلْفَاظِ**

”شعر جاہلیت کے شعراء کو ناجائز قرار دیتا کرتا تھا، ماسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کیئے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں اگرچہ معنی خط ممکن ہے مگر بعضی غلطی نہیں ہو سکتی۔“



گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوالی کے ماتحت آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقع پر کھانا کھانا، مضافی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، حقیقت، ویسے وغیرہ میں کھانے کی دعوت مستحب ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ خوشی کا موقع خاص نکاح کے وقت خرچے تقسیم کرنا بلاکس کا ماننا مستحب ہے، ظہار خوشی کے لیے مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے، دعوت کرتا ہے صدقہ و خیرات کرتا ہے، شیرینی تقسیم کرتا ہے، اسی طرح اس تذکرہ کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پر دے والے سے شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ میں نے سینڈو مشین بیگز میں کچھ عرصہ تقسیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنت مستحب صاف ہے اور غلط نہیں۔ مگر اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قربات و میل و خانوں اور مہمانوں کو کھانا کھانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی کرنا اسی میں داخل ہے۔

اس تقسیم کی اصل قرآن و حدیث سے ملتی ہے قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ الرَّسُولَ فَقَدْ خُوفِيَ بِدَىٰ حَوْكُمُ صَدَقَهُ دَالِكٌ خَيْرٌ لَّكُمْ وَظَهَرَ  
پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ

”اے ایمان والو جب رسول سے کچھ بہتہ عرض کرتا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیے بہتر اور بہت سہرا ہے۔“  
اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن عازریت کر کے حضور علیہ السلام سے اس مسئلے پر پچھے ہوئے میں اس کا جواب منسوخ ہو گیا۔

(دیکھو تفسیر قرآن المصلا، ج ۱ ص ۱۸۱) اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا مگر احسانت اعلیٰ اور استعجاب تو ہوتی ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ عزائم و ایوہ اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا، مرشدین و مصلحان کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے، اسی طرح احادیث و قرآنی یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے مثلاً دشریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا، کارپاب ہے کہ اس میں بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کلام کرنا ہے، تفسیر فتح الباری، ص ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی ”یعنی اور شعب ابی حنیفہ، ابن عمر روایت کرتا ہے کہ وہ کہہ کر ابن الخطاب سورہ بقرہ، ہاتفات ۳۱ در مدت دو دو سال خواندہ و فارغ شد و در وقت شترے رکعت طعام و اطعمتہ پڑھاں حضرت ابن عمر خروارید“ یعنی نے شعب الاہلب میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقرہ بارہ سو کی مدت میں اس کے رموز سرائے کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ داغ کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کارخیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہو۔ مثلاً پاک بھی اہم کام ہے بریگاں دین و قرآن پڑھنے کے لیے اہل قربات کے یہاں جاؤ تو حاکم نہ جاؤ کچھ لے کر چاؤ **نَهَادُوا وَنَحْنُوا** ایک دوسرے کو بدیدہ و دعوت بڑھے گی۔ فقہاء و محدثین ہیں کہ جب دیا محبوب یعنی دین پاک میں چاؤ تو وہاں کے فقر و کوہستہ دے کر وہ اچراں و سوسا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال دے؟

حق بفرمایند چہ آوردی مرا؟ اندراں مہنت گاہ من دادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں، کسی کے سینہ یا ان مقرر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ **لا حیر فی السرف** سراف میں بھلائی نہیں، فوز جواب دیا **لا سرف فی التخییر** بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

**اعتراض محبوب ۶** کل سال دے کے پہلے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلانے کی جماعت بھی منع ہے تو کیا مثلاً اس سے بڑھ کر ہے؟ (پراچن)

**جواب** مجلس عطا، دعوت دیر، مجالس امتحان و محفل نکاح و عقیقہ وغیرہ میں کوٹوں کا بلایا جاتا ہے بلویہ اسود حرام ہو گئے یا طالع دے؟ اگر کہو کہ نکاح و عقیقہ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہذا ان کے لیے مجمع کرنا حلال، تو جناب تقسیم سوسا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرائض سے ہے۔ لہذا اس کے لیے بھی مجمع کرنا حلال ہے، ہمارے پروگرام حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے، اگر کوئی کہے کہ نہر ہے وضو ہے، لہذا عداوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہئے وہاں حق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

**اعتراض محبوب ۷** کسی کی یادگار مٹانا اور تاریخ مقرر کرنا شرک ہے اور مثلاً دشریف میں دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

**جواب** خوشی کی یادگار مٹانا بھی سنت ہے اور تاریخ مقرر کرنا منسوخ اس کو شرک کہنا انتہاء و بیز کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا **وَدُكِّرْهُمْ بِآيَامِ اللَّهِ** یعنی غنی اسرئیل کو وودوں بھی یاد دہن میں، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر وعظیں اتریں، پیسے فرق و فرعون من سونی کا زول وغیرہ (غزائیہ عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے گا ان کی یادگار مٹانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم اہل غلو فصل اول میں ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَدْ فِيهِ وَلَدْتُ وَفِيهِ تَوْبٌ عَمِيٍّ وَخِيٍّ  
 "حضور ﷺ سے دو شنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔"  
 ثابت ہوا کہ دو شنبہ کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور ﷺ کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین یا تین معلوم ہو گئیں۔ یادگار ماننا مستحب ہے۔  
 عبادت خواہ بدلتی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا دن جیسے صدقہ اور حیرت تقسیم شریعتی وغیرہ، مشکوٰۃ یہی باب فصل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام  
 مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں، سبب یہ تھا تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکر یہی روزہ رکھتے ہیں۔  
 تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

**فَسَخْنُ اَحَقُّ وَاَوَّلِيْ بِمَوَاسِيْكُمْ** ہم سب سے علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں **فَصَاعِدْ** و **امْرِ بِصِيْبِهِ** خود بھی اس  
 دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کے حکم پہنچا چاہے ذیل اسلام میں یہ روزہ فرض تھا اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر انتخاب باقی ہے، اسی  
 مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا  
 سر آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دور روزے رکھیں گے یعنی چھوڑ دیں، بلکہ یہودی فرما کر مشابہت اہل کتاب سے کیا گئے، ہم نے شاہ حبیب الرحمن  
 میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ جنگ نہ نہروں کی رکتیں مختلف کیوں ہیں، فجر میں دو مغرب میں تین صبح میں چار۔ وہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں  
 گزشتہ نبیاء کی یادگار ہیں ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں ذکر کرات دیکھی تو پریشان ہوئے صبح کے وقت دو رکعت شکر یہ دیکھیں حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بچا، بخت ٹھکر کی جان بچی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکر یہ۔ کہیں۔ یہ  
 ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ نمازوں کی رکعت بھی دیگر امیاء کی یادگار ہیں۔ حج تو ازاں تا آخر ہاجرہ واسطیل و ابراہیم علیہ السلام کی یادگار  
 ہے اب سہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے۔ شیطان کا قربانی سے روکتا مگر خدا مردہ کے درمیان چننا اچھا گنا۔ کسی میں شیطان کو ٹھکر بارنا بدستور دیکھ لے  
 وجود ہے، محض یادگار کے بیٹے کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔ شاہ حبیب الرحمن میں۔  
 ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لئے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

**شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ** اور فرماتا ہے **نَا اَوْنَعُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ** جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ  
 رات تا قیامت افضل ہو گئے تو صاحب قرآن ﷺ کی دولت پاک سے تاقیامت راتِ الاوّل اور اس کی ہادیسوں تاریخِ اعلیٰ و افضل کیوں نہ  
 ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو دور عید قرار دیا گیا۔ معلوم ہو کہ جس دن جس تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آئی ہو وہ  
 دن، وہ تاریخ تاقیامت رحمت کا دل بن جاتا ہے، دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گزشتہ جیاد علیہ السلام پر ربانی الامم ہوئے کہ  
 آدم علیہ السلام کی پیدائش، انیس ہجرت کرنا، نکاح دیکھنا، نوح علیہ السلام کی کشتی پارگنا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ  
 اسلام کا اپنے فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا، ہاجرہ آئندہ قیامت کا تابیہ سب جمع دے کے دن ہے لہذا جمعہ سیدہ، یام ہو گیا۔  
 اسی طرح برقص کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قرآن مجید پر عذاب آیا اس سے ڈرو۔ مشکل کے دس صدہ نو کہ یہ خوش کا دن ہے، اسی  
 دن بائبل کا قتل ہوا، اسی دن حضرت حوا کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک دوسرے ہو چکے مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں  
 عظمت یا عبادت ہمیشہ کے لئے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار مسیح یا دیگر مسیحین مناتے ہیں اگر کسی چیز کا  
 مقرر کرنا شرک ہو جاوے تو بد رس کی تخطا مقرر، کما سے اور سونے کے لئے وقت مقرر، دستار بندی کے لئے دورہ حدیث مقرر، بدر سیک کی تخطا مقرر،  
 تاریخیں مقرر، میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں بچے ٹھکر کو آٹہ ڈاکا دینا یا تاریخیں محفل عبادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں، یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس  
 تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جانتی نہیں۔ اسی لئے ہمارے بچپن میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں کا لہذا و  
 میں خاص شادی کے دن، میت کے تچہ، دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں، ہجرہ اور حج، ذیل میں ہر جگہ پورے، میلاد شریف  
 ہوتے رہتے ہیں سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ نہ گمیا ہے کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برہم کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو، جیسے ہوی، دیوبند کے دن اس کی تعظیم کے لئے  
 دیگ پکائے یا مندر میں جا کر صدقہ کرے اسی لئے مشکوٰۃ باب ہذا میں ہے کہ کسی نے بو نہ میں اونٹ ذبح کر کے کی سنت دینی تو فرمایا کہ وہاں کوئی  
 بت یا کفار کا میلہ تھا عرض کیا نہیں، فرمایا جا اپنی نذر پوری کر، یا اس قصہ میں کفار سے مشابہت ہو یا اس قصہ کو واجب جانے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب  
 صوم افضل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا کہ نہ کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے یا سے وجہ جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے

اُسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ ماہنامہ کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں، یوں ہی ایک چپ پی ہو گئی ہے اس لئے مجلس قیاسات ہلالہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے۔

مٹ گئے مٹے ہیں مٹ جائیں گے اعدائے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چپ چاہیرا

# بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں، مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔

نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ توں اور فعلی۔ توں تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع حمد کی تسبیح اتحیات و حمیرہ پڑھنا۔ اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجود، بیٹھنا۔ قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جائیں اسی سے زیادہ کھڑے کے پیچھے ہمدست کی نماز نہیں دیکھو کہ وہ قیام نہیں کر سکتا، ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجود کے معنی ہیں سات اعضا و کاربین پر لگنا، دوں پاؤں کے نیچے دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی، سلام سے پہلے دیگر نیچے کرام کی اسوں میں کسی کی تعظیم کے لئے کھڑ ہوتا۔ رکوع کرنا۔ سجود کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی حیثیت سے نہیں بلکہ تحسین و تعظیم کے لہجہ سے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجود تعظیمی کرایا اور یعقوب علیہ السلام اور اس کے فرزند اس نے یوسف علیہ السلام کو سجود تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیمی بیٹھنے کو ناجائز رکھا مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجود حرام کر دیا، معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ ہوتا ہے کیونکہ میرا اللہ کے لئے سجود تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے اور اس کا نسخ حدیث پاک سے ہے یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجود کی حیثیت سے یہ کام کرے لیکن اگر کسی بزرگ کا جو سیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے جھکا تو جھکنا تو پایا گیا مگر چونکہ اس میں رکوع کی حیثیت نہیں ہے لہذا یہ رکوع نہیں ہاں سجود رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لئے تھا، اور کام تعظیم کے لئے تو جائز ہی ہے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ، یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے۔ شری علیہ السلام کتاب الکرمیۃ باب استبراء کے آخر میں ہے۔

الایمان فی السلام، الی قریب الزکوع کالسجود وہی المحیط انه یحکف الانہاء لمنص و غیرہ

"سلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجود کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔"

## پہلا باب

### قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑ ہونا چار طرح کا ہے، قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب، قیام مکروہ، قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پچھنے کا قاعدہ عرض کرنے دیتے ہیں جس سے قیام سیدھا کا حاسا خود بخود معلوم ہوجاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑ ہونا جائز ہے، اس کی سیکنکوں میں کھڑے ہو کر عبادت مانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

لقد فصیت الصلوۃ فانتزعت الی الارض "جب نماز مجھ سے ہو جاوے تو تم زمین میں پگھل جاؤ۔"

پہلے انگریز کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اور اس کا جب نماز میں قیام فرض ہے، **وَقُومُوا لِلّٰهِ قَنِینَ** اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی سر کوئی ٹھٹھ قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑ ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑ ہونا سنت ہے ذرا تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑ ہونا اسی نے آب رحم اور وضو کے بیچ ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرمادے تو نماز کی طرح ہاتھ بائیں کر کھڑ ہونا سنت ہے حالیکہ میری جد اؤں آخر کتاب اربع آداب زیارت قبر، القیام علیہ السلام میں ہے۔

وبیقف کما یقف فی الصلوۃ وبمنزل ضررۃ لکرمۃ کأنہ نامہ "فی لحدہ عالم" بہ یسمع کلامہ "روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس حال پاک کا نقشہ دہن میں مجھے گویا کہ دوسرا کار **عَلَّیْکَ** پڑا قبر نور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو چاہئے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔"

اسی طرح سونیس کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبہ کو پشت اور قبر کی طرف منکر کے کھڑ ہونا سنت ہے۔ حالیکہ میری کتاب الکرمیۃ باب زیارت القبر میں ہے۔

یُحْمَعُ عَلَیْہِ ثُمَّ یَقِفُ مُسْتَدْبِرَ الْقَبْلِ مُسْتَغْفِلًا لَوْحِهِ لَعَبَتِ

”پئے جوتے اتاروے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو۔“

روضہ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب جبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام ہے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشہ ”نے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے گا سنت ہے اسی طرح جب دینی پیشہ اس لئے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا ہونا سنت اور سفارہ ہے۔ مسئلہ اول جلسہ اول کتاب الجہاد باب قلم الاسراء اور باب التقیام میں ہے کہ جب سدا بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ **فَوُضُوْا اِلٰی سَبْدِكُمْ** اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیم تھا نہ یہ کہ اس کو بخش مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ، نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا، خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا، ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیم ہی تھا در حضرت سدا انصار کے سردار تھے۔ اس سے تعظیم کر لی گئی، جن لوگوں نے لی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ **اِذَا قُمْتُمْ اِلٰی الصَّلٰوةِ** کیا تو بھی بیمار ہے کہ اس کی مدد کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ **اِذَا قُمْتُمْ اِلٰی الصَّلٰوةِ** میں اسی حدیث کے تحت ہے۔ ثلث درمرات تو قیام کر و ام سدا میں مقام و امر تعظیم و تکریم اور اوریں ہاں اس ہشود اور بارے حکم کروں طیبہ و بود و پیش اعدا بن شان اور اوریں مقام اولیٰ والاسب باشند۔“

اس واقعہ پر سدا کی تعظیم و تکریم کرنے میں یہ حکمت ہوگی کہ اس کو قیام پر حکم فرمائے گئے تھے، یاد تھا اس جگہ اس کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔

مسئلہ ثانی باب التقیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ **اِذَا قَامَ فَمَعَاصِمًا حَسْرَةً فَرِيْبَةً فَلْيَدْخُلْ بَعْضُ بَيِّنَاتِ رِوَاہِ** جب حضور ﷺ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ بیٹھتے تھے کہ آپ پٹی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہو گئے۔ **اِذَا قَامَ** کتاب، باب التقیام میں یہ حدیث **فَوُضُوْا اِلٰی سَبْدِكُمْ** ہے۔ بحار کردہ اندھا بہرہ ص ۱۷۷ میں حدیث برا کر ام اہل فضل و علم و صلاح یا شرف و نوادی گفت کہ ایں قیام مر اہل فضل و وقت قروم آردون ایٹان مستحب ست و احادیث اوریں باب و در یافتہ و در نمکی از صر صرا چیز سے صحیح و سند و از ظہیر نقل کردہ کہ مرویست قیام جاس از ہرے کسی کہ در آمدہ ست بروہ جہت تعظیم۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور صحابہ نے صحابین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نوادی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہوا اس بارے میں احادیث ملتی ہیں اور اس کی ممانعت میں مراد کوئی حدیث نہیں آئی، محمد سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی نے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔ عائشہ کی کتاب انکراہیۃ باب مناقبات الرسول میں ہے۔

**فَيُخَوِّزُ الْحَدِيْثُ بَعْضُ اللَّهِ تَعَالٰی بِالْقَبْرِ وَ حِدْ لُؤْدِيْنَ وَالْاَسْبَاءِ**

”غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے جھک کر بر طرح چاہنا ہے۔“

اس جگہ جھکنے سے روم رکوع سے کم جھکنا۔ تا حد درجہ جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ درمعارف جلد چہم کتاب انکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

**يُخَوِّزُ بَلْ يُدْبِنُ الْقَبْرَ نَعْظِيْمًا لِنَفْسٍ يَحْوِرُ الْقِيَامُ وَ يُوْ لِنَفْسٍ يَدِي الْعَالَمِ**

”آئے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے گا نہ جھکنا مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جائے گا نہ ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عامہ دین آ جاوے تو اس کے لئے کھڑا ہو جائے مستحب ہے اس کے تحت شامی میں ہے۔

**وَقِيَامُ قَارِئِ الْقُرْآنِ لِمَنْ يُحْيِيْ نَعْظِيْمًا لَا يُكْرَهُ اَدْكَانَ مَقْرُنٍ بِسَبْحِ لِنَعْظِيْمِ**

”قرآن پڑھنے والے کا آئے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جائے مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے راقی ہو۔“

شامی جلد اول باب ردا مت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتقاد میں بیٹھا ہے اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے انھیں ہے یہ تعظیم تو علامہ ردا مت کی ہے لیکن صدیق اکبر نے تو نبیؐ نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف داتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے ورنچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔

(مسئلہ ثانی باب التقیام) ان امور سے معلوم ہو کہ بر رگات دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔

مسلم جلد دوم باب حدیث تو بایں انک کتاب التوبہ میں ہے۔

**لَقَدْ اَمَّ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدٍ اَللَّهَ يَهْرُوْنُ حَتّٰی صَافَحُوْا وَهَبْنِیْ**

”میں طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دور سے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔“



اس جگہ نوٹی میں ہے۔ **فِيهِ اسْتِخْبَابُ مُصَافِحَةِ الْقَادَةِ وَالْقِيمِ لَهُ الْكِرَامُ وَالْهَرُ وَلَهُ الْبَقَانَةُ**  
اس سے ثابت ہوا کہ آئے والے سے مصافحہ کرنا، اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا، اس کے بٹنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا بیارہ چاہو تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا، ہاتھ پاؤں چومنا مستحب ہے، مشکوٰۃ کتاب الادب باب معاشرہ میں ہے کہ ریہہ میں  
حارثہ و زہد پاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

**فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَرِيْبًا فَاغْتَسَمَهُ وَقَبَّلَهُ**

"ن کی طرف حضور صلیہ السلام بعیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر اس کو گنگے لگایا اور بوسہ دیا۔"

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

**الْبُيْهَ فَاخْدَمَهَا فِقْبَلَهَا وَاحْتَسَمَهَا فِي مَنْحِبِهِ** اس پہلے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑے اس کو چومتے اور اپنی جگہ نہ نکال  
بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور صلیہ السلام فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں  
اور اپنی جگہ حضور صلیہ السلام کو بخش لیتیں۔ مرقات باب المشیۃ بآزادہ فصل دوم میں ہے۔

**فِيهِ اِيْمَاءٌ إِلَى نَذْبِ اَنْصَابِ تَعْظِيْمِ الْفَصَلَاءِ وَالتَّكْرَارِ** معلوم ہوا کہ فصلاء کے لئے قیام تعظیسی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی  
بیارے کا ذکر کرے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو یہ وقت کھڑ ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت مفسر ہے، مشکوٰۃ کتاب الیمان فصل ثامن  
میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ مجھ کو حدیثی کہنے، ایک خوشخبری سنائی۔

**فَقُمْتُ إِلَيْهِ وَقُلْتُ يَا بِنْتِ أُمِّیْ اسْتِ احْتِیْ بِهَا**

"تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قرباں ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔"

تفسیر روح البیان پارہ ۲ سورۃ فتح آیات **رُسُوْلُ اللَّهِ** ہے کہ نام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جمع صلاہ موجود تھا کہ ایک  
نعت غلام نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

**فَعِنْدَ ذَلِكَ قَامَ لِامَامِ الشُّكْرِ وَحَمِيْعٍ مِنْ فِی الْمَحْسَنِ فَحَصَلَ تَسْنِیْعٌ عَظِيْمٌ بَدَأَ بِكَ التَّسْنِیْعِ**

"تو فوراً امام سبکی اور قیام حاضرین مجلس کھڑے ہوئے اور اس مجلس میں بہت سی لطف آئی۔"

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو، اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آگے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے، چنانچہ حضرت عمر  
رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور صلیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ سے لگا دیا۔ (کتبہ قرآن)  
حاشیہ تفسیری کتاب الکرمیۃ باب اهل الذمہ میں ہے۔

**اِذَا دَخَلَ ذِمَّتِیْ عَلَیْ مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهُ طَمَعًا فِیْ سَلَامِهِ فَلَا بَأْسَ**

"کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آئے مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔"

(۵) چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آپ زحوم اور ضرر کے سوا اور پانی کو پیچے وقت کھڑا ہونا بلا حذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیا دار کی تعظیم کے لئے کھڑا  
ہونا دنیا، باغ سے باہر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اس کی مالدار کی وجہ سے مکروہ ہے۔ حاشیہ تفسیری کتاب الکرمیۃ باب اهل  
الذمہ میں ہے۔

**وَنَقَامَ لَهُ مِنْ غَرِّ اَنْ بُوئِیْ شَبْتًا مَّشَا ذَكْرًا اَوْ قَامَ طُفْلًا لَعَنَ شُكْرُهُ لَهُ ذَلِكُ**

"مگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا اس کی مالدار کی تعظیم میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔"

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آگے اس  
دست بست کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حواسے دوسرے باب میں آدیں گے  
ان شاء اللہ تعظیہ خیال میں ہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پڑے کسی پیارے کے ذکر پر ہو، اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی  
حکمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو، لہذا قیام میں اور چند جگہ سے سنت میں داخل ہوا، ایک تو اس لئے کہ یہ کرواوت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے  
کہ ذکر و ردت سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کوئی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر مسنون ہے، تیسرے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک

کو محبوب ہے، وہ جان و مال و سب سے زیادہ محبوب ہیں ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنتِ مسلمین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ درودِ رحمت پر کھڑے ہوئے تھے اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعلِ ملائکہ ہے مثلاً یہ ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحثِ میاں میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اصحاب اور اہلِ منصب شریف میں پرکھنے سے جو کچھ بیان فرمایا تو اس قیام کی اصل لی گئی۔ چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جس کام کو مسلمان اچھا جائیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ہم اس کی تحقیقی بحث میاں اور بحثِ بدعت میں کر چکے ہیں نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جائیں وہ شریعت میں مستحب ہے مثلاً جلد سوم کتاب الوقت، وقف، مقورات کی بحث میں فرماتے ہیں۔

لَا النَّعْمَ يَتْرُكُ بِهِ الْفَيْسُ لِحَدَّثَ مَارَاةُ الْمُؤْمِنُونَ حَسْبُاْ لَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسْبُ" یہی دہمکی و جنازہ وغیرہ کا وقف قیامت ناپا نہ ہونا چاہئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا دیکھو حدیث مسندین جس کام کو اچھا سمجھ لیں۔ اور اس کی حرمت کی نہیں نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔ درمیانِ جلد دہم کتاب زیارات باب اجازت الفاسدہ میں ہے۔

وَحَارِ اجَارَةُ الْحَمَامِ لَانَهُ عِنْدَ السَّلَامِ دَخَلَ حَمَامُ الْحَجَفَةِ وَلِنُغْرِفَ وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَارَاةُ الْمُؤْمِنُونَ حَسْبُاْ لَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسْبُ

"حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہرِ جنت کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔"

اس کے مابقت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے بعض نے کہا کہ موضوع ہے لہذا اب ہم اس کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک روایت ہی عرف عام سے ثابت ہوا کہ عام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لَا النَّاسُ فِي سَانِ الْأَمْصَارِ بِلُغُونَ أَحْرَتِ الْحَمَامِ لَدُنْ أَحْمَاغِهِمْ عَلَى حَوَادِ الْكَلْبِ وَ نَكَانِ الْقِيَاسُ يَبَاهُ

"کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ ہم کی حرمت دیتے ہیں پس اس کے اجراء سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلافِ قیاس ہے۔" ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیامت ناپا نہ ہونا چاہئے کیونکہ نہیں ہوتی کہ کتنی پانی خرچ ہوگا درکار یہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں لہذا یہ جائز ہے قیامِ میدا دہمکی عامل مسلمان مستحب سمجھتے ہیں لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتَعَزَّوْاْ تَوْقَرُوْاْ "اے مسلمانو! تم سے پی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو۔" تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں درجس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کر دیکھ شریعت نے اس کو حرم نہ کیا ہو جیسے کہ تعطیس بعدہ رکوع اور ہمارے زمانہ میں شاہی حکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔

دیکھو و اشربوا من مطلقا کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر مطلق غذا کھاؤ یا پینو یا پورے درودہ، تورا، سب سے حدیث ہو خواہ غیر القرآن میں ہو یا نہ۔ ایسے ہی تَوْقَرُوْا کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ غیر القرآن سے ثابت ہو یا نہ۔ آخروں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنْ بَعْظِهِمْ شَعَائِرُ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ تَقْوَى الْقُنُوبِ "اور جو شخص اللہ کی نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دہم کے تقویٰ سے ہے۔"

روحِ بیان سے ریت آیت و تَعَاوَنُوا عَمَلِيْ لَنَا وَتَنْتَفِوْاْ عَمَّا سِوَاْهُ وَالْعُدْوَانِ کلمہ کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں ان کی تعظیم کرنا ضرورت ہے جیسے کہ بعض معنی بعض دن و مقامات۔ بعض اوقات و میرہ اسی لئے صفحہ مردہ، کعبہ معظمہ، ماورعصا، شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور ذکر و رات بھی شعائر اللہ ہیں لہذا ان کی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دراکل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے تو ایک بھی دلیلِ حرمت نہیں بھلی اپنی رائے سے حرام کہتے

# دوسرا باب

## قیام میلاد پر اعتراض و جواب میں

**اعتراض نمبر ۱** چونکہ میلاد کا قیام ذل حینِ رمانوں میں نہیں تھا۔ لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حضور ﷺ کی ادنیٰ تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو، اپنی ایسی رات کو اس میں ڈھل نہ سونیا ہم کو بقابلہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

**جواب** بدعت کا جو بے توبہ بار ہوا چاہے ہر بدعت حرام نہیں، رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دین و غیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرستہ تمام چیزوں کی وہی تعظیم ہونی چاہئے جو سنت سے ثابت ہے تو علامہ دیوبند کی آمد پر شیخین پر جانان کے گھوس میں ہار پھول ڈالنا۔ کئے گئے محوس لگانا، جھنڈیوں سے راستہ اور جس گاہ کو کھانا، کریمیاں لگانا، وقفہ کے وقت زندہ ہاد کے مرنے لگانا، مسند اور قالین بچھا نا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی اسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے تو فرمائیے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہذا آپ کا یہ قاعدہ غلط ہے، بلکہ روئے وجدہ و محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جہاں جس طرف رہی کرے وہ عبادت ہے لکھنؤ میں مہتر بنگل کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ ردا میں بھی مہتر بھی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چرا ل کے نواب کو مہتر چرا ل کہتے ہیں لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے اور چرا ل میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملکہ ہر دے

سندھیاں را مصلح سندھ قلعہ

اندیاں را مصلح ہند دہ

مرقاۃ المفاتیح کے مقدمہ میں امام ربیع اللہ رحمہ اللہ کے حوالہ لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سو نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے مگر وہاں پہنے خوشبو لگاتے اور بیٹ دو قار سے بیٹھتے تھے، کہنے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں مگر امام ربیع کا جہاں دس ہے میں نو اب ہے تفسیر رون، یہاں ریأت **ماکان فحمند** "ابا احمد میں **رحالک** کہ ایاز کے فرزند کا نام تھا، محمد سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے ایک روز غسل خاص میں جا کر فرمایا کہ اے ابا کے بیٹے پانی۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا تصور ہوا کہ غلام را دے کا نام لے یا، فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں بنا کرتے۔

منور نام تو گفتن کہاں ہے ادبی است

ہزار بار بیٹو دم دین، بھلک دگاب

کہیئے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیئے کیا سلطان محمود اور امام ربیع اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

**اعتراض نمبر ۲** اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم حکور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جاؤ کرو۔ اور عید شریف میں ڈل سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد تو بیٹھے اور میان میں کھڑے ہو گئے۔

**جواب** یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے، اگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور عید شریف اور اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو یا بعض وقت ہر طرح چاہئے۔ آنحضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے ان کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ اول تا آخر کھڑا ہونا عام کو دشوار ہو گا اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اونگھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ وسلام پڑھا تا کہ نید جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ پھرتے ہیں تاکہ پانی سے نید نہ جاوے کیوں صاحبِ انوار میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو اور بعض جگہ سے میں اور بیٹھ کر ہر ذکر کھڑے ہو کر کیوں نہ کیا؟ نیز احتیاجات میں **انھدیاں لا لا لا** پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے، اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہی عکسہ پڑھتے ہو انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں، مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو **تخب بعض** اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند

کردے کاف پر دہری پر دیو فرود۔ پھر **حفتغنی** پڑھے ہر ایک پر انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران میں یہ گلے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں در یہ اشارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں، جو باریع وغیرہ پڑھے والے حضرت بعض مقامات پر خاص اشارہ کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے، نیز کرتے؟ اس قسم کے صوابا سوالات کئے جاسکتے ہیں، امام بخاری نے بعض احادیث کو استلزاماً بیان کیا بعض کو تصدیقاً، سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بعد ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳ لوگوں نے قیام میلہ کو ضروری سمجھ دیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

**جواب** یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے اور تقریروں میں کہا موام بھی یہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کا ثواب ہے۔ پھر آپ اہل پروا واجب سمجھنے کا کس طرح التزام لگاتے ہیں، اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا سمجھنا نہ ہوگا نہ کہ اصل قیام حرم ہو جائے نہ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں اختلاف غیر واجب، تو ہمارے نزدیک ان کا یہ تو سمجھ نہ ہوگا نہ یہ کہ درود و نماز ہی منع ہو جائے اس کی تحقیق ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں یہ بالکل درست ہے، مقلوۃ واجب التصدیقِ رسول میں ہے۔ **احْبَبُ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاَنْ قُلْ** اللہ کے نزدیک اچھا کام دو ہے جو کہ ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا اور

ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو صحیحہ کپڑے پہنتے ہیں ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں اور دس میں ہر رمضان و جمعہ میں چٹختی کرتے ہیں، ہر سال اسحاق بیٹے ہیں مسلمان ہر رات سوتے ہیں، ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں تو کپڑوں کو واجب سمجھتے ہیں پابندی و جنوب کی علامت ہے رہا قیام نہ کرے واپس کو واپسی سمجھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کئی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہو گئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں عداوت مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہہ کر یا جنتی ہو گیا (مکتوبات امامان) کیونکہ اس وقت تک پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی پھر جب مکہ مکرمہ میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک سے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق آکر کہتے ہیں بات تو سچی کہہ رہے ہیں مگر میں جھوٹے۔ پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوئی مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیرکنا سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ عادی کی پچاس مرتبہ دعا ہے (دیکھو درود حدیث مکتوبات امامان) اللہ اس سے پوچھا کہ سنی اہل اردو) یہ تمہیں امور تمہارے لوگوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: **حُبُّ الْحَسَنِ تَفْصِيلُ الشَّيْخِ عَلِيٍّ وَالْمَسْخُوعُ عَلَى الْحَقِيقِ** دواموں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم کو تمام پر افضل جانتا اور چڑے کے سوزے پر مسخ کرتا۔ تفسیرات احمد یہ میں سورہ الصم زہر آیت **وَنَهْدَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا** ہے کہ سیدنا عبادہ بن ماسی نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے **تَفْصِيلُ الشَّيْخِ عَلِيٍّ، تَوْفِيرُ الْحَسَنِ، تَعْظِيمُ الْفَلَاسِ، الصُّوْهَ عَلَيَّ الْحَضَارَتِ، الصُّوْهَ حَنْفِ الْاِمَامِيْنَ، تَرْكُ الْخُرُوجِ عَلَيَّ الْاِمَامِيْنَ، الْمَسْخُوعُ عَلَيَّ الْحَقِيقِ، وَالْقَوْلُ بِالْقَدِيرِ وَالْاِمْسَاكُ عَنِ الشَّهَادَةِ، دَانُ الصُّوَيْنَتَيْنِ مَرَاتِ ثُرُوبِ ابْنِ الْحَكَمِ عَلَيَّ** اٹھن میں ہے۔ **نَسْلُ اسْنِ نَسْ مَلِكٍ عَنِ عَدَاوَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَاجْتِمَاعَةِ فُلَانٍ نَحْبُ الشَّيْخِ وَلَا نَضَعُ الْحَسَنِ وَنَمْسُحُ عَلَيَّ الْحَقِيقِ** درخار باب السیرہ میں ہے **وَلِتُؤْخِضُوا مِنَ الْخُوصِ الْفَصْلُ رَعْمًا لِي مُعْتَرِلُهُ حُضْرًا** سے وضو کرنا افضل ہے مستزہ کو جانے کے لئے اسی جگہ شامی میں ہے **لَا النَّعْتَرِلَةُ لَا يُحْبِرُوهَا مِنَ الْحَبَاصِ فَرَعُوهَا بِالْوَضُوءِ مَعَهَا** یعنی مستزہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں لہذا ہمیں کو حوض سے وضو کر کے ہلائیں گے و کچھ حوض سے وضو کرنا چڑے کے سوزوں پر مسخ کرنا دھیرہ واجبہ میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے تھے لہذا ان کے دینی کی پہچان قرار دیا یہ اسی طرح قیام میں آقا محمد و میرہ واجبہ میں سے نہیں مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا اہل زمانہ یہ ہندوستان میں کسی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میں آگیا جیٹھ رہا علامت و پابندی کی ہے۔

مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ ہذا اس سے بچنا چاہیے۔ تیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے باہر ہو لوگ روکیں تو اس کو صبر کرے۔ آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا اسی طرح محفل میثاق و قیام و غیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک نذرانہ بامعنا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔ قرآن پاک ہر سمت میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

**ضروری نوٹ** یہ سوال ۱۳ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ تحفہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خودی ہوئے کی علامات ایجاد کر لی ہیں صرف اس قدر اس میں یہ علامات نہیں سب جگہ کے لئے یہی جواب دیا جاوے بہت معیہ ہوگا ان شاء اللہ۔

**اعتراض مہموء** کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مکھڑا باب القیام میں ہے۔ **وَكَاثِبُوا اِذَا رَأَوْا لَكُمْ يَفْعُوْنَ اَلْمَا**

**يَفْعَلُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَّتِهِ لَدَلِك** صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو بیٹا پسند ہے، مکھڑا آئی باب میں ہے۔

**مِنْ سِرَّةٍ اِنْ يَّمْتَثِلْ لَهٗ الرَّحَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَّ وَءِ مَقْعَدُهُ مِنْ الدَّارِ** "جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ و سرخ میں ڈھونڈے۔"

**مکھڑا باب القیام میں ہے۔**

**لَا تَقُوْا فَوْا كَا تَقُوْا اِلَّا عَاحِمْ** "بھئی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا "دلی" ہو تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔ مید و شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں، پھر تعظیم قیام کیونکہ چاہے ہو سکتا ہے؟

**جواب** ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا اور نہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث و اقوال فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا تو گویا دوست بہت سے سامنے کھڑا ہونا اور پیشوا کا میدان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلے حدیث کے تحت اہل بدعت میں ہے، "وہ حاصل" کہ قیام ترک قیام بحسب زمان و احوال و اشخاص مختلف گرد و نرس جا است کہ ہے کہ گردنگاہ ہے۔ گردنگاہ" خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیم کرنا اور نہ کرنا ذات و احوالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام نے بھی تو حضور علیہ السلام کے لئے قیام کیا اور کبھی نہیں، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بھی تو حضور علیہ السلام کی تعظیم آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں، نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کا ذکر پہلے ہو چکا اور آپ کا قیام سے کراہت فرمایا تو اظہار اکہد تھا۔ لہذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نئی ہے مطلقاً کی دوسری اور تیسری حدیث کے تحت اہل بدعت میں ہے۔ "قیام مکروہ ہیں نہ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام ست گردے محبت قیام نہ دار و قیام برائے دے مکروہ نیست قاضی میاض، ہاگی لکھ کر قیام مہنی در حق کسی است کہ شدت یا شد و استادہ باشند پیدا سے دور قیام تعظیم برائے اہل دنیا و جہت دینا سے ایشان و امید و ارشد و مکروہ است" خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہتا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی میاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا و دوس کے لئے قیام تعظیم میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مکھڑا کتاب مجاہد۔ باب حکم الاسرار در حدیث **قُوْا اِلٰی سَيِّدِكُمْ** میں ہے۔

**قَالَ لِسُوْىْ فِيْهِ اِكْرَامٌ اَخْلِ الْمَضِلَّ وَتَقْنِيْهِمْ وَالْقَبْمُ الْيَهْنَةُ وَاحْتَجَّ بِهِ الْحَمْهُوْزُ وَقَالَ لِقَاصِنِ عِيَاضُ لَيْسَ هٰذَا مِنَ الْقِيَامِ اَلْمَنْهٰى عَنْهُ و نَمَا دَلِك فَيَمَسُّ يَفْعُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ جَدَسٌ "وَيَمْتَثِلُوْنَ لَهٗ قِيَامًا طُلُوْ حُلُوْ سہ**

"نہوی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا، ان کے لئے کھڑا ہونا جاہلیت ہے، مہموہ خدا نے اس سے دلیل بکازی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں ہے نہیں، ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں، اور وہ جو بیٹھا ہو اور لوگ اس کے پیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔"

ان عبارت سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محض مید و کا یا م ان میں سے نہیں نیز اگر تعظیم قیام منع ہے تو طوائف دیو بند وغیرہ کے آئے یہ لوگ سر و قد کھڑے ہو جاتے ہیں وہ کیوں جائز ہے؟



# بحث فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

## مقدمہ

بدنی اور مالی عبادت کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشا جا رہا ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا، نماز، چارہ و ادائیگی جاتی ہے، مکتوبہ باب فضل صدق میں ہے کہ حضرت سعد نے کونوں کھدوا کر فرمایا **ہدہ لام سعید** یہ اسم سعد کا کنواں ہے فقہاء نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز نہ ہوگی ہاں نماز کا ثواب بخشا جاسکتا ہے۔ مکتوبہ باب اخین باب، مدارم فصل دوم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ **من یصمن لنی منکمہ ان یصنی فی منحد العشار رکعتین ویقول ہدہ لابی ہریرۃ** اس سے تخمینہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصالِ ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ ہے نہ ان سے ایصالِ ثواب کرنا کہ خدا یا اس کا ثواب لٹاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگوں دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے رہی عبادت مالی یا بدنی کا مجموعہ جیسے رکوع اور سج اس میں کوئی شخص کسی سے کہہ دے کہ تم میرے طرف سے رکوع دے دو تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحبِ مال میں رخ کرنے کی قوت نہ ہو تو دوسرے سے حج بدل کر سکتا ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا سرور پہنچتا ہے، اگر میں کسی کو پنہاں دیدوں تو وہ مالک ہو جائیگا اسی طرح یہ بھی ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر مال نہیں ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا اور خود بھی محروم نہ رہا جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آتو در پڑھاے دے گا جاتا نہ رہا۔ دیکھو شاہی جلد ذیل بحث دفنِ میت۔ اسی لئے ناگہ بچے سے بدیہ لینا صحیح ہے مگر ثواب لینا جائز ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا، کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

**لہ ما کسبت وعینہا ما انکسبت** ”ہر شخص کے لئے وہی مفید و مضر ہے جو اس نے خود کر لیا۔“ نیز قرآن میں ہے۔

**لنفس لالنسان الا ما سعی** ”انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔“

حس سے معلوم ہو کہ میر کا کام اپنے لئے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابلِ مجرور اور اپنی ملکیت پہنے عمل ہیں نہ معلوم کہ کوئی اور ایصالِ ثواب کرے یا نہ کرے اس مجرور پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر تفسیر القرآن وغیرہ) کیا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کے صحیوں کا تھا نہ کہ اسلام کا، یہ اس کی نقل ہے۔ یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے۔

**واتبعہم ذریعتہم بالایمان** یہی عبد اللہ بن عباس کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیلی جنت میں جا دیں گے، بغیر عمل درجات پاکیں گے، دیکھو جس وفادار نے یا یہ آیت بدنی عمل میں نیابت کی نفی کرتی ہے اسی نے ان میں سب دسویں کا ذکر ہے نہ کہ ہر ثواب کا یا یہ ذکر کدس ہے اور وہ فضلِ عرشہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصالِ ثواب کی شائیں ہیں، فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے اور صدق بھی مالی عبادت کا صحیح کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

# پہلا باب

## فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام پر آیات ”وہذا کتاب“ ”انزلہ مبارک“ میں ہے۔

وَعَنْ حَمِيدٍ لَا عَرَجَ قَالَ سَمِعْتُ قُرْءَ الْقُرْآنِ وَحْتَمَهُ ثُمَّ دَعَانِي عُمِي دُعَانَهُ اَرْبَعَةَ اَلْأَفْ مِائَةِ ثُمَّ لَا يَرُ الْوَنُ يَذْعُونُ لَهُ وَيَسْتَغْفِرُونَ وَيُصَلُّونَ عَلَيْهِ اِلَى الْمَاءِ اَوْ اِلَى الصَّاحِ  
 ”حضرت عرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پورا چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔“

یہ بھی مضمون نووی کی کتاب الادکار کا کتاب تلاوت قرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہو کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایسا ثواب بھی دعا ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اسی وجہ سے بعض روایات میں ایسی باتیں آئی ہیں کہ بعض روایات آئندہ است کہ روح میت کے آئندہ خاندان خود را شہد جمعہ میں نظر کی کہہ کہ تصدیق کنند اور اسے یاب“ جموع کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ انکی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔“

اس سے معلوم ہو کہ بعض جگہ رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برآمد دنیاں خیرات کرتے ہیں اور بیٹھ جھڑت کو فاتحہ کرتے ہیں۔ انکی یہ اصل ہے انوار سابعہ صفحہ ۱۳۵ اور حاشیہ خزائن الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھپنے والے سال پھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تین ششماہی اور برکی کی اصل ہے۔

مروی نے کتاب الادکار باب بدلت اللزآن میں فرمایا کہ اس ابن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگتے۔ حکیم بن قسبر فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو کھانا دیا اور انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں اس لئے دیا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں اور ختم قرآن کے وقت دعا مانگوں ہوتی ہے۔ حضرت حماد سے روایت بھی منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت مجمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (روای کتاب الادکار) لہذا تیسرا مجمع کا اجتماع سنت مسلمہ ہے۔ درمیان بحث قرأت لمیت باب الدفن میں ہے۔

فَمِنَ الْحَدِيثِ مَنْ قَرَأَ لَا خَلَاصَ حَتَّى عَشْرَ مَرَّةٍ ثُمَّ وَهَبَ اجْرَهَا لِمَا مَوَاتٍ عَطَى مِنْ لَا خَلَاصَ بَعْدَ الْاَمَوَاتِ  
 ”حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ سو بار سورہ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تین سو مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔“  
 وَيَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تَبَشِّرُ لَهُ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَآيَاتِ الْبُورَةِ وَيَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا تَبَشِّرُ لَهُ مِنَ الْفَاتِحَةِ  
 وَآيَاتِ الْبُورَةِ وَآيَةِ الْكُرْسِيِّ وَآيَاتِ الرُّسُومِ وَسُورَةَ يَاسِينَ وَتَبَارَكَ الْمُنْكَ وَسُورَةَ التَّكْوِيْنِ  
 وَ لَا خَلَاصَ اَنْسَى عَشْرَ مَرَّةٍ اَوْ اَحَدَى عَشْرًا اَوْ سَمِعَ وَنَلَاتْنَاهُ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ وَصَلْ ثَوَابَ مَا قَرَأَ نَاهُ  
 اِلَى قَلْبِ اَوْ اِلَيْهِمْ

”جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقرہ کی ذل آیات اور آیت الکرسی اور امان رسول اور سورہ یس اور ملک اور سورہ نکاث اور سورہ غلاص بارہ یا گیارہ بار سات یا تین دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔“  
 ان عبارت میں فاتحہ مزید کا پورا طریقہ بتایا گیا، یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا، پھر ایساں ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں فاتحہ اٹھانا سبقت لہذا فاتحہ اٹھادے۔ عریضہ کہ فاتحہ مزید پوری پوری ثابت ہوئی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۷ میں ہے حدیث کہ ثواب ان نیا حضرت امین قرید براس قل و فاتحہ دور و دور و خداوند جنبر کی خود بخود سن بسا خوب است جس کھانے پر حضرت حسین کی نیا کر میں اس پر قل و فاتحہ اور دور دور پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے، اسی فتاویٰ عزیزیہ یہ صفحہ ۷۷ میں ہے۔ ”اگر مالیدہ و شیر برے فاتحہ بر گے بقصد ایساں ثواب برواج ایساں بختہ مذہب از است مضائقہ نیست، اگر مردوں مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ایساں ثواب کی نیت سے پکا کر کھلا دے تو جائز ہے، کوئی مضائقہ نہیں۔“

مخالفین کے پیشو شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیسرا چنانچہ اس کا ذکر عبدالحسری صاحب نے اپنے خطوطات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا، ”دور سوم کثرت بحکم مردم آن قدر بود کہ بیرون از حساب است ہشتاد و یک کلام اللہ یہ شمار آدھ وزیادہ ہم شدہ ہا شد و کلام را حضرت نیست۔“ تیسرے دن لوگوں کا اس قدر بحکم تھا کہ شمار سے باہر بن گیا یہی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی جوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو انکار نہیں۔

ان تمام عبارت سے فائدہ اور توجہ و غور کے تمام مراسم کا جواب معلوم ہوا، فائدہ میں بیچیت چڑھنا پھر ایصالِ ثواب کے لئے ہاتھ اٹھ کر دعا کرنا، نتیجہ کے در قرآنِ شریف کلمہ شریف کا نظم، کھانا پکا کر نیاز کرنا سب معلوم ہو گیا، کافیا واز میں تو ادا کیا ناقصہ کو کھلا دیتے ہیں پھر بعد میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور یہی وہ عذاب و عرب شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کراتے ہیں، پھر کھلاتے ہیں دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے، مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا کھا کر فرما کر صاحبِ طعام کے لئے دعا فرمائی، بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میرا دعا کو دعا دوائی طرح مشکوٰۃ باب آدابِ طعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔

فَصْنَعُهُمْ ثُمَّ دَعَا إِلَىٰ فِيهِمْ مَالِكُ رَكَّةً ۖ ”پ نے ان کو بلایا اور دعائے برکت کی۔“

مقلدِ قہابہ اس فقرہ سے کہ عزد و جو کہ میں لشکرِ سدوم میں کھانے کی کمی ہوگئی حضور علیہ اسلام نے قوم اہل لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو بلاؤ، سب حضرات کچھ نہ کچھ رائے دسترخوان بچھایا گیا اس پر سب دکھا گیا۔

اسی مسئلہ کا ہی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا حضرت اُمّ سلیم نے تجوہر کا نام بطور ولیمہ رکھا لیکن بہت لوگوں کو غما یا گیا۔

اسی مسئلہ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ تھوڑا کھانا پکاکر حضور ﷺ کی دعوت کی۔ حضور ﷺ نے ان کے مکان میں تشریف لائے **فَاخْرَجَتْ لَهُ عَجَبًا فَبَصِقَ فِيهِ وَبَارَكَ** آپ کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعا پڑھ کر کہ اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اسے حق ثابت کرتا ہوں۔

قرآن کریم تو مسلمانوں کے لئے رحمت اور شفاء ہے۔ **شَفاءٌ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ** پھر اگر اس کی تلاوت کروئے گے کھانا حرام ہو جاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا رحمت ہو اگر ہاں موتیں کیئے رحمت ہے کفار کیئے رحمت۔ **وَلَا يَرْيَدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خُسْرًا** اس برے ظالم تو نقصان میں رہتے ہیں کہ اس کے پڑے جانے سے کھانے سے عذر ہو گئے نیز جس کے لئے دعا کرتا ہو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہئے جتنا رے شمس میت کو سامنے رکھ کر غم رہ جتا رہتے ہیں کیونکہ اسی کے لئے دعا ہے اس کو سامنے رکھ لیا اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو

کوس کی خرابی ہے اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر کلمہ بوجہ جالور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اللَّهُمَّ هَذَا مِنْ أُمَّةٍ مُنَحْضَةٍ "اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے۔"

حضرت ضحیل اللہ نے کعب کی عمارت سامنے لے کر دعا کی **رَبَّنَا نَفْسُ مَا لَا يَبْتَهُ** اب بھی حقیقہ کا جالور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر یہاں ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

سم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں اور سم اللہ بھی قرآن شریف کی **تحت** ہے مگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو تو سم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہئے۔ مابین کے پیشوا بھی فاتحہ مرثیہ کو جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانشاء فی سلاسل وپہا لہ میں فرماتے ہیں۔ "نہیں وہ مرتبہ درود خواندہ قسم تم کتنہ دیر قدرے شیرینی فاتحہ عام خود جان چشت عمود بخواند حاجت از خدا سوال نمید۔" پھر دس بار درود پڑھیں اور پھر شتم کریں درتھوڑی شیرینی پر تمام تمام جان چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زیدۃ المصالح صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں "وشریحاً بکار فاتحہ بزرگے بکھلا ایصال ثواب بروح ایشان درود بخواند بعد اقد حست و اگر فاتحہ عام بزرگے وہ شود عزیزا ہم خوردن جائز است" دو دفعہ شامل پر کسی پر رگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی درشید احمد صاحبان کے مرشد جی امداد اللہ صاحب فیصلہ صحت مسئلہ میں فرماتے ہیں، نفس ایصال ثواب ارواح موت میں کسی کو کلام نہیں، اس میں بھی قطعاً نہیں تصحیح کہ مسوق حید ثواب کا کبھی یا واجب و فرض عقدا کرے تو ممنوع ہے و اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تھکید حبت کف یہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بھصحت قرآن میں سورہ حام میں کرنے کو فقہاء حقیقین نے جائز رکھا ہے جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے" پھر فرماتے ہیں جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب و رہاں کے لئے عوام کو رہاں سے کہنا بھی مستحسن ہے مگر یہاں بھی رہاں سے کہنا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو یہ خیال ہوا کہ فلاں کاس کا شاز الیہ گروہ و موجود ہو تو زیادہ اکتھار قلب ہو کھانا درود، نے لگے، کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام لئی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچے جاوے گا تو مع بین العبادتین ہے پھر فرماتے ہیں در گیارہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی۔ دوسری جیسواں، جہنم، ششہای، سیاہ۔ وغیرہ اور قوش حضرت شیخ عبدالحق اور ابنی حضرت شاہ ولی قندہ اور علوشب برات و دیگر طریق یہاں ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہے۔ یہ صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرمادیا، الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ وائل حقیقہ کلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا، اللہ تعالیٰ قلوب کی توفیق دے، آمین۔

## دوسرا باب

### فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب دلیل اعتراضات مشہور ہیں۔

**اعتراض مشہور ۱** بہت سے فقہاء نے تیسرے اور ساتویں درمیت کے لئے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی مالکبری) بلکہ بزار یہ نے تو لکھا ہے **وَبَعْدَ الْأَسْبُوعِ** یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے۔ اس میں بری ششہای و جہنم سب شامل ہیں، نیز قاضی شام اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی کہ "بعد موت رسوم دنیاوی و رسم و رسم و ششہای و برہمنی حق نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سر روز ماتم کردن جائز نہ داشت۔" نیز حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دس کو حرد کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

**جواب** فقہاء نے میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ غم ای جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر دردی کی روٹی بنا۔ یعنی قوم کے کھانے سے بچنے کے لئے جو میت کے تیجے، دوسویں وغیرہ میں بروری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام نمود کے لئے ہے اور موت نام نمود کا وقت نہیں ہے اگر فقہاء کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَبُكَرَ اتَّخَذَ الصِّيَافَةُ مِنْ أَهْلِ لَحَيْتٍ لِأَنَّهُ شَرَعَ فِي لِسُورٍ لَا فِي السُّورِ

"یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کفر پر۔"

دعوت پینے کے لئے وہ حق معنی کہ بروری مجبور کرے تو روٹی کہہ پھر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْأَفْعَالُ كُنْهَا لِسْمَاعَةِ وَالرِّبَاءُ فَيُخْتَرُ عَنْهَا لِأَنَّهُمْ لَا يَرْتَدُّونَ بِهَا وَحَهُ اللَّهُ

"یہ سارے کام مکمل دکھا دے گئے ہوتے ہیں لہذا ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہیے۔"  
صاف معلوم ہو کہ فقیر یہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے پھر فرماتے ہیں۔

وان اتحد طعاماً للفقراء کماں حساً "اگر اہل میت نے فقراء کے لئے کھانا پکایا تو اچھا ہے یہ فاقہ چاہئے۔"

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تئیں دوسری سے منع فرمانا بالکل درست ہے وہ فرماتے ہیں رسوم دنیاوی جو تہجد وغیرہ دے دہندہ کریں رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تہجد وغیرہ کو منع ہو کر وہاں نہ لود کرنا وہ واقعی حرام ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ توہیت چاہئے نہیں، اس جگہ یہ صاف ثواب اور فاقہ کا ذکر نہیں جس کا مقصد یہ ہوا کہ تہجد وغیرہ میں ماتم نہ کریں تمہارا یہ کہن کہ میت کا کھانا دینا کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی کہ یہ حدیث ہو تو ان احادیث کا کیا مطلب ہو گا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ہر قسم بھی کہتے ہو کہ بطریق مقرر کر کے ہوئے مردے کے نام پر خیرات چاہئے اس خیرات کو کون کھائے گا جو آئی کھائے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو ملا کہہ کھائیں گے۔

**مسئلہ** میت کے فاقہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے، اٹلی پختہ ت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا **جلسی الصوت الہی الدعوت عن الموت** بلکہ کہنے والے تو کہتے ہیں کہ خود اٹلی پختہ ت قدس سرہ انکی اہل میت کے ہاں توہیت کیسے تشریف لے جاتے تو ہاں پانچ دفعہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے، اور خوب وصایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاقہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے نیز اگر میت کی فاقہ میت کے ترکہ سے کی ہے تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے صوبہ سے فاقہ نہ کی جاوے یعنی لا مال میت تقسیم ہو جاوے مگر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یا مورثہ کرے اور نہ یہ کہ انکی کو بھی چاہئے نہ ہو گا کہ بغیر ملک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں یہ ضرور دیکھا ہے۔

**اعتراض نمبر ۲** فاقہ کے لئے تاریخ مقرر کرنا چاہئے کیا رہو ہیں تاریخ یا تیسرا، دواں، بیسواں، چہم، اور پری وغیرہ یہ دن کی تعیین مکمل نہیں ہے قرآن فرماتا ہے **وہم عن النگو مفرضون** مسلمان فطو کاموں سے بچتے ہیں، بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں ثواب کرو، تیسرے دن کا نکال کر کیا؟ میر تہجد کیسے پڑھتے مقرر کرنا وہ بھی جیسے ہوتے یہ مکمل لغو اور بیہودہ ہے اس لئے تہجد وغیرہ کو منع ہے۔

**جواب** مقرر کرنے کا جو بہ تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں کسی جائز کام کے لئے دن تاریخ مقرر کرنے کا مکمل یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور دل پر کام کریں گے اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے اسی سے حضرت عہد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت کیسے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ روزہ وعظا فرمایا کیسے فرمایا کہ تم کو کئی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ (دیکھو مکتبہ انبیا علیہ السلام) انھاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب ہاندھا، یہ مکمل آسانی کے لئے ہوتا ہے آج بھی ھ دن کے امتحان ہوتے ہیں، تصدیق کے صہیب اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر س ہفتہ بلائے ان تاریخوں پر پہنچی جاویں، صرف یہ ہی مقصد اس کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں تو سب سے اگیا رہو ہیں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلام کے قیام و حکومت میں چاند کی دسویں تاریخ کو کھانا تقسیم ہوتی تھی اور زمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری کھانا کا پہلا پیر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاقہ پر حرج ہو، لہذا جب دو شام کو دفتر سے گھر آئے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاقہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف کی ہوتی تھی، یہ واقعہ ایسا ہے کہ مسلمانوں میں ایسا کہ مسلمان میں اس فاقہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا، اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاقہ کریں، یہ کچھ پسند ان کے نام پر حرج کریں، اس کا نام گیارہویں ہوتا ہے یا پری اور کھانا وائیں ماہ ربیع الاول ختم سارے، فاقہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے وفات دسویں تاریخ کو ہوئے جس کے بعد گیارہویں رات آتی ہے، آدم علیہ السلام کا رحمت پر آنا، ان کی توہنوں ہونا، نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا، ابراہیم علیہ السلام کا دباغ سے نجات پانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا فردوس سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے صحت پانا، یوسف علیہ السلام کا شغایا پانا، امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہد اکا رجب چاند سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی وہ گیارہویں تھی لہذا یہ رات حیرت ہے اسی لئے گیارہویں کی فاقہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ حیرت راتوں میں صحت وغیرہ کرنا چاہیے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خوب میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقرر نہیں ہو فاقہ پابندی کے کجاوے تو گھر میں بہت برکت راقی ہے۔ میں مجھ تھالی اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھا ہوں کہ اب چار دو مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں یا تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے، ایک بار خواب میں سرکار ﷺ نے فرمایا کہ عبد القادر تم سے بارہویں سے ہم کو یاد کیا، ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفیٰ ﷺ کی مکمل ہوتی ہے تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی گیارہویں چھٹکے یہ سرکاری علیہ اس لئے تمام دیبا میں پھیل گیا لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی۔

جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ حیرا

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹا



تجربہ کے لئے تیسرا اور مقرر کرے جس میں بہت مصلحت ہے پہلے دن تو لوگ میت کی تجزیہ و تھکیں میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی چھوڑ دیا تیسرے دن عام طبعی جمع ہر کوئی فراق وغیرہ پڑھتے ہیں یہ تیسرا دن قنوت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد قنوت کرنا منع ہے، ادا لاف رب عالمگیری کتاب الجنازہ کتاب الجنازہ باب المدفن میں ہے۔

وَوَقْتُهَا مِنْ حِينَ يَمُوتُ إِلَى ثَلَاثَةِ يَوْمٍ وَيُكْرَهُ بَعْدَهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُعْرَى وَالْمُعْرَى ابْنَهُ عَائِلًا

"اور ماہم بری کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے مگر یہ کہ قنوت دینے والے یا لے والا عاقل ہو۔"

آج تک تو لوگ قنوت کے لئے اتنے رہے اب نہ آئیں گے تو کچھ ایصالِ ثواب کر کے حادیں نیز ہاہر کے پر دہی خوشی و اقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کریں ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چشمِ بری وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خفاہ ہے کہ سال بھر تک میت کو دفن و قنوت ثواب پہنچاتے رہیں کیونکہ بعد مرنے کے دل اور مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل دھڑلے سے بے تعلق ہو جاتا ہے لڑکی کا نکاح کر کے سر لپیچتے ہیں تو ان جلد از جلد اس کو بد ناما، ناہ یہ وغیرہ بھیجا جاری رہتا ہے پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے کیونکہ شروع میں وہاں وہ جس اس کو حاصل نہیں اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصالِ ثواب اور تحقین سے میت کی مدد کرنے چاہئے حضرت عمرو بن حسان رضی اللہ عنہ سے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دن قنوت کی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تا کہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور تکبیرین کو جواب دے میں چنانچہ مشکوٰۃ باب المدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

ثُمَّ أَقْبِمُوا حَوْلَ قَبْرِى حَتَّى اسْتَسْمَعْتُمْ أَحِبَّ مَا دَارَ أَحْيَا زُشْ رُبِّى

اسی لئے جلد از جلد اس کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے شاہِ مہدو صاحب تفسیر عزری پر وہ عَمَّ وَالْمَعْمَرِ اِذَا شَقِيَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اولیٰ حالت کے بعد جسدِ روح از بدنِ خواہ شدنی ائمہ اثر حیات سابقہ والقت تعلق بدن دیگر مردہاں از انہ جنس خود ہوتی است دس وقت است دس وقت گویا ہر رخ است کہ چہ سے اس طرف اوچے سے اس طرف در نکاح و مردگان در ہیں حالت زود تری رسد و مردگان منتظر حقوق مدد از این طرف سے باشند صدقات و او حید و فاقہ و دس وقت بسیار چکا دلی تہ و از این ست کہ طواف ہی آدم تا یک سال و اعلیٰ الخصوص یک چہ بعد موت در ہیں نوع آمد و کوشش تمام کی نہ بعد مردے کی پہلی حالت جو کہ فتنہ جسم سے روئے نکلے وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہل قبر سے تعلق باقی ہوتا ہے یہ وقت گویا بد زرخ ہے کچھ دھرا دھرا اور کچھ اس طرف اس حالت میں مردوں کی مدد و مردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور دوسرے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں جس زمانہ میں صدق دعائیں فاتحہ اس کے بہت ہی کام دہتی ہے اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کہ موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں یہی حال زندہ کا بھی ہوتا ہے کہ افسر اول بہت کم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا تو خفاہ یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر دو گھر پر صدق کریں سال پر بری اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۳۵ دن فاتحہ ہونی چاہئے چھٹی گھر چنگ چالیس کا بعد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لئے جہم مقرر کیا گیا پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا سوواں۔

چالیس میں کیا ترقی ہے مدخلہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہو، ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک خلعہ پھر چالیس روز تک چاہو خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا کھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ اب ایماں بالقدیر) پھر اٹھنے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آسکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر حمل بنتا ہوتی ہے کی لئے کٹھن انبیاء کریم کو چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر موت دی گئی۔ صوفیائے کرام و علموں کے لئے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقتیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی طاقت ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ وہ طور پر آ کر چالیس روز حکاف کر دے تورات دی گئی۔ وَاَوْعِظُوا نَفْسَکُمْ لَنْ تَمُوتَ لَوْ رَاسَطَکُمْ نَفْسُکُمْ لَنْ تَمُوتَ سِدْرَتِ الْمُنْأَنَسِ سے بیان کی۔ بحث جہم کہ اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَا یَمُوتُ کُلُوْنِ فِی قُبُوْرِهِمْ اَزْ بَعْضِ لِبَدُوْہِمْ لَکِنْ هُمْ یَصْلُوْنَ بِنِسْبِی اللّٰہِ حَتّٰی یُفْجَحَ فِی الصُّوْرِ اس حدیث کے معنی روحانی شرح مواہب نے یوں بیان کئے کہ امیر و کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے بعد ازاں وہ روح قرب الہی میں عبارت کرتے ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاوہ رہتا ہے ممکن ہے کہ اس چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اس کی ممانعت نہیں ہے۔

تجربہ کے متعلق مختلف روایات ہیں کا حید و از میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں، پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دو دفعہ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں، یونانی میں تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھینے ہوئے جنوں پر کھڑے طیبہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں ہم پہلے

باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حیت کو ایک لاکھ پانچ ہزار بار تکرار پڑھ کر بخشنے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ تکرار عیب پڑے والے کے لئے ہے مگر اتنی تسبیحیں یا ستر گھنٹیاں یا سنگریاں جمع کی جاتی تو اس میں ولعت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر، کہ سنگریاں جمع کرنا پھرے اس لئے چنے اختیار کر لے کہ اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں حدیث بھی بخنے ہوئے اس لئے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے یا گھوڑوں کا دارہ بخلا دیں گے اس میں ہر قسمی ہے بخنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجائیں گے۔

**اعتراض نمبر ۳** فاتحہ وغیرہ میں ہندو سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ **مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ** جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہذا یہ فاتحہ منع ہے۔

**جواب** کلام سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بری باتوں میں مشابہت منع ہے مگر یہ بھی مردی ہے کہ وہ کام کیا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی عداوت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دعوتی، چوٹی، رکار، ہیٹ وغیرہ دونہ ہم بھی آپ رحمہ اللہ معظمہ سے رائے ہیں ہندو بھی لنگا سے لنگا مل رہے ہیں ہم بھی مسے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کلام بھی، حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا حالانکہ اس میں مشابہت یہودی تھی، پھر فرمایا کہ چھ ماہ دور سے رکھیں گے، پھر فرق کر دیا مگر اس کو بدلتا کیا۔ اسی طرح ہماری یہاں لکھ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا، پھر مشابہت کہاں رہی؟ انکی بحث شامی باب مکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کلام کی حیت سے کئے جاویں وہ منع ہیں، فاتحہ کی پوری بحث، انوار سلفہ میں دیکھو۔

**اعتراض نمبر ۴** اگر فاتحہ میں بدلتی وہاں عبادت کا اجتماع ہے تو چاہئے بخش چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھا لی کر لہذا وہ (کوہر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو، جب بڑا چاند اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جا دے۔ (ابو ہادی ترمذی)

**جواب** بخش چیز پر اور بخش جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہذا اس کی خیرات نہیں کر سکتے، انکار پر ائمہ پڑھتے ہیں، نہ کہ بدلتا لکھنے پر کہ وہ بخش اور ناقص وضو ہے اسی طرح جھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ کبیر پر

# بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں، دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

## پہلا باب

### دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، وفن کے بعد۔ ان تین حالتوں میں میت کے لئے دعا کرنا۔ ایصالِ ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کا پاس بیٹھ کر قرآن پڑھا ہو تو اس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن پڑھیں۔ جنازہ نماز سے پہلے اور وفن کے بعد تو دعا و غیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد قرآن وفن سے پہلے دعا کو ناجائز حرام، بدعت، شرک۔ معلوم کیا گیا کہتے ہیں۔ اسی کی وجہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مکتولہ باب صلوٰۃ الجنائزہ فصل ثانی میں ہے۔

اذا صليت على الميت فاحضروا له الدعاء "جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لئے دعائے دعا مانگو۔"

ق سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد دعا کی جاوے جائے۔ جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ ق کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرعاً ہے۔ اور فاحضروا اس کی جر۔ شرط اور جزا میں تخریر چاہئے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے اور فاحضروا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد بھی فاحضروا فاعلمتم فانتشروا میں کما کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان اور اذا قمتم ہی الصلوة فاعلمو وحوھکم میں نماز کے لئے اھتمام دے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ علی سے معلوم ہو۔ لہذا یہاں بھی وضو اور نماز کے بعد ہی ہوا اور ق سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر باقرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں اسی مکتولہ میں اسی جگہ ہے۔

قرأ علی الحسارۃ بغاتحة اکتتاب "حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔"

اس کی شرح میں القدر المذکور میں ہے۔ "وہ حال و روک پر جنازہ بعد از نماز یا پیش از اس بعد شریک خواندہ باشد چنانکہ آلاں متعارف است۔" ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ شیخ کل روانج ہے۔ اس سے معلوم ہو کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی روانج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو قبول کیا۔

فتح القدیر کتاب الجنائزہ فصل صلوٰۃ الجنائزہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موت کی جبری و راسی اثناء میں حضرت بنی طاسب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی فصلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ودعاه وقال استغفروا له يس اس پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے حضرت کرو۔ دعا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعائے جنازہ کے بعد وہ تھی۔ مواہب اللدیہ جلد دوم القسم ثانی فیما حبر من الغیوب میں یہی واقعہ نقل فرما کر کہا

استغفروا واستغفرو له اسی طرح عبد اللہ بن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔

نخب کثر اجمال کتاب الجنائزہ میں امام جہیز کی روایت ہے۔

قال رء یث بن ابی اوفی وکان من اصحاب الشجرة ماتت ابته لی ان قال ثم کبر علیہا وبعائتم قام بعد ذلك قدر ما بین الکبیر تین وفانی رء یث رسول الله صلى الله عليه وسلم کان بصع

هكذا

"میں ابن ابی وئی کو دیکھا یہ بیعت الرضواں والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہو بھران پر چار بھیریں کھیں پھر اس کے بعد دو بھیروں کے فاصد کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔"



کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مستون۔ اگر یہ محض دعا یعنی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوئیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح اور اوجہ یا کرتی۔ ماننا پڑے گا کہ یک حیثیت سے یہ نہ بھی ہے اور ہر نماز کے بعد مستون ہے اور زیادہ قابل قبول چنانچہ۔

مکتوبات باب الفکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

فیس یا رسول اللہ اِنِّیْ لَدُعَاءُ اَسْمَعُ فَاِنْ جَافَ اَلْبَلْبُ اِلَّا حَرَّ وَذُنُوبُ اَلصَّلٰوٰتِ الْمَكْتُوٰبَاتِ

”حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ ”شرارات کے درمیانی حصہ میں اور فرض مردوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعائے کی چوہے؟ نیز دعا مانگنے کی بروقت اجازت دی گئی ہے در بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔“

مکتوبات کتاب الدعوات میں ہے کہ **الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ** اسی جگہ یہ بھی ہے۔ **الدُّعَاءُ مَعَ الْعِبَادَةِ** دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت دعا مانگنے کے لئے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور نفی سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جاوہ ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرتا۔ ایساں ثواب کرنا سب حرام در دن میت اس جاوہ کا تار ہے کہ دن ہو اور سب جائز ہو گیا۔ ہمد اور وقت دعا اور ایساں ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

## دوسرا باب

### اس دعا پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا رو کوئی اعتراض نہیں۔

**اعتراض ۱** وہی پڑانا یا دیکھنا مستحب کی بیجا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

**جواب** یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز سمجھا کر، مگر اس پر عمل نہ پا۔ لہذا نے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

**اعتراض ۲** نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

**جواب** یہ اعتراض بالکل لغو ہے نہ بچکا۔ میں دعا ہے۔ نماز اتمام۔ نماز کسوف اور نماز مستحکم سب دعا کے لئے ہیں مگر اس سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں **اکثر والدعاء** دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ عام ہے تیسرے اس کے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے، گرمیت کے دن سے نماز نہ پڑھی اور اس نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصار مبارک و شہید کو ہوا اور دفن شریف چہار شہید کو (شامی کتاب صغیر باب الامت) اور دن دو روز میں لوگ جن امت میں امت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر نے جو کہ دلی تھے نہ پڑی تھی۔ پھر جب ”خردن حضرت صدیق“ لے نماز پڑھ لی۔ سب تاقیہ مت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوٰۃ بمنازلہ بحث و من اقل الامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کسی مورعی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجد ہے وہ پانی ہی سے نکلا ہے۔

**اعتراض ۳** چونکہ دعا مانگنے کے وجہ سے دُش میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

**جواب** یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اور نا تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دن میں دیر ہو تو منع نہ ہو۔ تو تاؤ کہ اگر اگلی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ سب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ چھاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو رستہ میں آہستہ آہستہ کام آہستہ آہستہ کام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے مگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل دیکھنے دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھود دے دے شمس کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو سے جانے والے انجن کی رفتار بڑھاتے ہوئے جاویں اور فوراً اچھٹک کر جاویں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں خود دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ انگوٹلی دھنی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف و شہید کو اور دفن چار شہید کو ہو۔



علامہ دمشقی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وهذه الستة باقية الى الان لم يدفن حبيبة حتى يولي عبده

”یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ بن جائے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر کر دے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بتا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی، تخریم سے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً غسل اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد جنازہ میں مسنون نہیں کی گئی رعایت ہے۔ اگر اس کے لئے ایک غیر محسوس یا تاخیر ہو تو جائز ہے۔ چنانچہ اس کے کوئی دفن کر لے نہیں کہتے کہ یہ انتظار کتنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔

**اعتراض ۱** نماز جنازہ کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لا يقوم داعياً له ”نماز کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے۔“

ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ لا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازة ”نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہے۔“

عالمگیری میں ہے۔ لا يدعوا بعده في طهر المذهب ”اس کے بعد دعا نہ کرے طہارۃ مذہب میں۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ ولا يدعوا للميت بعد صلوٰۃ الجنازة لانه يشبه بربدة في صلوٰۃ الجنازة

”نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں ریادتی کر چکے مشابہ ہے۔“

کشف الظلماء میں ہے کہ قائم نشود بعد از نماز برائے دعا۔ ”نماز کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ ہے۔“

جامع الرموز میں ہے۔ ولا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازة لانه يشبه الزيادة

”نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ ریادتی کے مشابہ ہے۔“

ابن حاتم سے مروی ہے۔ ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازة مكروهة ”نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔“

جامع رموز میں ہے۔ ولا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازة لانه يشبه الزيادة

”نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ ریادتی کے مشابہ ہے۔“

ان القیامہ رات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

**جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک ایسی دوسرا تفصیلی ایسی جواب تو یہ ہے کہ مس دعا سے ممانعت کی نہیں دجھیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ سی لئے نماز جنازہ بعد کے، نماز میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صرف رست بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھئے والا کبھی نماز ہو رہی ہے یہ ریادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا اگر بعد سلام پہنچ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کر امت جائز ہے یہ وجہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں، اور یہ اقوال، حادیث، مکروہ اور صحابہ کرم کے قولی و عملی کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارت میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف الظلماء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرے سے منع فرمایا ہے۔ دوم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ **لانه يشبه الزيادة** یہ ریادتی کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں ریادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہی ہے کہ صرف رست کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صرف توڑ دی، بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر صفیں پڑھیں تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شاہ اور خلکوہ شریف باب اس) تو اس سے لازم نہیں کہ فرض کے بعد صفیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے حاکم پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت خلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وليس بعد التكبير الرابعة قبل السلاہ دعاء ”چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔“

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔

چنانچہ بدائع، کفایہ محتایہ میں ہے۔ **لِيسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةُ قَبْلَ السَّلَامِ** ایا بکر ابن حاد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنویہ کی عبارت ہے مگر قنویہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر لقوی نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنویہ ضعیف روایات بھی دیتا ہے۔ اس سے لقوی دینا جائز نہیں دہراتے ہیں۔

**اول لِقَالِ الصَّعْبَةِ فِيهَا كَالْفِتَةِ بِمَزَاهِدِي فَلَا يَحُورُ إِلَّا فِتَاءٌ مِنْ هَذِهِ**  
 اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بذل الجواز میں فرمایا کہ قنویہ دماستر بن بد مذہب ہے اور مرقنویہ کی یہ عبارت صحیح، مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا مانا جائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرض کہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ مست ہے۔

# بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمانوں میں اس طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء مشائخ ولی اللہ جن کی تقسیم و تفریق حقیقت اسلام کی تقسیم ہے۔ عام مومنین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ن پر قبو وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تاکہ اس کا نشان نہ مٹ جائے قاتحہ وغیرہ پر مٹی چاٹنے کا نثر ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اویہ اللہ جن کے مزارات پر خلعت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و قاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آرائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبو وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ن پر قبو بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو نثر حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے نثر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

## پہلا باب

### مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ میں امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبروں کو قدر سنت بھی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچی کرنا تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنانا۔ پھر قبر کو پختہ کر کے کی دوسروں میں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملتا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اسکو پختہ کرنا۔

قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ کرنے سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی کا مٹھ ہے ہاں اگر وہاں چھری یا سمٹ لگایا جائے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عام مومنین کے لئے منع ہے، اور خاص علماء مشائخ کے لئے جائز ہے۔

قبر کا قیود ایک ہاتھ سے زیادہ اونچی کرنا منع ہے، در اگر اس پاس چھوڑا اونچی کر کے اس پر قیود بنادے۔ ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عام مومنین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہاء و علماء کی قبروں پر چاروں طرف سے ڈالنا منسب نہیں۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب بنائے باب الدفن میں روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام سے حضرت عثمان بن مظعون کو دفن فرمادے تو ان کی قبر کے سرہانے ایک حجر لصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ **اعلمہ بہ قبر حنی و ادفن الیہ من مات من اہلی ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔**

(۲) بخاری کتاب بنائے باب الحجر علی القبر میں تھلکا ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زمانہ میں تھے۔

**اِنْ اَشَدُّا وَثْبَةُ الدِّي يَنْبَغِي قَبْرِ عُمَامَانَ ابْنِ مَطْعُونِ حَنِیْ یُحَوَّرُ**

”ہم میں بڑا کوٹنے دار دو تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔“

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے حجر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا قیود اس حجر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح صحیح ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو یا کہ قبر کے سرہانے پر حجر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس حجر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہو کہ اگر کسی صاحب قبر کا شان قائم رکھنے کے لئے قبر کو کچھ اونچی کر دیا جائے یا حجر وغیرہ سے پختہ کر دیا جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے فیض فقہاء فرماتے ہیں اگر کوئی زمین مرہم ہو اور وہاں یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا ہڈے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کھانگ کر دو (دیکھو شامی اور عاتقیری وغیرہ باب ابن میت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کھپا ہونا چاہئے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اویہ اللہ عظام علماء کرام کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و عام مومنین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔

**قُلِ الدِّیْنُ اَعْمٰی اَمْرُہِم لَتَتَّحِدَنَّ عَلَیْہِم مَّسْجِدًا** وہ بڑے جو اس کام میں غالب رہے کہ تم تو ان اصحاب کہف پر مسجد

بنائیں گے۔ روح بیان میں اس آیت میں **نَبِیِّنَا** کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوار کے کنارے چشم مردم پر شیدہ شونہ یعنی **لَا یَعْلَمُ اَحَدٌ نُّوْبَتِہِم**

**وَتُکُونُ مَحْفُوْطَتًا مِّنْ تَطَرُّقِ النَّاسِ کَمَا حُفِظَتْ نُوْبَتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِالْحَظْرِ** یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب



”علاء اور ولید صاحبین کی قبروں پر ہمارے رات بٹانا جائز کا کام ہے جبکہ اس سے قصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو اختیار نہ جائیں۔“

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب البنا بآداب الدفن میں ہے۔

**قد اباح السلف الباء علی قبور المشائخ والعلماء المشہورین لیزورہم النس و یستویحون ابیحون**

”پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر ہمارے رات بٹانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی زیارت کریں۔ وروہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سطر السحابت میں فرماتے ہیں۔

”در آخر رمان بجهت اقتصار نظر عوام پر ظاهر مصحت در تعمیر وترج مشاہد و مقابر مشائخ و علماء و یہ جنہ افراد زندگان ہیبت و شوکت اہل معام و اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اندائے دین از حدود کفار بسیار اند۔ و ترجیح علیہ دشنام ایں مقامات باعث رعب و التقید و ایثار است و بسیار اہمال و افعال و ادب و ادب کے لئے زبان مہلف از کمر و بات پودہ اند و در آخر رمان از مستحبات گشت۔“

”آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے۔ لہذا مشائخ اور علماء کی قبروں پر ہمارے رات بٹانے میں مصحت دیکھ کر ریادتی کر دی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاکسکر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشنام دیں ہیں ایں مقامات کی عدت شاہ کفار کے رعب و اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھا اور آخر زمان میں مستحب ہو گئے۔“

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

**وقیل لا یکرہ الباء اذا کان المعبث من المشائخ والعلماء والسادات**

”اگر اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر ہمارے رات بٹانا مکروہ نہیں ہے۔“

در مختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ لا یرفع علیہ بقاء و قیل لا بأس بہ وهو المختار۔ قبر پر ہمارے رات بٹانے کا حکم کیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی حق پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شیعی اور درویشی کے جوڑ کو قیل سے بیان کیا۔ اس لئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ بھی فقہ میں قیل علامت ضعیف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسند میں درویش بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہر منطق میں قیل علامت ضعیف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحاوی علی مرقا الفلاح ص ۳۳۵ میں ہے۔

**وقد اعتاد اهل المصر وضع الاحجار حفصاً للقبور عن لانداس والنس ولا باس بہ و فی الذر ولا یحضر ولا یطین ولا یرفع علیہ بقاء و قیل لا بأس بہ وهو المختار**

”مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں۔ تاکہ وہ مٹنے کمرے سے محفوظ رہیں اور قبر کو کچھ نہ کی جاوے نہ کھل کی جاوے نہ اس پر ہمارے رات بٹانے جاوے اگر کہا گیا کہ جائز ہے اور یہی مختار ہے۔“

میزان کبریٰ ترجمہ اول کتاب البنا بآداب الدفن میں امام شہرانی فرماتے ہیں۔

**ومن ذلک قولنا لا یسنہ ان القبر لا ینسی ولا یحضر مع قولنا اسی حیضہ یحوز ذلک قال الاول منشدہ والثانی محقق**

”اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر ہمارے رات بٹانے کا اور اس کو کچھ نہ کی جاوے یا جو ایک امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے مکمل پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔“

ابن قریب حنبلی ہو گئی کہ خود امام مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال لگایا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بٹانا جائز ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن وحدیث و فقہی عبارات بلکہ خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء و علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بٹانا جائز ہے۔ محض بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام سبکی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور نہ یاد دہانہ قاح خوانی نہ کچھ احترام بلکہ لوگ عیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو چند دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑھ پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچ کر نکلتے ہیں اور خود بخود قاتھ کو ہاتھ لگھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیئے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب الکریمیت اور معنی المعانی باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر کو چھونا جائز ہے۔



اسی طرح فقہ فرماتے ہیں کہ قبر سے جتنی دور چلے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھا تھا اس سے مظلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب تعظیم تھے۔ لہذا بعد موت بھی اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا وسیعہ ہے لہذا کم از کم مستحب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارت میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ کو بیچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہئے کہ اپنی وضع قطع باس صورت اہل علم کا سار کھیں تاکہ لوگ ان کو بیچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہئے کہ علماء مشائخ کے قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تاکہ لوگ بیچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ حق پر اوہما اللہ شاعر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیہاں کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔ وشرع اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن سے ثابت ہے لہذا قبروں کا ادب چاہئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں شیعہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا حلقہ اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک کا ہڈیوں اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد ہوئی مکی تھی اور حجت میں کعبہ کے پتے تھے جو بارش میں پانی تھی۔ مگر بعد از ان میں مسجد نبوی نہایت شاندار و رفیعہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپ دیا۔

در عقار کتاب الکربیت فی فضل فی الحج میں ہے: **و حاد سحلیہ المصحف سالیہ من معظیہ کما فی نفس المسجد** اس کے ماتحت شامی میں ہے: **ای بالذہب والفضیہ** یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آریستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کو تفسیر کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے حلی رکھو۔ لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت در پیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

و ہذوی عن ابن مسعود حرّوا لقرآن کان فی رصیہ و کمہ من شیبی بعثت باخلاف النون و امکنان ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن و عرب وغیرہ سے حلی رکھو یا اس رہا۔ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ لئے سے بدلتی ہیں۔ اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپا یعنی حائل نہ بناد بلکہ اس کا قلم مونا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تعقیب بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اور زمانہ میں تعظیم قرآن و اذان و اقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث و فقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرور ناجائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں حوزہ دلوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرا دیا۔ جب جواب سلام دیا۔ (دیگر مقلد کتاب الرقاق ص ۱۸۱) اسی مقلد کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **ادالہ یبارک للبعد فی مالہ جعلہ فی الماء والطیب** جب

بدے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو بیعت گارے میں خرچ کرنا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں۔ **انفوسہم بعض الکتاب وتکفرون بعض** کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا کفار۔ اللہ کھو دے چوتھے اس لئے کہ اولیاء اللہ کی مقبرا کا پختہ ہونا۔ ان پر عمارت قائم ہونا۔ تبلیغ اسلام کا وسیعہ ہے۔ امیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رخصتوں کو میں نے دیکھا کہ خوب صاحب کی وجہ و حاکم رکھ کر مسلمان ہو گئے۔ ہندوستان میں بے شمار مسلمانوں کے اس واقف پر قنڈ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، حلقہ ہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے مگر قبرستان کی ساری قبریں مٹی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر کر ریزہ ہو جاتی ہیں اور سادہ رشتہ پر کفار قبضہ ہوا جیسے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اس کے حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں حوزہ دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تہی قبروں کے ساری قبریں مٹی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خیر طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پھر قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفید رشتہ مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں مٹی تھیں اور مٹی تھیں کفار کے پاس پہنچ گئے۔ کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعت نامانہ کیا گیا۔ اس سے مجھے پتا لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوائی جائیں کیونکہ یہ بقاء و بقا کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

۱۶ جولائی ۱۹۲۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کے بھائی سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے انکی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاوے گا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۲۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

جس میں ایک راکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۵۷ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریریں ریڈیو کے جنگ ۲، اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسئلہ تو یہ ہیں وہ دیوبندی جو ہنگامہ سلسلوں کی قبریں کھڑواتے تھے جنہوں نے بھرتی حکومت کو مبارک باد کے بارے میں خبر دی تھی کہ اس نے صحابہ و اہل بیت کی قبریں اکھیر دیں آج قائد اعظم کی قبر پر گنبد و غیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کہنا یہی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چوتھو امر کو ہوا چاہر کی۔ بہر حال حوزہ پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

## دوسرا باب

### عمارت قبور پر اعتراضات کے جوابات میں

حفاظین کے اس مسئلہ پر صرف دوی اعتراض ہیں اور تو یہ کہ مکتوبہ باب الدفن میں برویت مسلم ہے۔

بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحصر القبر وان یسی علیہ وان یفقد علیہ

”حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جادے اور اس سے کہ اس پر مٹی پڑ جائے اور اس سے کہ اس پر بیضا جاوے۔“

نیز حامد نقب فرماتے ہیں کہ بکرة ابناء علی القبر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کا اندر دلی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی سے پرچار و بس کر بیٹھنا۔

**جواب** قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندر دلی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی سے حدیث میں فرمایا گیا۔ ن یحصر القبر یعنی نہ فرمایا گیا۔ علی القبر دوسرے یہ کہ عات المسلمین کی قبور پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہونے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کی عداوت، تکلف یا فقر کے لئے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی دن تہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر پختہ پھری بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ عات میں اسی ان یحصر القبر کے تحت ہے لعافہ من الزینہ والمکلف کیونکہ اس میں محض عداوت اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے ان یسی علیہ یعنی قبر پر مٹی رت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اولاً تو یہ کہ خود قبر پر مٹی رت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔

چنانچہ شی باب الدفن میں ہے۔

وتکبرہ لربہ علیہ لما فی النفسہ بھی رسول اللہ علیہ السلام ان یحصر القبر وان یسی علیہ قبر کو یک ہاتھ سے اونچا کرنا منع ہے کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔“

در مختار ای باب میں ہے وتکبرہ لربہ علیہ من التراب لانه بمنزلۃ البساء قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کی وجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آ جاوے اور گنبد بنانا یہ حوں القبر یعنی قبر کے روگرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عات المسلمین کے لئے قبروں کے لئے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ مکتوبہ باب اسناد میں ہے۔

اللہم لا تجعل قبری ووطنی نعیند شتد غضب اللہ علی قوم ن اتخذوا قبور انباءہم مسجدا

”اے اللہ میری قبر کو بیت نہ بنانا جس کی چوچا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔“

اس سے معلوم ہو کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قید بنا کر اس کی طرف تہجد کیا جاوے۔



وعن بى هياج ن الاسدى قال قال لى عمتى الا بعثك على ما بعثى رسول الله عليه السلام ان لا تدع تمثلاً الا طمسته ولا قرا مشرفاً الا سويته

”بوہاج سدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر منادو ورنہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو بر کر دو۔“

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجریح علی القبر میں ہے۔

ورأى ابنُ فسطاطٍ على قبر عبيدِ امرِعه یا غلامُ فأنما ينطلمه عمله

”ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیداد بن حنی کی قبر پر قبضہ نہ کیا جس آپ نے فرمایا کہ اس کے سوا طمہ نہ کرو کیونکہ اس پر آنکھیں مل سارے کر رہے ہیں۔“

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عیارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے۔

**نوٹ ضروری** اس حدیث کو رتبہ کچھ دیکھیں وہابیوں نے سمجھا کہ کرام اور اہل بیت کے حوزہ رات کو گرا کر زمین کے سمور کر دیا۔

**جواب** جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں۔ نہ کہ مسیحین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جس قبروں کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔

کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت جس قدر قبور مسیحین بنیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن سکیں اور ان کو گناہ ناپا۔ ہاں جیسائیوں کی قبروں کو اونچی ہوتی تھیں۔

بخاری شریف صفحہ ۶۱ مسند نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

امر السبی علیہ السلام یقوّر لمشرکین فیست

”حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس انھیں زنی گئیں۔“  
بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۶۱ میں یک باب ہندھاہل نبسئ قیور مشرکی العاہلہ بنہ کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں انھیں زنی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح باری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۴۶ فرماتے ہیں۔

ای ذوں غیرھاہل قیور الانبیاء واتباعہم لما فی ذلک اھدہ لئہم

”یعنی مسواۃ نبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں اچانے میں ان کی ہانت ہے۔“

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وفی الحدیث حواری تصرف فی المقبرة المملوكة وحواری بسب قیور بذارسة اذالم یکنی محرمۃ

”اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آگیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں انھیں زنی جاویں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں۔“

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی کہ مشرک کی قبریں گرنی چاہیں۔ دوسرے اس لئے کہ اس میں قبر کے ساتھ فونو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فونو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ اس کی قبروں پر میت کا فونو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو ورنہ مسلمان کی قبر کے لئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند زید بن حنیفہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو ٹپس انھیں

سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی تو ہیں ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سا ترجمہ پانچ ہے دیکھو شاہی کتاب

الکرامیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو چھینو نہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی ہے ادنیٰ ہے احادیث میں در ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاجانہ کرنا وہاں جوتہ سے چٹنا ویسے بھی اس پر چٹنا پھرنا منع ہے مگر انہوں نے کھینچنے کے کرام کے حوزہ رات گرنے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جد میں

انگریز مسیحیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفسدواھل الاسلام ویتروکون اھل الاسلام ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے سننا ناگھن ہے چاہے وہ تو خود ہمارے ہیں کہ یہ ہم پر محال کا سایہ کافی ہے جس سے معلوم ہوا کہ گمیت پر سایہ کرنے کے لئے قبہ بنانا تو جائز ہے۔ یعنی شرح بخاری اسی حدیث اس عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وہی اشارۃً لی ان صرب الفسطاط لعرص صحیح کائنات من الشمس مثلاً للاحیاء لا  
لاجلال المیت جاز

"ہر اشارہ ہے کہ قبر پر بھی غرض کے لئے خیر لگانا جیسے کہ مردوں کو محو ہے بچانے کے لئے۔ کہ میت کو سایہ کرے کے لئے جائز ہے۔"  
اس کا ترجمہ خود مجھ کو اس طرح ہو کہ میں ایک دلدرد پیر کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے یہ لکھ گیا۔ بہت شوق تھا کہ طاعون العظیم فاضل یا لکونی علیہ السلام  
کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا کفر مشفقہ ہوا ہاں نہ پچھ۔ قبر پر کوئی سناہن نہ تھا۔ زمین گرم تھی سوپ تیز تھی بمشکل تم چند  
آیات پڑھ کر گروا ہواں سے ہٹا پڑا۔ ہڈیہ دل ہی دل میں رو گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ حرارت پر مہم رات بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیہ  
پر سورہ فتح پر آیت ادیباً بغویک تحب الشجرة ہے کہ بعض مطرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آج کل لوگ، دلیہ، والدہ کی قبروں کی  
تعمیم کرتے ہیں لہذا ہم سب قبروں کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ ادیب، اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے اور نہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچا دیتے۔  
فَاعْلَمْ أَن هَذَا لَطِيفٌ كَفَرٌ صَرَاحٌ مَاخُودٌ مِّنْ قَوْلِ قُرْعُونَ دُرُوسِ قَتْلِ مُوسَى وَلِبْدِ غَارِ رُتَبِ انبِی  
احاف ان یسئل دیکھو او ان بظہر فی الارض الفساد

"تو جان لو کہ یہ کام فاضل کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کر دوں وہ اپنے خدا کو جالے میں خوف کرتا ہوں  
کہ تمہارا دین بدس دیگا یا زمین میں فساد پکایا دے گا۔"

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر ادیب، اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو بخیر دی واپس اس اپنی قبروں کو کیوں نہ پچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے  
ہیں پھر ان کی تعمیم و توفیر کسی "میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۶ بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب  
قیامت ایک شخص کعبہ کو گرا دے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید تیج سکسوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مسجد ہیں جو کہ برباد کر دی گئیں تو اگر ہندو  
کہیں کہ گرجا میں طاقت تھی تو اس نے پتا مگر گارے ہاتھوں سے کیوں نہ پچایا؟ ادیب، اللہ یا ان کی مقابر کی تعمیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی  
ہے۔ نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مسجد، در کعبہ معظمہ کی تعمیم ان سجدوں نے بہت سی مسجدیں بھی گرائیں جیسے کہ مسجد سیدنا بابا کو وصفہ پراغیر وغیرہ۔



# بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں جس مسائل میں قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا، اٹل سنت کا فروغ ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ وہی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا تو ایسا علماء و صلحاء کی قبر پر جائز و عوام مسلمانین کی قبر پر جائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغاں چڑھانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً چادریں اور اولیاء اللہ کی قبر پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لئے بھی جائز ہے ضرورت میں تین ہیں جو رات میں مردے کو نہ کرنا سے روٹھتی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر پر ستارے کے کنارے پر ہے تو اس سے چراغاں جلادینا کہ کسی کو خوش کر دے لگے یا کوئی خبر پڑ جائے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روٹھتی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغاں جلانا خصوصاً خرمی اور سراف ہے ہذا منع۔ مزارت، اولیاء اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی۔ ہو تب بھی تعظیم و دل کے لئے جائز ہے خواہ ایک چراغاں جلانے یا چند ان تین باتوں کا امتزاج کرنا کرتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و وجوہات۔

## پہلا باب ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلے بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ادیباء اللہ اور ان کے حضرات شعائر اللہ ہیں یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے ومن یُعظم شعائر اللہ فانہما من نقوی الصواب اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر جگہ ہر سے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے ہذا جائز ہے۔ ترپوں میں چونکہ زندگی ہے اس لئے وہ تسبیح و تہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ باب آداب القادحہ فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور صلیہ السلام کا دو قبروں پر گر ہوا ارمیاہ کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرے چٹلی کرتا تھا۔

ثم حدیثہ فیہ رطبہ فشفھا بصبغ لہ عور فی نخل قبر واحدہ فقلو یا رسول اللہ لما صنعت ہذا فقال لعنہ ان یحصف عینہما مالہ بیسما  
"لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں جب تک ان کے عذاب میں کمی رہے۔ کہا گیا ہے کہ اس لئے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہیں گی تسبیح پڑھیں گی اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب قرار دیا۔ کیونکہ تلاوت قرآن شریعت کی تسبیح سے زیادہ اس کی حقاقت ہے کہ اس عذاب کم ہو۔"

حدیث المعات میں اسی حدیث کے تحت ہے تمسک کشف جماعت میں یہ حدیث درمیان ہندوؤں کے درمیان برقرار۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل نکالتی ہے قبروں پر بہری پھول اور خوشبوڑ کے گوار میں۔ حرکات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔

ومن ثم فتی بعض الائمہ من فتاخری اصحابنا ما اعید من وضع الریحان والجرید  
منہذا الحدیث وقد ذکر البخاری ان یریدہ الحصب الصحابی اوصی ان یجعل فی قبرہ حریدتان  
معلوم ہوا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔

طحاوی علی مرقا الفلاح صفحہ ۳۶۴ میں ہے۔

قد فتی بعض الائمہ من فتاخری اصحابنا ما اعید من وضع الریحان والجرید منہذا الحدیث  
"ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنت ہے۔"  
ان حضراتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے عالمگیری کتاب النکاح جلد پنجم باب زیارت القبر میں ہے۔  
وصع لوزدو الریحان علی القبر حسن قبروں پر پھول اور خوشبوڑ کرنا اچھا ہے۔

شامی جلد اول بحث زیارت القبر میں ہے۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ وَمِنْ الْحَدِيثِ ثَلَاثُ وَصْعٍ ذَلِكَ لِلْبَاعِ وَيُقَاسُ عَلَيْهِ مَا عَتَبَ فِي رَمَاتٍ مِنْ  
وَضِعِ أَغْصَانِ الْأَسْبِ وَتَحْوِهِ

”اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رکھنے کا احتیاب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی شاخیں وغیرہ چڑھانے کو  
بھی قیاس کیا جاوے گا جس سے ہمارے زمانہ میں رونج ہے۔“

شامی اسی جگہ ہے۔

وَتَعْلِيلُهُ بِالتَّحْقِيفِ عَنْهُمَا مَالِمَ يَسْمَايَ يَحْفُفُ عَنْهَا بِرَكَّةٍ تَسْبِيحُهَا اَدْوُو اَكْمَلُ مِنْ تَسْبِيحِ

الْبَابِ لِمَا فِي الْأَخْضَرِ نَوْعُ حَيَاةٍ

”کی عذیب کی علت ہے الٹا شک نہ ہوا یعنی انکی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کی ہوگی کیونکہ ہر کی تسبیح کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے  
کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔“

اس حدیث اور محدثین و فقہاء کی عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ہر ہر چیز کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان  
قبروں پر شاخیں رکھیں عذیب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب کی کی ہرے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے مگر محض  
دعا سے کی ہوتی۔ تو حدیث میں خشک نہ ہونے کی خبر قید لگائی جاتی ہے لہذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی اس شہادۃت کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ  
عام مسلمانوں کی قبروں کو کچا رکھنے میں یہی مصلحت ہے۔ کہ بارش میں اس پر ہر گھاس بچے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ ثابت  
ہو کہ پھول وغیرہ تو ہر چیز قبر مومن پر جائز ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح ارسام میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں، قاجروں کی قبروں  
پر ڈالنا چاہیے۔ نہ کہ تھورادیا ہو پر اس کے ۸ رات میں عذاب ہے ہی نہیں۔ جس کی پھول وغیرہ سے تحفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال  
گنہگار کے لئے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لئے جندی درجات کا قاعدہ دیتے ہیں دیکھو مہر کی طرف چلتا ہمارے گناہ معاف کرتا ہے  
مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں بھروسے کے گناہوں کی معافی ہیں اور صاحبیں کے مرتبہ بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدہ سے  
درم آتا ہے صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ مستطافہ پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الہی اور  
بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں ملاقات قرآن سے۔

۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام رازین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

شامی جلد ۱ کتاب الکرامیت باب المہلوس میں ہے۔

قَالَ فِي هَذِهِ الْحَقِ وَتَكَرَّرَ السُّورَ عَلَى الصُّورِ وَلَكِنْ مَحْضُ لَوْنٍ لَا يَفْقِدُ بِهِ التَّعْظِيمَ فِي عَيْنِ بَعْدَ لَا  
يَحْقِرُو صَاحِبَ الْقَبْرِ مِنْ حَلْبِ الْحَشَوِغِ وَالْأَدَبِ لِمُتَعَبِّينَ وَنَوَائِيهِمْ فَهُوَ جَائِزٌ لَا أَعْمَالُ بِالنَّيِّبِ  
”یعنی فتاویٰ قد میں ہے کہ قبروں پر خلاف ہر دے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی  
عقارت نہ کریں بلکہ غفلت کو اس سے ادب خشوع حاصل ہوتا ہے نہ کہ مکمل نیت سے ہیں۔“

شامی کی اس عبارت نے فقہاء کو دیا کہ جو چار کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہو۔ وہ چار ہے۔ در چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور ﷺ  
کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر خلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیقوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر عذاب ہرگز بھی چڑھا ہوا ہے۔ جو  
نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی خلاف چڑھا  
ہو ہے اور عقارت نہ ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کی بھڑی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ اس پر خلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت  
کے لئے احترام دیا۔ کہ نئے ان تھور پر بھی خلاف وغیرہ نہ مستحب ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ سورہ توبہ آیات اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مِنْ اَمْرِ اللَّهِ ہے۔

فَبَاءُ الْقَبَاتِ عَلَى قُبُورِ الْعَمَاءِ وَالْأَوْيَاءِ وَالْمُطْهَرَاءِ وَوَضِعِ السُّورَ وَالْعَمَانِمَ وَالْثِيَابَ عَلَى

قُبُورِهِمْ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِإِذْنِ التَّعْظِيمِ فِي اَعْيُنِ الْعَمَةِ حَتَّى لَا يَحْتَفِرُوا وَاصْحَابُ هَذِهِ الْقُبُورِ

”عمامہ اور صاحبین کی قبروں پر عمارت بنانا اور اس پر عذوق و دعا سدا رکھنے سے چڑھانا جائز ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان  
کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔“

(۳) عام مسکنوں کی قبر پر ضرورۃً اولیاء اللہ کی حارات پر تعمیر عسکت کے لئے چرخ روشن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقتہ ندیہ شرح طریقہ گھریہ مصری جلد دوم صفحہ ۳۲۹ میں ہے۔

احسراج الشُّعُوعِ اِلَى الْقُبُورِ بِدَعَا وَتِلَافٍ مَا بَيْنَ كَدَافِي الْبَرِيَّةِ وَهَذَا كُنْهٌ اِذَا حُلَاصُ فَائِدَةٍ وَاَشَا دَا  
كُنْ مَوْصِعُ الْقُبُورِ مَسْجِدًا اَوْ عَمَى طَرِيقٍ اَوْ كَانَ هُنَاكَ اَحَدٌ حَالِسًا اَوْ كُنْ فِرَ وَلِيٍّ مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ  
وَعَالِمٍ مِّنَ الْمُحَقِّقِينَ مَعْصِيًا لِّلرَّوْحَةِ عَلَافٌ لِّلنَّاسِ اِنَّهُ وَلِيُّ لِّيَتَبَرَّ كُنُوْا بِهِ وَبِدَعَا اللّٰهِ تَعَالٰى عَدَهُ  
فَيَسْتَحَابُّ لَهُمْ فِيْهِ مَوْ حَانَرُ

"قبروں پر چراغے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح برازیہ میں ہے یہ حق مہم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہوگی اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو  
یا قبر راستہ پر ہو وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی دیوار یا کسی حلقہ عام کی قبر ہو تو ان کی روشنی کی تعلیم کرے۔ دروگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ دلی کی قبر ہے تاکہ  
لوگ اس سے برکت حاصل کریں اور وہاں اللہ سے دعائیں کر لیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔"

تفسیر روح البیان پارہ ۱ سورہ توبہ آیہ ۱۱۳ اَمَّا يَعْمُرُ مَسْجِدًا اَللّٰهُ مِّنْهُ ہے۔

وَكَدَّ اِيْضًا الْمَسٰدِيْنَ وَالشُّعْوعَ عَدَ قُبُورِ الْاَوْبَاءِ وَالْاَصْحَاءِ وَ لِحُلَالِ لِّلْاَوَّلِ ؕ فَاَلْمَعْنٰى فِيْهَا مَقْصِدٌ  
حَسَنٌ وَبَدْرُ النُّوْرِ وَالشُّعْوعَ لِّلْاَوَّلِ ؕ يُوَفِّدُ عَدَ قُبُورِهِمْ عَظِيْمًا لَهُمْ وَحَبَّةٌ فِيْهِمْ حَانَرٌ لَا يَسْبِيْهُ نَبِيٌّ عَدَ  
"اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قدیل اور موسم تیں جلانا کی عظمت کے لئے چنانچہ اس کا مقصد بھی ہے کہ جائز ہے اور اولیاء کے لئے  
تیل اور موسم قی کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لئے نہ کو قور کے پاس جلانی حادیں جائز ہے۔ اس سے منع نہ کرنا چاہئے۔"

علامہ تاجعلی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور میں اصحاب القبر میں بھی دلیل یہی مضمون تحریر فرمادیا اور عقل کا بھی کٹاف ہے کہ یہ امور جائز ہوں  
جیسا کہ ہم گند کے بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان حارات اولیاء اللہ کی روشنی سے اسلام کی روشنی ہے عالم و عتقا کو چاہئے کہ اچھا لباس پہنے عید کے  
دن شبت ہے کہ ہر مسلمان حمد و باس پہنے اور خوشبود وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے لوگ عتقا کو راکر میں معطوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو  
اس کو اچھی طرح رہنا چاہئے۔ اور حارات اولیاء تو زیارت گاہ خلافت ہیں اس پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں تجدی دہائیوں کی حکومت میں  
راج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گوں دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی تفتے چلتے تھے درحقیقت شریف کی دیو رہ بھی روشنی تھی۔ خاص  
اور دائرے کعبہ پر شمع کا فوری چار چار جلانی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نعیم ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں  
بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بسپا تیز اور زیادہ تھے بہت روشنی تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیعت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ و رطلہ ہر ہے  
کہ گھر میں روشنی فوری کی ہوتی ہے معطوم ہوا کہ یہ نہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں  
عظمت پیدا کرنے کے لئے تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی جگہ ہے۔ مگر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا برائی ہے؟ آج ہم نے گھر میں شادی  
بیہ کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا باتھن کے گیس جلاتے ہیں۔ جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے۔ مگر اس کے حصوں میں بیسویں  
روپے خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیو بند یوں نے عییدہ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی چٹکوں کو خیرہ کرتی  
تھی۔ میرے خیال میں تیس شب کم از کم ۷۰ روپے خرچ ہو چکا۔ یہ محض جمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں  
جسٹریاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں یہ سراسر فحش ہے اور نہ حرم۔ یہ محاسن عریں دینی جیسے ہیں ان میں  
بھی یہ امور جائز ہیں۔

# دوسرا باب

## اس پر اعتراضات و جوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں

### اعتراض ۱

حضور علیہ السلام نے فرمایا **اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ بِاَسْمَاءِ مَا نَ تَكْمُو الْحَجَارَةُ وَ لَطْفِي** رب نے ہمیں حکم دیا کہ پتھروں اور مٹی کو پکڑے پہنائیں (مکتوبہ اب العباد) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا علف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

### جواب

اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلف پردے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور ربہ کا بیان ہے یعنی مکانات کی لیسٹ علف رہا ہے اسی حدیث میں ہے کہ انشاء صدیقہ نے دیوار پر علف ڈال دیا۔ اسے چھڑ کر یہ فرمایا۔ تمہارا دیوار کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کہہ معظمہ پر قیمتی سیاد علف ہے اور وفور رسول اللہ علیہ السلام پر سبز و زلف کعبہ راہ نبوی میں تھا۔ تاکہ وہ جائز ہے تو تمہارے چادر بھی جائز ہے۔

### اعتراض ۲

قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا ہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے بہر صبح ہے اولیاء اللہ کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

### جواب

اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہذا یہ اسراف نہیں رہا۔ رہا کام چلنے کا بند۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کہہ رہے ہیں کہ اس پر واسطہ اس پر اچکن پہنتے ہیں۔ بھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی ہے۔ تاکہ کام تو صرف ایک کرتے میں بھی چل سکتا ہے اور معمولی پنڈ کفایت کر سکتا ہے۔ تاکہ یہ اسراف ہو یا نہیں۔ اسی طرح عمارت اور مدیہ خور کہ سواریاں اور دیگر دنیاوی رائی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم ورنہ سے کوئی چیزوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔

**قُلْ مَن حَرَّمَ رِبْصَہَ اللّٰہِ اَلْمٰی اٰخِرَ حِجْہِ نَسَاس**

### اعتراض ۳

مکتوبہ اب العباد میں ہے۔

**لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَسْرَافَ النِّصُوْرِ وَ الْمُنْتَخَذِیْنَ عَلَیْہِا الْمَسْحَدُ وَ الشَّرْح**

"یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی قبروں کی زیارت کرنے والوں پر اور قبور پر مسکھیں بنانے والوں اور چراغ جلائے والوں پر۔"

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلائے لعنت کا سبب ہے۔ لہذا وہی مانگیر کی ہے۔ احوال النشوع اسمی المقابر بدعتہ لا اصل نہ اسی طرح لہذا وہی برا یہ نہیں بھی ہے۔ "یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔" شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

**اَمَّا لِمَدْرِیْنَا لَا یَقْدَرُ قَدْبِلَ فَوْقَ صَرِیْحَ لَشَیْخٍ اَوْ فِی الْمَسَارَۃِ کَمَا تَفْعَلُ النِّسَاءُ مِّنْ مَّدْرِ الْوِیْتِ**

**لَسَیْدِی عِمْدَ لِفَادِرٍ وَ یُوَفِّدُ فِی الْمَسَارَۃِ حِجْہَ لَشَرِّ وَ فِہُوْ بِالْحَلِّ**

"لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا عمارت میں چراغ جلائے کے لئے تل کی نذر دینی بھی کہ عورتیں صورتوں پاک کے لئے تل کی نذر دیتی ہیں اور اس کو مشرقی عمارت میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔"

قاضی شاہ اللہ صاحب پانی پتی سے ارشاد الطاہرین میں لکھا۔ "کہ چر غاں کردن بدعت است عجمہ حدیث جمع افروزاں نزد قبر و جدہ کنندگان لعنت گفت۔ چراغ لای کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغ لای کرنے اور عبادہ کرنا بول پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۱۱ پر ہے۔ داماد کتاب حرکات از روش کردن چراغہا میں اساتذہ فقہ بدعت شیعہ را۔ "لیکن عروس میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغ لای کرنا ان قبروں کو خلاف پہناتاہے سب بدعت مہر ہیں۔"

ان عمارت سے صاف معلوم ہوا کہ چراغ لای بر حرارت محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ خرمن شریف میں چراغ لایا ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہو چکا اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے۔

### جواب

یہ اعتراض ہی حقیقت میں چہ اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے تل ہوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جو بات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلائے منع ہے یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ جو مذکور چار بیان کے۔ غم تو عام مومنین کی قبروں کے لئے اور چوتھا۔ یعنی تقسیم روح مشائخ و علماء کی قبور کے لئے۔ اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلائے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بے فائدہ ہو۔

چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت ہے۔

وَلَهُیْ عَنِ اتِّحَادِ الشُّرُحِ لِمَا فِیْهِ مِنْ نَّصْبِیْعِ الْمَوَاقِبِ

"قبروں پر چڑھ جانے سے اسے نہ ممانعت ہے کہ اس میں اس پر یاد کرنا ہے۔"

اسی طرح سر کا آ شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیث یہ شرح طریقہ صحیح یہ حدود صحیح ۳۲۹ ہجری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

اِیُّ الدِّیْنِ یُوقِذُوْنَ الشُّرُحَ عَمَّا الْقُبُورِ عِشَاءً مِنْ غَیْرِ فَائِدَةٍ

"مناوگوس پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ بحث چڑھ جاتے ہیں۔"

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لِبَاقِیَ الشُّرُحِ لَدِیْ سِرَاحٍ

"نبی کریم ایک شب فریست کیلئے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا۔"

دوم یہ کہ حدیث میں ہے۔ وَالْمُنْحَدِیْنِ عَلَیْهَا الْمَسْحَدُ وَ الشُّرُحُ حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں

بنائیں۔ در چرغ جہانم۔ ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی و دیگر شراح میں اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی

طرف مسجد بنانا جو قبر فرض مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کیلئے تو جائز ہے جیسا اس جگہ انہوں نے اہل کے اپنے حقیقی معنی

پر لکھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے ارد گرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ لہذا جائز ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ

چکے ہیں۔ نیز حدیث یہ میں مدنا مطلق اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ الْمُنْحَدِیْنِ عَلَیْهَا اِیُّ عَلٰی الْقُبُورِ بِعَمٰی فَوْقَهَا

یعنی خاص قبروں کے اوپر اور جدا آگلی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا یہ ہے اسی نے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع

فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا ٹھکانہ لیکن اگر لکڑی قبر کے پاس پڑی ہو تو منع میں تو چراغ کی ممانعت ہو سکتی ہے۔ یہ ہے نہ کہ تعلیم قبر کے لئے نیز

یہاں ایک ایسی ہی روایت ہے مسجد کا اور چراغ کا۔ مسجد کیلئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہو سکتی ہے۔ یہ ہے نہ کہ تعلیم قبر کے لئے نیز

قرب۔ تو حقیقت اور یاد رکھنا اجتماع دوم ہوگا اور یہ منع ہے لہذا دونوں جگہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ہو سکتی ہے۔

مرقات میں ملا علی قاری اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

لَا تَمْنَعُوا اَمَاءَ اللّٰهِ مَسَاحِدَ اللّٰهِ "اوپر کی قید لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں۔"

لفظ اہل سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز۔ اسی طرح لفظ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز ہے۔ یہ کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور

دیگر کتب کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ روح البیان پارہ ۲ سورہ توبہ زیر آیت

اِنَّمَا نَهَیْهُمْ مِّنْجِدَ اللّٰهِ عَنْ اَقْسٰی بِاللّٰهِ ہے۔

وفی الاحیاء اکثر مصروفات ہدہ الانار منکرات فی عصر الضحابة

"یعنی حیات معلوم میں، ام فراہی سے مراد کس زمانہ کے بہت سے مستحبات صحابہ کرام کے زمانہ میں ناجائز تھے۔"

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم ٹھہرے مگر نہ ہو اور چھاتی روٹی نہ

کھائے اور ہار یک کپڑ نہ پہنے اور بچے دروازہ داخل حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے ہیں۔

فَاِنْ فَهِنَّ مِنْ ذٰلِكَ فَهَدْ حَتَّ بِكُمُ الْعَفْوَةُ "اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تم کو کسر اوی جاوے گی۔"

اسی مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے ما امرت تشبید المسجد کجھ کو مسجدیں، اونچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا۔ اسکے حاشیہ میں ہے۔

اسی باعلاء بناءها ونربیہا "یعنی مسجدیں اونچی بنانے اور ان کو آست کرنا حاکم نہیں۔"

اسی مشکوٰۃ میں ہے۔ لَا تَمْنَعُوا اَمَاءَ اللّٰهِ عَمَّا حَلَّ اللّٰهُ "عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔"

قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ہیں جیسی موقوفہ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ موقوفہ القلوب کو

علیحدہ کر دیا گیا۔ (ریکھو بدیہ ویرہ) کیسے اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب احکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ مکار عینا پر عجب نہیں ہو سکتا اگر کفار کے

مکانات اور ان کے متدد تو اونچے ہونا مگر اللہ کا گھر مسجد بنی اور کھجی اور معمولی ہوتو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر کوئی مسجد میں جاوے تو صدا

خطر ہے جس کسی کا فکر زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یہ حکام کیوں بدلے؟ اس لئے کہ ان کی عینیں بدل گئیں۔ اس وقت بھی ظاہری ریب و زینت کے

مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور متقا برکی عزت و حرمت تھی۔ مہذا اردگی موت ہر کام میں سادگی تھی۔ ب دنیا کی آنکھیں ظاہری ٹیب ٹاپ دیکھتی



پس بعد اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ حرارت پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار دیا۔ تفسیر البیان میں زیر آیت **أَمَّا بَعْدُ** **مسجد** **اللہ** ہے کہ حضرت سیدنا علیہ السلام نے بیت المقدس کے منارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مروجی می غور میں اس کی روشنی میں چہرہ کا قی قی قی اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو راست کیا تھا۔ عائشہ کی کی عبارت خط کی اصل عبارت یہ ہے۔

**اخراخ الشخوع الی راس لقنور فی النیالی الاؤں بدعہ** "شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔" اس میں دو کلمے قائل غور ہیں ایک تو خراج دوسرے فی النیالی الاؤں ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چراغ لے چا کر جلاتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ مردہ اندر مردے کی روح آتی ہے اور اندر میرا پا کر لوٹ جاتی ہے لہذا روشنی کرو یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا یا ضرورت خراج ہے اور بدعت کی بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چرعات تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں گر یہ مطلب نہ ہوتا شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چرعات کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چرعات جلائے کی نذر انما حس میں ادیانہ اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت اور مختار کی اس عبارت کے تحت ہے۔

**و عدم ن الشدر الدی یقع للاموات من اکثر العوام و مانو حد من المذراہم و الشمع و الزیت و نحوھا الی صرائح الاولیاء تفرد البیہم لا احما ع باطل**

"جاننا چاہئے کہ عوام جو مردوں کی نذریں دانتے ہیں اور ان سے جو چیز یا عوام یا تیل وغیرہ قبروں پر جلائے کے لئے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لئے وہ بالا جماع باطل ہے۔"

اور خوشامی کی عبارت بھی ہے۔ **لو صدر** اگر انکی منت مانی۔ پھر شامی کی عبارت میں ہے **فوق صریح الشیخ** شامی کی قبر کے اوپر چراغ جلاتا ضریح کہتے ہیں خاص تنویر قبر کو مقب العنا سے ہے۔ "ضریح کو یہ مفا کے کہ درمیان کو رسا زندہ اور ہم بھی عرس کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تنویر پر چراغ جلاتا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر کو نہ ہو عرس ہی کسی برک کے نام پر چراغ کی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درشتوں یا بعض حلق میں کسی کے نام سے چراغ جلاتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چرعات کی مشرقی منارہ میں جلاتا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ بے شام کے منارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہو کہ شامی سے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلائے کی منت ماننا وہ بھی دلی اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے۔ خاص قبر پر چراغ جلاتا اخیر قبر کسی کے نام کے چرعات جلاتا۔ عرس کے چرعات میں یہ تینوں باطل ہیں۔

**مسئلہ** بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں ملاں برک کا چادر ہے یعنی وہاں وہاں وہاں کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی برک بھی جیسے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ شریک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصوم بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا **باب المسجد النبی طریق المدینہ** اس میں بیان فرمایا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راستہ میں ہر اس جگہ نماز کو کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے بھی نماز پڑھی تھی کہ بعض جگہ مسجدیں بنادی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کہو یہ وہاں گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ **فلم یکن عبد اللہ ابن عمر یصلی فی ذلک المسجد گان ینوئکہ عن یسارہ** یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چہارہ عبادت فرمائی نماز پڑھتے ہیں۔ بعد از انہو مجیری وغیرہ جہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں اور کرنی اس کی زیارت کرنی۔ ان کو شریک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

**مسئلہ** او یہ اللہ کے نام کی جو نذرانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ مذکور ہو ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یا بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ او یہاں کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لئے فرماتے ہیں **تقرنا الیہم نذر** شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مرض چھا ہو گیا تو آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں اس بنا پر کہ مجھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کروں گا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں چادر کا صدقہ کروں گا۔ اللہ کے لئے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آپ کو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی حبیب سے کہے اگر میرا چھا ہو گیا۔ تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا۔

بانی تَنکُون صِبْغَةُ الْبُدْرَةِ لِلَّهِ تَعَالٰی لِلشَّعْرِ بِاَلِيهِ وَيَتَّكُونَ ذِكْرُ الشَّيْخِ مُرَادًا بِهِ فَقَرَاءَةُ

"صِبْغَةُ الْبُدْرَةِ الْحَقِيقَةِ" کے لئے ہوا اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا معارف ہوں۔

یہ شخص جانتا ہے تو یہیں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا یہ بدو شیخ کے لئے اس صدقہ کا معارف ہزار ہر گ کے ہدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدا یا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور معارف بیت المقدس کا یہی سدرت نک ماہی بطی محرزاً دیکھو غیر اللہ کی قسم لگنا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ **وَالنَّحْسُ وَالزُّبُونُ وَطُورُ مَسِيحٍ** وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا **فَلْيَحْ** **وَالْبَيْه** اس کے باپ کی قسم وہ کا سبب ہو گیا۔ مطلب یہی کہ شرعی قسم جس پر حکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ لگائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو شخص تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز یہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب الفوائد میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں لہڑ پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں لہڑ پڑھو۔ ان احادیث سے معلوم ہو کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جگہ سے نذر لگانا جائز ہے اسی طرح یہ بھی تو ذی رتبہ یہ جلد اس کتاب انظر و... ہفت صلیحہ ۵ میں ہے اور جو موات ولیہ اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی اقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔" (زبدہ)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض نے یوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ احد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجائوں گی یہ نذر بھی عربی تھی نہ کہ شرعی جی حضور کی خدمت میں خوشی کا مدرائہ۔ فرضاً لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر ہر گان دین کے لئے جائز ہے بمعنی نذر نہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رتبہ تعاقب فرماتا ہے۔

**وَلِيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** پر نئے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے **بِطُوفُونَ بِبَيْهَا وَبِ**

**حَمِيمِ** ان یہاں طواف بمعنی لغوی ہے تا جانا گھومتا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی دشا اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہا نے ایک ہر گ استہسار ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ تراہت تحریمی و حرمت نفاذ ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عام کے قول سے استنباط یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو مستحب جائز نہیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی صاحب توجہ نماں اور عبادت کی چاروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چاروں کو اور صاحب تفسیر روح البیہاں اور صاحب حدیقہ نہ پر نماں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں۔ بعض کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز و قاضی صاحبان علیہما الرحمۃ و رضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضہ مطہرہ و روضہ معلیہ علیہما السلام و روضہ کراموں کا مرکز ہے۔ کیونکہ وہاں عذاب بھی پڑھتے ہیں اور چراغ بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا خطیب نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان روضہ جوں کا وہ لونی کس طرح مانا جائے۔ جس میں یہ سخت قحاح لازم آوے۔ شاہ ربیع الدین صاحب رسالہ نذر میں فرماتے ہیں کہ نذر دیکھیں یا مستعمل بنو ویر معنی شرعی است چہ عرف آست کہ تہ پیش بزرگان نبی بر نذر دینار و دینار۔

(۵) حرمین شریفین کے علاوہ کسی بھی کو چھ سمجھنا چلک اس کے استنباط کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں بھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی رحمت سلام کی جائے نہاد اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم مدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک مدینہ کو اس طرح نکال چکے ہیں۔ جیسے لوہار کی بھی نو ہے کی میل کو خود رکھنے والے یا کچھ عرض بعد یہ کہ بعد موت۔ جذب العقب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ "مراد انی وادعا اہل شرف و عبادت اسرافت عزت اہل بدو طیبہ و خاصیت مذکورہ در دے صحیح انماں ہو یہ است" اس سے مراد یہ ہے کہ علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغ سلطنت ترکیبی کی بجائے ہے۔ امام اہل سید نور الدین سمودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۰۰ھ میں ہوئی و امام نور الدین سمودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سہویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغوں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

**وَأَمَّا مَعَالِيقُ الْحُجْرَةِ الشَّرِيفَةِ أَلْسِي حَوْلَهَا مِنْ قَادِيَالِ الذَّهَبِ وَالْفِصَّةِ وَنَحْوِهَا فَلَمْ أَقِفْ عَنِ**

**بِنْدَاءِ حُدُوثِهِمَا** "لیکن جو سونے چاندی کی قدیلیں روضہ مطہرہ کے ارد گرد لگی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔"

اسی مقام پر فرماتے ہیں۔ وقد ألف المنكي تليفاً مستغداً تزين المسكية على قدس المدينية وذهب فيه

الى جوارها وصحة وفقه وعدم حور صرف شيئي منها لعمارة المسجد

”ہم سب کے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا حنزل المسکینہ علی قادیل المدینہ فرماتے ہیں کہ وصفہ مطہرہ کی یہ قدیں جائز ہیں ان کا واقعہ درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر فرج نہیں ہو سکتی۔ الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔“

**بحث حاتمہ**

وخاب ارجی وکالحیا و ز میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مسجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک و حرام کہتے ہیں۔ یہ گھڑی سب کی بے دینی ہے مسجد کی سنت یہاں کی علامت ہے فقیر روح بیان میں رہے۔ **بیت ائمتہ بعنقر مسجد اللہ** ہے۔ حضرت سیدنا علیہ السلام نے ۷۱ اسوقہ میں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اولاً بکھور کی کنڈیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر خیمہ داری کچھ قد میں اور رسیاں اور قیل دانے داران کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلا یا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **نور مسجد ما نور اللہ عنیک** تم نے ۱۱۱ ہجری مسجد کو روشن کر دیا اللہ تعالیٰ تم کو نور دی رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قد میں لٹکائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

**نور مسجد ما نور اللہ قیرک یا اس الخطاب** اے عمر تم نے ۱۱۱ ہجری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن کرے۔“  
تفسیر کبیر میں **بیت ائمتہ بعنقر مسجد اللہ** من امن باللہ کی تفسیر میں ہے۔

**عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اسرح فی مسجد سیرا خاتون الملئکة وحملة العرش الا يستغفروا له ما دام فی المسجد ضوءه**

”(یعنی) جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں انکی روشنی رہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔“  
قادی زہید یہ جلد دوم کتاب الخضر و نباتات صحیحہ میں یہ بات ہے کہ عہد عارفی میں بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر ماموں رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں کثرت چراغ جلائے جاویں۔ عرض کہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء و سنت صحابہ اور سنت عامہ المسلمین ہے۔

# بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا ہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت، حرام، شرک اور مذہب معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب بحوالہ اللہ تعالیٰ و کرمہ۔

## پہلا باب اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے حدیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز باب ما یقال عند من حضرت اموت میں ہے۔ **لَقُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** اپنے مردوں کو سکھاد **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** دینا دی زندگی ختم ہونے پر سب کے لئے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جاں کی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا مگر جان کنی کے وقت خاتمہ ہا بخیر نصیب نہ ہو تو عمر بھر کا کر، دھرا سب پر ہا د گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی پر ہا ہوئی۔ دنیا میں تو آٹھ ایک ساں امتحان میں ملل ہو گئے تو سال آئندہ دے دو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لئے زندوں کو چاہئے کہ سداؤں و قنوں میں مرنے والے کی ہا کریں کہ مرنے وقت گلہ پڑھ پڑھ کر سنائیں اور بعد دفن اس تک گلہ کی آواز پہنچی نہیں کہ اس وقت تو دو گلہ پڑھ کر دینے سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو۔ بعد اس حدیث کے واضح ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مرد ہا ہواں گلہ سکھاد دوسرے یہ کہ جو مرد چکا ہواں گلہ سکھاد پہلے معنی جاری ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی جاری لینا نمیک نہیں لہذا حدیث کا یہ معنی ترجمہ ہو کہ اپنے مردوں کو گلہ سکھاد دینے وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد ۱۱ باب الدفن بحث تلقین بعد اموت میں ہے۔

اذا عند اهل السنة والحدیث لقوا مواتكم محضون علی حقیقته وقد روی عنه علیہ السلام انه امر بالتلقین بعد الدفن فیقول بقلان ابن قلان اذکر دیکک الذی کنت عسبا  
"اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لغو معلوم اپنے حقیقی معنی پر ممول ہے در حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا ہاں قبر پر کہے اے قلان کے بیٹے قلان تو اس دیں کو یاد کر جس پر تھا۔"  
شامی میں اسی جگہ ہے۔

وانما لا یبھی عن التلقین بعد الدفن لانه لا یصور فیہ بل فیہ یقعون العرب یستامنن بالذکر عسی ماور دہی لاندرون کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے جس ملک اس میں بھی لایع ہے کیونکہ میت کی مری سے اس حاصل کرتی ہے۔  
جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس حدیث اور عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو گلہ طہیر کی تلقین مستحب ہے تاکہ مرد و بکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ دان میں گلہ بھی ہے اس لئے اذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ بکیرین میت سے تمن سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سہری جاں والے سز گنبد و آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہو اشہد ان لا الہ الا اللہ دوسرے کا جواب ہو عسی الصلوٰۃ یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہیں) تیسرے کا جواب ہو اشہد ان فحمدنا رسول اللہ درفقار جلد ۱۱ باب الاداں میں ہے کہ کس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کا اشارہ میں یوسا لہذا۔

فرض الصلوٰۃ و فی اذن الصغیر و فی وقت الحریق والحرب الذی وقعا  
حلف المسافر والغیلاں ان ظہرت  
و رید اربع ذوہم و ذو عصب  
مسافر صل فی قصر و من صرعا  
"لما پانچ گناہ کے لئے، پچھ کے کان میں، آگ لگنے کے وقت، جبکہ جنگ واقع ہو، مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر، غصہ والے پر، جو مسافر کمرہ مستحیول چاڑھے در مری داسے کے لئے شامی میں اسی کے تحت ہے۔"

قد يُسَمُّوا اِذَا بَغِيَ الزَّمَنُ كَمَا هِيَ اَدْنَى الْمَوْلُودِ وَالْمَحْمُومِ وَالْمَصْرُوعِ وَالْغَضَبَانِ وَمِنْ سَاءِ خُلُقِهِ مَنْ اَسْبَانَ اَوْ بَهَمَةَ وَعَدَ مُرَدَّهُمُ الْحَيْشَ وَعَدَ الْحَرِيقَ وَقِيلَ عَدَّ اِرْثَالِ الْمَيِّتِ الْقَبْرِ قِيَادًا عَلٰى اَوَّلِ خُرُوجِهِ لِلْمَذْيَبِ لَكِنْ رَدَّةُ ابْنِ حَجَرٍ فِي شَرْحِ الْعِيَابِ وَعَدَ تَهْوُلِ الْغِيَالِ اِى تَمَرُّدِ الْحَجَرِ "نماز کے سوا چھ جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں غزوہ کے، مرگی والے کے قصہ والے کے کان میں۔ جس جا لور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے تفکروں کے جنگ کے وقت آگ لگ جانے کے وقت، میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس میں او ان کے سمت ہونے کا امین محمد علیہ الرحمۃ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔"

علامہ بن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ اے شاہ اللہ

مکملہ قاپاب فضل و اذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بلاں کی اذان سے رمضان کی ہجری ختم نہ کرو۔ وہ تو لوگوں کو جگائے کے لئے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں ہجری کے وقت بعدے نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی ہذا سوتے کو جگاتے کے لئے اذان دینا ملت سے ثابت ہے۔ اذان کے ساتھ قانہ سے ہیں جس کا پچھ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ قانہ سے عرض کیے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو اذان میں سے کون کون سے قانہ سے حاصل ہو گئے۔ اذنا تو یہ کہ میت کو تلقین جو اذات ہے ہے جیسا کہ پورا کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔

مقلوۃ کا سبب ان میں ہے۔ اِدْنُوْدی لِلصُّوْرَةِ اِدْبَرِ الشَّيْطٰنُ لَهُ ضَرْطٌ حَتّٰی لَا يَسْمَعُ التَّادِيْبِ  
 ”جب لمیڑی اُدْن ہوئی ہے تو شیطان گھورتا ہو گا تاہم یہ جانتے ہیں کہ وہاں تک کہ ان میں نہ ہو۔“

اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو درغلا تا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور ہلکا تا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں نکل ہو جاوے۔ **الْمُهْمُ احْفَظْهَا** چنانچہ نوادر موصول میں امام محمد ابن علی مرتضیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا تُسِرُّ مِنْ رُتْكِ يَرَى لَهُ شَيْطٰنٌ فَيُشِيرُ اِلَيْهِ بِمَدَامَنِي اَنْ رُتْكِ فَيُهْدَاوَرْدُ سَوَالُ  
التَّعَبَاتِ لَهُ جِهَنَ سُبُلَ

”یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میرا تیرا رب ہوں۔ اسی کے ثابت ہے کہ حضور صلیہ السلام نے میت کے ۷۰ سوالات کے وقت اس کے لئے ۷۰ بات قدم رہنے کی دعا فرمائی۔“

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور رہ جائے والا گیا۔

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بھگائے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ ذالان کی وحشت کو دور کرتی ہے، یوحیم اور ابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ **سورۃ اذھم بالفہم**  
**واسنوحش فسرل جبریل فادی دلاد** حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل  
آئے اور ان کی اسی طرح مدارج الملوٰت جلد اور صفحہ ۶۲ باب سوم درمیاں آیات شرف دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت عزیز و اقارب  
سے چھوٹ کر تیرہ تاریخ مکان میں اکٹلا پہنچتا ہے محنت وحشت ہے اور وحشت میں خواص یافتہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ ذالان سے دس  
کو اطمینان ہوگا۔ جوابات درست دے گا۔ چوتھے یہ کہ ذالان کی حرکت سے فہم دور ہوتا ہے اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رَبِّیَ الَّذِیْ صَلَّیَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَرِیًّا فَقَالَ يَا اَبِیْ طَالِبُ نِیَّ اِرَاكَ حَرِیًّا فَمُرْ بِعَصَاكَ  
یُرْوَدُنْ لِیْ اَذِیْكَ فَاِنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ

”مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ریچھ دو رکھا تو فرمایا کہ کیا ہے کہ تم کو ریچھ دو؟ پتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان ظہن کو دور کر دیتی ہے۔“

بروگان دین حتی کہ اہل البحر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ **جبرئیلہ فوحذتہ کذلک فی المرقاۃ** حرقۃ شروہ باب ۱۱ اذان میں ہے یعنی میں نے اس کو اُڑایا مفید پایا۔ اب مروے کئیوں پر اسوقت جو صدمہ ہے اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔



پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجتی ہے۔ یوحنا نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

يَطْفَأُ الْحَرِيقَ بِالتَّكْبِيرِ وَادْعُهُمْ الْحَرِيقَ فَكَبَّرُوا فَأَنَّهُ يُطْفِئُ النَّارَ

”لگی ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔“

اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر لہذا اگر قبر میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ خدا نے پاک اس کی برکت سے بجھا دے۔

چھٹے یہ کہ اذان و کرا اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے لگی قبر سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی رحمہما نے

باب مرضی اللہ عنہ سے سہ ماہین معاذ رضی اللہ عنہ کے دُفن کا واقعہ نقل رکے روایت کی۔ سَبَّحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ

وَكَبَّرَ النَّاسُ فَأَلُوْا بِرَسُوْلِ اللَّهِ لَهُ مَسْجِدٌ فَإِنِ لَفِدَ بِصَافِقٍ عَلَى هَذَا الرَّحْلِ الصَّحَابُ فَبَرَهُ حَتَّى فُوجِ

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بَعْدَ فَنَ حُضُورِ عَلِيٍّ السَّلامَ نَبَّاحُ اللَّهِ فَرَمَا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے فرمایا اور دیکھ حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حبیب

اللہ تبارک و تکبیر کیوں پڑھی رشاد فرمایا کہ اس صاف بندے پر قبر تک ہو گئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔

اس کی شرح میں علامہ بیہی فرماتے ہیں۔

أَيُّ مَرَلْتُ فَمَكْرَأْتُ نَكْرُوزٍ وَأَسْبَغْتُ وَنَسْبَغُونَ حَتَّى فُوجِيَ اللَّهُ

”یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو کشادہ فرما دیا۔“

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صاحبین کے ذکر کے وقت رول رحمت ہوتا ہے۔ امام سلاسی بن عیسیٰ فرماتے ہیں۔

ذَكَرَ الْمُضَالِحِينَ قَرِيبُ الرُّحْمَةِ اُورِ مِيتَ كَا سِ وَتِ رَحْمَتِ كِي خَتِ خُرُودِ تِ هِ۔ عرضہ ہماری قلوڑی کی جنبش زہاں سے اگر میت کو

تھنے سے بڑے سے سات فائدے پہنچ جائیں تو کیا حرج ہے؟

ثابت ہو کہ قبر پر اذان دینا عاٹ ثواب سے شای دہب من الوضو میں ہے۔ الاصل فی الاشياء لا باحد تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ

وہ صاب ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ صاب ہے اور جو صاب کام نیت خیر سے کیا جاوے وہ مستحب ہے شروع مقلودہ میں ہے۔

اسما الاعمال بالنیات شای بحث من الوضو میں ہے۔

ان الفرق بین العادة والعبادة هو النية المتضمنة للاخلاص

”عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے۔ یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے۔“

اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت۔ در مختار، بحث سختی الوضو میں ہے۔

وَمُسْتَحْبِهِ هُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى وَمَا حَبَّ السَّنَفُ

”مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے بھی کیا اور بھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہیں۔“

شامی بحث دُفن و ریمہارت ولا محصی ہے۔ وقال عليه السلام مَرَاهُ الْعُزْمُونَ حَبَّ فَهُوَ عَدَدُ اللَّهِ حَسَنٌ جَسَنٌ

مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ دان قبر شریعت میں منع نہیں ہذا جاز ہے اور چونکہ اسکو

نیت اخلاص مسلمان بھائی کے لقمہ کیلئے کیا جاتا ہے۔ ہذا یہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ بھی ہے۔ خود بخود بخیر

کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب المصالح و مفاسد میں فرماتے ہیں۔ ”کسی سے سوال کیا ہے کہ تقیہ کے بعد دُفن

ثابت ہے یا نہیں تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف فیہ ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تقیہ کرتا بعد دُفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کرے درست

ہے۔ رشید احمد

# دوسرا باب

## اذان قبر پر اعتراضات و جوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ ان شاء اللہ اس کے علاوہ اور نہیں گے۔

**اعتراض ۱** قبر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہ نبی پر ناسبق۔

**جواب** ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد اذان ذکر اللہ تعالیٰ و تکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اور زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حج میں تکبیر کے جو الفاظ عادیات سے منظور ہیں ان میں کسی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (بدیعہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہذا یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو وہ حسن ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ قزوینی رشیدیہ جلد الاول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا فتم کرنا قرونِ ثلث سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

**الجواب** قرونِ ثلث میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا فتم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اسکی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں۔ رشید احمد تھلی

اسی کتاب جناب یہ فتم بخاری اور برکی کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیا۔

**نوٹ ضروری** دوسرے دیوبندی مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلبہ سے کرایا جاتا ہے اس صحت طلب کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نقد میں دہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ مہسوں کے جاتے ہیں شاید یہ بدعت اس لئے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصوں درکارا درپہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

**اعتراض ۲** شامی نے اب الاذان میں جہاں اذان کے سونے شمار کئے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا

**لکس ردہ اس حصر فی شرح العباب** اس اذان کی اس جگہ نے شرح جناب میں تردید کر دی معلوم ہوا کہ اذان قبر مردوہ ہے۔ **جواب** اول تو ابن حجر شافعی مذہب میں بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ جنہوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ تو بے شافعی پر؟ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونیکا انکار کیا۔ یعنی سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھ پانچ سنت نہیں ہائیں درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پرس۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس سلسلہ پر فرمایا **وقد نسئ الاذان** ان معقول پر اذان سنت ہے آگے فرمایا ردہ اس کی بنی جمر نے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوتی؟ سنت کی۔ شامی جیسے کے لئے عقل و ایمان کی ضرورت ہے تیسرے یہ کہ گرمان بھی ہو کہ عہد بن جمر عہدِ ارحم نے خود وان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے، بد دلیل شرعی کراہت متزکیں بھی ثابت نہیں ہوتی۔

شافعی بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

**ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراہۃ اذ لا یبذلہ من دلیل خاص**

”ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔“

شافعی جلد اول بحث مکروہات اصول بیان المستحب والمندوب میں ہے۔

**ترک المستحب لا یلزم منه ان یتکون مکروہا الا بسبب خاص لان الکراہۃ حکم شرعی فلا یؤدہ من دلیل خاص** ”مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکروہ ہو جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔“

آپ تو اذان قبر کو حرام مانتے ہیں۔ فقہاء بغیر خاص ممانعت کے کسی قسمی کو مکروہ متزکیں بھی نہیں مانتے۔

اگر کہا جائے کہ شامی نے اذان قبر کو قس۔ سے بیان کیا اور قس۔ کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ نقد میں قس۔ ضعف کے لئے لازم نہیں شامی کتاب الصوم کفارہ میں ہے۔ فتعیر المصنف بعقل لیس بلکہ الضعف اسی طرح شامی بحث اثنی عشرت میں ذکر مع ہمازہ کے لئے فرمایا **قل تحریمنا وقیل ترہیفا** دیکھو یہاں دو قول تھے اور دونوں قس۔ سے نقل کئے۔

عالمگیری کتاب، وقف بحث مسجد میں ہے و قبل فهو مسجدہ اند' و هو' الاصح' یہاں صحیح قوس قبل سے بیان کیا معلوم ہو کہ قبل دلیل صحت نہیں۔ اور اگر ماں بھی جاوے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا۔ کہ جائز کہنا کیونکہ جائز کہنا یہ سنت ہی کا قوس ہے ہم بھی اذان قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

**اعتراض ۲** فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ کہے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہذا حرام ہے چنانچہ عراقی میں ہے۔

وبکرہ عبد القبر کل ما بعد من السنۃ والجمود مہا یس الا زار مہا والدعاء عندہ قائما شامی کتاب، لہذا ترک میں ہے۔

لا یسن الادان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ہو المعاد الان وقد صرح بن حجر بنہ بدعاء وقال من ظن انہ سنۃ فلم یصب

"یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ دخل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا۔"

ورائہما میں ہے۔ من البدع النسی نہعت فی ملائہ الہد الادان علی القبر بعد لذلہ "جو بدعتیں کہ سند و ستاں میں ضائع ہو گئیں۔ ان میں سے دن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔"

تو شیخ شریع میں محمود علی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں **لا دان علی القبر لیس بنی قبر پر اذان دینا کچھ نہیں۔** مولوی اسحاق صاحب مائتہ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

**جواب** عراقی قاضی کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا و کچھ نہ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا، سجدہ کرنا، وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں مشکوٰۃ ہے دن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے مگر وقت دن بھی اس میں شامل ہے تو پھر دم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا سنت دینا منیٰ اذان اور بعد دفن متعین کرنا جس کو قاضی رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے۔ بس مردے کو ہنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیے اور زیارت قبور کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع ہیں۔ وہی عبارت عراقی کا مقصود ہے ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سر پر پھول ڈالنا یا تعاقب جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور عراقی میں فرما رہے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے۔ مولوی شرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شادی لہذا صاحب کشف قبور کا طریق بیان فرماتے ہیں۔ "بعد دعوت کہ وہ طواف کند و اس تکبیر بخواند و آواز راست کند و بعدہ طرف چپاں رخسار نہد۔" یعنی اس کے بعد قبر کا سات پھر طواف کرے اس میں تکبیر کہے اور دائیں طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ ایمان صلوٰۃ پر دیتے ہیں۔ یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی ممانعت نصوں شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف تقویٰ ہے یعنی شخص اس کے دائرہ گرد پھرتا، سستے پید کرنے مناسبت دینی کے صاحب قبر کیساتھ اور پیسے فیوض کے اس کے نظیر حضرت چار کے قصے میں وارد ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے والد موقوف ہو کر وفات پا گئے۔ اور قرض خواہوں نے حضرت چار کو جنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ باغ میں تشریف لے کر رہا بیت کرو اپنے حضور علیہ السلام باغ میں رونق مروار ہوئے اور چھوہاروں کے اندر لگا کر بڑے ہار کے گرد تیں ہار پھرے۔ **طواف حول اعظمہ ہبیدار** یہ حضور کا یہ پھرنا کوئی طواف نہ تھا۔

بلکہ اس میں شریعت نے کیسے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبر کے عمل میں ہے۔ کیسے اگر اذان قبر اس نے منع ہے کہ قبر بجز زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے لہذا عراقی قاضی کی کبریٰ عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ پر طلف بات یہ ہے کہ حفظ ایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے وہاں جانا اور طواف کرنا اور قبر پر رخسار رکھنا جائز ہے اسی کو تقبیۃ الایمان میں شرک کہا ہے۔ شامی تو شیخ وغیرہ کی عبارتوں کا جواب سوال نمبر ۱ کے تحت دے کر لیا کہ اس میں سنیت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا تو شیخ کا فرمانا **لیس بنی** اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بد و دلیل کر بہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب دیوبند لوگوں کے چہرہ ہیں ان کا قوس جنت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ ورنہ قرآن کے پیارے اور عراب اور بخاری بھی مکروہ ہو گئی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔

ورعکار باب اصول العیدین مطلب فی تعمیر التمریق میں ہے۔ وذلک لفی الدس یوم عرفہ فی عبرہا بالوفیق لیس بشئی  
اسی کے ماتحت ثانی میں ہے۔ وهو مکرمۃ فی موضع السعی فتعم انواع العادة من فرض و واجب و  
مستحب فلیت الاباحتہ فیل یستحب ہایہ کے حاشیہ میں لیس بھی کے ماتحت فرماتے ہیں ہی لیس بشئی یتعلق  
بہ الثواب وهو یصدق الاباحتہ ن عبارات سے معلوم ہوا کہ لیس ٹھیک مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

**اعتراض** اذان تو نہر کی اطلاع کے لئے ہے دُفن کے وقت کوئی نماز پوری ہے۔ جس کی اطلاع دینا منکوح ہے چونکہ یہ اذان ان  
پہلے نہ جانتے ہے۔

**جواب** یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نہر کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کئی چاہے آخر پچھ کے کان  
میں اذان دی جاتی ہے وہاں کوئی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو عری کے لئے بعد از  
کرنے کو دوسری نہر فجر کے لئے۔

**لطیفہ** کاہیہ دار میں روانہ ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یونانی میں روانہ ہے کہ بعد نماز عید مصافحہ (لگے ملنا) کرتے ہیں۔ ایک  
صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ مصافحہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہئے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت کیوں ہوتا  
ہے یہ مصافحہ اور مصافحہ برعت ہے لہذا احرام ہے ہم نے عرض کیا کہ مصافحہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہے اسکا نام عیال المصافحہ و مصافحہ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے یہ اذان عاریہ رضی اللہ عنہ سے مصافحہ  
فرمادیا۔ حدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ مصافحہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے نگہار خوشی میں مصافحہ کرتے ہیں۔

نیز در مختار جلد پنجم باب انکسار باب الاستبراء میں ہے۔ ای کما تحور المصافحۃ ولو بعد العصر و قولہم ائد بدعۃ  
ای مباحۃ حسۃ کما افدۃ النورۃ فی اذکارہ

"مصافحہ جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہ کا زمانہ کہ مصافحہ نماز عصر برعت ہے یعنی برعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں  
فرمادیا۔"

اسی کے ماتحت ثانی میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کُلِّ لواء و انما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلوۃ الصبح  
فلا اصل لہ فی الشرع عسی ھذا لوجہ و لکن لا بأس بہ و تقبیذہ بما بعد الصبح و العصر علی  
عادۃ کانت فی رسمہ و الا فعقب الضوۃ کتبہ کد لک

"ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو روا ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور  
شیخ یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بناء پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ ہر حال جائز ہے لیکن اس کی قیاسی نہ ہوئی یہی کہتا رہا کہ مصافحہ ملاقات کے وقت چاہیے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔  
اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ ہاں غائب ہو نیچے بعد جب میں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہو نیچے دوسو میں ہیں ایک تو یہ کہ جہاں غائب  
ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہی طور پر غائب ہوں نہر کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر حکمی لحاظ سے سب ایک دوسرے  
سے غائب تھے کہ کسی سے کلام کر سکیں ایک دوسرے کی دعا۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا، چٹا، چٹنا پھرنا، تمام دنیاوی کام حرام

ہیں اور نصوۃ معراج المؤمنین کا نقشہ نظر آ رہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام پکیر۔ اب دنیا میں  
لگے تمام دنیاوی کام حل ہو گئے۔ یہ وقت غائب ہو نیچے بعد ملنے کا ہے۔ لہذا مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منقطع سے سمجھا دیا اس کو شریعت نے  
تو ملاقات کا وقت نہیں دیا۔ ہم نے کہا مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں، اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہئے کہ سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام  
کر نیکی نیت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تمام عباد کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے  
وقت۔ بتاؤ یہ سلام کیسا کیا یہ لوگ کہیں سے آ رہے ہیں یا جا رہے ہیں؟ جو تو نہیں دے ہیں کہ ابھی دعا مانگیں گے وظیفہ پڑھیں گے بعض لوگ اشراق  
پڑھ کر آئیں گے۔ معلوم ہو کہ عام بالاکا سیر کر کے آ رہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں لہذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے  
بعد چاہئے۔ ہم نے کہا ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں۔ الحمد للہ کس کی تسکین ہو گئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

# بحث غرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب غرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسئلہ غرس پر اعتراضات و جوابات میں۔

## پہلا باب

### ثبوت غرس میں

غرس کی لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لئے دوہا در ذلین کو غرس کہتے ہیں بزرگاں دین کی تاریخ وفات کو اس لئے غرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب ثبات طہاب القمر میں ہے کہ جب مگرین میت کا استحقاق پتہ ہے اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں **لَمْ كُزِمَةُ لَغَرُسِ النَّبِيِّ لَا يُوقُظُهُ**۔ **اَلَا اَحَبُّ اَهْلِهِ** تو اس ذلین کی طرح سوچا جس کو سائے اس کے پیار کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن بکیریں لے لے اس کو غرس کہا، اس لئے وہ دن روزِ غرس کہا، یا اس لئے کہ وہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے دیکھنے کا دل سے بکیریں دھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دوہا میں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی یاد رہے اور وصال محبوب کا دن غرس کا دن ہے لہذا یہ دن غرس کہلایا غرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا در قرآن خوی صدقات کا ثواب پہنچا اس اصل غرس کا ثبوت حدیث پاک اور قول فقہاء سے ہے ثانی جہد اقوال باب زیارت القبر میں ہے۔

وَدَى ابْنِ ابْنِ شَيْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ لِشُهَدَاءِ بِأَحَدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْزٍ  
 "ابن ابی شیبہ نے روایت کی کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اہل احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔"

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْزٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ  
 "حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا کرتے تھے۔"

شہداء حاضر یا غریب یا موتی یا حیات میں فرماتے ہیں۔ "وہم آتھم بھیت اجتماع مردان شیعہ جمع شوذ و طم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم در میان حاضرین کنند این قسم معصوم در ماند غیر مذہب اصفیٰ را شدین نہ ہو اگر کسی دین طور کنند پاک بیست بلکہ قائدہ حیات و موت احوال مشہودہ دوسرے یہ کہ بہت سے سوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروی ہے دینی ایک اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ نعدوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے زبدۃ الصالح فی مسائل نہج میں شاہ

عبدالحزیز صاحب مودعی عبدالحکیم صاحب یہ لکھتی علیہ الرحمۃ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں "ایں طعن ہی است بر جعل یہ حوالہ طعنوں صید ویراک غیر ذرا نفی شریعہ مقررہ و بیچ کس فرض فی داخدا آئے تھو کہ تھو روا دہاد ایشاں یا ایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است ہا جماع علماء و تفسیرین را در غرس برائے ان است کہ آں روز ذکر انتقال یشاں فی ہاشد زو را ملل ہا را شوب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب طہار و وجہ است۔"

یہ طعن لوگوں کے حالات سے جرد رہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کو فرض نہیں جانتا ہاں صاحب کی قبروں سے برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجماع علماء سے چھ ہے غرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا ہے۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مورخہ جلال الدین کو لکھتے ہیں۔ "اگر اس چیز پر دستہ چیراں بسماع و صفائی جاری در نہ۔"

بیس کا غرس چیزوں کے طریقے سے قوی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ مودعی رشید احمد، و اشرف علی صاحبوں کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصد صحت مسئلہ میں غرس کے جو پر بہت در دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں۔ "فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اور قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں دست ہو تو مودود پڑھا جاتا ہے پھر، حاضر

کھانا کھایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ مودعی رشید احمد صاحب بھی اصل غرس کو چار زمانے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدہ جلد اول کتاب اہدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں۔ "بہت اشیاء میں کہ اوں مبارک جس پھر کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس غرس و مودود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معصوم ہو کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا غرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علامہ مدینہ سورہ حضرت امیر حمزہ رضی



اللہ عزوجل کی عرس کرتے رہے، جن کا حراقہ اقدس احمد پناہ پڑے غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان عباد و صالحین خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کار بند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانتیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔ ”عقل بھی جانتی ہے کہ عرس بزرگانِ محمدؐ جیسا ہوا تو اس لئے کہ عرس زیارتِ مقدس اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارتِ مقدس بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دوستوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ یا باب زیارۃ القبر میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اہم سے تم کو زیارتِ مقدس سے منع فرمایا تھا۔

اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارتِ مقدس کا جو از معلوم ہو خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تھا زیارت کی جاوے یا نہ کہ جمع ہو کر اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ جمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض اتنے ہی محض کر کے ہو یا بغیر عین کے ہر طرح جائز ہے۔ دوم اس لئے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے، اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمہ طیبہ اور دو پاک و دھیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہیں۔ تیسرے اس لئے کہ ایک ہر کے مرید ہیں اس تاریخ میں اپنے ہر بھائیوں سے بلا تکلف مل بیٹے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات و وقایع ہوتی ہے اور یہیں میں محبت جڑ جاتی ہے، چوتھے اس لئے کہ طالبان کو چیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اور اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں تکلف چلے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء و صوفیہ کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کرے، آج حج اور زیارتِ مدینہ منورہ بھی تاریخ مقرر میں ہے ہوتے ہیں اس میں بھی گزشتہ فوائد ملحوظ ہیں ہم نے دیوبندی کاری قبریں دیکھی ہیں وہاں رونق نہ کوئی فاتحہ خواں، سالن کو ایصالِ ثواب، نہ کسی کو اس سے اور نہ کسی سے ان کو بغیر امور حیرت مند کرنے کی یہ برکات ہیں۔

## دوسرا باب

### مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱۔ جس کو تم بعد موت دلی کہتے ہو۔ اس کا عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ دلی ہے کسی کے حاتمہ پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمان مرید ہے دین ہو کر مرید یا کسی مردے کی ولایت کیا کہ معلوم ہو سکتی ہے؟ پڑے پڑے صحاح کا ہر بڑا مرتے ہیں۔

جواب۔ زندگی کے خد ہری حکام بعد موت جاری ہوتے ہیں اور جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھا کر اس کی نماز جنازہ اکلین دفن، جہرٹ کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی نہ کور کفن نہ تقسیم جہرٹ، شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتساب معتبر نہیں، اسی طرح جو زندگی میں دلی ہو وہ بعد وفات بھی دلی ہے مگر محض خیال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھنا کر و شایہ مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کر کہ شاید کافر ہو کر مرا ہو، یہ مشکوٰۃ کتاب ایماۃ باب الحشی یا پناہ میں برویت مسلم و بخاری ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا: **و حش** واجب ہو گئی۔ دوسرا جنازہ گزر۔ جسکی لوگوں نے برائی کی۔ فرمایا: **و حش** واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پیسے کے لئے حش اور دوسرے کے لئے روزخ پھر فرمایا: **انتم شہدنا اللہ فی الارض** تم زمین میں اللہ کے گواہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو دلی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی دلی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب چاہیں، حلال چاہیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعثِ ثواب اور حلال ہے کیونکہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی حدیث نے تصریح فرمائی۔

ما ر ہ المؤمنون حساً فہو عند اللہ حسس قرآن پڑھا تا ہے و کذبکم حسناکم ائمۃ و سطاً لکنونوا شہدآء علی الناس ہم نے تم کو مت عادی بنا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ص کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ بن مسام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی، کہ فرمایا: **وشہدنا ہذا ہذا** جب صحاح موسسین کی گواہی سے نبوت ثابت کی جا سکتی ہے تو دوسرے بد بھادوں ثابت ہو سکتی ہے، اور جب اس گواہی سے ہمارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہوگا؟

نوٹ ضروری۔ یہ سونے کا کمرہ میں حرم شریف کے بھڑی امام نے کیا تھا ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہی جواب دیا تھا جس پر اس نے کہا کہ یہ صحیح کرم کے لئے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں دیا جیسا ہو جائے کیونکہ وہاں فرمایا ہے: **انتم** ہم اس خطاب میں داخل ہیں۔ کیونکہ ہم

اس وقت موجود تھے، میں نے کہا یہ مخلوق میں اسی جگہ ہے **وہی روایہ المؤمنون شہد آء اللہ فی الارض**

ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں، اس میں **انتہم** کہیں، نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے عینہ سے آئے **اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ** وغیرہ، اور ہم قرآن کے نزول کے وقت نہ تھے لہذا ہم ان احکام سے بری ہیں یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لئے تھے قرآن حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں، واللہ اللہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ تو کیا مگر جواب نہ آیا۔

**عناص:** حدیث شریف میں ہے **لا تتخذوا قبری عینہ** میری قبر کو عینہ نہ بناؤ، جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا جناح کرنا، میلہ لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد عید ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگانا ہے جہاں عید ہے۔

**جواب:** یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہے۔ اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو۔ جب چہا آ کر، عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں مکانات کی رعیت و آراغی ہوتی ہے۔ کہیں کو بھی ہوتے ہیں یہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہونا واجب ہے۔ یہاں آ کر شور نہ مچاؤ کھیل کو نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں

**الغتمہ رزقہ** بعد از بیچ کا نہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ جاتی مد اللہ صاحب فی صوفت مسئلہ میں بحث عرس میں فرماتے ہیں۔

**لا تتخذوا قبری عینہ** اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا، اور خوشیاں اور رعیت و آراغی رسوم و عادات کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے اور نہ مدینہ طیبہ قحون کا جائزہ لے کر زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا۔ **وہذا باطل** "ہاں حق یہ ہے کہ زیارت مقبرہ انظر لاؤ بیٹھا دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جہد نہ کیا کر اہل عید کے سال بھی کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

**اعتراض ۳:** عام عرس میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں تو ان گالی جاتی ہے، فرقہ عرس پر رنگان صدا و محرمات کا مجموعہ ہاں لے یہ حرام ہے۔

**جواب:** اس کا اجماعی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حد کا کام حرام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے، اور حدس حلال، ناشی بحث زیارت قبور کتاب ابنا کر میں ہے۔

**ولا تفرک لما یحصل عندہ من فساد و فساد کا احتلاط لرحل النساء و غیرہا لانی القرب لا تفرک لمن دیک علی الانسان فعیہ و انکار البدع فلیت و یؤیدہ ما مؤمن عدم ترک اتع لحدرة وان کان معہ ساء، بالاحت**

"زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناچ رنگ کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلد کیونکہ اس بھی ناچ رنگ باتوں سے مستحکم نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارات قبور کرے اور بدعت کو روکے، انکی تائید گزشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ وجہ کرے و ایساں ہوں۔"

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور وہ مناد مرد پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ وہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا، آج بازاروں میں ریل کے سفروں اور دنیاوی طسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف میں کسی حدائق میں اختلاط مردوں ہو جاتا ہے، مگر ان کی وجہ سے اصل فتنی کو کوئی منع نہیں کرتا۔ دینی مدارس میں بھی کثرت اوقات ہے احتیاط ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں لیکن ان کی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو بلکہ وہاں جا کر نہ بھی ناچ رنگ رسموں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ، دیکھو جو ان قیاس متافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمائے کہ وہم شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے قہر میں نہ آیا ہے مگر قرآن کریم نے اس حدیث کی تحدید فرمائی کہ **الا فی العنۃ سقطوا وان حہمہ لحنیطة** **بالکھرب** اس حدیث کو بے کفر درود پر غصہ نہ مچانا، دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان یہی حدیث آج ویں ہندی شخص روکنے کے لئے کرتے ہیں۔

آج یہ بادشاہی میں صمد حرام نہیں ہوتی ہیں جس سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح حرام کہہ کر نہ نہیں کرتا۔

قوان جو آج کل عام طور پر مروج ہے، جس میں گندے مقبضین کے اٹھارے گائے جاتے ہیں، رفاق اور مردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور شخص واپس پر قرض ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جید تاجر شرانکھ سے قرض لی ہو گئے والے اور سنے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے، بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوان کو اہل کے لئے جائز فرمایا اور نا اہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب الباقب باب مناقب عمر میں ہے، کہ حضور ﷺ کے سامنے ایک لوٹری دفع بجا رہی تھی، صدیق کبر آئے تو وہ بجا رہی، عثمان غنی آئے بجا رہی مگر جب حضرت فاروق اعظم آئے (رضی اللہ عنہم، ہمیں) تو دفع کو بچے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عمر! تم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دفع بجا نہ شیطان کا کام تھا یا کہ نہیں، اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہم شرکت کیوں کی۔ در اگر شیطان کا کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جو اب وہی ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے آئے سے قبل یہ بھی کام شیطان ہی تھا ہوتا رہا، اور فاروق اعظم کے آتے ہیں شیطان ہی بن گیا، بد ہو گیا، اسی لئے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شرعی لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی، جیسے کہ مجلس طعام میں اگر کوئی شخص بغیر ہم اللہ کے کھانا شروع کرے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے دم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیہ وعلیہ ہیں بعض پر اتباع غائب بعض پر جذبہ محبت غائب اس لئے اثرات مختلف تھے اگر کوئی خوش یا قلع بغیر ہم اللہ کھانے میں شرکت کریں تو میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس خوش کی توہین نہیں ہوتی۔

شامی جلد ہفتم کتاب الکراہیۃ الفصل فی السوس سے کچھ نقل ہے۔ **الْفَالُ الْهُوَ لِبَسْتُ بِخُرْزَمَ لَعِبِهَا بِنِ بِقَصْدِ الْهُوَ مِنْهَا الْاَتَرِي اِنْ صَرَبَ تَلْكَ لَالَهُ مَعْصِ اَحْلَ نَدْرَةَ وَحَرَمَ اَحْرَى وَفَهُ وَلَسَ " لَسَادَاتِ الصُّوفِيَةِ الْقَدَسِ يَفْقَضُونَ بِسَمَا عِهَا اَنْفُورًا هُمَ اَعْنَهُ بِهَا فَلَا يَبَا دُرُ الْمَعْرِضِ بِالْاَتَكَارِ كُنَى لَا يَخْرُجُ مِنْ كُنْهَمُ فَانْهَمُ السَّادَةُ لَا خِيَارَ** تفسیر ت احمدیہ پارہ ۲۱ سورہ لقمان زیر آیت **وَمَنْ الشَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ** میں اس قول کی بہت تحقیق فرمائی، آخر فیصد یہ فرمایا کہ قوان ال کے لئے عدل بجا اور نا اہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں **وَبِهِ سَاخِذٌ لَنَا شَهَذَا اَللّٰهُ نَشَاءُ مِنْ قَوْمٍ كَانُوا عَادِفِينَ وَمَحْتَسِنٍ لِرُسُلِ اللّٰهِ وَكَانُوا مَعْدُورِينَ لِعَبَةِ الْحُلَا وَيَسْتَكْشِرُونَ السَّمْعَ لِنُصَاءٍ وَكَانُوا يَخْسَنُونَ دَلْكَ عِبَادَةً اَعْظَمَ وَحَمَادًا اَكْبَرَ فَيَحِلُّ لَهُمْ حَاصَةٌ اَسْهَى مُلْخَصًا**

حاجی مہدی صاحب فیصدت مسئلہ میں بحث قوان کے متعلق فرماتے ہیں۔ "محققین کا قول یہ ہے، مگر شرکاء جو اجماع ہوں اور عوارض مانع مرتفع ہو جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب قدوسی رشید یہ جلد کتاب النظر والا باحد صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں، **وَبِهِ سَاخِذٌ لَنَا شَهَذَا اَللّٰهُ نَشَاءُ** اگر گائے و نا اہل نہ ہو وہ حضور رضوان راگ کا خلاف شرع۔ اور مولوی مفتی کے ہوتا کچھ حرج نہیں، خدا صلا کم یہ ہوا کہ قرض ال کے لئے شرانکھ کے ساتھ جائز ہے و بلا شرانکھ و نا اہل کے لئے حرام ہے، قوان کی شرکاء طاعتی سے اسی کتاب الکراہیۃ میں چھ بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امر دے دے ڈھکی کا لڑکا نہ ہو اور ساری جماعت ال کی ہوا میں کوئی نا اہل نہ ہو قوان کی نیت خاص ہو۔ اجرت لینے کی نہ ہو، ہوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں، بغیر غلبہ کے و حد میں کھڑے ہوں، اشعار احواف شرع ہوں اور قرض کا اہل ہو ہے کہ اس کو ہود کی حالت میں اگر کوئی کوار مارے تو خیر نہ ہو، بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سرور رنگ اس کو کھانا نہ دیا جاوے پھر یک طرف کھانا ہوا دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے، ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام قومیاں حلال ہیں یا عام لوگ قوان نہیں بلکہ ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا وہ اکابر صوفیائے عظام کو مجلس قوان کی بنا پر گامیاں دیتے ہیں، اور قوان کو شل رتنا کے حرام کہتے ہیں، اس لئے عرض کرنا پڑا کہ خود قرض نہ سنو مگر الیہ واللہ جن سے سماع ثابت ہے جہاں کویرا نہ کہو قوان ایک درد کی دوا ہے جس کو درد ہو وہ چنے جس کو نہ ہو وہ بچے، حضرت مجدد العارف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ تائیں کاری کم و نہ انتکاری کم۔ "میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گائے کی بُرائیاں نکلیں، لہذا اس کے مقابل جواب دہامیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے، معاذ اللہ، اس گھمات سے دکھ بچا۔ پھر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

**اعتراض ۱۰** اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا تو تعویذِ رومی بہت پرستوں کے لیے بھیجے جاتے۔ سنہ ۱۹۵۷ء میں جو کڑی ہوئے، کہاں میں کوئی نہ کوئی کام یا کڑی بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہی حکم کہ یہ صحیح حرام نہیں بلکہ اس میں جو کڑی کام ہیں وہ حرام ہیں جو کڑی ہیں وہ حلال نیز فقہاء مقررہ ہیں کہ جس دلیہ میں تاجی رنگ دسترخواں پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبولِ دعوت مست مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہوگئی، اسی طرح عرس بھی ہے مخاضیں کا یہ انتہائی عذر منہ ہے۔

**جواب** ایک تو ہے حرام کا فصل حلال میں شامل ہوتا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فصل حرام اس کا جزین جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہوا اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو، اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا، مگر فصل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہوگی ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو ورنہ کبھی نہیں جس کو خطہ کہتے ہیں، تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کرے گا جیسے کہ پیٹا پکڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا، کپڑے کا جز نہ بنا، پانی کا جز بن گیا، تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح، سفر، ہار اور وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر اس کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ اس کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعویذِ رومی میں اسراف دہے تا جہاں اس طرح جزین کر داخل ہوئے کہ کوئی تعویذِ داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور گرجا خالی ہو تو اس کو تعویذِ داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کر جائے گا تو اس کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھ لے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو کڑی ہے کیونکہ غیر جہاں کی تصویر بنانا مباح ہے، الحمد للہ کہ عرس میں تاجی کا نا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس اس محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے، سرہند شریف میں مجدد الف چہار صاحبِ روضۃ اللہ عند کا عرس بالکل محرمات سے جان ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے ہیں، صرف مجلسِ وعظ اور تقسیمِ طعام سیرچی ہوتی ہے، سر ہر دعوت قبول کرنا سنت نہیں، تاباں بچہ کی دعوت، اہل میت کی سرورِ دعوت، عیاں کو جس کے یہاں صرف حرام کاغذی ماں ہو اس کی دعوت قبول کرنا تا جہاں ہے، اسی طرح جس دلیہ میں تاجی اور رنگ خاص دسترخواں پر ہو اس کا قبول کرنا منع ہے، بخلاف زیارتِ قبور کے کہ وہ بہر حال مستحب ہے لہذا احرام کام کے، اختلاط سے دعوت تو سنت ہے تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی، بہت بار ایک فرق ہے خیال رکھنا چاہیے۔

# بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

عمری بزرگانِ در زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعثِ ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس نے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں جوازِ ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

## پہلا باب

### سفرِ عمر کے بارے میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے، یعنی حرمِ کام کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت ہے۔ فرض کے لئے فرض ہے۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد و تجارت کے لئے سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیوں کہ یہ زیارت واجب و مستحب کی ملاقات۔ شادی شہ میں اہل قرابت کی شرکت۔ اطہاء سے علاج کرنے کے لئے سفر کرنا جائز کیونکہ یہ چیزیں خوب جائز ہیں چھری ڈکنی کے لئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھو۔ عرض خاص زیارتِ قبر کا نام ہے اور زیارتِ قبر تو سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْنِهِمْ حُرَّ أَلِيٍّ وَرَسُولَهُ نَبِيٍّ يَدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ حَرْهُ عَلَى اللَّهِ (پارہ ۵ سورہ ۲۴ آیت ۱۰۹)

"جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اس کو موت آگئی تو اس کا جز عند اللہ ثابت ہو گیا۔"

سفر ہجرت ثابت ہوا لایلف قریش ایلا فہم رحلتہ الشاء والصب

"اس نے قریش کو بیل دلا دیاں کے جائزے اور گرمی کے فوس سفر میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔"

وَالْقَالَ مُوسَى لَهْ لَا اَبْرُخْ حَتَّى اَبْلُغَ مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَعْصَى خُفَا (پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت ۶۸)

"اور ناکر و جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں ہارند ہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کیلئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يٰۤاٰدَهٰۤا اَفْحَسَبُوْاۤ اَنْ يُّوَسِّفَ وَاٰحِبُّهٖ وَلَا تَبْسُوْاۤ مِنْ رُّوْحِ اللّٰہِ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۷)

"اے میرے بیٹا جہاں یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔"

یقتوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

اٰدَهٰۤا بِقَمِيصِيْ هٰذَا فَالْقَوُۥۥ عَلٰی وَحٰہِ اِنِّیْ بِاَبِّیْ بِصِيْرًا (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۹۳)

"میرے گھر سے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر والدہ ان کی کھین کھل جائیں گی۔"

علاج کے لئے سفر ثابت ہوا۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُّوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْہِ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۹۹)

"پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔"

ملاقات فرزند کے لئے سفر ثابت ہوا۔ فرزند یقتوب علیہ السلام نے والدہ ماجدہ سے عرض کیا۔

فَاَرْسَلَ مَعَاۤاٰحٰا مَكْتُوۡۥۥ وَاَنَا لَهٗ لَمُحْفٰوۡۥۥ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۹۳)

"میرے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم خدا لائیں گے اور ان کی ضرورت حق کر دیں گے۔"

روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اٰدَهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ ظَعْمٰی "فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔"

تحقیق کے لئے سفر ثابت ہوا۔ مَقْلُوۡۥۥ کِتٰبِ الْعِلْمِ میں ہے۔

مِنْ حُرُوۡجِ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَہُوۡ فِیْ سَبْلِ اللّٰہِ "جو شخص تلاشِ علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔"

حدیث میں ہے۔ اَطْلُبُوۡۥ الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالْبَصِیۡبِ "علم طلب کرو اگر چہ چمن میں ہو۔ گری میں ہے۔"



طلب کروں علم شدت تو فرض

وگرہ جب است از پیش قطع رخ

”علم کا طلب کرنا تو فرض ہے اس کے لئے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لئے سفر ثابت ہوا۔“

گلستاں میں ہے۔

برو اندر جہاں تفرج کن

پیش از ان دور کر جہاں برامی

”جاؤ دینی کی سیر کرو مرنے سے پہلے، سیر کے لئے سفر ثابت ہو۔ قرآن مجید میں ہے۔“

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ (پارہ ۷ سورہ ۱۰۷ آیت ۱۱)

”کفار سے فرما دو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہو۔“

جب ملکوں پر غلبہ لگی آیا، ان کو دیکھ کر عبرت پلانے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو طمرات و لیاہ کی زیارت کیلئے سفر کرنا بدعتِ اولی ثابت ہوا یہ حضرات طیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے حضرات پر پہنچنے سے شان الہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعدِ وفات بھی دنیا پر راجح کرتے ہیں اس سے ذوقِ عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے طمرات پر دعا بعد قیوں ہوتی ہے۔ شامی جہاں اس بحث زیارت قیوں میں ہے۔

وَهَلْ تُدَبُّ الرِّحْمَةُ لَهَا كَمَا اعْتَبِدَ مِنَ الرِّحْمَةِ لِي دِمَارِهِ حَلِيلِ الزُّحْمِ وَ رِبْرِ الشَّيْءِ لِمَدْوَى لِمِ  
ارمیں صرّح یہ من انفس و مع من بعض الاسماء الشافعية قیاساً علی مع الرِّحْمَةِ بهیر المسجّد  
الثَّانِي وَ زَوَّاهُ الْغَزَالِي بِوُضُوحِ الْفَرْقِ

”ارتقاء زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ کل ظلیل ارمین اور سید ہدی علیہ الرحمۃ کی زیارت کیلئے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے اپنے آئند میں سے کسی کی تفریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے سہ کے سفر پر قیوں کر کے لیکن امام حوالی نے اس منع کی تردید کر دی فرق واضح فرمادیا۔“

شامی میں اس جگہ ہے۔

وَمَا الْاَوْلِيَاءُ فَانَّهُمْ مُنْفَعُونَ فِي الْقُرْبِ اِلَى اللَّهِ وَ نَفْعُ امْرَأَتَيْنِ بِحَسَبِ مَعَارِفِهِمْ وَ اسرارِهِمْ

”لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ و رزقین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں جہاں اپنے معروف و اسرار کے۔“

مقدمہ شامی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقبت میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

انسی لا تبرک بایسی حبیبة و حیاء الی قبرہ و دعا عروصت لی حاحہ صلیت رکعتین و سالت اللہ عند قبرہ فتقصی سریراً

”میں امام ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دور کھتیس پڑھتا ہوں و ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جہاں حاجت پوری ہوتی ہے۔“

اس سے چند اسرار ثابت ہوئے زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن غلہین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کی قبر کی زیارت کے لئے صاحبِ قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا۔ صاحبِ قبر کو ذریعہ حاجت روانہ جانا۔ نیز زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ قیوی و شیدیہ جہاں اول کتاب اظہر والاہات صفحہ ۵۹ میں ہے ”زیارت بزرگان کے لئے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض جاہل و لوہوں اہل ملت کے علماء ہیں۔ مسند مختلف ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔“ رشید احمد حق

اسب کسی دیوبندی کو قیوں کی ضرورت سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ محل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ سنئے کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حلت و حرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی جازت مطلقاً ہے۔ لا فو وروہا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ سزا دینی و دنیاوی کا روبرو کر کے سفر کیا ہی جاتا ہے۔

یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

# دوسرا باب

## سفر عرس پر اعتراضات و جوابات میں

مکتبۃ باب المساجد میں ہے۔

اعتراض ۱

لَا تُشَدُّ الزَّحَاةُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا

”تین مسجدوں کے سوا، اور کسی طرف کا سفر نہ کیا جائے۔ مسجد بیت اللہ۔ مسجد بیت المقدس، اور میری یہ مسجد۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت تو درجہ ان تینوں کے سوا ہے۔

جواب

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نکل کا ثواب ایک رکہ کے برابر۔ بیت المقدس اور بیت اللہ کی مسجد میں ایک نکل کا ثواب پچاس برابر کے برابر۔ لہذا ان مساجد میں یہ بیت کر کے دور سے آتا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے کھس فلو ہے اور ناجائز کیوں کہ ہر مسجد کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں عید الاضحیٰ پڑھنے کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیارتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جائے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہونگے۔ آج تہذیب کے لئے، علم دین کے لئے، دنیوی کاموں کے لئے صد ہاتھ کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام نہیں گئے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں بعض العلماء نے کہا کہ اس حدیث میں ہے ”وہ بعض علماء مکتبۃ اندک بخین در مسجد سنی و دیگر جریں مسجد سفر جائز نہ ہوا، مواضع دیگر جریں مسجد خارج مطلقہ میں گھام است۔“ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کام کے مفہوم سے خارج ہیں۔

مرقات شرح مکتبۃ میں اسی حدیث کے تحت ہے۔

فی التَّوْحُّدِ الْمُسْلِمِ سُورَةُ قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ يَحْرُمُ شَذُّ الزَّحَاةِ إِلَى غَيْرِ ثَلَاثَةِ مَوَاقِعَ وَهِيَ الْأَحْيَاءُ وَبَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِلَى الْأَسْتِدْلَالِ عَلَى مَمْنَعٍ مِنَ الزَّحَاةِ لِلزِّيَارَةِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُورِ الْعَدَمَاءِ وَبِضَلْعِ الْوُجُوهِ وَغَائِبِ الْوُجُوهِ إِلَى الْأَمْرِ لَيْسَ كَمَا أَنَّكَ مِنَ الزِّيَارَةِ مَمْنُورٌ بِهِ لِحَبْرِ الْأَفْرُودِ وَأَمَّا وَرْدُهَا عَلَى الشَّذِّ بِغَيْرِ أَثْنَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ لَهَا ثَلَاثَةٌ وَأَمَّا ثَلَاثَةٌ فَهِيَ بِلِ بَرَكَاتِهَا عَلَى قَدْرِ دَرَجَاتِهِمْ عَدَالَتُهُ هَلْ يَمْنَعُ ذَلِكَ نَقَائِلَ عَنْ شَذِّ الزَّحَاةِ بِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ كَبَرِيَّهِمْ وَنُوسَى وَيَحْيَى وَالْمَمْنَعُ مِنْ ذَلِكَ فِي عَادَةِ الْأَحْيَاءِ وَالْأَوْبَاءِ فِي مَعَابِهِمْ فَلَا عَمَلٌ بِنُكُورِ ذَلِكَ مِنْ أَعْرَاضِ لِرَحَلَةِ كَمَا أَنَّ زِيَارَةَ الْعُلَمَاءِ فِي الْحَيَاةِ

الحیوة

”لوہی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوا ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء معلوم میں ہے کہ بعض علماء تبرک مقامات اور قیود علماء کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو سمجھ کو تحقیقی ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قیود کا حکم ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے کہ **الافرودہا** ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس سے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات تبرک یہ برابر نہیں بلکہ نہ کی برکات ہندو رو جات ہیں کیا یہ مانع انبیاء کے کرام کی قیود کے سفر سے بھی منع کر پکا جیسے حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور انبیاء علیہم السلام کی عظم میں ہیں کیا یہ عید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔

اسی مکتبۃ کتاب ایہادانی لکھا کہ میں ہے۔

لَا تَرْكَبُ الْبَحْرَ الْأَحْيَاءُ وَفُتُحْمَرُ أَوْ عَرَبِيًّا فَإِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ مَرَاتُ وَتَحْتَ الْبَارِ بَحْرًا

”دری میں سورہ ہو مگر حاجی یا غازی نہ عمر نہ کرنا لاکھینے کیا سوائے تینوں کے اوروں کو سفر یا حرام ہے۔“

غرض کہ حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے گی۔

رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ پھر کسی چیز کو ڈھونڈنے کے لئے دلیہ کے حرموں پر سر کر کے جاتے ہیں دینے والا

**جواب** اولیاء اللہ کی رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی پوری ریل سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے انشیش پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہو گئے تو ریل نذر مچی تو سبھی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقصد لو کر لی، تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں کرتے ہو۔ حد ادا راقی ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں حد اشافی الا مرض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے۔ تب دہوا بدلنے کے لئے پہاڑ، درختیں، کاسر کیوں کرتے ہو، وہاں کی تب دہوا تو محدود ہی کو مفید ہو۔ جس اولیاء کے مقامات کی آب دہوا ایمان کو مفید ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ اس کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے

**هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ** 'معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لئے دعا کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے۔ معلوم ہوا کہ زکریا ولیہ کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

**اعتراض ۳** جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت کا مانا لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو زکریا کو زیارت کا مانا اٹھل مگر کے خلاف ہے۔

**جواب** یہ فیصلہ حد ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا، بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس لٹکی سے چانے کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تمکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے پاس مبارک قبیلہ شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاؤں ہوئی تھیں۔ اس کو کیوں جاتی رہے دیا۔

مسلم جلد دوم کتاب زیارات باب بیان زیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب خروا واحد یہی میں ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

**كَانَ ابْنُ مَسْرُوقٍ يَسْأَلُ اللَّهَ صُنِّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ الشَّحْرَةِ قَالَ فَاسْطَقَا فِي قَابِلٍ حَاتِحِينَ لِحَصْبَى عَيْبِ مَكَانِهِ**

"میرے والد بھی ان میں سے ہیں میں نے حضور علیہ السلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی اس میں نے فرمایا کہ ہم سب آئندہ حج کے لئے گئے تو۔ تو اس کی جگہ ہم پر چلی ہوئی۔"

بخاری میں ہے۔ فَلَمَّا حَرَّ جَسَامُ الْعَادِ الْمُقْبِلِ سَبَا هَا فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ

"پس جبکہ ہم سب آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پا نہ سکے۔"

پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کٹوا دیا۔

## بحث کفن یا النی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اول تو قبر میں شجرہ یا غلاف کہہ یا عہد نامہ یا دیگر تحریرات کا رکھنا۔ دوسرے کے کفن یا پوشانی پر انگلی یا منی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام چار اور حدیث مجیدہ تو اس فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اسے منکر ہیں۔ لہذا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

## پہلا باب

### کفنی یا النی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تحریرات اور عرف کلمہ و شجرہ عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیع ہے قرآن ۲۲: ۳۲ و استغفر الیہ الوسیعتہ یا سید علیہ السلام نے بھی ان سے فرمایا تھا اذھنوا بضمیمہ ہذا فالقوة علی وحہ اسی بات بصیرۃ میری تھیں۔ چاکر والد ماجد کے مردہ پر ڈال دو وہ انگلیاں دے ہو چائیں گے۔ معلوم ہو کہ ہر دو گوں کا پس شفا بخشتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھیں تھیں۔ تو امید ہے کہ ہر دو گوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آئیں۔

مشکوٰۃ باب غسل میت میں مہدی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب ہم سب بخت رسول طیبہ اسلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم ﷺ کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے پناہ بند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت دعائے میں ہے۔

هذا الحديث اصل فی الشریک ما قال الضحیح و لباسہم کما یقعہ بعض فریدی المشائخ من لیس فی القبر

"یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور کئے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔" اسی حدیث کے ماتحت اصفہا المصنفات شریف میں ہے "ذریعہ چاہتا ہے کہ استیساں صلی علیہ وسلم و امارا یش بعد از موت قبر میں بھی برکت پینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے قادیانی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الانبیاء میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے حوالے میں فرماتے ہیں۔" پس وقت رحلت قریب تر آمد فرمود کہ بعض ایات و کلمات کہ مناسب معنی علو و اشد اور کلمات جو کہ علو و بخش کے مناسب ہوں کسی کا فہم پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا شاہ عہد العزیز قدس سرہ اپنے قادیانی میں فرماتے ہیں "شجرہ در قبر کہا دن معمول بزرگان است لیکن اس را دو طریق مست و یکہ بر چند مردہ درون کفن یا دان کفن گذرند برین طریق راقبہ و منع سے کلمہ و طریق دوم یہی است کہ جات سر مردہ اندرون قبر چالچہ گو رہند دوران کا فہم شجرہ را بند۔" "قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریق ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا پیچھے رکھیں اس کو فہم منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں چالچہ یا شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل میت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عہد اللہ ابن ابی قحزہ پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا چکا تھا۔ اس کو اٹھوا۔ اس پر پناہ دے دیں۔ اور اپنی تھیں مبارک اس کو پہنائیں۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب من اعد لنفسہ میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہجد شریف پڑھتے ہوئے جابر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہجد شریف حضور علیہ السلام سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہجد کی ضرورت تھی اور سائل کو رکھنا عادت کریم نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا۔

و لله ما سئلہ لالیسھا انما مسئلہ لتکون کفنی قال سهل فکانت کفہ

"تو کئی قسم میں سے پہننے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس سے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سائل فرماتے ہیں کہ وہی سکا کفن ہوا۔"

ابو نعیم نے معروۃ الصغیر میں درویشی نے مسند انفراد میں بعد حسن عبد اللہ بن عباس سے روایت کی کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت سعد کو حضور علیہ السلام نے اپنی تھیں میں کفن دیا اور کچھ دیر اس کی قبر میں خود بیٹھے پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں سے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

اتی البسنتھ لتنس من ثواب الجنة و اصطحفت معها فی قبرہا لا تحفف علیہا صفیة القبر

"تھیں تو اس لئے پہنائیں کہ ان کو جنت کا ثواب ملے اور کئی قبر میں آرام اس لئے فرمایا کہ اس سے بچی قبر دور ہو۔"

ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب فی معروۃ اصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عانت فرمایا تھا وہ میں نے ہی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس تھیں پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وَحَدَّثَكَ الشَّعْرُ وَالْأَطْفَارُ لِأَجْعَلَهُ فِي قَمِيٍّ وَعَلَى عَيْسَى وَمَوَاصِعِ الشُّجُوْدِ مَسَى

"اور ان مبارک ہاں اور ناخنوں کو سو۔ اور ٹھوکرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء مجھ پر رکھ دینا۔"

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبد الرحمن روای سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا صیبت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا پتلا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ دیگر حوائج بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منکوحہ ہو تو لحرف اُمن مصنف اہل حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

صیبت کی پیشانی یا کھن پر عہد نامہ یا کھن عیدہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جائے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نو اور اصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ كَتَبَ هَذَا الدُّعَاءَ وَجَعَلَهُ بَيْنَ صَدْرِ الْمَيِّتِ وَكَفِّهِ فِي رُقْعَةٍ لَمْ يَسُدَّ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا يَرَى مُنْكَرًا وَنَكِيرًا

"جو شخص اس دعا کو لکھتا اور صیبت کے پیچے اور کھن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔"

تھاوی کبریٰ المصنوع میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

أَنَّ هَذَا الدُّعَاءَ لَهُ أَصْلٌ وَهُوَ الْفَقِيهُ ابْنُ عَجِيلٍ كَانَ يَأْمُرُهُ ثُمَّ أَقْبَى بِحَوَارِ كِتَابَتِهِ قِيَابَ عَلَى كِتَابَةِ اللَّهِ فِي نَعْمِ الزُّكُوفِ.

"اس دعا کی اصل ہے اور فقید ابن عجل اس کا حکم دیتے تھے اور انکے لکھنے کے جو رکاوٹ تھی دیتے تھے اس قیاس پر کہ رکوع کے انہوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔"

وہ فرمایا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

اعرف اُس میں ترمذی سے نقل کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتے سے ہر لگا کر قیمت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ فرشتہ ساتھ رکھتا کہ گے گا کہ عہد لے لے کہاں ہیں؟ یا کوئی عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ وَعَسَى طَائِفٌ مِنْهُمْ يَهْدُوا الْكُمَيْتَ فَكُتِبَ فِي كَفِّهِ (لحرف اُمن) حضرت طاہر اس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجہ نام کروری کتاب استسنان میں ہے۔

ذَكَرَ الْإِمَامُ الضَّفَّارُ لَوْ كَتَبَ عَلَى حِفْهِ الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفِّهِ عَهْدًا مَعَهُ يُرَحِّى أَنْ يُغْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمَيِّتِ وَيُجْعَلَ مَأْمَنَ عَذَابِ الْقَبْرِ

"امام صفار نے فرمایا کہ اگر صیبت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ عہد صیبت کی بخشش فرمادے اور عذاب قبر سے امن دے۔"

در مختار جلد اول باب الشہید سے کچھ نقل ہے۔

كُتِبَ عَلَى حَبَّةِ الْمَيِّتِ أَوْ عِمَامَتِهِ أَوْ كَفِّهِ عَهْدًا مَعَهُ يُرَحِّى أَنْ يُغْفَرَ اللَّهُ لِلْمَيِّتِ

"صیبت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے۔"

در مختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے صیبت کی تہی کر اس کے سینہ یا پیشانی پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھ دی جاوے۔ چنانچہ یہ ای کیا گیا۔ کسی نے جواب میں دیکھا تو چونچ کر کیا گذری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ عذاب الہی سے بچا گیا۔ تھاوی نیز ازہب میں کتاب البیانات سے کچھ نقل ہے۔

اذْكَرَ الْإِمَامُ الضَّفَّارُ لَوْ كَتَبَ عَلَى حِفْهِ الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفِّهِ عَهْدًا مَعَهُ يُرَحِّى أَنْ يُغْفَرَ اللَّهُ تَعَالَى لِلْمَيِّتِ وَيُجْعَلَ مَأْمَنَ عَذَابِ الْقَبْرِ فَإِنَّ نَصِيرَهُ رُوِيَهُ فِي تَجْوِيزِ ذَلِكَ وَقَدْ رَوَى أَنَّهُ

كَانَ مَكْتُوبًا عَلَى أَهْلَادِهِ اسْمُ فِي أَصْطِلَ الْفَارُوقِ خُصَّ فِي سَلِّ لِلَّهِ



"گمیرت کی یہ پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔ اور مروی ہے کہ فاروق کے مصلح کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ جس فی سبیل اللہ ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیر جوش کی جاسکتی ہیں مگر اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لئے احرف الحسن یا فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔"

قتل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر بزرگھاس و پھوس کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچی جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب تکبیرین یاد دے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لقنو موتکمہ میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے اس لئے کہ لندراویوں کے نام کی بدعت سے مصیبت نشتی ہے۔ مل ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ٹھہرایا ہوا دل قرار پا تا ہے۔ رب مرنا تا ہے۔ الا بدکر لبه تطمن

انقبوب اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔ تفسیر نمشا پوری درون البیان سورہ کہف آیات ما یعلم لا قبیل اور تفسیر صادی شریف میں اسی آیت کے تحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جلد کام آیت میں لگی ہوئی حیرت انگیز کرنا۔ جنگ کے وقت۔ بھاگنے وقت۔ "گے بھانے کے لئے یک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچے رونے کے وقت لکھ کر گوارے میں بچے کے سر کے نیچے رکھ دیجے جاویں۔ اور نکلتی کے لئے گر کسی کاغذ پر لکھ کر کلتری میں لگا کر درمیں سکیت میں کمزی کر دی جاوے۔ اور بخار، درد سر کے لئے۔ حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدی رن پر لکھ کر ہاندھے۔ اب کی حفاظت کیسے نہ رہے۔ اور سوئے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔ (عارف المسخّر عن ابن مسعود) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یسلیما، یسعیلیما، مغلیطیا، مرغوش، ویدروش، شاذلوش، مرغوش (روح البیان سورہ کہف آیات ما یعلم لا قبیل)

حدیثیں بھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں لو قرأت هذه الاسماء علی معجون لبر، من خشفہ اگر پی بنا کر کسی دیوے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں آیا ہے ہر رنگین دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے ام کے دھپے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو اس بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔ اور بعد موت بیکار ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا ضرور اس سے فائدہ ہوگا۔ لہذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

## دوسرا باب

### کفنی لکھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض ۱ : وہی پرانا سبق کہ کفنی (الہی) نکلتا بدعت ہے لہذا حرام ہے۔

**جواب :-** nری گزشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو nری بدعت کی تحقیق۔

کفنی و تلقین سمجھنا خط ہے کیونکہ اگر مردواں پڑھ ہے تو سورت کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

**جواب** بعد موت ہر شخص تحریر نہ کر سکتا ہے۔ جہاں اس کا مسمی ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل حسرت کی زہانت عربی ہے (دیکھو شاہی کتاب انکس بیت) حالانکہ بہت سے غنی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی کچھ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ نے عیاشق کو دن عربی ہی میں سب سے عہد و بیان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خوب بخود جاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ محال لکھے ہوئے دینے چائیں گے۔ اور جاہل و عام سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہذا تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض ۳ علامہ شاہی نے شامی جلد اول میں باب التہجد کے کچھ عمرہ قبل تہجد پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیز میں اس کو منع فرمایا کیوں کہ جب میت چھوئے پھینگی تو اس کے پیچ و خون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور اس کی یہ ادائیگی ہوگی لہذا یہ ناجائز ہے۔ (محققین جامعہ طبریہ سے سوال کرتے ہیں)

**جواب** ناس کے چند جوابات ہیں اول تو یہ کہ دیہل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر نہ رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہو کہ روایتی یا معنی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگی سے میت کی چٹائی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طلاق میں رکھ دیا تو

جائزہ اس میں حروف کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

بعض نقل عن بعض المتأمنين عن فوائد لشرف حتى ان مثاليكث عني حبه لمتب بعير مداد بالاصح المنسوبة  
بسم الله الرحمن الرحيم وعلى الفضل لا نه لا الله محمد رسول الله وذلك بعد اغسل قبل التكهيم  
”بعض محققین نے فوائد الشرفی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنی لکھ دیا جاوے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم در سینے پر لکھ دیا جاوے  
لا اله الا الله محمد رسول الله“ اور یہ تحریر غسل کے بعد کھل دینے سے پہلے ہو۔“

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بن ربیع سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر جہاد کے جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا، تو کیا حراف کے حکم مقابل شافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ بن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھوٹی پھنٹیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مرد کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ چوتھے یہ کہ ہم سے پہلے باب میں صحابہ کرام کے انھوں نقل کئے کہ انھوں نے اپنے کفوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہیذ شریف اپنے تحت جگر تہہ بہت رسول اللہ ﷺ کے کفن میں رکھوایا۔ حضرت عذرا دوس سے اپنے کفن پر دعا یہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیے کیا یہاں خون وہیپ میں تسخیرے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم یہ تھیں چھپنے یہ کہ مسند شری یہ کہ تبرک چیزوں کا نجاست میں ذالنا حرم ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ مردوتا رکھے تو صرف حمال ٹوٹ سے وہ تاجز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آپ رحمہاہات تبرک پائی ہے اس سے احتیاج کرنا حرام ہے مگر اس کا پتہ تاجز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر چٹا باج۔ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جی خورد و مبارک کھانا چٹا جازز حدال۔ حالانکہ یہ جہت میں کافی کر مشاندہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پسے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطل کے گھوڑوں کی رلوں پر لکھا تھا۔ جس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں لکھنے میں پیشاب کی جھمکنیں پڑنے کا احتیاق ہی ہے گھوڑے جس زمین پر بھی گئے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے، ہم نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو بجز زفر فرماتے ہیں۔ رہا شیخ بن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر انبیا کے لئے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیوں کہ کسی مقصد کیلئے جو حرف تو وہی نیت کے لفظ سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرض کہ یہ اعتراض محض سو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور قوس احمد کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قوس یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کر دے اور اودنہ ٹٹے گی۔ ساقیوں یہ کہ عہد کے قول سے احتیاج بجا جاز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل حاس کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو اس اقوال میں قول احتیاج قائل لہول ہے نہ کہ یہ قول کراہیت کیوں کہ بلا دلیل ہے۔

**اعتراض ۴:** جہاد نامہ یا فقہر قبر میں رکھنا صرف ہے کیونکہ وہاں رو کر کسی کے کام تو آوے گا نہیں برباد ہو جاوے گا اور اسراف حرم ہے۔

**جواب:** چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدہ ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بیکار نہیں تو صرف بھی نہیں۔

**اعتراض ۵:** حضور علیہ السلام نے عبد اللہ بن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں پٹا لٹایا وہ بن ڈاکر سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز یہ کہ حضور کو طہریب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو پٹا لٹایا دیکھ دیکھ نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے جزائے بدن دور رخ میں جاسکتے ہیں۔ کیوں کہ عبد اللہ ابن ابی منافق دو زنی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا عذاب۔ لہذا عذاب بھی وہاں ہی پہنچا۔ **جواب:** اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیوں کہ حضور علیہ السلام سے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ وہاں یہ معلوم ہو کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم ہی کو ضروری ہے۔ جب کہ بن حجر و قائل پیداوار میں کو پہنچا ستا ہے تو نبی امیر کی زمین یعنی انسانی اہوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دینے ایک تو اس کا بیٹا تھیں مومن تھا جس کی وجوہی دستور تھی، دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔ تیسرے اپنے رحمت عام ہونے کا کھیرا کہ تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمائے کو تیار ہیں کوئی فیض ملے پائے۔ باد بن برز میں پر دستا ہے مگر نای و میرہ گندی رسلین اس سے فائدہ نہیں ملتی۔ ہی کے جزائے بدن اسی حالت میں رو کر دور رخ میں جاسکتے۔ حالانکہ نے وہ عذاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنعان بن نوح کا دور رخ میں جانا شکل اسلی میں ہے یعنی وہ تلف جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے قصد کا خون یا تو قرمیا کہ تم پر اتقل دور رخ حرام ہے۔

## بحث بلند آواز سے ذکر کرنا

مجاہد وغیرہ میں ناکادہ ہے کہ بعد نماز فجر و عشاء بلند آواز میں درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ کہ ذکر یا نحر بدعت ہے اصول فقہ کے خلاف ہے۔ اس سے نماری لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ حرام ہے ذکر یا نحر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

## پہلا باب

### ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر یا نحر جائز ہے اور قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے **لَا تَذْكُرُوهُ كَدُكْرِكُمْ** کہ تم اللہ کو یاد نہ کرو گویا تم لوگ اللہ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ کفار کفر کے قارغ ہو کر محسوس میں پلٹاؤی خواہیاں اور نفسی غفلتیں بیاں کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور سبکی جگہ ذکر اللہ کر کے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ یا نحر ہی ہوگا۔ اسی لئے تفسیر بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاص کر جماعتوں کے لئے کے وقت۔ سب تہذیبی فرماتا ہے۔

وَذَا قُرْءَانَ فِي سَمْعُوا لَهُ وَاصْنُوا الْعَذْمَ تَرَحُّمُونَ (پارہ ۹ سورہ بقرہ ص ۲۰۴)

”جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔“

معلوم ہو کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر یا نحر ہی ناجائز نہ کہ ذکر نفی (تفسیر کبیر یہی ہے) منکھوۃ باب الذکر بعد اصلوۃ میں ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَوْرَةٍ يَقُولُ بِصَوْتِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

”حضور علیہ السلام جب پانی لڑ سے قارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ منکھوۃ میں اسی جگہ ہے۔“

عن ابن عباس قال سَمِعْتُ أَعْرَافَ الْفُقَهَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ

”مہد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اتمام معلوم کرتا تھا۔“

یعنی مہد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیحد حضرت کی بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھر کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی۔

لغات میں اسی حدیث کے ماقب ہے۔

ثُمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ لَمَّا حَضَرَ الْجَمَاعَةَ لِأَنَّهُ كَانَ صَغِيرًا مِمَّنْ لَا يَوَاطِفُ عَلَى ذَلِكَ

”حضرت ابن عباس بچے تھے اس لئے جماعت پابندی سے نہ آتے تھے۔“

مسلم جداول باب الذکر بعد اصلوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

أَنْ رَفَعَ الصَّوْتُ بِالذِّكْرِ حِينَ يُصْرَفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْنُونَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”یعنی نماز میں قارغ ہو کر بلند آواز سے ذکر نہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مروج تھا۔ منکھوۃ باب الذکر بعد اصلوۃ میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔“

فَإِنْ ذَكَرْتَنِي فِي نَفْسِكَ ذَكَرْتَنِي فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرْتَنِي فِي مَلَأَةٍ ذَلَرْتَنِي فِي مَلَأَةٍ حَبِيرٍ مِنْهُمْ

”جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے ہنسنے میں یاد کرتے ہیں اور جو جمع میں یاد کرے تو ہم بھی اس سے بہتر جمع میں یاد کرتے ہیں (یعنی جمع ملاک میں) جامع صغیر میں ہے۔“

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَفِزُوا فِي الْحَمَارَةِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جٹازہ میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ زیادہ کہو۔“



"مقتدین و متاخرین علماء اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے نکل کر یا مستحب ہے مگر یہ کہاں کے حجرے کی سونے والے یا نمری یا قاری کو پریشانی نہ ہو۔"

فَقُلْ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّ الْجَهْرَ أَفْضَلُ لَأَنَّهُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَعَمَلًا وَلِتَعْدَىٰ قَدْتَهُ إِلَى السَّمْعَيْنِ وَيُوقِطُ قَلْبَ الْغَافِلِينَ فَيُجْمَعُ هُمُ إِلَى الذِّكْرِ وَيَصْرِفُ سَمْعَهُ إِلَيْهِ وَيَنْظُرُ دَلُومَ وَيَذْبُذُ الشَّطَطَ

"بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے نہ کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے، ان کے خیالات اور ان کے کانوں کی لگرائی کی طرف کھینچتا، نیند کو ہٹاتا ہے خوش بڑھاتا ہے۔"

ورقار باب صلوٰۃ العیدین بحث کبیر تحریر میں ہے۔

وَلَا يَضَعُ لِعَامَّةٍ مِنَ التَّكْبِيرِ فِي الْأَيَّامِ الْعَشْرِ وَبِهِ مَحْذُومٌ

بقریمہ کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو ہزاروں میں نعرہ کبیر کہنے سے نہ روکا اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں ہزاروں میں نعرہ کبیر لگاتے ہوں گے یہ گرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس سے منع کرو۔ اسی حدیث کے تحت شامی میں ہے۔

قِيلَ لَا يَنْبَغِي حَبِيشَةً يَنْبَغِي لِأَهْلِ الْكُفَّةِ وَغَيْرِهَا أَنْ يَكْتَبُوا الْأَيَّامَ الْعَشْرَ فِي الْأَسْوَاقِ وَالْمَسْجِدِ قَالَ

الْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ تَضَعَ الْعَامَّةُ عِنْدَ لِقَائِهِمْ فِي الْحَبِيشِ وَبِهِ مَحْذُومٌ

فَاذْأَن فَعْلُهُ أَوَّلِي

"امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ ہفتہ ذی الحجہ میں ہزاروں اور مسجدوں میں کبیر کہیں فرمایا ہاں امام ابو جعفر قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ عوام کو اس کبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پیسے ہی سے کار خیر میں کمر بستہ رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہزاروں کی کبیریں مستحب ہیں۔

کتاب ان زکاء مصنف امام نووی کتاب اصول اہل ائمتہ میں ہے بِنْتَحَثُ لِقَارِي لِحَدِيثٍ وَغَيْرِهِ مِمَّنْ فِي مَعَادِ اذْ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالضَّوْءِ عَلَيْهِ وَالنَّسِيمِ بِهِ وَقَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ مِنْ سَنَةِ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ عَلَى أَنَّهُ يَنْتَحَثُ أَنْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ بِضَلَوِهِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّلْبِيَةِ

یعنی حدیث شریف پر جسے والوں وغیرہ کو چاہیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو بلند سے صلوٰۃ وسلام پڑھیں اور آواز بلند نہ کرنا کہ تلبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جا سکتی ہیں مگر انھیں راہی پر کفایت کی جاتی ہے۔ بھ اللہ تعالیٰ غافضیں کے پیشو مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں جلد سوم کتاب الخطر والہ ص ۱۰۴ میں ایک سوال و جواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر باجمہ اور دعا باجمہ اور درود باجمہ خفیف ہوا شدیدہ جائز ہے یا نہیں؟ الجواب ذکر باجمہ خواہ کوئی ذکر ہو نام یوحید کے علاوہ ایک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہنم سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صالحین و دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے۔

والسلام ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ رشید احمد

مصرع مدنی لاکھ پہ بھار ہے گوئی تیری

اب تو کسی دیو بندی وہابی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز دکر سے روکے کیونکہ اس کے بارگاہت جوار پر جہنمی ہو چکی ہے۔

حقل بھی جاتی ہے کہ ذکر باجمہ جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لیے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لئے سرزمین میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت لیئے جاتا۔ دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مکتوۃ دیمیرہ) اور ذکر باجمہ میں بقدر بدعتی کے مشقت زیادہ ہے بلکہ زیادہ افضل ہے۔ دوسرے اس لیے کہ مکتوۃ کتاب الاذان میں ہے کہ جہاں تک موسیقی کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت، پتے، گھاس، جن و انس قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر باجمہ کا فائدہ ذکر کو بھی کہ کلمہ غیرہ کی مشرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی جن کر ذکر کریں۔



اگر نہ بھی کریں تو بھی منشا ثواب ہے اور لازم سے تھری اچھا۔ چوتھے اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا جس سے معصوم ہو، اگر دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس سے ذکر یا بآخر میں شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اصل کے ذکر یا بآخر سے نیند اور کسل و سستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آ جاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریا کری کے لئے نہ اگر ریا کیلئے ہے تو ریا کی نیت سے مرقد کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرت نقشبندیہ قدس سرہ اہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں۔

دس میں ہو ریا دہی گوشت خجائی ہو

باقی سدا سئل کے دلیہ ذکر یا بآخر میں مشغول رہتے ہیں اس کا اس پر عمل ہے۔

سار عام ہو مگر دیر و دیر دیکھتے نہیں

انجمن گرم ہو اور مدت تنہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرے ہیں اور باقی حضرت جلوت میں جلوت مگر اللہ تعالیٰ ان سب سے محبت کا وعدہ فرمایا مگر ان کا یہ اختلاف علت و حرمت میں نہیں۔ پتا چلتا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی والے جس روالوں کو طعن کریں نہ جہر والے خفی والوں کو یہ ساری گفتگو ان دو بندہوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر خفی حرمت رکھتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرماں کے قربان کہ نہ ایں کا مکمل و نہ ایں کا مکمل رضی اللہ عنہما جنہیں۔

## دوسرا باب

### ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی۔ ہم دونوں نقلی اعتراضات میں مع جواب عرض کرتے ہیں۔

**اعتراض ۱** "وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ذٰلِكَ الْحَمْدُ مِنَ الْقَوْنِ بِالْعَدْوِ وَالْاَصْلِ"  
 "پنے رب کو اپنے دہ میں یاد کر راری اور ارے اور بغیر" دار لکھتے ہیں "و شام۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی دل ہی میں چاہئے ہند تو اسے منع ہے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں۔ دہا یہ کہ اس آیت میں ذکر یا بآخر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نمازوں میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا اتمیت وغیرہ دہ میں پڑھے یا مقرر ضرورت سے زیادہ آواز نہ لگائے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

**فَمَنْ أَمَّ فِي صَلَوةِ الْحَمْدِ يَسْمَعُ لَهُ أَنْ لَا يَحْمِلُ حَمْلًا شَدِيدًا بَلْ يَقْتَصِرُ عَلَى قَلْبِهِ يَسْمَعُهُ**  
**حَمْلُهُ قَلْبُ فِي الْكُتْمِ لَا يَحْمِلُ لَوْ أَنَّ حَاجَةَ النَّاسِ وَالْأَفْهَمُ نَفْسِي**  
 "جو شخص جہری نماز میں مات کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پکارت کرے کہ پیچھے لے اس میں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ تمہارا ہوگا۔"

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ **وَالْمُرَادُ مِنْهُ أَنْ يَقَعْ ذَلِكَ الذِّكْرُ حَيْثُ يَكُونُ مَتَوَسِّطًا بَيْنَ الْحَمْدِ وَالتَّحَاذُّفِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ تَعَالَى وَلَا تَحْمِلُ وَلَا تَحْمِلُ** یعنی مراد یہ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر نہ چاہئے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

**قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَسْمَعُ بِالذِّكْرِ الْقُرْآنَ فِي الصَّلَاةِ بِيَدِهِ أَفْرَأَ فِي نَفْسِكَ**

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ دل میں قرأت کرنا جو قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

**وَلَا تَحْمِلُ بِلَوْ تَحْمِلُ بِهِ وَابْنُ نَبِي ذَلِكَ سَبِيلًا**

"دراپنی نماز بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ احمود۔"

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر کھنص قوی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی مشاغل ہو کہ نیک بغیر ذکر بیکار ہے عار میں اسی آیت کے ماتحت ہے **وَقُلِ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِي النَّفْسِ أَنْ**

يُسْتَحْصَرُ فِي قُبَّةِ عِظْمَةِ الْمَدْكُورِ حُلَّ حَلَالِهِ اِذَا كَانَ الدُّكْرُ بِالْمَسِّ عَارِيًا عَنْ دُكْرِ لُغْبٍ كَانَ عَدِيمِ الْفَائِدَةِ لِأَنَّ فَائِدَةَ الدُّكْرِ حَضُورُ الْقَلْبِ وَاسْتِشْعَارُهُ عِظْمَةَ الْمَدْكُورِ حَلًّا جَلَالًا۔ کہا گیا ہے کہوں میں ذکر کرے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو یعنی جبکہ نہائی، کرکلی و کر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ قبول کا مضمر کرنا اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل میں ۔ ہے۔

یاں کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر کفری ذکر باجمہ سے بہتر یعنی یہ امر احتمالی ہے اور احتیاب بھی ہر وقت در ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ **وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ** تو دونوں آیتوں کے مدنے سے معلوم ہو کہ ذکر کفری بھی باجمہ چاہیے اور کبھی آہستہ جب باجمہ ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو اگر جہر میں خوف رہا ہے تو سکوت بہتر۔ در گھر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب پیر رہو۔ اور سونے والے جاگ جاویں و حرام چیزیں قیامت کے دن داکر کے اچاس کی گواہی دیں تو جہر بہت ہے۔ روح ابیاں میں ہی آیت کے ماتحت ہے۔

**وَذُكْرُ رَبِّكَ فِي مَفْصَلٍ وَهُوَ الذُّكْرُ بِتَكْلَافِ الْفَصْلِ فَإِنْ لَمْ يَخْلُ فِي الْأَحْصَاءِ وَالْقُرْبِ مِنَ الْأَحْيَاءِ وَهَذَا الذُّكْرُ يُعْمَلُ الْأَذْكَارُ كُنْهًا مِنَ الْقُرْءِ وَالْدُّعَاءِ وَغَيْرِهَا**

”اس سے مراد ہے ذکر کفری کیونکہ تھکا کا اطلاق میں زیادہ دل ہے اور یہ قولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام داکروں اور قرأت اور دعاؤں کو شامل ہے۔“  
روح ابیاں میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ **بِأَنَّ الْأَحْصَاءَ الْمَصْلُ حَيْثُ حَافِ لَزِيْزَةٍ أَوْ بِدَى الْمَفْصُولِ وَالنَّاسُ وَالْجَهْرُ الْمَصْلُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ لِعَمَلٍ فِيهِ كَثْرٌ وَلِأَنَّ فَائِدَتَهُ تَعْدَى لِي الْمَعْنَى وَلِأَنَّهُ يَوْفَقُ قُبَّ الدُّكْرِ وَيُفْصَحُ هَهُ** وَيُضَرِّفُ سَفْعَهُ الْه

”آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہہ دیا کا خوف ہو یا غمزہ یا سونے والوں کو بڑا ہو اور اس کے علاوہ دیگر مقامات میں ذکر باجمہ افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور اسے کہہ داکر کے دل کو پیرا کرتا ہے نہایت کو جمع کرتا ہے اور ذاکر کی طرف کانوں کا توجہ کرتا ہے۔

**اصطلاح ۲** **وَإِذَا دَعَا رَبُّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يَحِثُّ الْمُفْتَخِرِينَ**

”چہ رب سے گڑبگڑا کر اور آہستہ دعا کر دیکھ کہ حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ تضرع والے سے ذکر خدا کا پسند ہے۔

**جواب** اس کے بھی چند جو بات ہیں اول تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ بزرگ الہی کا اور واقعی دعا خیر ہی کرنا افضل ہے تاکہ خلاص نام ہو۔ تفسیر روح ابیاں میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ی مَفْصَلٌ عَيْنٌ مُنْقَطِعَةٌ مَفْصِلٌ الدُّعَاءُ لِيَكُونَ الْقُرْبُ لِي أَحَادَةِ يَكُونُ لِعَدَاءٍ دَلِيلٌ أَحْلَاصٍ وَالْإِخْتِرَارِ عَنْ رِيَاءٍ ”یعنی رومی اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خیر کرتے ہوئے دعا کرنا کہ قولیت سے قریب ہو کیونکہ چپکے سے دعا کرنا احصاء کی دریا سے دور ہو تکی دلیل ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیر دعا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔“

**تفسیر حصار** یہ ہی آیت **وَقِيلَ الْمُرَادُ بِهِ حَقِيقَةُ الدُّعَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ هُوَ السُّؤَالُ وَالطَّلَبُ وَهُوَ نَوْعٌ مِنَ الْعِبَادَةِ**

**تفسیر خازن** اسی آیت کے ماتحت ہے **وَالْأَرْبَ فِي الدُّعَاءِ أَنْ يَكُونَ حَقِيقًا بِهَذِهِ الْآيَةِ قُلْ الْحَسَنُ دُعَاؤُ الشَّرِّ وَدُعَاؤُ الْعَالَمِيَّةِ سَفْعُونَ صَفْعًا**

”دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خیر ہو اسی آیت کی وجہ سے حسن نے فرمایا کہ خیر ایک دعا اور عداوت دعا نہیں برابر ہیں۔“

یامر دے کہ بعض حالات میں ذکر کفری خیر طور پر بہتر ہے یعنی احوال سے مراد ہر ذکر کفری ہے اور یہ امر احتمالی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔



فِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَهْرِ لِيَتَسَيَّرَ وَالْأَفَاقُ لَا يَكُونُ الْجَهْرُ غَيْرَ مَشْرُوعٍ

"اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت آسانی کیلئے ہے نہ اسلئے کہ جہر منع ہے نہ اسلئے کہ جہر منع ہے۔"

الحمد للہ ہمیں اسی حدیث کے تحت ہدیں اشارت است کہ منع اور جہر برائے آسانی و آسانی است نہ از جهت نامشروعیت ذکر بالجہر حق آیت ذکر جہر مشروع است ہے سہرہ رمضان میں رور سالہ اس اثبات نمودیم۔ اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت رئی اور آسانی کیلئے ہے نہ اسلئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لکن کسی وجہ سے اور ہم نے اس کا ثبوت رسماً اور ادماً دیا ہے۔

عنوان ۵ ہدایہ مجدد در فصلی تکمیل تشریح میں ہے۔

وَأَحَدُ بَقُولِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَحَدًا بِالْأَفَلِ لَانَ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيرِ مَذْعَةٌ

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول یا تم کو ایسے کیلئے کہ تکذبات ذرا سے تکمیل کہنا بدعت ہے۔ اور بدعت میں کمی بہت ہے ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نوایں دی گئی ہیں جہر سے دوسری کی صورت ہر نماز فرض کے تکمیل تشریح کہنا چاہئے۔ اور صاحبین کے نزدیک نوایں کی جہر سے دوسری کی صورت امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکمیل بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر۔ اس لئے صرف دو دن تکمیل کو۔ جس سے معلوم ہو کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدایہ میں اسی فصل تکمیل تشریح میں ہے۔

وَلَا النَّ الْجَهْرُ بِالتَّكْبِيرِ حِلَافُ السُّنَّةِ وَاسْتِشْرَاعُ وَرَدِهِ عَنِ اَوْسَمَاعٍ هَذِهِ لَشُرَاطُ

"اور اس لئے کہ تکمیل بالجہر خلاف سنت ہے۔ اور اس کا حکم اس شرط کے متبع ہونے کی صورت میں ہے۔"

جواب امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف میں تکمیل تشریح کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوہ کہ ہزاروں میں غزوہ کی اجازت دی۔ کیسے اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوات سعیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَلِحِلَافٍ فِي الْأَصْلِيَّةِ أَمَّا لِكِرَاهَةِ فَتَضَمُّنُهُ عَنِ الضَّرْفِ

"یعنی خلاف محض الضمیت میں ہے۔ لکن کریمت وہ کسی طرف نہیں ہے۔"

اسی شامی میں اسی جگہ ہے التَّكْبِيرُ بِالْجَهْرِ فِي عَيْرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ لَا يَسُنُّ إِلَّا مَرَّةً أَلْعَدُوَّ أَوْ لِنُصُوصٍ وَقَسَ

عَنْهُ بَعْضُهُمْ لِحَرْقٍ وَ الْمَخَافِ كُلُّهَا رَادٌّ فَهَسْتَأْنِي أَوْ عَلَا شَرْقًا

"یام تشریق کے عدا اور دلوں میں امرہ تکمیل منع نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور قیاس خوفناک چیزوں کو اور لڑائی نے زیادہ کیا ہے کہ ہندی پر چڑھنے کے وقت۔"

درمقدار باب سعیدین میں ہے وَهَذَا لِلْحَوَاصِ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَفْعَلُونَ عَنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنْهَلٍ أَضْلًا

"یہ احکام خواص کیلئے ہیں عام کو تو تکمیل سے روکنا نفل ہے۔"

شامی میں اسی بحث میں ہے لَا فِي الْيُسْبِ اِي لَا يَسُنُّ وَالْأَفَلُ ذَكَرَ مَشْرُوعٌ غرض کہ ثابت ہو کہ ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں ہے نہ کہ جائز ہونے میں۔ نیز تکمیل تشریح میں یہ قوی صاحبین کے قول پر ہے۔ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔ اور اگر ان آیات و احادیث کی یہ توجہ نہیں نہ کی جاوے تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے اذان۔ بقرعید کے موقعہ پر تکمیل تشریح حج میں تلبیہ، محسوس کے موقعوں پر سحرہ تکمیل اور ملاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احادیث جہر سے قرآنی آیت میں قید لگانا جائز نہیں لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ اس موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آگیا لہذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

عَنْ فَتَاوَى الْقَاضِي أَنَّهُ حَرَامٌ لِمَا حُجَّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّهُ إِخْرَاجُ جَمَاعَةٍ عَنِ الْمَسْجِدِ يُهْتَنُونَ وَيُصْنُونَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجْرًا وَقَالَ لَهُمْ فَأَرَأَيْتُمْ لَأَنْ تَبْنُوا غِيَاثِي جَلَدًا  
 "قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ حرام ہے، اگر کراہم ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود صحیح روایت کیا تھا ثابت ہو چکا کہ انہیں سے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی بیٹے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرہاد میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔"

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ ال کر درود اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود نے ان واکریں اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا انہوں نے آج ذکر یا نعرہ نہ کرے والوں کو دہائی کہا جاتا ہے۔ یہ ہے انقلاب بدعتیادیں کھنکھایا اور کفر ایمان (راہِ مستقیم)۔  
**جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے درجہ کے مرتکب کیوں کہ تمہارے دینی بیای جیسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ کبیر اور فلاں صاحب زندہ باد۔ دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ تم نہ ہاتھ نہ پاؤں نہ لگاتے ہو نہ انہیں روکنے ہو کیا مسجدوں میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے، ہاں تمہارے جیسے نعرے سب جائز۔

**جواب** تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ ہزارہیہ اور فتاویٰ شامی نے دیا ہے، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر پوری عبادت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبادت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَحَنِئٌ كَمَا فِي آدَمَ وَالْخُطْبَةِ وَالْخُفْمَةِ وَالْحُجَّ وَقَدْ خُزِرَتْ لِمُسْنَدِ فِي الْحَبَرِيَّةِ وَخُمِلَ مَا فِي فَتَاوَى الْقَاضِي عَنِ حَبَرِ الْمَضَرِّ  
 "بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ ان خطبہ جماعت میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ فتاویٰ حیر میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاویٰ قاضی میں ہے اس سے مراد نقصان دہ حیر ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود نے ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اذان کے وقت جبکہ لوگ نہ زجاعت سے اذکر رہے تھے۔ یہ ذکر یا نعرہ کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا کوئی اور دینی ضرورت تھا۔ غلام یہ کہ نقصان دہ جموع ہے۔ اب ذرا فتاویٰ ہزارہیہ کو بھی دیکھو اسی حدیث ابن مسعود کا نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاویٰ میں تو یہ ہے کہ ذکر یا نعرہ سے کسی کو نہ روکو اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تاکہ اسی آیت کے خلاف نہ ہو جو ہے من اطمع من مع معاصدا، اللہ نُبذکر الخ حضرت ابن مسعود کا یہ عمل تمہارے فتاویٰ کے خلاف ہے جس کے جواب میں عبادت فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بھی ہے۔

الْإِخْرَاجُ عَنِ الْمَسْجِدِ بِخَوْزٍ أَنْ يَكُونَ لِإِعْتِقَادِهِ الْعِبَادَةِ فِيهِ وَيَعْلَمُ النَّاسُ بِأَنَّهُ بِلُغَةٍ وَالْفَعْلُ جَائِزٌ وَلِحَاجَتِهِ يَخَوْزُ أَنْ يَكُونَ غَيْرَ حَنِئٍ لِعَرْضِهِ بِلُحْفِهِ  
 "آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لئے کہ اس لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہرگی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ پتا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جائز کام کسی کی عارضی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔"

اسی فتاویٰ میں اسی جگہ ہے۔ وَأَمَّا رَفْعُ صَوْتٍ بِالذِّكْرِ فَحَنِئٌ كَمَا فِي آدَمَ وَالْخُطْبَةِ وَالْحُجَّ خَالِفِينَ کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً تو یہ کہ حد اقرب ہے پھر در سے چھٹا کیوں؟ جواب اذان وغیرہ در سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ حدیث سے ثابت نہیں لہذا ناجائز ہے۔ جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ وہ اعتقاد میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب کتاب شان حبیب الرحمن میں ملاحظہ کرو۔ تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نماز پورا کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے ہیں۔ لہذا ناجائز ہے۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر یا نعرہ یا نکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہو کہ کسی نماز کی کو اس سے تکلیف ہو تو منع درود ناجائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ جب جائز ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ یہاں وجہ میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ وقت کر کے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے۔ اور اس وقت سب لوگ نماز



سے قارح ہو چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے پڑھنے سے جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء جمع کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء و اپنی جگہ ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقرعید کے زمانے میں جماعت قرآن کے بعد فوراً ہی سب لوگ ہا آواز بلند میں ہارنگسیر تشریف لے جاتے ہیں۔ کیسے ان ذکروں سے نمازی کا دھیان بٹتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر ہارنگسیر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہو گئے ہوں کوئی شخص تارک اجتماع بعد میں آیا تو اپنی نماز کے خیمے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اے نمازیو! اے قرآن یاد کرنے والو! و اہل قلوب سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرق ہیں۔ مثلاً مغلطہ میں صرف جماعت اولیٰ کیسے طواف بند ہوگا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤں کا استغفار شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنا نہیں دیتی۔ کیسے وہاں اس ذکر ہارنگسیر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں کے قتل کی وجہ سے طواف بند کرنا ہوگا۔

# بحث اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ پڑھیں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لئے کچھ عرصہ پہلے بکے اور مرنے وغیرہ پاتے ہیں۔ اور ان کو فریہ کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پڑھاں کو **بِسْمِ اللّٰہ** پڑھ کر کے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور خضراء و صلا کو کھاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی میت سے ہالا کیا گیا ہے۔ اس لئے کہہ دیتے ہیں۔ مینار ہوئی گا بکرا یہ ٹوٹ پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ وید کا جانور مگر مخالفین اس کام کو حرام اس گوشت کو مردار۔ اور قائل کو مرتد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

## پہلا باب

### اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حدس جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حدس جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ یہی طرح کرم مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو حرام ہے خیال رہے کہ اس طلت و حرمت میں ذبح کرنا عیسائی کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبح کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کر دیا حدس ہے۔ اسی طرح دسھ کے وقت نام پینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے رنگ کی مٹی جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح اللہ کے نام پر ہوا حلال ہے درتذکی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام پینا یہ مردار ہی مردار ہی تو قرآن نے فرمایا۔ **وَمَا أَهْلُہٗ لَہٗ لَعَبْرَ اللّٰہ** وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا یہاں پکارنے سے مراد وقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

ای رُفِعَ الصُّوْتُ لَعَبْرَ اللّٰہ بِہٖ کَقَوْلِہُمْ بِاسْمِ اَللّٰہِ وَالْعَرَبِیُّ عِنْدَ دَسْحِہٖ  
یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اَللّٰہُ وَاٰوٰی

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے تحت ہے۔ **بِاسْمِ دَسْحِ عَمْرِ** اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

یَعْنٰی مَا ذَكَرَ عَلٰی دَسْحِہٖ غَيْرُ اسْمِ اللّٰہِ وَذَلِکَ اِنْ لَعَبْرَہٗ فِی الْحَدِیثِہٖ کَاَنُوْا یَذْکُرُوْنَ سَمَاءَ اَصْصَامِہُمْ عِنْدَ الذَّبْحِ فَحَرَمَ اللّٰہُ ذَلِکَ بِہِذِہٖ اَلَا مَہٗ وَفَوْلَہٗ وَلَا تَاکُلُوْا مِنْہٗ یَذْکُرُ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیہٗ  
یعنی وہ جانور حرام ہے۔ جس کے ذبح پر غیر اللہ کا نام پڑ گیا ہو۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام پینے تھے پس خدا تعالیٰ نے اس کو اس آیت سے اور آیت **وَلَا تَاکُلُوْا** سے حرم فرمایا۔

تفسیر کبیر یہی آیت **وَکُنُوْا یَقْرَءُوْنَ عِنْدَ الذَّبْحِ بِاسْمِ اَللّٰہِ وَالْعَرَبِیُّ عِنْدَ دَسْحِہٖ** اللہ تعالیٰ ذلک  
"اہل عرب ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اَللّٰہُ وَاٰوٰی اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا۔"  
تفسیر احمدی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

مَعَاذَہٗ ذَبْحَہٗ لَا اسْمَ غَیْرِ اللّٰہِ مِثْلُ اَللّٰہِ وَالْعَرَبِیُّ وَ سَمَاءَ اَلْاَنْبِیَآءِ

"آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ ہے جن کو کیئے ذبح کیا جاتا تھا۔"

تفسیر ربیع میں اسی کے تحت ہے۔ **اِنِّیْ ذَبْحَہٗ لِلْاَصْصَامِ فَذَكَرَ عَلَیہٗ غَیْرَ اسْمِ اللّٰہِ اِنِّیْ رُفِعَ بِہٖ الصُّوْتُ لِلصَّمِ**  
وَذَلِکَ قَوْلُ اَهْلِ الْجَاهِلِیَّةِ بِاسْمِ اَللّٰہِ وَالْعَرَبِیُّ

"یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کیئے ذبح کیا جاوے پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے یعنی اس پر بت کی آوارہ روی مٹی ہو۔ اور یہ جاہلیت و بتوں کا یہ کہنا تھا کہ اَللّٰہُ وَاٰوٰی۔"

تفسیر باب الاول میں اسی آیت کے تحت ہے۔ بَغْيٌ مَا ذُبَحَ نَاضِمًا وَالطَّوْعُ غَيْبٌ وَاضِلٌ الْإِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَدَبْكُ أَثْبَتِهِمْ كَانُوا يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِدُخْرِ الْهَيْبَةِ إِذَا دَبَحُوا  
تفسیر عبدالمجید دہلوی ہے۔ اِنِّی رَفَعُ بِهَ الصَّوْتُ عِنْدَ دَبْحِهِ لِنُصْمِ تَفْسِيرِ حَسَنٍ مِّنْ اِی آیت کے تحت ہے، دُخْرٌ اَدَارٌ بَرَاوَدٌ وَشَوْدٌ  
بِطَرِيقِ الْقَدَارِ بِرَأْسِ عَمْرِ خُذَا اِلِی رُفْعِ اَصْوَاتِ اِی۔ یعنی عام زبان یکھو۔ ان تمام تفاسیر سے معلوم ہو کہ اس آیت مَا اَهْلٌ بِهَ لَغَيْرِ اللّٰهِ سے  
مرد ہے، ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا۔ لہٰذا جانور کی زندگی میں کسی نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں۔  
تفسیر تاج محمدی میں اسی آیت وَمَا اَدُّ بِهَ لَغَيْرِ اللّٰهِ کے تحت ہے۔

وَمِنْ هَهُ غُفْرٍ غَمٌّ اِنَّ الْبَقْرَةَ الْمُنْذُورَةَ لِلْاَوَّلِیِّ، کَمَا هُوَ الرُّسْمُ فِی رِمَا حَلَالٍ، طَیْبٌ لِاَنَّهُ لَمْ یَذْکُرْ  
اِسْمُ غَیْرِ اللّٰهِ وَفَتْ الذَّبْحِ وَاِنَّ کَانُوا یُسْرُو بِهَ  
"اس سے معلوم ہو کہ جس گائے کی اولیاء کے لئے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے مذہب میں روئے ہے یہ طلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت  
غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا مگر چاہے اس گائے کی نذر مانتے ہیں۔"  
اس میں تو گہرا ہویں شریف کے بکرنے کا خاص فیصلہ فرمادیا نام لکھو اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ برک ہیں جو کہ عرب و  
عجم کے علماء کے استاد ہیں اور تمام دینی ہندی بھی نہ کھاتے ہیں۔ شامی باب اللہ بحث میں ہے۔

اغْنَمُ اِنَّ الْمُدَارَ عَلٰی الْفَضْلِ عِنْدَ اِبْدَاءِ الذَّبْحِ "جاننا چاہئے کہ حنفی و حرمت کا دارودہ رذبح کے وقت نذر کا ہے۔"  
صاف معلوم ہو کہ ذبح سے پہلے کی نذر یا نام بالکل مجہول نہیں۔ حاشیہ باب الذبح میں ہے۔

فَسَلِمَ "ذبح شدہ الْمُخَوَّسُ لِبَیْتِ مَارِہِ (او سکھ لا بہنہ تو کل لائنہ سنی اللہ تعالیٰ وینکرہ  
لِنُصْمِ کَدَافِی التَّارِ حَاصِبِ فَلَاحِ حَامِجِ الْفَتَاوِی  
"مسلمان نے بخوشی کی وہ بکری جو ن کے آئندہ کے لئے ذبح کی کہ ان جنس کیسے تھی۔ ذبح کی وہ طلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام پکارا ہے  
مگر یہ کام مسلمان کیسے کر رہا ہے۔ اس طرح تاریخ حاشیہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔"

دیکھئے جانور پانے و کافر ہے، روئے بھی کرتا یہ بت یا آگ کی عبادت کی نذر ہے، گویا مالک کا پالنا اور سکھ کر نادلوں کا سدگر چکر بوقت ذبح  
مسلمان نے ہم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہے۔ لہٰذا طلال ہے۔ کیسے کیا رہو ہیں یا میلاد کا بکر اس بت پرست کے بکرنے سے بھی گیا گدہ ہے؟ کہ وہ تو  
حلال مگر یہ حرم۔ الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیا رہو ہیں وغیرہ کا جانور طلال ہے اور یہ فصل با صحت ثواب۔

## دوسرا باب

### اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعراضات و جوابات

اعتراض ۱ اس آیت مَا اَهْلٌ بِهَ لَغَيْرِ اللّٰهِ میں کلمہ اَهْلٌ اہل سے مشتق ہے اور اہل ان کے معنی ملت میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً  
پکارنے کے ہیں۔ لہٰذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح وہ مرد رہے تو عوٹ پاک کا بکرا شیخ سدہ کی گائے اگرچہ  
حدا کے نام پر ذبح ہو حرام ہے۔

موت یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت فرما گئے۔

جواب اہل ان کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عرفی معنی میں بوقت ذبح پکارنا۔ اور یہ عرفی معنی ہی اس جگہ مراد ہیں۔ صوفیہ کے لغوی معنی تو  
ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنی میں نذر تو اَقِمْو الصَّلٰوۃ سے نذر فرض ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مال کے تحت ہے۔

الْاِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ هَدٍ مِّنْ الْاِهْلَالِ فِی اللُّغَةِ لَمْ یَبْنِ لِلْمَحْرَمِ

"نذر اہل کے معنی ہیں بلند آواز کرنا (پکارنا) یہ معنی لغوی ہیں مگر محرم کو بجا گیا الخ"

اسی طرح حاشیہ بیضاوی اللشہاب میں اسی آیت مائل کے تحت ہے۔

اِى رُفِعَ بِهِ الصَّوْتُ الْحَ هَذَا اَصْنَهْ ثُمَّ حُصَّ عِبَارَةُ عَمَّا دِيحَ لَعِبْرِ اَللهِ

”یقینی اسکو پکار گیا ہو یہ اہل اس کے تقویٰ معنی ہیں پھر اس اہل سے مراد میٹھی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے“

اگر یہاں اہل اس کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہوگی۔ اولاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور قوالوں کا ہے کہ کرم کے خلاف ہوگی۔ مفسرین کے قوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب یہ کہی کہ کرام وغیرہم کے قوال مدحیہ ہوں۔ تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے تحت ہے۔

تفسیر مظہری میں اسی آیت کے تحت ہے اُخْرَجَ ابْنُ الْمُُنْذِرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَمَا أَهْلُ الْاِيَةِ قَالِ دُبْحَ وَاُخْرَجَ ابْنُ حَرْيَرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا أَهْلُ يَعْصَى مَا أَهْلُ لَلطَّوْعِ اَيْتَ وَاُخْرَجَ ابْنُ اَبِي حَاتِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ هَبْدٍ وَمَا أَهْلُ قَالِ مَا دُبْحَ بَعِيرُ الدَّهْ وَاُخْرَجَ ابْنُ حَاتِمٍ عَنْ ابْنِ اَلْعَالِيَةِ وَمَا أَهْلُ يَقُولُ مَا ذَكَرَ عَلَيْهِ اَسْمُ بَعِيرِ الدَّهْ تفسیر مظہری میں اسی آیت کے تحت ہے قَالِ الرَّبِيعُ ابْنُ اَبِي يَعْصَى مَا ذَكَرَ عِنْدَ دُبْحَ اَسْمُ بَعِيرِ الدَّهْ مَعْلُومٌ هُوَ كَسْ قَدْرٌ مَحَاكِ رَمٍ وَتَابِعِينَ كَايِدِي فَعَلَّ بَعِيرُ كَرَأَى آيَتِ سَعْرَاءَ بَعِيرِ الدَّهْ كَسَامِ بِرَدِّ عَحْرَكَارَ

**جواب** دوم یہ ہے تمہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

وما حص الله من بخيرة ولا سابية ولا وصيدة ولا حام ولكن لذين كفروا يفتنوا على الله الكذب

”تدے بکھرا اور سانس نہ اور دھیرہ اور عام جس مقرر کے۔ لیکن کفار اُنہ پر مجھوت ہا ہتے ہیں۔“

یہ چار چار کھجور، طبرزدہ تھے، جن کو کفار عرب، حبش کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر ردگی میں حبش کا نام بکار گیا تھا اور ان کے کھانے کا حکم دیا کر فرمایا۔

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

"کہاؤ اسکو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطانوں کے قدموں کی ہیرائی نہ کرو۔"

تفسیر فتح بیان میں درج ہے کہ جو شخص اللہ سے بے خبر ہو کر کسی اور کو اللہ سے بہتر سمجھ کر اس کی تعظیم کرے تو اس کی سزا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں گنہگار ہو جائے۔

المُرْدُ أَكْرَهُ مَا حُرِّمُوا عَلَيْهِ أَنْفُسُهُمْ مِنَ الثَّانَةِ وَالْخَبِيرَةُ وَالْعَامُّ وَإِيَّاهُم نَصَرُ حُرَامَاتُ بَيْتِ حَرَمِهِ

”یہی اس آیت سے اس چالوروں کی حرمت کا نکال کر ماحضود ہے۔ جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بخیرہ وغیرہ کہ یہ چالوراں کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جو شرط بند لوگ بتوں کے نام پر پھنستے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا مگر صحت **بسم اللہ** کہہ کر دُعا کر سکتے تو حلال ہے۔

ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَقُلْ هَلْ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِمَّا كَفَرْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** "اور کہہ دو کہ کیا یہ تمہارے لیے خیر ہے ان کے کفر سے؟ تم نہیں جانتے۔" (سورہ ابراہیم: ۱۸)

نِشَاءِ ہر غمِ ہم اور کفارِ بولے کہ یہ جانور اور کھنکھ روکی ہوئی ہے۔ اس کو وہ ہی کہے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے محبوب نے خیال میں۔ تیز فرماتا ہے

وَقَالُوا مَا فِي بَطْنِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ حَالِصَةٌ لَدَيْكُمْ يُورِثُهَا مَعْزُومٌ وَعَمَىٰ أَرْوَاحًا كَفَّارِيًّا لِّجَوَالِ جَانُورِوْصَ كَيْفَ عِلْمِ

میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر یہ حرام وہی کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر دلت تھے اور کفار کی

جنت میں پابندیاں لگانے کے لیے اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ جو چاہیں انہوں نے نام پر پھوٹے ہوئے چاکو حرم نہ ہونے کو۔ مگر اللہ کی قاضی تھیں

سے پائے جانے والے حرام ہونے کی خبر یہ ہے کہ **حرم** کے لیے کسی مصلحت یا ضرورت کی اطلاع نہیں ملے اس وقت کے سپریم باپ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کہ یہ معنی عقل کے مختلف اقسام ہیں اس لئے کہ جب اہل کے ضوی معنی مراد ہوئے معنی جو نور برائے رنگی میں پاؤقت ورج غیر اللہ کا نام کارنا جا لورکو

حرام کر دیتا ہے تو نہ یہ کہ جانور کے سود و مہری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جا دیں۔ کیوں کہ قرآن میں آتا۔

**مَا أَهْلُ بِهِ نَعِيرٌ** وہ ہر وہ چیز جو کہ میرا اللہ کے نام پر پکار دی جاوے ”ما“ میں جانور کی قید نہیں بچھڑتا وہ اقرب کی میت سے پکارایا کسی اور

نیت سے بہرہ حاصل کرنا ہوتا ہے کہ اگرچہ ہر ایک کی ہمت اتنی چاہئے کہ وہ پھر بیکار ہو کر رہے، مگر کے تمام کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، م سدا کنواں، فلاں کی مسجد میرزا گھر، دین کا مدد، امام بخاری کی کتاب سب ہی نعمتیں تیار ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام، اور بخاری ترمذی تو حاصل شرک ہوا۔ کہ انکی سست بخار اور ترمذی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں، جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ کی بندگی کہتی، سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا، اور فلاں کی رو بہیک مکی تب فلاں کو حلال ہوئی کبھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدر آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا ذاتی لکھ ہوا قرآن شریف تھا مگر یہ اس کے دو لاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا میر عبدالحق جس خاں کا استعمال شدہ قالین پچاس ہر روپے میں امریکہ والوں سے خریدے۔ پرانے گھٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں۔ (مر کا علی پوری) غرض کہ اہل کے یہ معنی ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے حریف۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جاوڑ بت کے نام پر پاپا، بعد میں اس سے عتاب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بڑا تعلق حلال ہے حالانکہ حاصل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا، ماحل کی حد میں آ گیا۔ اب ماننا ہی پر کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے مگر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکارے مگر تو یہ کہ اللہ کے نام پر ذبح کرتا تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اصل کے معنی لغوی مراد لینے جاویں جب بھی ہسہ کی وجہ سے پکارنے میں شخصیں ہوگی۔ اس طرح کہ جب لہی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی ذی سحر نہ پھر یہ سے کیا فائدہ ہوگا۔ بغیر یہ کے بھی معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان حمل نے آیت **ما اهل به** بغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی ماکر جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے۔ بہر حال یہ ترجمہ محض قاسد ہے۔

**اعتراض ۲** فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو **لہ** سے ذبح کیا جاوے مگر ذبح کی نیت، غیر خدا سے قرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ لہ لیا ہو تو اس کے ذبح کی نیت حضور غوث معظم کو اسی کرنا بعد اس ذبح میں میر اللہ کی طرف قرب ہو۔ تو اگرچہ جانور ذبح **لہ** سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳۳ میں آتی ہے۔

**جواب** ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہانا رب کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیقہ، روزہ کا جانور یہ ذبح عبادت ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے پیچھے نہیں۔ ہدی حرام میں عبادت ہے اور چک نہیں۔ دوسرے معنی کی چار قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ ذبح کرنا یہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر **لہ** سے ہو تو جانور حلال و نہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ویر کی دعوت یا گوشت کی تجارت کے لئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے۔ یہ بھی اگر **لہ** سے ہو تو حلال و نہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لئے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو۔ جیسے کہ بلند دوگ بتوں یا دیوی پر جانور کی بھیجٹ چڑھانے میں کاس سے صرف خوب دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے وہ جانور **لہ** کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کرنا لہ کی نیت بھیجٹ کی ہونے کو نہ ذبح کرنا لہ کی۔ ان فقہی عبادت سے یہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔

**وما ذبح علی الثوب** اور حرام ہے، وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں سلیمان حمل فرماتے ہیں۔

انی ما قصد بدبحہ الثوب ولم یزکو استھما عند ذبحہ بل قصد تعظیمھا بدبحہ فعلی بمعنی اللام فینس هذا منکرًا مع ما سبق اذ ذک فیما قصد بدبحہ تعظیم الثوب من غیر ذکرہ یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بت مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کے لئے کیا گیا ہو۔ پس اہل بمعنی لام ہے لہذا یہ آیت گزشتہ سے متکرر نہیں کیونکہ وہاں ماحل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا جاوے اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔

سبحان اللہ کا عہد فیصلہ کیا کہ عورت کے نام پر ذبح ہو تو ماحل میں داخل ہے اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ **ما ذبح علی الثوب** میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو ماحل سے ثابت کیا ہے بمعنی **ما ذبح لتعظیم غیر اللہ** اسی پر عثمان کی عبادت ہے غرض کہ جانور کی حرمت میں دو چیزیں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ کو راضی کر لینے جانور کا خون بہانا یا جسے کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو۔ تقریباً بغیر اللہ ہے اسی کو فقہاء حرام فرماتے ہیں۔ چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لئے حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کرنا لے کا مقصد وہاں ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فخر پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہذا اس سے گوشت مقصود ہو۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔



کیونکہ دیکھ گیا ہے کہ اگر اس کو تاجازیہ گوشت دیا جائے یا دوسرا جانور کہ تو قاتل کر دے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو چادہ کر دیتا معلوم ہوا کہ گوشت پاک رضی اللہ عنہ کے نام پر خون ہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت وال ہی جاسکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے رہا جانور کا نہ بدگمانی اسکی جب محض اہتمام ہے وہ گھٹا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ دوسرے کے لئے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تیار ہو کر انہیں کرتے۔ بعض لوگ قاتل کے لئے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تیار ہو کر انہیں کرتے۔ بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر قاتل کا وعدہ ہو گیا اس کو بدلنا جائز نہیں۔ جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبح کس حرام ہو گیا۔ عرض کہ اہتمام دور ہے بھینٹ اور عداوت یہ ہو کہ گرنس ذبح سے غیر مذکور رضی اللہ عنہ مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت قاتل کے لئے ہو وہ قاتل یا دعوت کی کوری رضی کر کے کھینے ہو تو حلال ہے۔ کسی لحد کے بندے کو رضی کرنا اسکی عبادت نہیں۔

**اعتراض ۳** در مختار عاصیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

ذَبَحَ نَقْدُومَ الْأَمِيعِ وَسُخُوهُ كَوَاحِدٍ مِنَ الْعَضَاءِ يَخْرُجُ لِأَنَّهُ أَهْلٌ بِهِ غَيْرُ اللَّهِ وَلَوْ ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ  
 "بادشاہ کی جو سناؤ کی کے آنے پر جانور ذبح کیا۔ تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ مگر چاہے اس پر اللہ ہی کا نام پکارا گیا ہو۔"  
 اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ **بسم اللہ** ہی سے ذکر ہو لہذا گیا ہو یہ جانور ہر حال حرام ہے کہ حضور گوشت پاک کی رضا کے لئے ہے اگرچہ **بسم اللہ** سے ہو۔

**جواب** اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو حرام۔ بھینٹ کے معنی جان کئے جا چکے ہیں کہ خون بہانے سے اس کو رضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لئے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ در مختار کتاب الذبح میں ہی جگہ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ لَصُفِي لَا يَحْرُمُ لِأَنَّهُ مِنْهُ الْحَلِيلُ وَالْكَرَامُ لَصُفِي أَكْرَامُ اللَّهِ وَالْفَرْقُ أَنَّهُ إِنْ قُذِفَ لَهَا كُلُّ  
 مِنْهَا كَانَ الذَّبْحُ لِلَّهِ وَالْمَنْفَعَةُ لِلصُّفِيِّ وَسَوَلِيمَةُ أَوْ لِدَبْحٍ وَإِنْ لَمْ يَقْذِفْ لَهَا كُلَّ مِنْهَا بَلْ يَذْفَعُ  
 لغيره كَانَ تَعْظِيمٌ غَيْرُ اللَّهِ فَتَحْرُمُ

"اور اگر ذبح مہمان کیسے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم لحد کی تعظیم ہے جب فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے لئے رکھا تاکہ اس میں کھائے تو یہ ذبح اللہ کیسے ہو گا اور قطع مہمان کیسے یا دوسرے یا تہارت کیسے اور اگر مہمان کے لئے نہ رکھا بلکہ بچہ کی کسی کو دیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لئے ہے لہذا حرام ہے۔"

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ در مختار میں ہے

وَفِي صِنْدِ النَّمِيَةِ أَنَّهُ يَنْكُرُهُ وَلَا يَكْفُرُ لِأَنَّهُ لَا سُبْحَانَ الظَّنِّ بِالْمَسْمُومِ نَهْ بِتَقَرُّبِ أَلِي الْأَمْنِيِّ بِهِدَا لَشُخْرُ  
 "یہ کہنا کر دہ ہے اس سے ذبح کا فرق ہو گا۔ کیونکہ ہم سلطان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔"  
 معلوم ہو کہ سلطان پر بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اس کے حاشیہ در مختار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کلمات ہے۔ عقیدہ روح البیان پارہ ۱ ص ۲۷۷

وَمِنْ أَهْلِ بَيْتِ غَيْرِ اللَّهِ مَا يُلْذِمُ عِنْدَ اسْتِقْبَالِ لِسْطَنِ تَقَرُّبٍ بِهِ أَفْئِ أَهْلُ الْبُخَارَى بِسُخْرِيَةِ أَسْمَاءِ  
 يَذْبَحُونَهُ سُبْحَانَهُ مَقْدُومُهُ فَهُوَ كَذَبُ الْعَقِيْقَةِ لَوْلَا ذِكْرُ الْمَوْلُودِ مِثْلُ هَذَا لَا يُؤْخِضُ التَّخْوِيمُ كَمَا  
**فی شرح المشارق**

"یعنی جو جانور سلطان کے لئے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے اہل بخاری نے اسکی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا حقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہو گا کہ بادشاہ کی آمد پر مگر مگر جانور ذبح ہوتے ہوں گے۔ کل یہ رسم نہیں تو بادشاہ کی عبادت کی نیعت سے ذبح کرتے ہوں تو وہ حرام اور جو انکھار خوشی کے لئے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے

ہے۔ غرضکے گیا رہو یں کے چا نور کو ذبیحہ قدم سطاں سے کوئی نسبت نہیں۔

**اعتراض ۱** گیا رہو یں کی تیس سے بکرا پا لئے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماتنا کھر ہے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہذا

گیا رہو یں مانے والے کا ذبیحہ حرام ہے۔ شاہی جلد دوم کتاب المقنوم بحث در اسماءات میں ہے۔ **وَالشُّدْرُ لِلْمَحْلُوقِ لَا يَحُورُ لِأَنَّهُ**

**عِبَادَةٌ** و **لَعِبَادُهُ لَا تَكُونُ لِمَحْلُوقٍ**

**جواب** اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ شرعی نہیں نذر عربی ہے بمعنی بد یہ و نذر نہ یہ یہ نذر اللہ کے لئے ہے اور اس کا تصرف یہ

ہے اور اس میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ اسناد سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذر توحید یہ۔

# بحث ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

## پہلا باب

### بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَادْخُلُوا الْبَيْتَ مُسَبِّحِينَ وَقُولُوا حِطَّةٌ** "یعنی اے نبی سرخیل تم بیت المقدس کے دروازے میں جگہ کرتے ہوئے داخل ہواؤ کہو ہمارے معنا و معاف ہوں۔" اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو حیاء کریم کی آرمگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرنی لگی کہ وہاں ہی اسرائیل کو توبہ کرتے ہوئے جائز کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک مقامات پر توہم و جلدھوس ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المعافاة والمعاذ فی فضل ثانی میں ہے۔

**وَعَنْ ذِرَاعٍ وَكَانَ فِي وَهْدٍ عِنْدَ الْفَيْسِ فَإِذَا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَعَلِمْنَا نَبَأَ دُرٍّ مِنْ زَوَاجِلِهَا فَقَبِلَ يَدْرُسُوْنَ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَحِمَهُ**

"حضرت ذرارع سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے تھے۔"

مشکوٰۃ باب الکھار وطلاات الخلق میں حضرت صفوان بن مسال سے روایت ہے

**فَقَبِلَ عَدِيْبَهُ وَرَحِمَهُ** پس اسہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف باب ما یقال عند من حضرہ المؤمنین بروایت ترمذی وادود میں ہے۔

**عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُثْمَانَ ابْنَ مَطْعُوْبٍ وَهُوَ مَيِّتٌ** حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا چار نکاحوں کا انتقال ہو چکا تھا۔

مشافہ میں ہے کہ ابن عمر یصغی عده علی العمیر الذی یحییٰ عبہ رسول اللہ علیہ السلام فی النخبة ثم یضعها علی وجهہ

"جس منبر پر حضور علیہ السلام خفیہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبد اللہ ابن عمر اپنا ہاتھ رکھتے تھے (چومتے تھے) "شرح بخاری لابن حجر وادود شمس طہ ۱۵ میں ہے۔

استبسط بعضهم من مشروعیۃ مقبیل الارکان حور نقیل کن من یستحق العظمة من ادمی و غیرہ نقل عن الامام حمدانہ سئل عن نقیل مبر السنی علیہ السلام و نقیل قبرہ قال فم یزہ بآت و نقل عن انس ابن الصنف البیاضی احد علماء ملہ من الشافعیۃ حور نقیل المنصف و خراء الحديث و قبور الصالحین ملخصا

"رگاہ کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین و غیر ہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر یا قبر نور پر چومنا کیا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یحانی سے جو کہ مکہ کے عا و شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبر چومنا جائز ہیں۔"

تو شیخ علامہ جلال الدین سیوطی قدسی سرہ فرماتے ہیں۔

**سَبَّطُ بَعْضِ الْعَارِفِينَ مِنْ تَقْبِيلِ الْحَمْرِ الْأَسْوَدِ تَقْبِيلَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ** "حمر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔"

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارت سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس طہن، بال غرض کہ ہمارے تبرکات اسی طرح کعبہ محفلہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے، بلکہ بزرگان دین کے بال و لباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے لڑائی و غیرہ معاصی میں لگا دھا صل کرنا۔

قرآن کریم میں ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

بنی اسرائیل سے ان کے نبی سے فرمایا کہ طاہوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آویگا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چمکے گا اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معجزہ صوفی اور معجزہ ہارون کے ترکہ کی کہ اٹھائے ہوں گے اس کے فرشتے اس آیت کی تفسیر ہیں تفسیر خازن روح البیان و تفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے، کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی سان سے۔ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں) ان کے مکانات شریف کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے کپڑے اور آپ کے قطب شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لئے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ حسب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ مکانات دین کے تہذیبات سے فیض یاب۔ ان کی عظمت کا طریقہ انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک روح البیان دیکھیں سورہ یوسف پارہ ۱۲ آیات **فَلَمَّا دَهْنُوا** یہ کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اس کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تنویر بنا کر اٹال دی تاکہ محفوظ رہیں۔ سارے پانی رب نے پیدا کیئے ہیں۔ مگر آپ رحم کی تعظیم اس لئے ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہو۔ مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اسکی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ اس کی قسم **بِهِدَا**

**الْبَلَدِ وَانْتَ حَلِيٌّ** "بہد، البلد سے قرباء و ہمد، البلد میں ایوب علیہ السلام سے فرمایا **ارْكَضْ بَرِّخْلَكَ هَذَا**

**مُغْتَسِلٌ بَارِدٌ** "و شراب" ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہو۔ وہ شفا بخانا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھو کر عفت والا اور شفا ہے۔ مشکوٰۃ شروع کتاب المہاس میں ہے کہ حضرت سارعت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا چہرہ (اچکن) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پانی کی قسم اسی مشکوٰۃ کتاب جامع باب الاشراف میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کھڑ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے منگیزے سے مت مبارک لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیسے منگیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب اصول باب اسجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست قدس پر مشرک چ سہام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں ہیچ (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے یک برتن میں پانی لئے کر اس میں گلی فرمادی اور فرمایا کہ اس بید کو توڑ دو وہ اس پانی کو ہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لب شریف کھڑی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خاند بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کا ایک ہال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب المسترح میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بن نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضور ہاں کی طرف دوڑے۔ جس کو اس غبار شریف کی تری لگئی اس نے اپنے منہ پر لپی اور جیسے نہلی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ بکھیرا ان حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ مکانات دین کی استعمال چیزوں سے برکت حاصل کرنا مستحباب ہے۔ اب اقوال فقہاء مد خطہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب الملوک میں ہے۔

**لَنْ قَبْلَ يَدْعَالِهِمْ اَوْ سُلْطٰنٌ عَادِلٌ بَعْدَهُمْ وَعَدْلُهُ لَانْسُ بِهِ**

"مگر عام دعا دل بادشاہ کے ہاتھ چرے ان کے ہم دوسری وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔"

اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب زیارۃ القبور میں ہے۔

**لَا بُاسَ بِتَقْبِيلِ قَبْرِ وَالدِيهِ كَدَالِحِي الْغُرَابِ** "اپنے ماں باپ کی قبریں چرے میں حرج نہیں۔"

اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب مدافعات الملوک میں ہے۔

**اِنَّ التَّقْبِيلَ عَمٰى حُمْسَةِ اَرْخِهْ قُنْلُهُ الرَّحْمَةُ كَقُبْلُهُ الْوَلَدُ وَ قُبْلُهُ التَّحْيَةُ كَقُبْلُهُ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ وَ قُبْلُهُ الشَّفَقَةُ كَقُبْلُهُ الْوَلَدُ بِوَالِدِيهِ وَ قُبْلُهُ لَمَوْذَةُ كَقُبْلُهُ الرَّحْلُ اِحَادَةُ قُبْلُهُ الشَّهْوَةُ كَقُبْلُهُ الرَّحْلُ**

امراتہ و راد بَعْضُهُمْ وَ قُبْلُهُ الْحَحَرُ الْاَسْوَدُ

"بوسہ دینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چوسے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا وین دہی کا بوسہ اور دوسرے سود کا چوسنا ہے۔"





ہو نیکادورہ چھوٹا رکھا گیا تھا کہ اس بھانسنے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولا اور درے میں پاؤں داخل کئے تاکہ جھکنا نہ لازم آجائے (یہ اعتراض انتہائی بے اور عام دیوبندی دہائی اسی کو پیش کرتے ہیں)۔

**جواب** ہم اولا سجدہ کی تشریف کریں۔ پھر سجدے کے احکام۔ پھر عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا حکم ہیں اس سے یہ اعتراض خوب اخروی دلچ ہو جاویگا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عسقلیں، دونوں ٹپے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی۔ پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب اصول و بحث سجدہ و اگر بغیر سجدہ کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا بیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی یا چارپائی پر دھسے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ دو طرح کا ہے۔ سجدہ تجزیہ اور سجدہ مبادت۔ سجدہ تجزیہ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ مبادت کسی کو اللہ کی طرح جا کر کرنا۔ سجدہ مبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے کہ نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہری تو حیدر کے شرک کسی نے نہیں پھیر دیا۔ سجدہ تجزیہ نہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادرانہ حضرت یوسف سے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ ہود آیت ۶۱

**وَقِيلَ بَعْدَ لَقُومِ لِيُقْضَىٰ لَهُمْ أَجْرُهُمْ** میں حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہو کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بور کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کی زندگی میں سجدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس سجدہ تجزیہ کو حرام فرمایا۔ لہذا اگر کوئی مسلک کسی دلی کو سجدہ تجزیہ کرے تو گناہ ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے مگر شرک یا کافر نہیں۔ معرض نے جو در مختار کی مہارت پیش کی ای جلد مختار میں ہے۔

**اِنَّ كَانَ عَمَلِي وَخِدَ الْعِبَادَةِ وَالْتَعْصُمِ كَقُرْوَ اِنَّ كَانَ عَلٰى وَخِهِ التَّعٰنُ لَا وَصَارَ اِلَافُ مُرْتَكِبٌ لِّلْكِبْرِيَةِ**

"گر یہ زمین چو معاہدات اور تقسیم کے لئے ہو تو کفر ہے اور اگر تجزیہ کے لئے ہو تو کفر نہیں ہاں گناہ اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔" اس مہارت کے ماتحت شامی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا۔ اہل دیوبند میں ایک یہ کہ جھکنا تقسیم کے لئے ہو چسے کہ جب تک کو سلام کرنا۔ یہ معہم شخص کے سامنے زمین چو مایا کر سجدہ کرنا ہے تو حرام ہے اسی کو فقہاء منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لئے ہو اور وہ کام تقسیم کے لئے ہو چسے کہ کسی بزرگ کا جو تاسیدھا کرنا اس کے پاؤں چومے کے لئے ہے اور وہ کام تقسیم بزرگ کے لئے یہ حلال ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ حدیث اور فقہی مہارت کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیش موسوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت محمد و صاحب کا یہ انتہائی تعوی تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ وہاں اکبری میں کبر بادشاہ کو سجدہ کرنا جاتا ہے اور اکبر اس فرض سے مجھ کو چنے سامنے جھکنا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جب تک اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تقسیم اکبر نہ تھی۔

**اعتراض ۴** احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسے نہ فرمایا۔

**اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَقٌّ لَا نَفْعَ وَلَا نَصْرَ لَوْ لَا اِنِّیْ رَنِیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَیْرَ بَدَّ عَیْہِ وَسَمَّیْہِ مَا قَبْلَئِکَ** "مگر ہے نفع نہ نقصان اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تو تجھ کو چومتا۔"

اس سے معلوم ہو کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ نہ گوارا تھا مگر چونکہ نص میں "ما مجبوراً" ہے۔ اور چونکہ ان تہکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہذا نہ چنایا مناسب ہے۔

**جواب** موسوی عہد لکھی صاحب نے مقدمہ ہدایہ غلطہ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جو بوس دیا کہ اسے امیر المومنین حجر اسود مانع بھی ہے اور معترض بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔

**وَ اٰحَدُ رُبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ طَیْفُوْرٍ رَّہِ ذُرِّیَّتِہِمْ** جب جیشاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آویگا اس کی پچھلیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا۔ لہذا یہ لفظ کا ائینہ اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا۔

اسے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے معلوم ہو کہ سنگ اسود نفع نقصان بچنے والے ہے اور اس کی تقسیم دین کی تقسیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے سبقت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے بنا کر یک پھر پریم کو متوجہ کر دیا اس فرماں سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا

پھر اس کا چنا اور یہ ہے پھر کا چنا۔ پوچھا اور ہے اور چنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ **لا تصدقوا لا تسمعوا** کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرما دیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ والدت یہ پھر طبع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے۔ کہ اس پھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرماں بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہماری تقریم سے وافقیں اور ہدایتوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تجرب ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہاں تو تک سور کے پورے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابرہہ کو اپنا حصے بنائے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے اس کی عرض یہ آیا ہے **آئی۔ واتخذوا من مقام ابرہیم مصلیٰ** مقام ابرہیم بھی تو ایک پھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

**اعتراض ۳** بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حج کل جو عمرات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بتا دی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لئے ان کا چنا، ان کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صد ہا جگہ ہال سرک کی زیارت کرتی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے ہاں ہیں؟

**جواب** عمرات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے عمرات ہیں کافی ہے اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا زنا کے ثبوت کے لئے چار مقل مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر وہی معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی کافی اور مضمن کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی مستحبہ کا احسان ہاں گاروں اور واقف کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک ہر دیکھ آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر کل دن دھو رہے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم ملاپ کے بیٹے ملاپ کے پاتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لئے شہرت مستحبہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

**اولم یسئروا ہی الارض فیسظرو کیف کان عاقبة الذین من قبلہم**  
 ”کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں کہ اس سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔“

اس آیت میں کفار کو جنت دی گئی ہے کہ کشتہ کلائی یادگاروں، سن کی جڑی ہوئی، ستیوں کو دیکھ کر ہر بات پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ قوم آباد تھی قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لئے محض شہرت مستحبہ کافی۔ معلوم ہو کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اظہار اور فرمایا۔ شفا شریف میں ہے۔

**ومن عظامہ واکبارہ اعظمہ جمع اب بہ واکرام من ہدہ و مکہ وما لیسہ علیہ سلام و غزاف بہ**  
 حضور علیہ السلام کی عظمت و توقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب ان کے مکانات اور جس کو اس جسم پاک سے مس بھی ہوگا اور جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی جہاں سب کی تقسیم کرے۔ شرح شفا میں ملاحظہ فرمائی اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں۔

**ان المراد جمع م۔ نسب الیہ و نعرف بہ عنہ السلام**

اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تقسیم کرے۔ مولانا محمد اعظمی صاحب لکھنؤ نے اپنی کتاب نور ایمان میں یہی عبارت شفا نقل فرما کر و نعرف بہ پر حاشیہ لکھا۔

**وَلَوْ كُنَّا عَلٰی وَخْدِ الْاَشْيَہَارِ مِنْ غَیْرِ ثُبُوتِ اَخْبَارِہِ لَفِیْ اَثَرُہِ حَدِّثًا قَالِ عَلٰی۔ الْقَادِرِی**

”گر یہ نبوت محض شہرت کی بنا پر ہو دس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو۔ اسی طرح ملاحظہ فرمائی۔“

ملاحظہ فرمائی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسند مسند میں یہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علامہ مفسر نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور از مرین کوہدیت کی کہ جس میں شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اہمال میں حدیث ضعیف کو بھی مستحب مانیں۔ اور یہ مہربان عمرات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں۔

حاشا ۲۶ کار ۲ تحقیق ۱  
 ہر کجا نام دوست قرینہ ۱

**طبیعہ** ہم دھوری کا ٹھکانا وائیکٹوریہ مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو دھکے کھینے گئے وہاں اس مبارک کی زیارت کی جا رہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے ورو پاک کرتے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرض کہ عجب پر کیف معطر تھا ایک صاحب ایک کونڈ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے منہ کو قطرے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بار حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کی یا ثبوت ہے؟ میں نے جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمانے لگے عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ ذلالت اس علاج کے کو نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف اس کے ہی قطرے سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں بن کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے شرمندہ ہو گئے کہے لگے یہ درہت ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعظیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب ندین برہنہ کی قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے حضور علیہ السلام و حضور کہنا بدعت ہے نام بیٹا چاہئے کیونکہ حضور کہنا کس ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا چپ رہا تو۔ بولے یہ کیا؟ فرمانے لگے کہ آپ جناب یہ آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی۔ جبکہ حضور علیہ السلام مقہور و محجورہ گروہوں کے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی۔

**اللَّهُمَّ زُقْنَا شِعَاعَتَهُ صَنِي دُلَّةَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**

"آج لے ان کی پناہ آج دہرا تک ان سے"

**استدعا ۴** نقشہ اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا انونو ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

**جواب** یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل ہے اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیئے لاہور کا چھپ ہوا قرآن شریف، اس کا کاغذ روشنائی آسمان سے نہیں اتری جا رہی بنائی ہوئی ہے مگر واجب تعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر وہ ربیع الاول ہر وہ شبہ معظم ہے کہ اصل کی حاک ہے۔

# بحث عبدالنبی عبدالرسول نام رکھنا

عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفیٰ عبدالحلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن و حدیث و اقوال و فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض و جواب۔

## پہلا باب اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے **وَالْكَافِرُونَ الْآبَاءُ مِنْكُمْ وَلِصَحْبِهِمْ مِنْكُمْ** اذکم و مانکم

"اور کفار کے والدین ہیں ان کا جو سب نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کثیروں کا۔"

اس حدیث میں ہر دو کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

**قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْمِعُوا عَمَلِي انْفُسِهِمْ لَا تَقْضُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ**

"اے محبوب فرما دو کہ میرے وہ بندہ جسوں نے اپنی جانوں پر یادتی کی اللہ کی رحمت سے تادمید نہ ہو۔"

اس یہاں ہدی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرما دو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں ہر دوسوں اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بھی بہت سے برگاہ دین نے اختیار فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں۔

بندو خواہ خود بخود یا احمد و رشاد جملہ عام راہنماؤں میں یا صہاد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں چارہ قول یا صہاد۔ صاتی اہل اللہ صاحب رسالت کی ترجمہ شام اہل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ میں فرماتے ہیں۔ ہر دو کو ہم دوسرے کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْمِعُوا عَمَلِي** مرعی ضمیر محکم کا۔ حضرت علیؑ ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْمِعُوا عَمَلِي** آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ زائد اللہ میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ ارباب شافعی اور غیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرثیہ خطبہ میں فرمایا **قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ عَنْدهٗ وَحَادَهٗ** "میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ جس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔"

مشکوٰۃ شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق کبر حضرت ابوالحسن (رضی اللہ عنہما) کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے تو عرض کیا۔

گفت اے ہنگام کوئے تو کہوش آزادیم بعد تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں اس کو آپ کے سامنے "زاد کرنا ہوں۔"

صاحب درغفار خطبہ درغفار میں اپنے شجرہ بھی بیان فرماتے ہیں۔

**فَاتَى زَوْيَهُ عَنْ شَيْخِهَا الشَّيْخِ عَبْدِ النَّبِيِّ لَحْبَلِي** "میں اس کو اپنے شیخ عبدالنبی غسانی سے روایت کرتا ہوں۔"

معلوم ہوا کہ صاحب درغفار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عید سودکان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں مگر شک عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن و حدیث و

اقوال و افہام سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں۔ عبدی بخ۔ شاعر کہتا ہے **عَالُوَاهِبُ الْعَمَلَةِ الْهَجَانِ وَعَبْدُهَا**

**طَبِيعَهُ** تقویۃ الامان میں علی بخش، میر بخش، خادم علی، دار بخش، عبدالقہامی نام رکھنے کو مشرک کہا۔ مگر تذکرۃ الرشید حصہ اول ص ۱۳ میں رشید احمد

صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولو رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی میر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ دریاں کی طرف سے نسب نامہ

یوں لکھا ہے۔ رشید احمد صاحب کے خاندانی برگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی ولادہ طاق ہے یا حری۔

# دوسرا باب

## اس پر اعتراضات و جوابات میں

**اعتراض ۱** عہد کے معنی ہیں عابد عبادت کرنے والا جو عہد نبی کے معنی ہوں گے نبی کی عبادت کرنا اور یہ معنی صریح شرک ہے لہذا ایسے نام منوع ہیں۔

**جواب** عہد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عہد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاوے گا تو اس کے معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام لہذا عہد اسمی کے معنی ہوئے ہی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکریمیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

وَلِتُسَمِّیْهُ بِاسْمِ یُوحٰذِیْ کَذَبَ اللّٰہُ تَعَالٰی حَاضِرًا کَالْعَنٰی وَالرَّشِیْدَ وَالْبَدِیْعَ لَا تُدْعٰی مِنْ اِلٰہِ اَسْمَاءُ الْمَشْرُکَةِ وَیُرَادُ فِیْ حَقِّ اَلْعَبْدِ مَا لَا یُرَادُ فِیْ حَقِّ لِلّٰہِ تَعَالٰی کَذٰلَکَ فِی السَّرَاحِیۃ

"جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں اس سے نام رکھنا جائز ہے۔ جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کیلئے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لیے مراد نہیں۔"

اس سے معلوم ہو کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنی اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنی اسی طرح عہد اللہ کے معنی اللہ کا عابد، عہد النبی کے معنی نبی کا خادم اگر یہ تو جیسے ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنی ہوں گے میں عباد کہ

**اعتراض ۲** منقولہ باب الادب الاسانی اور مسلم حدود کتاب لا ینطقون الادب وغیرہ میں ہے۔

لَا یَقُولُوْنَ اَحٰذَکُمْ عِبْدِیْ وَ مَنِ کُنْکُمْ عِبْدُ اللّٰہِ وَ کُلُّ نِسَاۃٍ کُنْہُمْ اِمَآءُ اللّٰہِ وَ لٰکِنْ لِّیْقُلْ غُلَامِیْ وَ حَارِیْتِیْ

تم میں سے کوئی نہ کہے عہدی اسی (میرا بندہ وغیرہ) تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی عورتیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی و حاریتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عہد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہذا حرام ہے اور عہد النبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا منوع ہے۔

**جواب** یہ ممانعت کرہت تزکیہ کے طور پر ہے کہ عہدی کہتا ہجرت نہیں بلکہ عہدی کہتا اولیٰ ہے اسی حدیث کے ماتحت نوادی شرح مسلم میں ہے۔

فَاِنْ لَیْسَ فِیْہِ النَّبِیُّ عَدِیْہَا السَّلَآءُ فِیْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اِنْ تَعَدَّ اَلِامَۃَ رَبِّہِہَا فَالْحَوَابُ مِنْ وَحِیِّہِ اَحٰذَہُمَا اِنْ لَحَدِیْثِ النَّبِیِّ لَیْسَ اَنْحُوْرَ وَاِنْ اَلنَّہْیُ فِی الْاَوَّلِ لِلادبِ وَ کَرَاهَۃُ التَّضَرُّعِ لَا لِلتَّعَرُّفِ

"مگر یہ جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامت قیامت میں فرمایا کہ کوئی اپنے رب کو کہنے لگے (جیسا کہ عرب مراد) اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث میں جو لکھتے ہیں اور پہلے حدیث میں ممانعت بت کیلئے ہے اور کرامت تزکیہ ہے نہ کہ تحریمی۔"

مسلم میں اسی جگہ ہے۔ لَا یَقُولُوْنَ لِحَدِّکُمْ سَعَبَ الْکَرَمِ اِنَّ الْکَرَمَ اَلْزُحْلُ الْمَلَمَہ

اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تَسْمُوْا لَعَبَ الْکَرَمِ اِنَّ الْکَرَمَ الْمَسْمُ

انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے، منقولہ کتاب الادب باب الاسانی میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ هُوَ الْحَکِیْمُ وَ بِنِہِ الْحَکْمِ فَمَا یُکْنٰی مَا لِحَکْمِہِ "علم تو اللہ ہے اسی کا علم ہے تو تمہارا نام، یوالکم کیوں ہے۔"

منقولہ میں اسی جگہ ہے لَا نُسَمِّیْنِ غُلَامَکَ یَسَّرَ وَلَا رَخَاوُ لَا حَبِیخًا وَلَا اَفْلَحَ

"بے غلام کا نام یسر اور رباح اور نجیح اور افلح نہ کہو۔"

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کرامت تزکیہ کی بنا پر ہے ورنہ قرآن وحدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو کہ خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے۔ کَمَا رَبِّیْنِیْ صَغِیْرًا فَارْجِعْ اِلَیْ رَبِّکَ مَرْکُوْلًا فَمَنْ کُنْیَ کُنْیَ کو اپنا مرنے یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں لیکن اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہاں کو چلانے کے لئے یہ نام رکھتے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق قاضی کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اہل دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کناہی ہے۔



# بحث اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرتی ہیں۔ اسقاط کے معنی۔ اسقاط کرنا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ جن قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے میں مذکور تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب۔

## پہلا باب

### اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا، اسقاط کے صولی معنی ہیں گرا دینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے دمر جو احکام شرعہ دہ گئے ہوں ان کو اس کے دمر سے دور کرنا۔ چنانچہ وجہ العراض میں ہے اسقاط تب چیز مست کہ دور کردہ شود رزقہ میت بہ این قدر کہ غیر شود۔ اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام محذوہ ہوا رہ جاتے ہیں۔ جسکو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت کی سر امیں کرتا رہے اب نہ ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سہیل۔ شریعت مطہرہ نے اس یکسی کی حالت میں اس میت کی دھگری کرنے کے لئے کچھ طریقے تجویز فرمادئے کہ اگر ان میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کر دے تو پھر مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ مردہ مسلمان کے دشمن ہوتے ہیں۔ اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو لڑ پھانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی دھچکا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت عمر مطہرہ کی چارے اس میں سے لوہاں عورت کے نئے اور بارہ سال مرد کے لئے ناہائیں کے نئے نکال دو اب جتنے سال پہلے اس میں حساب لگاؤ تہی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہو چکے رہا نہ میں کس قدر نمازیں اس کی ہائی روگنی ہیں کہ نہ وہ ہرچی اور نہ تصدائیں اس لئے زیادہ سے زیادہ اندر لگا لو۔ یعنی نمازیں حاصل ہوں فی نماز ۵۰ روپے انشائی بھر گھسوں حیرت کر دو۔ یعنی جو مطہرہ کی مقدار ہے وہی ایک نماز کے قدر یہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوتی اور ایک ماہ کی نمازیں کا قدر یہ ۱۰ سیر گندم تقریباً اور سب کی نماز کا ۸۰ سیر گندم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے مذمذ میں میں سال کی نمازیں ہیں تو صد ہا سیر خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی جزا دہندہ راہدار تو یہ کر سکے مگر عہد نہ ممکن۔ ان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ اولی میت بعد رحلت گندم یا کسی کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازیں کا قدر یہ ۱۰ سیر تھا تو ۱۰ سیر گندم یا اس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک ہو پھر بہرہ دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک کی نمازوں کا قدر یہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سار کا قدر یہ ادا ہو۔ اسی طرح چند بار گھماتے میں پورا قدر یہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے قدر یہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور کوۃ کا قدر یہ ادا کرویں رحمت الہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرماوے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ صاحب میں جو عام طور پر مردع ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا قدر یہ ادا ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ تہہ جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا سب نمازوں کا قدر یہ د ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ لکھائی چھاپی کا ہے گرد و دھنکی کا یہ نسخہ ہے تو وہ رد یہ خیرات کا ثواب میاگا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزار ہا روپیہ سالانہ کوۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرض کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہو چکے یہ معنی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا نہ کہ حرم ہے بلا دلیل کسی شکم کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو عملائے دیوبندی کا کام ہے بعد خیرات ثواب مل جاوے گا۔

**نوٹ** ہم نے قدر یہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کہ لئے نہیں ہے ایک نماز کا قدر یہ ۵۰ روپے انشائی پھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔ اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرتا ہیں ایک تو یہ کہ حرم سے بچے ثواب حاصل کرے یا شرعی ضرورت پوری کرے کے لئے شرعی جیسے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا قدر یہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

## پہلی فصل حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال متبیہ سے اس کا ثبوت ہے حضور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سوکڑیاں، دارنگار، بوندے، آنکھوں میں فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو دروازہ پر جی قسم توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بیٹا میں کو اپنے پاس رکھیں دروازہ ہر نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک حیدری فرمایا جس کا مفصل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارہ نے قسم کھائی تھی کہ میں کا بونڈ کی تو حضرت باجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ اگلی آپس میں صلح کرادو۔ حضرت سارہ نے فرمایا کہ میری قسم کیسے چوری ہو۔ تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت باجرہ کے کان چھیدیں۔

**مشکوٰۃ** کتاب الصیاح باب البریاء میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں محمد خرمے لائی۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس یکمزدی خرمے تھے میں نے دو صاع روئی خرمے دے دیئے اور ایک صاع محمد خرمے کے لئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔ آنکھ دایب کرو کہ خرمے پیسوں کے عوض فروخت کرادو اس پیسوں سے دھتے خرمے لے لو۔

دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب ٹھیل۔ اس طرح، شیعہ، ائمہ میں کتاب ٹھیل منع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کی کتاب ٹھیل اور ذخیرہ میں ہے۔

كُلُّ حَبْلَةٍ يَحْتَلُّ بِهَا الرُّحْلُ بِهَا الرُّحْلُ لَا يَطْلُ حَقَّ الْعَبْرِ وَلَا دِحْلًا شَهِيذًا وَلَا لَتْمِيَّةً بِهَا طَلَبٌ فَهِيَ مَكْرُوهَةٌ وَكُلُّ حَبْلَةٍ يَخْتَلُّ بِهَا الرُّحْلُ لِيَحْتَصَّ بِهَا عَنْ حَرَامٍ وَبِئْسَ ضَلَّ بِهَا الْبَلَى حَلَالٌ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَالْأَضَلُّ فَمَنْ حَوَارَ هَذَا النَّوْعَ نَحْ.

"جو حید کسی کا حق مارنے یا اس میں شریک کرے یا اس میں سے غریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حید اس لئے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرم سے بچ جاوے یا عدل کو پالے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں بھارا لو اس سے مارو یہ حضرت ابوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عالم مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم مسوغ نہیں اور یہ صحیح مذہب ہے جو ی شرح اشباہ اور تبارغانیہ میں جو حید کی بہت نہیں تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔"

وَعَنْ أَبِي عُبَيْدٍ شَيْءٌ فَنَ وَقَعْتُ وَحَشَةً بَيْنَ هَجْرَةٍ وَمَرْهٍ فَحَلَفْتُ سَارَةَ ابْنِ طَلْحَةَ بِهَا قَطَعْتُ غَضْوًا مَسْهًا رَسَلْتُ حَنْزِلَ بْنَ أَبِي هَرَبَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يُصَبِّحَ بَيْنَ هَا وَهََا فَعَلَتْ سَارَةُ مَا حَبَلْتُ بِعَيْنِي فَأَوْحَى إِلَيَّ ابْنُ أَبِي هَرَبَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَأْمُرَ سَارَةَ أَنْ تَنْقُبَ أَدْنَى هَا حَرَفٍ ثُمَّ تَقُوبَ الْأَدْنَ

"میں جاس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ باجرہ رضی اللہ عنہا میں کچھ جھکڑا ہو گیا۔ حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقع ملا تو باجرہ کا کوئی عضو کاٹ لی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان کی صلح کرادیں حضرت سارہ سے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حید ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو ٹکھڑا کر دو حضرت باجرہ کے کان کا پھندہ دیں۔ اسی وقت سے جو توں کے کان چھیدے گئے۔"

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ فقہی مباحات سے حید شرعی کا جو مضمون ہوا۔

## دوسرو فصل روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ یہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ

”اور جن کو اس روزے اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ دلوں میں ایک مسکین کا کھانا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بجمہد یوز حایہ عرض الحوت کا مرتبہ جب روزے کے قائل نہ ہے تو ہر روز کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نہ رہے بقایہ روزے کے زیادہ بجمہد اٹھان ہے اس سے روزے کے کھم میں رکھا گیا۔ آیت کے ماتحت تفسیر احمد یہ شریف میں ملا احمد جیون قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وَلِلصَّلَاةِ مَطْيَرُ الصُّومِ بَلْ اَهُمُّ فِيهِ فَمَرْبُوفٌ بِالْفِدْيَةِ احْتِطَافٌ وَفَحَوُّهُمَا الْقَبُولُ مِنَ اللَّهِ مُعَالَى فَضْلًا

”نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاط قلم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔“

مبارک ہے وَوُخُوفُ الْفِدْيَةِ فِي الصَّلَاةِ لَا اخْتِطَافَ ”نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاط ہے۔“

شرح دیکار میں ہے وَهَذِهِ كُلُّ صَوْرَةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَهُوَ الضَّحِيحُ

”ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہی صبح ہے۔“

شرح الیاس میں ہے وَيُعْبَرُ فِدْيَةُ كُلِّ صَلَاةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ ي كَفْدِيَةِ يَوْمٍ

فتح القدیر میں ہے مِنْ مَّائَاتٍ وَعَيْنُهُ قِصَافٌ رَمَضَانَ فَارِضَى بِهِ طَعْمُهُ عَدَّ وَلَهُ لَكِنْ يَوْمٌ مَسْكِينًا بَصَفِ

صَاعٍ مِنْ بَرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ لِأَنَّهُ عَمَرَ عَنِ الْإِدَاعِ وَكَذَلِكَ إِذَا وَضَى بِالْإِطْعَامِ عَنِ الصَّلَاةِ

”ہر وقت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔ جو شخص صوم چاہے اور اس پر رمضان کی قضا ہے

پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا وہی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع خرے یا جو دینے کی نکتہ دیت

اب اسے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دینے کی وجہ کی ہو۔

طحاوی علی مرتی اللہ رحمہ میں ہے اعلم انه قد ورد النص في الصوم باسقاطه بالفدية اتفقت كلمة لمشايع

عليه ان الصوم كاصوم استحسانا و اذا علمت ذلك تعلم جهل من يقول ان اسقاط الصلوة لا

احصل له بطلان لزمعق عليه من المذهب

ان عبارت سے معلوم ہوا کہ نہ روزے اور روزے کا فدیہ یہ ناجائز ہے اور تقویٰ کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ سنائی نے اپنے سنن

کبریٰ و در عبد الرزاق نے کتاب الوصایہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔

لَا يُصْنَى أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يَصُومُ خَلْدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَكِنْ يَطْعَمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مَذْيَبٍ مِنْ حَنْطَةِ

”کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے روزہ رکھے لیکن اسکی طرف ہر دن ہر دن کے عوض وہ کدہم (آدھا صاع) خیرات کر دے۔“

مشکوٰۃ کتاب الصوم باب القضاء میں ہے قُلْ مَا عَلَى صِيَامٍ شَهْرٍ رَمَضَانَ فَيُطْعَمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مَسْكِينًا

”جو صوم چاہے اور اس کے روزہ نہ رمضان کے روزے ہوں تو چاہیے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔“

فرمادہ کہ روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرتے جہالت ہے۔

## تیسروں فصل مسئلہ استقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایمان میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ **فصل "فِي امْتِنَاعِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ"** یعنی یہ فصل نہ زودورے کے اسقاط ہے اس میں فرماتے ہیں۔

ولا يَصِحُّ أَنْ يَضُومَ وَلَا أَنْ يُصْنَىٰ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ مَا أُوصِيَ بِهِ عَمَّا عَلَيْهِ يَدْفَعُ ذَلِكَ الْمَعْدَرُ بِمَقْصُورٍ فَيُسْقِطُ مَا كَانَ عَلَيْهِ لَعَنَتِ مَنْ صِيَامَ وَصَدَقَ وَيَخْزُرُ غَطَاءُ، فَنَذِيَّةٌ صَوَّبَتْ بِوَاحِدَةٍ حَمَلَةً بِخِلَافِ كَقَدَارَةِ لَيْمِ بْنِ تَرْحَدَةَ هِيَ جَزَاءُ مَنْ نَزَلَ فِي طَرِيقِ السَّعَادَةِ مِثْلَ بَيْتِ أَبِي بَرْزَخَةَ بَابُ قَعْدَةِ الْغَوَايِثِ مِثْلُ هَذَا اس کا ترجیدہ یہ ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہو۔ اگلی شرح میں شامی میں اس سقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَالْأَقْرَبُ أَنْ يُحْسَبَ عَلَى الْمَيِّتِ وَيُسْتَفْرَضَ بِقَدَرِهِ بَارٍ يُقَدَّرُ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوْسَعُ أَنْ يُحْسَبَ  
مِائَةُ عُمُرِهِ بَعْدَ انْقِطَاعِ اثْنَيْ عَشَرَ سَنَةً لِدُكْرٍ وَتَمَعٍ مِنْهُ لِلْأَنْثَى لِأَنَّهَا أَقَلُّ مُدَّةً بُلُوغَهُمَا فَيُحْسَبُ  
عَنْ كُلِّ شَهْرٍ مِائَةُ عَرَارِيَةِ فَحُجِّ الْقُدَيْرِ بِالْمُدَّةِ الدَّمِشْقِيِّ مُدَّرًا مَا وَلَكُنْ سَنَةً شَفِيعَتُهُ عَرَارِي  
فَيُسْتَفْرَضُ مِنْ قِيَمَتِهَا وَبَدَلُهَا الْفَقِيرُ ثُمَّ سَتَوَّهَهَا مِنْهُ وَتَسَلَّمَهَا مِنْهُ لَتَمَّ الْهَبَةُ ثُمَّ بَدَلُهَا لِلذَّكَاءِ  
الْفَقِيرِ آخَرَ وَهَكَذَا يُسْقَطُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةٌ سَبْعَةَ بَعْدَ ذَلِكَ يُعِيدُ الدُّورَ بِكَفَّارَةِ الْبَصِيمِ ثُمَّ  
الْأَصْحَابُ لَمْ لَا يُؤْمَنُ لَكِنْ لَا يُدْفَى كَفَّارَةُ الْأَمَانِ مِنْ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ بِحُلَاثٍ فَذِيَّةٍ لِلصَّلَاةِ فَذِيَّةٍ  
يَجُوزُ اعْتِادُ فَذِيَّةٍ صَالِحَةٍ لِمَنْ حُدِّ

”یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ قیمت پر کتنی فاریں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس انداز سے قرص سے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے انداز سے سے یا قیمت کی کل عمر کے اندازہ کرے اور پھر یہ عمر میں سے بلوغ کی کم از کم مدت جو مرد کے لئے ہمارہ سال ہے اور عورت کے لئے نو سال وضع کر دے پھر حساب کر لے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا نصف عمر ہوگا (یعنی القدرہ مثلی دے) اور ہر مہینہ سال کا کفارہ چھ روزہ ہوگا ورنہ اس کی قیمت قرص سے اور فقیر آستانہ کیلئے دے پھر نتیجہ نکال دے اور اوقات بیتوں کے کہ سو مہینہ پر قندہ کرے۔ پھر وہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا کفارہ ادا ہوگا اور اسکے بعد روزہ اور قربانی کے کفارہ کیلئے پھر قسم کے لئے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں پندرہ روزہ کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔“

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ شاہد اعظم ائمہ میں ہے۔

أَوِ الْفَضِيَّةِ عَنْ صَوْمِ أَبِيهِ أَذْهَبَهُ وَهُوَ فَقِيرٌ يُعْطَى مَوِيں مِنَ الْخِطَّةِ فَقِيرًا ثُمَّ يَسْتَرْهِنُهُ ثُمَّ يَسْتَوْهِيهِ ثُمَّ يَغْطِيهِ وَهَكَذَا لِي أَنْ يَتِمَّ مَرَاتِقُ الصَّحاحِ ثَمَّ نَوْرُ الْإِبْرَاهِيمِ فِي فَحْلِهِ لِأَنْبَاءِ دُمَةِ الْمَيْمِ عَنْ جَمِيعِ مَا عَلَيْهِ أَنْ يُدْفَعَ ذَلِكَ الْقَدَارُ لَيْسَ بِبَعْدِ تَعْدِيرِهِ بِشَيْءٍ مِنْ صَبِيحِ الْوُصُولِ أَوْ لُحُوءِ وَيُعْطِيهِ لِلْفَقِيرِ بِقَصْدِ اسْتِقْطَاعِ مَا يُرَدُّ عَنِ الْمَيْمِ ثُمَّ يَحْدِثُ بِهِ نَقِيعَ دُلُوكِ أَوْ لَاحِظِي وَيَقْضِيهِ ثُمَّ يَذْفَعُهُ الْمَوْهُوتُ لَهُ لِفَقِيرٍ كَحَبِّهِ لَا مَسْطَاطَ مُتَبَرِّءٍ بِهِ عَنِ الْمَيْمِ ثُمَّ يَهْنُ الْفَقِيرُ دُلُوكِ (أَيْ أَنْ قَالَ) وَهَذَا هُوَ الْمُخْلِصُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ دے ہے اور گزارشہ عالمگیری میں ہے وَلَمْ يَتْرُكْ مَا لَا يَنْتَفِعُ وَرَزَقْنَاهُ مِنْ صَاحِبٍ وَبَذَعْنَاهُ إِلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَمْ يَتَصَدَّقْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكُلُّ كَدَاهُ فِي الْحُلَاصَةِ اسی طرح بحر الرائق بھی شرح کنز الدقائق۔ جامع الرموز۔ معتمد تفسیر یہ شرح مختصر لکھا یہ قادی قاضی جان۔ قرآنہ۔ جہاں القوس اختصار دیرہ کتب اللہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے قرآن کی عبارت نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب جہاں القوس کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ بھی مد خطبہ ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الیعدایات صفحہ ۱۰۳ میں ہے "حیدر سقا کا مغلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیدر تحصیل چندلسوس کا ملازم کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ فیہ سے واقف ہے وہاں یہ حیدر کارگر نہیں مغلس کے واسطے بشرط صحت

نیت ورثہ کیا مجب ہے کہ معید ہو ورنہ انھوں اور حیدر تحصیل دیا ویسا ہے۔ فقہ رشید احمد غنی منہ

اگر چہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا لہذا اب کسی دیوبندی کو تو حیدر اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفسر کی قید موسوی رشید احمد صاحب نے اسے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبادات میں کر چکے ہیں۔ جس میں مفسر کی قید نہیں ہے۔ والد زیدی بھی اگر پورا قند یہ داکرے تو تمام ترکہ اسی میں چا دیا جاویگا۔ ورثہ کو کھانے پینے کا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا قند یہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی تمام روٹ کا قند یہ ادا نہ ہو۔ تو حیدر کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیدر کا حیدر کرنا یہ مفسر انھوں ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ بدرجہ دیوبند موسویوں کا لٹخوہ لینے کا حیفہ ہے لہذا انھوں ہے۔



# دوسرا باب

## حیلہ استقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی روپیہ بندی جہنمتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض اعلانی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شہادت میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

**اعتراض ۱** حیدر کو خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ مرناتا ہے۔

يُحَدِّثُونَ النَّاسَ اَلدِّينَ اَعْمٰوًا وَمَا يَحْدِثُغَوْا اَلَا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ  
 "یہ منافقین اللہ اور مسلمان کو دھوکا دیتے ہیں اور انہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔"

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی ناریں صاف ہو جاویں۔

**جواب** حیدر کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیدر سے مراد ہے ضرورت شریعہ پر اگر تکلیف طریقیہ رہے تو وہ میں بولتے ہیں "حیدر رقی بہانہ موت" اور حیدر کو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمادی۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیونکر ممکن ہے۔ لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا میں ثواب کی جگہ سمجھ رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیداس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو کہہ دو اس نے مالک جوکر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا۔ محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔ لینے کا حیدر کرنا نہ اور دینے کا حیدر کرتا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیدر ہے خدا نے قدوس کی رحمتیں بھی حیدری سے آتی ہیں۔

رحمت حق بہانہ حق مطلب و رحمت حق بہانہ حق مطلب

"خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے"

یہ آیت محمد عن منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ یہی کہنا اپنے لئے ڈالتے تھے۔ اوروں میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عہدہ اور شرعی محاسن اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ استقاط کے مال کی وجہ سے نہ تو معاف نہیں ہوتی بلکہ زندہ زندگی میں نہ پڑنے کا جو قصور رحمت سے ہو چکا ہے اب اس کا بد رحمت سے ناممکن ہے اور رحمت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کراے گا یہ حیدر ہے کیوں کہ صدقہ فطریہ لینی کو اخذ کرتا ہے۔  
 الصَّدَقَةُ نِطْفَةُ عَصَبِ الْوَرَثِ مَسْكُوۡةٌ بِابِ الْجَمْعِ مِمَّنْ يَّهْدِيۡكَ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ  
 باب انہیں میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے محبت چھوٹ کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ مانگن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی ایسے دنوں کا یہ فیہاں دے دیا کرے اور زندہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرا دیں۔

**اعتراض ۲** نماز روزہ و عبادت بدی ہے اور عہد یہ مال ہے اور مال بدی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ حیدر محض باطل ہے۔  
**جواب** یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے۔

وَعَنِ الدِّينِ يُطْفِقُوۡهُ هَذِيۡبَةً طَعَامٌ مَّسْكِيۡنٍ  
 جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فیہاں ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الہی کے مقابل چنانچہ اس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الہی بھولتا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جہدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل چنانچہ اس کو دوزخ مردود ہو۔ پھر بدی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام نہ کرتے ہیں۔ اس کے معاوضہ مال دیتے ہیں۔ بھلے صورتوں میں جا کر کا بدلہ بھی مال سے ہو ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی ہماری پہلی اقیات بھول گیا تو جہدہ ہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے نکاح کر لیا تو اس کے کفارہ دس ۶۰ روزہ نہ کھے۔ حاجی نے محنت اہرام شکار کیا۔ اگر پیسہ تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزہ رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرمایا ہرچشم منکور ہے۔

**اعتراض ۳** حیدر استقاط سے ٹوٹ بے نمازی بن جاویں گے کیوں کہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری لی زوں کا استقاط منکس ہے تو پھر نماز پڑھنے کی رحمت کیوں گوارا کریں گے ۱۲ سینے پر بند ہو نا چاہیے۔

**جواب** یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ زکوٰۃ سے آدمی گناہ پر دیر ہوتا ہے کیوں کہ جب غریب کو معصوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال بیکار محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جب آدمی کو معصوم

ہو گیا کہ تو بے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض شخص غصے سے اسی طرح یہ بھی جو شخص کہ فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا اور یہ دامن عمار کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیح و عداستہاں کرے تو غلطی اس سے متعال کر دینے والے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز یہ مسئلہ سقاہ صمد سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پروا ہو گیا ہو۔

**اعتراض ۱۰** کچھ نئی اسرائیلیوں نے حیدر کے پھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الہی آ گیا اور وہ اندر بنادینے لگے

**کُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ** معلوم ہوا کہ جلد سخت گناہ ہے اور عذاب الہی کا باعث۔

**جواب** حیدر کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت اس پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیوان کا حلال ہونا سب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرم کو حلال کرنے کا حیدر کیا کہ بعد کے دن پھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسے حیدر اب بھی منع ہیں۔

**اعتراض ۱۱** قرآن فرماتا ہے **لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا مَسَعَىٰ** نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود دکانے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اور دماغ خرق کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرادے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیدر خلاف قرآن ہے۔

**جواب** اس کا جواب قاضی بحث میں کر دیا کہ اس میت کی چند تو جین ہیں یک ہی بھی ہے کہ یہ مملکت کا ہے جس انسان اپنی کمائی کی مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے۔ کرے اس لئے غیر کی طاقت پر پھول کر اپنی میت کو بھول جانا عارف عقل ہے بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرہیز بھول جاتے

قاضی کو قبر پر پھر کوئی نہ پانہ تے۔

یاد ہے کہ یہ آیت کریمہ طاقت برہنہ کے بارے میں آتی ہے کہ کوئی شخص کسی طرف سے نماز پڑھ دے یا رو کر رکھ دے تو اس کے ذمہ سے نیکو فرائض نماز روزہ دینا ہوں گے وغیرہ۔ مگر یہ تو جین ہیں نہ کہ جادو تو بہت ہی آیت قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آوے گی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مومنین اور اپنے دامن باپ کیسے دعا کریں۔ نماز و جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیسے دعا ہی ہے۔ احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ وغیرہ کر کے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے قادی میں دیکھو۔

**ضروری ہدایت** بعض جگہ اناج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال بعد کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے دروازے کی قبر پر حافظہ بھلا کر جو تک قرآن خون کراتے ہیں۔ بعض دوا بندی کی کو بھی حرم کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرم کہنا محض لفظ ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مکتوبات کتاب عذاب ابھر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ **وَنُؤْتِي عَنْهُ اٰیٰتًا مُّلٰکًا** اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں جب منکر تکبیر فرشتے سوالات کے لئے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد آؤں باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ مخصوص سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید، جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون سے مرنے والا، نہاد طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا (جذعہ) یہ وہاں صابروں، صدیق، ناباغیچہ، بعد کے دن یا جو کسی رات میں مرنے والا۔ ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا یا عرض موت میں روزانہ سورہ اخلاص پڑھنے والا (بعض نے لڑائی میں بھی) اس سے معلوم ہو کہ جو جو کو حرم اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہو اور بعد دفن سے ہی آدمی وہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جعہا گیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ عذاب الہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرمادے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور قاری بھی ہو۔ کتاب ان ذکار مضطر، ام نووی باب، بقول بعد دفن میں ہے کہ **قَالَ الشَّافِعِيُّ يَسْتَحَبُّ اَنْ يَقْرَأَ عِنْدَهُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ فَلَوْ اَنْ حَتَمُوا الْقُرْآنَ كُلَّهُ كَانَ حَسَنًا**

"یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔"

ہم اذنا قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو ہر جاگ جائے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت قرآن ضرور نافع ہوگی نہ شاء اللہ عزوجل مگر چاہئے کہ کسی وقت بھی قرآنی سے غافل نہ رہے اگرچہ لوگ باری باری نہیں۔

**ضروری نوٹ** بعض جگہ مسلمان رحماں کے تحت الدوار کے دن کچھ داخل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرم و بدعت کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو روک دیتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے **اَرَأَيْتَ لَدُنِّيْ بَعْثًا اِذَا صَنَعْتُمْ** ہمارے دیکھو جو منسج کرتا ہے۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی قمار کی قمار سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لئے روکنا بگڑ جائز نہیں۔

قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۷ سورہ صافات ۱۰ آیت **وَلَتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلَ الْمُجْرِمِیْنَ** ایک حدیث نقل کی۔

اُثْمَ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ تَرَكَ صَدَقَتَهُ فِى جِهَالَتِهِ لَوْ نَابَ وَدَمَ عَمِي تَرَكَهَا فَلْيُصَلِّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ  
وَالْعَصْرِ اثْنِي عَشْرَةَ رَكْعَةً يَبْقُرُ فِى كُلِّ مِثْمَا الْفَاتِحَةَ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ وَالْاِخْلَاصَ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ مَرَّةً  
لَا يُحَاسِبُهُ اللهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَكَرَهُ فِى مُخْتَصَرِ الْاَحْيَاءِ

"جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ دینے پر توبہ کرے اور شرمندہ ہوا کے چھوٹ جانے کی وجہ سے توبہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں  
اللہ پر چھ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی اور قل ھو اللہ اور قلل وسورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب نہ  
لے گا۔ اس حدیث کو مختصر ال احیاء میں ذکر کیا۔

صاحب روح ہیماں اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادم ہونیکا یہ مطلب ہے کہ وہ تارک الصلوٰۃ و شرمندہ ہو کر تمام نمازیں  
قضاء پڑھے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضاء کرنے کا جو کہ ہوا اتحاد اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ  
نمازیں قضاء نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھو سب ادا ہو گئیں یہ تو واقعی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے  
یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سال بھی تک نماز نہ پڑھو۔ جس جمعہ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح  
الہیماں سے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الاقوال بروج میں ایک حدیث ہے  
کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حایوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ ہر گاہ الہی سے جواب آیا کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق  
العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر حرا و اندلس دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرما دیئے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض  
بارہ کسی کو قرض کردہ کسی کی چوری کر لو اور حج کر آؤ۔ سب معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ ادا سے قرض میں جو خلاف وعدہ و تاخیر و غیرہ ہو گئی وہ معاف کر دی گئی  
حقوق العباد ہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضا عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرے تو اس کو سمجھ دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔  
اللہ توفیق خیر دے۔ مگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضل اعمال میں مستحضر ہے۔

# بحث اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا رادہ رہا تھا مگر وہ رخصتوں میں ہم نے غراب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل بہا میں کا مسئلہ بھی لکھ دیتا کہ کتاب مکمل ہو جاوے لہذا اس کو بھی داخل کتاب کرے ہیں۔ رب العالین قبول فرماوے۔ آمین

اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

## پہلا باب

### انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے **اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ** تو اس کو سن کر بچے دونوں انگوٹھے یا گلے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگا نہ مستحب ہے اس میں دنیوی و دینی بہت فائدہ ہے۔ اس کے متعلق احادیث و روایں صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جاب کر کرتے ہیں۔ صلوٰۃ مسجودی جلد دوم باب ستم بائگہ نماز میں ہے۔

**رَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِي فِي الْاَذَانِ وَوَضَعَ اِنْهَامِيَهُ عَلٰى عَيْنَيْهِ قَدْ طَالَبَهُ فِيْ صُفُوْفِ الْقِيَمَةِ وَقَدْ نَدَاهُ لِي الْاَحْتِ**

”حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ۱ سورہ مائدہ زیر آیت **وَادَا دَا دِيْنَهُ اِلَى الصَّلٰوةِ اَللّٰهُ** ہے۔

**وَصَعَفَ تَقْبِيْلُ طَفَرِيْ اِنْهَامِيَهُ مَعَ مُسْتَحْتِهِ وَالْمُنْحَ عَلٰى عَيْنِهِ عِنْدَ قَوْلِهِ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ لَا اَنْهَ لَمْ يَنْسَبْ فِي الْاَحْدِيْثِ لَمْ يَفُوعْ لَكِنْ لِمَا حَدَّثَنِ اَنْفَعُوْا عَلٰى اَنْ اَلْحَدِيْثِ اَصْعِيفَ يَجُوْرُ لَعْنَلِيْ بِهِ فِي لَسْرَعِيْنٍ وَالتَّرْهِيْبِ شَايَ اَحْدَاثُ بَابِ الْاَذَانِ مِمَّنْ هُوَ يَسْتَحْتُ اَنْ يُعْلَلَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاَوَّلِيْ مِنْ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ يَكُنْ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَعِدَ الثَّابِتِ مِمَّا فَرَّثَ عِيْسَى بَكْ يَارَسُوْلَ اللهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْمُهَيْمَةُ مَتَعَسَى بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ صَفَرِيْ الْاَيْدِيْ مِنْ عَيْنِيْ لَعْنَلِيْ قَدْ نَدَاهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ قَائِدًا لَّهُ اِسْمِي الْاَحْتِ. كَذَلِكَ كَرَّرَ اَلْعَبْدُ اَدْفَهْنَسَانِيْ وَجَوَّاهُ فِي الْاَعْدَاوِي الصُّوْفِيَةِ وَفِي كَسْبِ اَلْمَرْدُوْسِ مِنْ قَبْلِ طَفَرِيْ بِهِ مِنْهُ عِنْدَ سَمَاعِ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ فِي الْاَذَانِ اِمَّا قَدْ نَدَاهُ وَمَذَحْنَهُ فِي صُفُوْفِ الْاَحْتِ وَتَمَامُهُ فِي حَوَاشِي لِحَرْزِ لَزْمَلِيْ**

”مدرسہ اسلامیہ علیہ السلام کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو گلے کی انگلیوں کے چومنا صعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مروی ہے جاہل نہیں لیکن محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث صعیف پر عمل کرنا قربت دینے اور ذراے کے متعلق جائز ہے ازاں کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے۔“

**صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ** اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہتے **فَرَقَ عِيْسَى بَكْ يَارَسُوْلَ اللهِ** پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کی انگلیوں پر رکھے اور کہے **اَلْمُهَيْمَةُ مَتَعَسَى بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ** تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد میں ہے اور سی کی محل قنوی صوفی میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے آذان میں **اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ** سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے جنت کی نعمتوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی میں ہے۔“

اس عبارت سے چند کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، قنوی صوفی، کتاب الفردوس جہتانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنی الا احادیث الد نر علی السنیس امام عطاوی نے فرمایا۔

ذکرہ: الذَّیْلُمُ لَمْ یُفْرِغْ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ بُکْرٍ، الصَّدِیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّہُ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَدِّیْنِ اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قُلْ ہَذَا وَقْتُ بَعْثِ الْاَمَامِیْنِ السَّابِقِیْنِ وَمَسَحَ عَیْنِہُ فَقُلْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مِنْ فَعَلٍ مِّثْلِ مَا فَعَلَ حَبِیْلٰی فَقَدْ حَلَّتْ لَہُ شَعْنُیْ وَلَمْ یَصْحُ

"ابن ابی ہریرہؓ نے فرودس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سرکار نے جب مؤذن کا قول اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سنا تو یہی فرمایا اور اپنی آنکھوں کے باطنی حصوں کو چومے اور آنکھوں سے لگا یا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس یاد رکھنے کی طرح کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔"

یہ حدیث پاپیت تک نہ پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجباتِ رحمت معتمد ابوالاعمال احمد کروردار سے نقل کیا۔

عَنْ الْحَصْرِ عَنِہِ السَّلَامُ اَنَّہُ قُلْ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَدِّیْنَ یَقُوْلُ اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَفَرْدَہٗ عِیْسٰی مُحَمَّدًا اَنَّہُ عَبْدِ اللّٰہِ ثُمَّ یَقْبَلُ اِنْبِیَآئِہِ وَیَحْبِیْہُمَا عَلٰی عَیْنِہِ لَمْ یَزْمَدْ اَبَدًا

"حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو کہے

مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَفَرْدَہٗ عِیْسٰی مُحَمَّدًا اِنَّہُ عَبْدِ اللّٰہِ پھر اپنے آنکھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں نہ کھلیں گی۔"

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن وہاب نے اپنا قصیدان فرمایا کہ ایک ہارتیہ ہو چلی۔ جس سے ان کی آنکھیں نکلی چلی اور کل نہ کھلتی رہتی۔

و اَنَّہُ لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَدِّیْنَ یَقُوْلُ اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قُلْ دَلِکَ فَحَرِّ حَتِّ الْحَصْرِ مِنْ نُوْرٍ

"جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو یہی کہہ کر یا فوراً آنکھوں سے لگائی۔"

"اسی مقاصد حسنہ میں جس شخص جس صانعِ ربی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام احمد کفر فرماتے ہوئے سنا امام احمد حنفی مدینہ مصر میں سے ہیں) فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک سنے تو اپنے آنکھوں سے لگے اور انکو جمع کرے۔

وَقَشَبُہُمَا وَمَسَحَ بِہِمَا عَیْنِہِ لَمْ یَزْمَدْ اَبَدًا۔۔۔ اور فرودس کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی نہ کھلے گی۔"

پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق و شام نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ کھلیں گی۔

وَقَالَ لَیْ تَنْکُلْ مِنْہُمَا مَدَّ فَعَلْہُ لَمْ یَزْمَدْ عِیْسٰی۔۔۔ انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ کھلیں۔"

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔ قُلْ اِنَّہُ صَالِحٌ وَاَمَامُہُ سَمْعُہُ اسْتَفْعَلْتُہُ فَلَا تَزْمَدْ عِیْسٰی وَرُحُوْا اَنْ عَیْنِہُمَا تَذُوْمُ وَنَیْ اَصْنَعُہُ مِنَ الْعَمٰی اِنْ شَاءَ اللّٰہُ

"بن صانع نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا ہے اس پر عمل کیا میری آنکھیں نہ کھلیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہے گا اور میں انکو جاننے سے محفوظ رکھوں گا۔"

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے کہے مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَفَرْدَہٗ عِیْسٰی مُحَمَّدًا اَنَّہُ عَبْدِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اور اپنے آنکھوں سے لگائے۔

لَمْ یَغْمُ وَلَمْ یَزْمَدْ کبھی امداد نہ ہوگا اور کبھی اس کی آنکھیں نہ کھلیں گی۔ غرض کہ اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے آنکھوں سے یہ عمل ثابت کیا۔

شرح قاری میں ہے۔

وَعَدَمُہُ اَنَّہُ یَسْتَحِبُّ اَنْ یَقُوْلَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاَزْلَمِ مِنَ الشَّہَادَةِ الدَّیْنِیَّةِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الثَّانِیَةِ مِنْہَا قُرْثُ عِیْسٰی بَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بَعْدَ وَصِیْعِ ظَفَرِیْ اِنْبِیَآئِہِ عَلٰی الْعِیْنِیْنِ فَاَنَّہُ عَلَیْہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَكُوْنُ لَہُ ثَانِیْدٌ لِّی الْحَبِّ کَدَاحِی



”جاننا چاہئے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے مکر سن کر یہ کہے قرۃ یحییٰ بک یا رسول اللہ اپنے انھوں کے ماتحتوں کو سکھوں پر رکھے تو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کثر العباد میں ہے۔“

تَقْبِلُ الْإِلَهَ مِنْ رَوْعِهَا عَلَى الْعَبْدِ عَدَدُ ذِكْرٍ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْإِدَانِ حَاتِرٌ بَلْ  
مُسْتَحَبٌّ صَرَّحَ بِهِ مَشَائِخُ

”ان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف بن کر انگوٹھے چھوٹا اور انگوٹھوں سے لگا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اسکی تہارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔“  
علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ وعلیہ السلام جمع ہی والا نو میں اسی حدیث کو **لایصح** فرما کر فرماتے ہیں۔

وَرَوَى تَحْرِيفًا عَنْ كَثِيرِينَ "اس کے تجزیہ کی روایات کثرت آئی ہیں۔"

اس کے علاوہ درجہ بھی مہارت پیش کی جا سکتی ہیں مگر قصہ اسی پر قیامت کرتا ہوں حضرت ممدو، فاضل سوری کی مرشدی استاذی مولانا کاج سید نعیم بدین صاحب قید مراد پوری و اہم ظالم فرماتے ہیں کہ روایت سے انجیل کا ایک بہت پر مانوس برآمد ہو جس کا نام ہے (انجیل برہاں) آجکل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر باب میں نکتے تحریر کیے گئے ہیں اس کے اکثر احکام سلاوی احکام سے ملتے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے روح القدس (نور مصطفیٰ) کے دیکھنے کی تمنیٰ تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ن ناخنوں کو چوم کر آنکھوں سے لگا دیا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفیٰ کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو، جہاں تک بتایا گیا ہے کہ زمانہ یسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے علوئے احناف کے علاوہ علوئے شافعی و علوئے اہلبہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے احتساب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب "اعانة الطالبین علی حال الفناطیح المصنوعین" مصری صلفہ ۲۳۷ میں ہے۔

ثُمَّ يُقْبَلُ إِلَيْهَا مِنْهُ وَيَخُصُّهُمَا عَنْ عِيسَى لَهُ يَخُو وَلَهُ يَرْفَعُ أَيْدِيَهُ  
 "میرا اپنے انگوٹھوں کو چمکے آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی نہ حائل ہوگا ورنہ کبھی آنکھیں دیکھیں گی۔"  
 مذہب، بالکل کی مشہور کتاب "کتاب الطالب الرافعی" رسالہ ابن ابی ریحہ القمیری دہلی "مصری جلد ۱ ص ۱۶۹ میں اس کے حقائق بہت کچھ تحریر فرماتے  
 ہیں، پھر فرماتے ہیں۔

عَنِیْہُ لَمْ یَغْفِرْ وَلَمْ یَرْمِزْ اِذَا ” انہما ہوا رتہ کسی گھمبیس و گھمبیس۔“  
اس کی شرح میں علامہ شیخ علی اصغر علی عروزی ص ۷۷ نے انکار فرماتے ہیں۔

لم یبق موضع لتقبیل من امہا میں لانا ہوں عن النبی لعنہ العنصر نور الذیبر احمر اسانی فان معصمہ بقیۃ وقت الاداں ہفت سماع المودن یعول اشہد ان محمدا رسول اللہ قبل ہما می بعسہ و مسح بالظہرین اھلہا عیبہ من الصدق اکھی باحیۃ بضاع ثم فعل تک عبد کون شہد مرۃ فساتہ عن ذلک فقال کنت فعلہ ثم ترکہ المرصۃ عیای فرء بہ ضری اللہ علیہ ومنہ ماف قد لمارکت مسح غیبک عبد الاداں ن ردت ن تبرء عباک فعذ فی المصح فاسبغت و مسح فیراب ولم یعد فی مرضھا امی لان مصنف نے انگوٹھے چرمے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مغیر نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ اس کو آذان کے وقت ملے جب ہوں ے مؤذن کو اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے ہوئے سنا انہوں نے اپنے انگوٹھے چرمے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا۔ اور کبھی کے کونے تک پہنچایا۔

پھر ہر شہادت کے وقت ایک بار کی میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگو کہ میں پہلے انکو ختمے چڑھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ یہی میری جنگیں بیمار ہو گئیں۔ پس میں نے جواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ تم نے «اں کے وقت انکو ختمے نہ کھو» سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ گرم چاہتے ہو کہ تمہاری آنکھیں اچھیں ہو جائیں تو پھر یہ انکو ختمے نہ کھو» سے لگانا شروع کر دو۔ پاس بید ہو درمیان شروع کیا۔ مجھ کو آرام ہو گیا۔ اور پھر اب تک وہ عرض نہ لونا۔ (اخود النجی الاسلام)

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چومنا سنگھوں سے لگنا مستحب ہے حضرت آدم علیہ السلام اور صدیق کبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء محدثین و مفسرین اس کے استحباب پر متفق ہیں آئمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل قاعدے ہیں یہ عمل کرنے والا آنکھ دیکھنے سے محفوظ رہے گا اور اس شہداء اللہ عزوجل بھی مدد عائد ہوگا گرا آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اسکے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اس کو حرم کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم یہ بحث کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

**نوٹ** دان کے مطلق توصیف و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں پیش کی جا چکی ہیں تکبیر بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان لہرنا یا دیکھا ہے۔ دواذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ **اشہد ان محمداً رسول اللہ** پر انگوٹھے چومنا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص حضور علیہ السلام کا نام شریف من کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت حیرے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی جاوے باعث ثواب ہے۔

# دوسرا باب

## انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات

**اعتراض ۱** انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ دوسب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو متا حدیث میں فرمایا **لَا يَصَحُّ فِي الْمَرْفُوعِ مِنْ كُلِّ هَدَاشِيٍّ**۔ اس میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ ملاحظہ قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا۔ **كُلُّ مَا بَرِئَ فِي هَدَاشِيٍّ فَلَا يَصَحُّ وَفَعْدُهُ** یعنی اس مسئلہ میں یحییٰ حدیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ رشاشی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا **لَا يَصَحُّ مِنَ الْمَرْفُوعِ مِنْ هَدَاشِيٍّ**۔ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔ **جواب** اس کے چند جوابات ہیں اول تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہو کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملاحظہ قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت حقوقہ کے بعد فرماتے ہیں۔

**قُلْتُ وَادَّيْتُ رَفَعَهُ لِي لَصْدِيقِي رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَبُكِمُنِي لِلْعَمَلِ بِهِ فَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بَشَنِي وَمِنَ الْخُلَفَاءِ اِمْرُئِشْدِينَ**

”یعنی میں کہتا کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق کبرونی رحمہ اللہ عن تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرنا ہوں اپنی سخت اور اپنے ظلمتے راشدین کی سخت۔“

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا **لَمْ يَصَحِّ** یعنی یہ تمام احادیث حضور ﷺ تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں درج نہ ہوئے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درج حسن ہوتی ہے لہذا یہ حدیث حسن ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جاوے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ در مختار حدیث ذیل باب مستقیمت الوضوء میں محدث وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں۔

**وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ طَرَفِي** اس حدیث کو ابی حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے تحت رشاشی میں فرماتے ہیں۔ **أَيُّ يَفْقَرُ بَعْضُهَا بَعْضُهَا فَرَفَعَنِي أَلِي مَرْئِيهِ الْحَسَنُ** یعنی بعض اسناد بعض کثرت دیتی ہیں لہذا اس یہ حدیث درج حسن کو پہنچ گئی اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے لہذا حسن ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر ماہی سے جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمار میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی علامہ رشاشی اسی رد المحتار مجدد ذیل باب الاذن میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔

**عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمِنْ فِصَالِ الْأَعْمَالِ يَخْوَرُ الْعَمَلُ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ كَمَا مَرَفِي أَوَّلُ كِتَابِ الطَّهَارَةِ** فضائل اعمار میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب و حرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہذا اس حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار معتمد امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

**وَقَدْ رَوَيْنَا فِيهِ حَدِيثًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِمَامَةَ لَيْسَ بِالْقَدِيمِ اسْنَادُهُ وَلَكِنْ وَتَصَدُّ بِشَوَاهِدٍ وَعَمَلُ خَلِ الشَّامِ** یعنی تلقین میت کی حدیث قوی اسناد نہیں مگر اہل شام کے عمل دو گروہ ہوں سے قوی ہو گئی انگوٹھے چومنے پر بھی مت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث قوی ہوئی اس سے زیادہ تحقیق نورالانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث مذہبی۔ تب بھی امت مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے۔

**صَرَّاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ** ”جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔“ چہنچہ یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا کھٹکی تیار یوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صوبہ گرام کا تکرار کافی ہوتا ہے۔

چنانچہ شہ ولی اللہ صاحب ہوا محدث ہوا محدث مقدمہ کے دسویں باب میں فرماتے ہیں اجتہاد اور استخراج اہل تصریح راہ کشادہ مست امتداد استخراج اہل انجمن قراہین ر تصریحی اعمال میں جہاد کا سترہ نکلا ہوا ہے۔ جیسے کہ طیب لوگ حکمت کے نسخے بجا کرتے ہیں خوشادون صاحب نے پنی

کتاب التعلیل انہیں وغیرہ میں صد ہا تعویذ گننے سے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ اصل محفوظ رکھنے کے بموجب فرمائے ہیں کہ فلان دعا برتن کی کھال پر لکھ کر حوریت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دو۔ اسقاط نہ ہوگا چشم کا رنگا ہو اور امحورت کے جسم سے باپ کو گرہ لگا کر حوریت کی بائیں ران میں باندھنا درود کو منہ پر وغیرہ بتاؤ کہ ان عمل کے حصول کو ہی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شاہی نے جادو سے بچنے، ملکی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لئے بہت سے طریقے شری میں بیان فرمائے تاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درجہ چشم کے لئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شری اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چوئے کئے مستحب فرمایا۔ اس انتخاب پر کوئی حرج قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوعہ کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم انتخاب تو بالکل صحیح ہے۔ لکن ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ انتخاب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ انھوں نے یہ کہا اگر بان لیں کہ انتخاب کا ثبوت طعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کہ بہت کے ثبوت کی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چوئے مانکر وہ ہے یا نہ چوئے وغیرہ وغیرہ ان شاء اللہ واصل کر بہت کے لئے صحیح حدیث تو کیا طعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروس کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

**الحمد لله عروس** کہ اس اعتراض کے پرچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

**اعتراض ۲** حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کرچہ تھا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو چوئے ہو۔ چوئے کی جو وہاں تھی وہاں نہیں۔

**جواب** حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لئے مضافہ مراد پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم ج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہو؟ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تئیں جبکہ شیطان کو ننگر مارے آج تم ج میں وہاں کیوں مارتے ہو؟ وہاں بے کون شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھائے کے لئے طواف میں دل کر کر پٹی حالت دکھائی۔ تاؤ کہ اب طواف قدوم میں دل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرم کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ کسی یادگار رہتی رہتی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

**اعتراض ۳** کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چوئے ہو۔ کوئی درجہ کیوں نہیں چوئے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چوئے نہ چاہیے۔

**جواب** چونکہ رایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لئے اسی کو چوئے جے ہیں مصیحات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ مگر اس کا کتبہ ہی معصوم کرتا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر حازرہ روح البیان وغیرہ نے پارہ سورہ اعراف زیر آیت **يَذُوبُهُمَا سَوَاءُ** میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا جتنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب اس پر عتاب الہی ہوا وہ کپڑا پہن لیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار رہتی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جتنی لباس ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود مفتی پتھر ہے اس کو چوئے ہیں باقی کعبہ شریف کو کیسے چوئے۔ کیوں کہ وہ اس جتنی گھری یادگار ہے جو کہ حضور آدم علیہ السلام کے لئے رہن پر آیا تھا اور طوفان لونی میں اٹھایا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار ہاں طرح ناخن بھی اس جتنی لباس کی یادگار ہے۔

# بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے یا آواز بلند کر طیب سب ل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں  
 مجھ کو یہ بات بھی شہد کہ کوئی اس کو بھی معذور سمجھا جائے گا مگر انتخاب میں آکر معلوم ہوا کہ وہ بے ہوشی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ہر مسئلہ پر کچھ  
 لکھنے کا ارادہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور حقا عرض کرنا پڑا اس بحث کے بھی دو باب لکھے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے  
 ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

## پہلا باب

### جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا نعت شریف یا نعت شریف آیت آیت بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی  
 آیت و احادیث و کتب و روایات کافی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اٰیُّ یَذْكُرُوْنَ دَانِمًا عَلَی الْحَالَاتِ کُتِبَ فَاَتَمِّیْنَ وَفَادِیْنَ وَمُصْطَحِعِیْنَ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ لَا یُحْلُوْهُ عَنِ هٰذِهِ  
 الْهَیْئَاتِ عَالِمٌ

"آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کلمے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ہر حالت میں اکثر حالات سے خالی نہیں ہوتا۔"  
 تفسیر ابن کثیر میں اسی کے تحت ہے۔

وَلَمَّا رَدَّ نَعْمَیْنِ الذَّکْرَ لِلْاَوْقَاتِ وَنَحْصِیْضِ الْاَحْوَالِ الْمَذْكُوْرَةِ لَیْسَ بِتَحْصِیْصِ الذَّکْرِ لَوْنِهِ فَاِنَّ  
 الْاَحْوَالَ لَیْسَتْ لَا هٰذِهِ اَتَلْتَنَّهُ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِکُیْفِهِمْ ذَكَرَیْنِ فِیْهَا کَانَ دَلٰلَکَ دَلِیْلًا عَلٰی کُیْفِهِمْ  
 مَوْظِعِیْنِ عَلٰی الذَّکْرِ عِبْرَتَانِیْنِ عِنْدَ

اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو ترجمہ پرچہ۔ ابن عربی نے کمال میں اور امام ربیع نے نصب الریۃ تخریج احادیث میں یہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس  
 دہلی میں لکھا ہے عن ابی عمر قال لم یکن یسمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یحشی  
 حلف الجمارۃ الا قول لا اله الا لله فیدب وراحا اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو۔ مگر بھی فضائل عمر میں معتبر ہے۔ قدیم  
 القاری رد المحتار مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳ پر ہے۔ ولکن قد اعتد الناس کثرة الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 ورفیع اضواءہم بدالک وھم ان یستغفروا عن نفوسھم عن الشکوک والضعف فیقولون فی کلام  
 دنیوی وزہم وقول فی عینہ والکار المنکر اذا قصی الی ما ھو اعظم منکر کما ترکھ احث  
 لائنہ ارتکاب باحاف المصرتین کما ھو القاعدة لشرعینہ

اس آیت اور ان نظائر کی عبارت و احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ہر حال میں ذکر الہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا  
 آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ اب کسی موقع پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کہ از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث و حد اور قیاس  
 مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء جو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت کے طور و مقام و کھڑوں کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی  
 آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھتے تو جائز ہے (دیکھو ما کتب اللہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جا رہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہے جس حالت میں بھی  
 ہر طرح ذکر الہی جائز ہو قرآن فرماتا ہے۔

اَلَا یَذْكُرُ اَلَنَّهُ تَنْظِمْنَ الْفَلَوْتُ "خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے جس حالت میں پڑھتے ہیں۔"  
 اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُ یُسَبِّحُ بِالْفَرَا وَذَكَرَ اللّٰهُ الَّذِیْ هُوَ الْاَسْمُ الْاَعْظَمُ وَیُحِبُّوْهُ سَمَاعُهَا وَالْکُفَّارُ  
 یَقْرَءُوْنَ بِاَلَلْنِیَا وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِذِکْرِ غَیْرِ اللّٰهِ



”جس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ امرِ عظیم ہے) مسماں اُس جیسے ہیں اور اس کو سنا چاہتے ہیں اور کٹا اور دیا سے خوش ہوتے ہیں اور وہ کہ میرا اللہ سے سرور پاتے ہیں۔“

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیوں سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ حیاں رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہو انھیں پنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کتر اسماء جلد ہفتم صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے۔

نُكْرُوا فِي الْحَبَاةِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَكْرُوهٌ لِّكُلِّ الْمَوَاتِ يَا ذَكَرَ اللَّهُ فِيهِ۔

اِنَّ اللَّهَ مَلَكَةٌ يَطُوفُونَ فِي الطَّرَفِ يَسْمَعُونَ هَلْ لَدُنْكَ قَادًا وَحَذُوْا قَوْمًا يَذْكُرُونَ لِلَّهِ نَادُوْا هَلُمُّوْا اِلَى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَهَيِّئُوْا لَهُمْ مَا يَخْتَلِمُوْنَ

”اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چارو گاتے ہیں ذکر اللہ کرے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذکر یں کو پردوں میں ڈھانپ بیٹھے ہیں۔“

لہذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو مانگہ راستے ہی میں ملیں گے۔ ورنہ سب کو اپنے پردوں میں ڈھانپ بیٹھنے کے میت بھی مانگہ کے پردوں کے سایہ میں قبرستان تک جا دیا حیاں رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔

مَكْرُوهٌ اِلَّا بِابٍ فِيهِ۔

دَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْبَعُوا قَانُوا وَهَارِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا قَالُوا وَهَارِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حَقٌّ لَدُنْكَ

”حضور صلیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرنا تو کچھ کچھ لیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے محلے۔“

اس سے ثابت ہو کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الہی ہو تاہوا چاروے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مکتوبہ میں سی باب میں ہے کہ

الشَّيْطَانُ حَائِلٌ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ قَادًا دَاكِرَ اللَّهِ حَسْبُ

”شیطان، انسان کے دل پر چڑھا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ جاوے گا تو شیطان سے میت کو اہر بھی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجبر کو لازم ثابت کیا گیا۔ اب قرآن فقہاء مدخلیوں جن میں س کی تصریح ملتی ہے۔ صدیقہ مذہب شرع طریقہ مذہب میں امام عبدالغنی ثانی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے حقیقی تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازہ کے ساتھ ذکر بالجبر کو منع فرمایا ہے وہ کہ میت تڑپائی کی بناء پر ہے یا کہ میت تحریری کی بناء پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

لَكِنَّ بَعْضَ الْمَشَائِخِ حَوْزًا وَ”تَذَكُّرَ الْعَهْرَى وَرَفَعَ مَضُوبٌ بِالْتَعْظِيمِ قَدْ ذَمَّ الْحَدْرَةَ وَخَلَفَهَا لِلْفَقِيهِ الْمَعِيَتِ وَالْأَمَوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ وَسَيِّئَةُ الْقَعْدَةِ وَالْقَصْمَةِ وَرَدَّ لَدُنْهُ ضِدَاءُ الْقُتُوبِ وَقَسُوْنَهَا يَحِبُّ الدُّنْيَا وَرَبَّهَا سَتَهَا

”یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازہ کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور غبی دنیا کی محبت دور ہو۔“

واقعہ انوار اللہ سیدی بیان اصحوا واکھمد یہ میں قلب ربانی نام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وَكَاذِبٌ سَيِّدِي عَلَى الْحَوَاضِ رَضَى اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ ادْعُهُمْ مِنَ الْمَشَائِخِ مَعَ الْجَبَاةِ اِنَّهُمْ لَا يُتْرَكُونَ الْمَعْفُو فِي الْجَبَاةِ وَيَسْتَعْفُونَ بِأَحْوَالِ الذَّنْبِ فَيَسْمَعُونَ اَنْ نَامُرَهُمْ بِقَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ فَإِنَّ دَالِكَ أَفْضَلُ مِنْ تَرْكِهِ وَلَا يَسْمَعُونَ لِلْفَقِيهِ اَنْ يُكْزَرَ دَالِكُ الْأَبْصَرُ أَوْ إِخْمَاعُ قَدْ لِمُسْلِمِينَ لِأَدْنِ الْعَدَمِ مِنَ الشَّارِعِ بِقَوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ كُلُّ وَقْتٍ شَأْنًا وَلِلَّهِ

العجب من عمى قلب من ينكر فضل هذا

حضرت علیؓ انھوں نے رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنارہ کے ساتھ جانے والے بیچودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حادثات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ انکو کل پر مٹنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کل پر مٹنا پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عام کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو اس سے یہ مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع طیبہ اسلام کی طرف سے مسلمانوں کو کل پر مٹنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ اور وقت قحیب ہے اس لئے کہ عدل سے جو اس کا انکار کر لے۔

امام شعرانی اپنی کتاب جود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

ولا تُمكن أحدًا من أخوات نكز شئًا ابتدعها المسلمون على جهة القرية ورواه حسناً لا سيما ما كان متعلقاً بالله ورسوله كقول لئس امام الحارث لا اله الا الله محمد رسول الله او قرءة احد لقُرآن امامها وبحودالك فمن حرم ذلك فهو قاصر عن فهم الشريعة

”ہم پہ یہ باتوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایک چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب بخور لکھا ہو ورنہ اس کو اچھا سمجھ ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول طیبہ اسلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ چاہنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔“

پھر فرماتے ہیں۔ وکلمة لا اله الا الله محمد رسول الله اکبر احسان فكيف يضيع منها وتامل احوال غالب الخلق الان في الحارة تحذفهم مشغولین بحکایات الذب لم يعتبروا بالمیت وقبلهم عاقل عن جميع ما وقع له بل ربت منه من نصحك و داتعارص عند مثل ذلك وکون ذلك لم یکن فی عهد رسول الله صلے الله علیه وسلم فذم ذکر الله عز و حل کل حدیث لغیر ولی من حدیث اسماء الذب فی الحارة فهو صاحب کل من فی الحارة لا اله الا الله محمد رسول الله فلا اغترص

یعنی کلمہ لا اله الا الله محمد رسول اللہ تمام باتوں میں بہترین کی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جا سکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غائب حالت میں غور کرو تو تم اس کو جنارہ کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دینیت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو پتہ ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو کس پر عمل کر کے یہ کلمہ پیچھے رہنا میں میت کیساتھ پکار کر نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اس کے ناجائز ہو نیک حکم دینا درست نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے بلکہ دنیا داروں کی باتوں سے ہر بات جنارہ کے میں بہتر ہے پس اگر تم مرگے جند آواز سے جنازے کے ہمراہ لا اله الا الله تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔

نہایت سے معلوم ہوا کہ جنارہ کے ساتھ اگر بلند آواز سے دکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس وقت میں جبکہ مومن میت کے ساتھ پنتے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو کراچی میں مشغول کر دیا جاوے کہ کراچی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

# دوسرا باب

## اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر حقائین کے حسب دلیل اعتراضات ہیں۔ مثلاً امام اسعدیہ نے نہیں کے۔

**اعتراض ۱** جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں، چنانچہ عالمگیری جلد ۱ کتاب الجنائز فصل فی حمل الجنائزہ میں ہے۔

وَعَسَى مُبْعَى الْحَارَةِ الضَّمْتُ وَيُكْرَهُ لَهُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرْنَةُ الْقُرْآنِ فَإِنْ ارَادُوا يُذَكِّرُوا اللَّهَ يَذْكُرُهُ، فَيُحْسِنُ كَلَامَهُ فَيُفَاتِي قَاصِي حَالٍ

"جنازے کے ساتھ چنانچہ لوگوں کو خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن چڑھنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو پنے دل میں کریں۔"

وَيُكْرَهُ لِسِيَاخِ وَالصَّوْتِ حَلْفُ الْحَارَةِ وَفِي مَرْوِ الْعَمِيَّتِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرْنَةُ الْقُرْآنِ وَقَوْلُهُمْ كُلُّ حَيٍّ يُمُوتُ وَبِخُودِ لَكَ حَلْفُ الْحَارَةِ لَمَعَةً

"جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں سو ذکر کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن چڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔"

در مختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن الميتہ میں ہے۔ کما نکرہ فقہا رفع صوت بدخبر او قرآن ہ جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرأت کرنا مکروہ ہے۔ اس کے تحت شامی میں ہے۔ فَمَنْ وَادَا كَانْ هَذَا فِي الدُّعَاءِ فَمَا طَلَبَ بِالْعَدَاءِ الْحَادِثِ فِي هَذَا الزَّمَانِ جَبَدَا مِمَّا اس قدر حق ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔

ابن منذر نے اشراق میں نقل کیا کہ۔

قَالَ فَيَسِّرْ اِسْنِ عِبَادَةِ كَانْ صَحَبَ رَسُولَ لَنَهْ صَنِعَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُونَ رَفْعَ الصَّوْتِ غَسَدَ دَلِيلِ عَدِ الْقَبْرِ وَفِي الْحَارَةِ وَفِي الذِّكْرِ يَعْنِي مَحَابِرَ كَرَامِ جِهَادِ جَنَارَهُ وَذَكَرَ فِي بَلَدٍ آدَا كَوْنًا يَنْدَكِرُ تَحْتِ مَهْرَاتِ سَعِ مَعْلُومِ هُوَا كَرَمِيَّتِ كَسَا تَهْ بَلَدٍ آدَا سَعِ ذَكَرَ كَرَامِ مَعِ بَعِ صَوْتِ وَهَا كَانَا جَسَا كَوْنَا كَلْ نَحْتِ غَوْنِي كَبْتِ هِي وَهُوَ تَوْبَهُتِ هِي رَ بَعِ (حاشیہ کا یہ نہائی اعتراف ہے)

**جواب** فقہاء کی ان مہارت میں چند طرح گفتگو ہے اؤنا یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر یا حجر کو مکروہ لکھا اس سے کہ بہت تیزی مر رہے یا تحریری اگر بہت تیزی جائز میں داخل ہے یعنی اس کو کرنا ناجائز ہے مگر کرنا بہتر دوسرے یہ حکم اس زمانے کے سینے تھا کہ ہر زمانہ کے لئے۔ تیسرے یہ کہ مطلقاً بوجہ منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر یا حجر یا کونوہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بے فہم کو منع ہے یا کہ خاص، فخاص کو۔ جب یہ چار باتیں ملے ہو جائیں تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر یا حجر کو مکروہ فرمایا۔ ان کی مراد مکروہ تیزی ہے چنانچہ شامی نے اسی حقولہ جہاد کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

قِيلَ تَخْرِيفًا وَقِيلَ سُرْنِيهَا كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْغَابِثِ وَفِيهِ عَمَّا وَيَسْعَى لِمَنْ يَبْعُ الْحَارَةَ نَ بَطْنِ الْضَمِّتِ "کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریری ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تیزی جیسا کہ بحر الرائق میں غایت سے نقل کیا اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ چلائے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔"

جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر ہے اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر یا حجر کرنا بہتر نہیں جائز ہے۔ نیز کہ بہت تیزی اور تحریری کی پچھاں خود عدم شامی نے مکروہات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی۔ فرماتے ہیں شامی اول کتاب الطہارت مطلب تعریف المکروہ۔

فَبِحَسْبِ ادَا كَرُوْهُ مَكْرُوْهُ وَهَافِلَا بَدَسِ الظُّوْرِ فِيْ دَلِيْلِهِ فَاِنْ كَانْ هَبْ طَبَا يَحْكُمُ بَكْرَاهَةِ التَّخْرِيمِ لَا بَصَارِفِ التَّهْنِي عَنِ التَّخْرِيمِ اِلَى الذُّبْ فَاِنْ لَّمْ يَكُنِ الدَّلِيْلُ يَنْبِيْ بَلْ كَانْ مُفْهِدًا التَّرْكُ الْعَفِيْرُ

الْجَارِمُ فَهِيَ تَمْرِيْهِةٌ

”جب فقہاء مکروہ و مہرمیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں فطری چاہے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہت تنزیہی ہے۔“

اس سے معلوم ہو کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت حتمی۔ اور جن فقہاء نے بھی اس ذکر کا بخیر کونفع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شنی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ کذب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعَذِّبِينَ اللہ تعالیٰ سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا

ایسی ائمہ کبار ہیں باللہ تعالیٰ جو عداوت کرنے والوں کو مطمئن ہوا کہ اس کی مخالفت کی کوئی طرف حدیث نہیں ملی۔ لہذا یہ مکرر دہن و تنہا کی ہے اور مکرر دہن و تنہا کی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شافعی نے عہد وراثت میں اسی ذکر مرثیہ الجنازہ کے لئے فرمایا **وَقَدْ نَزَلَ خُبْرُ السُّوْدِيِّ** **الْكَلَامُ حِلَالٌ لِأَوَّلِي** امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازہ کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ شرح طریقہ محمدیہ نے بیان فرمایا **وَهُوَ يَكْفُرُهُ عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ تَارِكٌ لِأَوَّلِي** جنازہ کے ساتھ بخدا آوار سے دعا کرنا مکروہ ہے ہاں معنی کہ عداوت دلی ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ جس فقہاء نے اس کو مکروہ کہا، ان کی مراد مکرر دہن و تنہا کی ہے دوسرے یہ کہ یہ مخالفت اس زمانے کیلئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے عادات بدل گئے یہ حکم کبھی بدل گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازہ کے ساتھ چاتا تھا وہ عاصی و شریک تھا اس سے عبرت لے کر چلا تھا اہل میت کے ساتھ رنج و غم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی دینی بھی یہ ہے کہ میت کے چہرے میں لوگ مہرت حاصل کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاذْهَبْ إِلَى الْفُورِ حَارَةً  
وَعَلَيْهِ بِأَنْكَ بَعْدَهَا مَحْمُولٌ

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیر رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا حادفِ حکمت تھا کہ بات کرنے میں وہیاں بے گام۔ اور دل و دھڑک متوجہ ہو جاوے گا۔ لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الذکا و مصنف ابام نووی باب البقول اماشی مع الجنازہ میں ہے۔

وَلِحُكْمَةٍ فِيهِ ظَاهِرَةٌ، وَهِيَ أَنَّهُ اسْتَكْرَ لِحَاطَرِهِ وَاجْتَمَعَ لِمُكْرِهِ فِيمَا يَتَمَلَّقُ بِالْحَارَةِ وَهُوَ الْمَطْلُوبُ فِي هَذَا الْحَالِ

مذکورہ آداب دفن الصیغہ میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لئے گئے۔ و حسباً معہ کُن علی رومہ لطیف۔ ہماری قبر میں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے اُڑ نہ جاویں اب دور ماندہ ہے کہ جنارے کے ساتھ جانے والے دیوانہ تھیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ گر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گویاں اُڑتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغول کر کے دوسرے بہتاتے ہیں ان کو ڈاکالہی میں مشغول کرو جانا ان یہود و ہاتھ سے بہتر ہے۔ لہذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ عادات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل رمانہ کی حالت سے بے خبر رہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرانی اپنی کتاب محمود و مشارح میں فرماتے ہیں۔

وَأَسْمَاءُ بِكَسٍّ لِكَلَامِ وَأَقْرَأَ وَالذِّكْرُ مَاءُ الْحَمْرَةِ فِي عَهْدِ السَّلَفِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا مَاتَ فِيهِمْ مَيِّتٌ مِنْ غَيْرِهِ فَكَانُوا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى الْخَطِّ الْكَثِيرِ بِمَعْنَى عِيَالِهِمْ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ حَرَسَتْ أَلْسِنُهُمْ عَنْ كُلِّ كَلَامٍ لَدَدٍ وَحَذَرَتْ جَمَاعَةُ يَهْدِ الصُّفَّةِ فَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا بِمَا تَأْمُرُهُمْ بِقِرَاءَةِ وَلَا دَنْكِرَ

”گنہ گشتہ رہا، مثل جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لئے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو سارے شرکا و رنج و غم میں شریک ہو جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قربات اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا وہیں کرتے تھے کہ بولنے پر اس کو قدرت نہ رہتی تھی۔ اور اس کی زبانیں لوگی ہو جاتی تھیں۔ اگر ہم آج اس صفت کے لوگ پالیں تو ہم انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے۔“

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کہنے کیا سبکل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بخیری شرح اھتمام کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں

قَوْلُهُ 'وَكِرْهُ لَفْظًا' فِي الْجَمْعَةِ قَوْلُهُ لَفْظًا 'يَرْفَعُ صَوْبًا وَلَوْ بِقَرَانٍ يُدْكَرُ وَصَوْبًا عَلَى الشَّيْءِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهَذَا بَأْوَنَارٍ مَا كَانَ فِي الصَّدْعِ الْأَوَّلِ وَالْأَوَّلَانِ لَا نَاسَ بَدَلِكَ لِأَنَّهُ شَعَارُ الْمَيِّتِ لَا تَرُكُهُ مُرَدِّبَةً بِهِ وَلَوْ قِيلَ بِوَحْوِيهِ لَمْ يُعْبَدْ كَمَا نَقَلَهُ الْخُدَائِعِيُّ

یعنی جنازے کے ساتھ شریک نہ ہو کہ وہ یہ شوق خاں خونی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا رد و دعویٰ سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے جو کہ پہلے زمانے میں مسلمانوں کی تھی۔

امام شہرانی نے صمدی مشائخ میں فرمایا۔

فَمِمَّا خَدِثَهُ 'الْمُسْلِمُونَ' وَاسْتَحْسَنُوهُ قَوْلُهُمْ 'إِنَّمَا الْجَمْعَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رُسُلُ اللَّهِ' وَاسْتَحْسَنُوا 'عَلَى اللَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رُسُلُ اللَّهِ' وَبِخَوَالِكِ فَمَثَلُ هَذَا لَا يَجُوزُ 'الْكَافَرَةُ' فِي هَذَا 'إِنَّمَا لَانْهُمْ' أَنْ لَمْ يَسْتَغْلُوا بِدَلَالِكِ لَانْ قِسْمَهُمْ فَرَعَ 'مَنْ ذَكَرَ الْحَوْبَ بِلِ رَأْيَتْ بِغَضُّهُمْ بِصَحْبِكَ إِمَامَ الْجَمْعَةِ وَبِمَرْخِ

وردہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ذکر باجماعت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہذا اس کو اگر ضروری بھی کہا جاوے تو بھی جہیز نہیں ہے جیسا کہ مذہبی علماء ائمہ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو چھ کچھ کر بھاد کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رُسُلُ اللَّهِ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن اگر واسیلہ یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رُسُلُ اللَّهِ یہ اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیوں کہ اگر دو لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوں تو دیباہی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دوسرے موت کی یاد سے غافل ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کے آگے بٹتے ہوئے مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام شہرانی قدس سرہ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اس سے بدرجہا حال آج کل ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ غلیظہ و جھامتیں من کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار کا ہو ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر کنگروں سے کھینچا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کیا شروع کیا۔ یاد رکھو کہ جو چیز و شے جن کے حکام بتائے۔ اس سے یہی بہتر تھا۔

لطیفہ عارفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سنانا، لوگوں کے میں غبی مذاق کرنے کو منع کرتے ہیں نہ اس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس عرض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ اپنی نگاہ کیوں بدعتی ہے کہ کلام و سلام، ہنسی، مذاق، وعظ و فتویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ، خدا سمجھ دے۔

نوٹ ضروری شاید کوئی کہے کہ اسلام احکام تو کبھی بدلے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟

اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو حکام کسی عہدہ کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کہ اوّل زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت دینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح عقیدہ و دنیا و اللہ پر چارویں و ستاب ضرور بتا رہا ہے کہ غلط سے جائز ہیں اسی طرح اور مصداق میں ختم قرآن پڑھانے یا لگانا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن میں آیات اور روکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں مذہباً لیکن اب عوام کے فائدے کے لیے لکھ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عاصی کی کتاب اگر بہت باب و باب المصنف میں ہے۔

لَا بُدَّ لِكِتَابَةِ السُّورِ وَعَدِّ الْأَيِّ وَهُوَ وَإِنْ كَانَ أَحَدًا لَمْ يَكُنْ بِلَدْعَةٍ حَسَنَةٍ وَكُنْ مِنْ شَيْءٍ كَأَنْ أَحَدًا فَهُوَ حَسَنٌ وَكُنْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلَفُ بِاِحْتِلَافِ الرُّمَانَ وَالْمَسْكَانِ

”سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن حسہ ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔“

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاغذ و زو غیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جاں پیٹے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا رہا ہے لہذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لئے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خونی میت کا اظہار بھی ہوا اور جنازے پادشاهوں میں شرکت کریں جائز ہے۔ چنانچہ درمکار و فتنہ کی بحث میں ہے۔



ولأنّس بقتله قبل دفعه و بالأعلام بمزقه و بازائه بشعر أو غير

یعنی میت کو لٹن کرے سے پہلے اس کو کھنکھ کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔  
اس کی شرح شامی میں ہے۔

أَيُّ اِغْلَامٍ بَغَضَهُمْ بَغْضًا لِيَقْضُوا حَقَّهُ وَ كَبَّرَهُ بَغْضُهُمْ أَنْ يُبَادِيَ عَلَيْهِ فِي الْأَقْلَةِ وَالْأَسْوَاقِ وَالْأَصْحِ  
اِنَّهٗ لَا يَنْكُرُهُ اِنَّ اَلْمَ يَكُنْ مَعَهُ تَوْبُهُ بِدَكْرِهِ

یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو بغض و کبر کہ لوگ اس میت کا حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جاتا ہے یہ کہنگی کوچوں اور بازاروں میں اس کا  
اعلان کیا جاوے اور صحیح ہی ہے کہ اعلان مکروہ نہیں ہے جب کہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تشریف نہ ہو۔

کہ اعلان جنازہ کے لئے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی حیثیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا  
کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازہ کا اعلان بھی ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جبر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا  
فائدہ ہے جبکہ اس سے فائدہ حاصل ہوتا جائز ہے۔ اسی لئے علامہ شامی نے اسی بحث میں آثار حانیہ سے نقل کیا۔

و مَارْفَعٌ مَضُوبٌ عِنْدَ لِحَاسٍ فَيَحْمِلُ الْمَرْدُ مَهْ اُتُوجُّ اَوِ اُتُغْنَى لِمَيْتٍ بَعْدَ مَا افْضَحَ النَّاسُ  
اِضْلُوةً وَاِنْ اُفْرَاطُ فِي مَدْحِهِ كَعَدَّةِ اَلْأَهْلِيَّةِ بِمَا هُوَ بِشَيْئٍ لِمَحَلٍّ وَاِمَّا صِلَ اِنَّهٗ عَلَيْهِ فَعِزٌّ مُكْرُوهُ

لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ محال ہے کہ اس سے مراد خود کرنا یا میت کے لئے نیاز شروع ہو چکنے کے بعد دیا کرنا یا اس کی  
تقریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل چاہنہ کی عادت تھی لیکن میت کی تقریف کرنا یہ مکروہ ہے۔

حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا یا کراہت جائز ہے نہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیے  
گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے منافعت حاصل ہل علم کو ہے۔ مگر عوام مسلمین ذکر کریں تو جان کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر  
الہی سے نہ روکو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الہی سے پیرفت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درمختار باب مسودۃ العیدیں میں ہے۔

وَلَا يَنْكُرُ فِي طَرَفِهَا وَلَا يَنْتَفِنُ فِيهَا مُصَفًّى وَ كَذَلِكَ لَا يَنْتَفِنُ بَعْدَهُ فِي مَصْلَافٍ اِنَّهٗ مُكْرُوهُ عِنْدَ الْعَامَّةِ  
عید گاہ کے رستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ منہ سے پہلے نفل پڑھے اور نہ راعیہ کے بعد بھی عید گاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔  
پھر فرماتے ہیں۔

هَذَا لِلنَّحْوِ اِنَّ اَلْعَزَامَ فَلَا بِمَضُوبٍ مِّنْ تَكْسِيرٍ وَلَا تَقْلٍ اَصْلًا بَقْلَةً رَغْنَةً فِي الْحَبِيرَاتِ

"یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کا رنجہ میں کم ہے۔"

اس کے ماقبت شامی میں ہے اِنِّیْ لَا اَسْرَأُ وَلَا حَبِیْرٌ فِی التَّكْسِيرِ یہی اُن کو بہت اور بلند آواز سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے۔ نیز ہم  
ذکر ہائیکہ کی بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز  
سے تکبیریں کہتے ہیں کیا اس کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر حواص کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا  
ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے تو یہ فرمایا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کر دیکھیں نہ فرمایا کہ اگر کرنے والوں کو اس  
سے روک بھی دو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ ذلتاً تو یہ منافعت کراہت تخریج کی بناء پر ہے اور یہ کہ پیچھے رہنا نہ کہے جسے اب یہ حکم بدل گیا۔  
کیونکہ جلتہ حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان لہذا فائدہ مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے  
عامۃ المسلمین اگر ذکر الہی کریں تو اُن کو منع نہ کیا جاوے۔

اعتراض ۲ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا بعد وصال سے مشابہت ہے کیونکہ وہ جیتنے جاتے ہیں "رام رام مست ہے" اور تم  
بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہذا منع ہے۔

جواب کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم حدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر درج کرتے ہیں ہم  
خدا کے نام پر۔ کفار رنگا رنگ گناہ کا پانی لے کر پیتے ہیں۔ ہم ملت معظمہ سے آب و رحم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کفار کے قومی یا  
مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں آگ کا رنجہ بھی اپنے جنازوں کے آگے لگے پڑھے لکھیں۔ تو شوق سے پڑھیں  
یا چھٹا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بُری نہیں ہوتی۔

رستہ میں کلہ طیبہ آواز سے پڑھتا ہے ادبی ہے کیوں کہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا یہ منع ہے۔

**جواب** یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چپتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نبوت ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر باجمہر منع ہے جیسے کہ پاحانہ یا گھوڑا (روزی) مثالی بحث قرعت عند السب سے ہے۔ وہی **سُفْعَةُ لَانَسٍ بِالْفَرْقَةِ**، **كُنْجَا** **اَوْ مَانَسٍ اِذْ لَمْ يَكُنْ ذِكْرُ الْمَوْضِعِ فَعَدَّ النَّحَاسَةَ** سوار یا بچل چلتے ہوئے قرآن پڑھے میں حرج نہیں جبکہ وہ جبکہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں سے کر رہے سے گزرتا ناجائز ہے اور عجیب تشریح کہنا ہوا جاوے۔ اور مختار باب صلوة العیدین میں ہے۔

**وَيَكْبُرُ جَهْرًا اِنْصَافًا فِي السُّبُرُقِ** راستے میں بلند آواز سے کبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حرام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔ حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے۔ عائشہ کی کتاب اگر بیت اب الصلوٰۃ و التسبیح میں اور عمدة الابرار مجموعہ الخواص وغنیہ، سراجیہ، مقتطفہ غنیہ وغیرہ میں ہے۔ **وَمَا لِسَبِيحٍ وَتَهْلِيلٍ لَانَسٍ بَدَلِكِ وَنَدْفِعُ صَوْتَهُ** حرام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

**اعتراض ۴** جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرے میں گھر کی عورتیں اور بچے ارجا تے ہیں۔ کیونکہ ان کو سوت یا آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں بلند بکلامہ ملٹی بھی منع ہونا چاہئے۔

**جواب** قرآن فرماتا ہے **اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ نَعْمَ لِلّٰهِ غُفْرٰتٌ كَثِيْرَةٌ** اللہ کے ذکر سے دل بھل میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے بھلن اور حسرت ہوتی ہے۔ ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ ان کو ڈرنے دو کفار تو ان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے ان کو بھلنا چاہو گے۔ ہاں اگر کسی حادثی طیبہ نے لکھا ہو کلہ طیبہ کی آواز دہاکے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاتے ہیں وہ طیبہ مسلمان و حادق ہو۔ کوئی دیوبندی یا کہ وہی طیبہ نہ ہو وہی باتوں کا اقتدار نہیں۔ ثابت ہوا کہ میت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باصف بہت ہے۔ مخالفین کے پاس بجز غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔ **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ**

# خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بیک جس قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دار و مدار نہیں صرف کراہت اور احتساب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بناء پر عرب و عجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ س کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی ہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی پیش کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں ان کا جو عقیدہ دیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے مگر کوئی صاحب فطانت ثابت کریں تو وہ عام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا سرائیہ کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت کا عقد دستیاب نہیں ہوتا۔ لہذا ہم اس شاء اللہ واصل اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

## اسلامی عقائد

## دیوبندی عقائد

جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چھری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے **وَمَنْ أَضَلُّ مَنِ الْمَلِكِ حَدِيثٌ** (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہذا خدا کے لئے سکنا کہنا بے دلی ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسند مکان نمبر ۲) براہین قاطعہ معصوم مولوی غلیں احمد صاحب اکتھوی جہد اسفل معصوم محمود صاحب۔

خدا کے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اسکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے جب معلوم کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبی عطا کئے۔ (قرآن کریم)

(۲) اللہ تعالیٰ کی مثال یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کر لے۔ کسی دینی جس فرشتے بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (تکوین الامان معصوم مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)

خدا نے قدوس جبار اور زمانہ اور ترکیب واریت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی جبری میں کفر لکھ دیا (کتب علم کوہ)

(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور مابینہ سے پاک مانا بدعت ہے۔ (ایضاح الحق معصوم مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)

خدا تعالیٰ ہمیشہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس کو بے علم مانے بے دین ہے۔

(۴) خدا تعالیٰ ہندوں کے کاموں کی پیسے سے خرید سکتا ہوتا ہے۔ جب ہندو جیسے پارے کام کر لیتے ہیں جب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ ہندو انھیں سبھی ۵۵ روپے آیت

**اَلَا عَلِ اللّٰہِ رَزَقَهَا كُلٌّ فِی کُتُبٍ مُّبِیْنٍ**

(معصوم مولوی حسین علی صاحب پھر اویش گرو مولوی رفیع احمد صاحب)

(عام کتب خانہ) مولوی دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو کہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے۔

حاتم المہتمن کے یہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ تلکوار یا بعد میں کسی اصل، بروزی، عراقی، مذاہنی کا بھی بنا حال بالذات ہے۔ اس معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہی معنی حدیث نے بیان فرمائے جو اس معنی کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔ (جیسے قادیانی اور دیوبندی)

(۵) حاتم المہتمن کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں لیکن یہ معنی ہیں کہ آپ اصل نبی ہیں باقی عارضی لہذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی حاتمیت میں فرق نہ آویگا۔ (تقدیر الناس معصوم مولوی محمد قاسم صاحب پٹی عدسہ دیوبند)

<p>کوئی غیر نبی خواہ ولی ہو یا نبی یا صحابی کسی کس صلی علیہ وسلم میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صحابی کا کچھ خیرات کرنا ہمارے صمدہ میں سونا خیرات کرنے سے بدتر ہے۔ (حدیث)</p>	<p>(۶) اعمال میں بظاہر مستحق نبی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بد بھی جاتے ہیں۔ (تفسیر الاناس معتمد مولوی غلام صاحب دہلوی مدرسہ دہلی)</p>
<p>رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمتہ للعالمین شیخ الحدیث رحمہ اللہ ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل کہاں نامذات ہے۔ (دیکھو ہالہ نقار علیہ رحمۃ اللہ: فضل حق صاحب خیر آبادی)</p>	<p>(۷) حضور علیہ السلام کا مثل نظیر ممکن ہے۔ (بکدوری معتمد مولوی شکیل صاحب دہلوی معتمد مولوی طارق ص ۱۳۳)</p>
<p>حضور علیہ السلام کو انفاذ عام سے بکارت حرام ہے اور گھر بہ خیرت حکارت ہو تو کفر ہے۔ (قرآن کریم) یا رسول اللہ! حبیب اللہ کہنا ضروری ہے۔ نسبت خود پہ سکتا کہ وہ اس معلوم رائے نسبت پہ سب کوئے تشدد ہے دلی است</p>	<p>(۸) حضور علیہ السلام کو بھی کہا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں۔ (برائین کاظمہ مولوی غلیل احمد صاحب قنویہ الامان معتمد مولوی شکیل صاحب دہلی)</p>
<p>جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے۔ (دیکھو قاضی) حضور علیہ السلام تمام مخلوق الہی میں بڑے عام ہیں۔</p>	<p>(۹) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ (برائین کاظمہ مولوی غلیل احمد صاحب)</p>
<p>حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو دے چیزوں سے تشبیہ دینا یا ان کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔</p>	<p>(۱۰) حضور علیہ السلام کا علم تجس، پاکوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے۔ (حفظ الامان معتمد مولوی اشرف علی صاحب)</p>
<p>رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ہاں فلاں در سے آئی وہ جہنمیان ہے۔</p>	<p>(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو ہونہارہ رسدوح بد سے آگیا۔ (برائین کاظمہ مولوی غلیل احمد صاحب)</p>
<p>رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ <b>وَكُنْ عِنْدَ اللَّهِ وَحِيَّهُ</b> پھر فرماتا ہے <b>الْعَرَّةَ لَنَّهُ وَلِرَسُولِهِ</b> <b>وَالْمُؤْمِنِينَ</b> نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خوارج چارہ ذلیل ہے۔</p>	<p>(۱۲) ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور میری) اللہ کی شان کے گمے چار سے بھی ذلیل ہے (قنویہ الامان معتمد مولوی شکیل صاحب)</p>
<p>جن نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لیے التصحیات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا نہ ہو نماز ہو۔ (دیکھو بحث حاضرہ نظر)</p>	<p>(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے ورتیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (مراد مستحضر معتمد مولوی غلیل دہلی)</p>

(۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ کی صراط پر سے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور علیہ السلام کو گرنے سے روکا۔  
(بدلت الجبران، حضرت مسند مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)

حے رَبِّ سَلِّمْ (حدیث)

جو کہے میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا وہ بھانپت ہے۔

(۵) مولوی شرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کس شاعر کو دینی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے اُن کے کسی خریہ نے خواب میں دیکھا کہ مولوی شرف علی کے گھر حضور کا نیکہ صدیقہ آئے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی شرف علی صاحب نے یہی کہ کوئی کس عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضور کا نیکہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہو۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ بھی نسبت یہاں ہے کہ میں بڑھا ہوں اور بچی لڑکی ہے۔  
(رسالہ دار، معلقہ مولوی شرف علی صاحب، مطبوعہ ۱۳۱۵ھ)

حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں (قرآن کریم) غرض صاحبہ الکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کس آدی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جوہر سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین بلکہ اس جناب کے حق میں مرتع گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا ہے ایمانی طور پر غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جوہر سے تعبیر دی جاوے۔

عقائد و بند کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے لئے دفتر چاہے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عقائد ہی پر تہم کیا۔ مگر وہ جو بندوں کے کلمے سے نہ نہ ذات پکی نہ رسول علیہ السلام اور نہ سہا کہ کرم کی نذر اوان مطہرت سب کی اہانت کی گئی اور کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا ہم اُن کے فدا ہاں تمام اپنی صدیقہ ماں کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لیے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ مسلمان اُن سے بچنے والے ہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے تہم کریں۔

میرے شاگرد و صاحبزادے بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سلم کا سر رہا کہ امکان کہ بامکان نظیر دو جو بندوں کی عبادت کی تو صحیح پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملا۔ اس لیے دو بندوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے در انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی محرک الآثار تحقیق کریں گے جس سے علما نے دو بند کی مطہر والی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جائیگا اور مولوی حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ تو جہات عبارت کی ہیں اس کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی ان شاء اللہ ہم اہل سندھ پر انعام ہے کہ ہم لوگ پیر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اور اپنے پیروں کو خدا سے علاوے ہیں۔ ہندو مشرک ہیں ہم دکھاتے ہیں کہ دو بند کی کس وجہ کے پیر پرست ہیں اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔  
شعر تمہاری تربت انور کو ذکر طور سے تشبیہ  
کیوں ہوں ہر ہر اہل مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب دینی فرمانے والے سوسے ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں شیخ کو مد بتایا اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

شعریاں پر اہل آہوا کی ہے کیوں اہل غفلت شایہ

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو اپنی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مانی کہا گیا پھر فرماتے ہیں۔

دو حق صدیق اور قاروق پھر کہیے عجب کیا ہے

اس میں ان کو صدیق اور قاروق بھی بتایا۔ پھر فرماتے ہیں

شعر قریب اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں

عبد سوز کا اُن کا لقب ہے یوسف ثانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کاے بندے شاہ اللہ جیسے حسین ہیں کہ اُن کو یوسف ثانی کا لقب دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ زخدا تا قاروق کونسا وجہ داتی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قابل دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

مردوں کو نہ دیکھا زخداں کو مرنے نہ دیا اہل مسیحائی کو دیکھیں ذرا اہل مریم!



یامساء البتی لمتن کا حیدر النساء اے نبی کی بیوی یحتم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات سے مثل یحییٰ ہیں۔ اے مسلمانو! تم بہترین آسمت ہو۔ معلوم ہوا کہ لفظ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ ہے مثل شہر۔ قبر نور کی زمین ہے مثل زمین۔ جو پانی سرکار علیہ السلام کی سارک اٹھیں سے جاری ہوا وہ ہے مثل پانی۔ حضور علیہ السلام کا پیسہ مبارک ہے مثل پیسہ غفرانہ جس کو جس ذات کریم سے دست ہوگئی وہ ہے مثل وہ بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری بہار ہے وہ ہے مثل نہ ہوں۔

ڈکٹر قباں نے کیا خوب کہا ہے۔

مرین ایک مست جیسے عزیز	از سرِ نست حضرت زہرا عزیز
نور چشمہ جمعۃ للعالمین	آں امامِ ازمین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ وطنِ اُفّی	مرغِ فی مشکل کشا شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق	مادرِ آں قافلہٴ سارِ عشق!
روحِ آسمانِ حق رہنمائیست	پس فرمانِ جنابِ مصطفیٰ است
ورن گردِ خوش چش گردیدے	عبدِ ہایرِ خاکِ اسے پاشیدے

فاطمہ زہرا اس لیے افضل ہیں کہ نبی کی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا سبحان اللہ کیا طرزِ استدلال ہے! عظیمہ قدرتِ قدس سرہ! نے خوب فرمایا۔

اللہ کی سربا بقہ مشاب ہیں یہ	ان سائیں انسان وہ نہاں ہیں یہ
قرآن بتاتا ہے کہ یہاں ہیں یہ	ایمان یہ کہتا ہے مری جاں ہیں یہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

# قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء

وہ ہندوؤں کی دیریدہ ذاتی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر ولیز کر دیا۔ ہندوستان میں ایک فرقہ دو بھی پیدا ہو گیا۔ جو انبیاء کرام کو محاذ اللہ کہتا ہے بلکہ شرک کا فرہنگی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خالص یہ بن پہلے شرک و کفر تھے۔ اور گناہ کیا کر کے مرتکب بھی۔ پھر تو یہ کر کے ہی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے اس عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور تار کرتا ہوں کہ میری عزت و آبرو ہاں قلم عصمت انبیاء کے لئے ذوال بنے سیدنا حسان نے کیا خوب فرمایا۔

فان بی و والدتی و عرسی لعرض محمد مکہ و قہ

یہ سارا بہت دن ہوئے اقلید میں قہر و رشائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جہا الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور طعید درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے انہیں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔

**مقدمہ** گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبار، پھر مضار و قسم کے بعض وہ جو ذات اور دست طبعی پر دست کرتے ہیں، جیسے چوری، کم لونا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو قسمیں ہیں مہر اور سکھ۔ میرے گناہ کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد انبیاء کرام شرک، کفر، بدعتیہ کی گمراہی اور لیل حرکتوں سے ہر وقت بقصد تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد جدا اسوا ایک آس کے لئے بھی بدعتیہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں مدارج اسوا اب میں ہے کہ آدم علیہ السلام سے پیدا ہوتے ہی ساقی عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدا ہونے کا رتبہ ہاتھ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر اساز پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ جس علیہ السلام سے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

انی عبد اللہ النبی الکب و جعفر بنی (پارہ ۱۶، سورہ ۱۹، ص ۳۸) میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

نیز فرمایا۔ و اوصی بالصلوٰۃ و الزکوٰۃ ما دمت حیا و برا بوالنہی (پارہ ۱۶، سورہ ۱۹، آیت ۳۱)

یعنی مجھے تاجیں حیات نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی دہرے سلوک کرنا والا بھی ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہو کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی عصمت نظری یعنی رب کی ربوبیت، پائی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے تھے اور عصمت ملی تہذیب، خلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انجیل شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر تو حید کی ایسی قوی جہت قائم فرمائی کہ بھلا اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ذریعے اراں کے حالات بدلنے کو، کئی حقو قیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو کچھ کر مراد ہند و رسی سے کافرو

کیا رب میرے ہو سکتا ہے؟ اور ڈونڈا دیکھ کر فرمایا لا احب الا لیس کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا انجیل شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بولی بنانا اور غارابی کی ساری منطق فرماں۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ العالم منعبر حادث لہذا العالم حادث پھر

ہوں کہتے ہیں کہ لعالم حادث ولا شئی من لحدث بمعنود اس طر استدلال کو رب نے ہندو کی استدلال کر فرمایا

وتلک حجتنا انبیاہا ابراہیم علی قومہ حضور سید ال عالمین نے پیدا ہوتے ہی بدہد فرما کر امت کی شفاعت فرمائی

(دین و اسوا اب) معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو حاسے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ انجیل میں انجیل نے تکلیف کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو و افلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہی ایک جواب ساری زندگی کا اصل مقصد ہے

فرمایا۔ ما حنفنا لہذا ہم اس لئے پیدا نہیں ہوئے رب نے انکی تائید یوں فرمائی کہ وما حمت نحن و لانس الا یغفلون

خود فرماتے ہیں **کُنتَ بَیْئاً وَاَدْفِ بَیْسَ الْمَآءِ وَالطَّیْنِ** ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

تفسیر تاحہ یہ میں لا بایان عہدی اطمینان کی تفسیر فرماتے ہیں۔ انہم معصومون عن لکھ قیل الوحی و بعدہ

با حما ع نبیاء کرام وہی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں انکا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی واقعہ نہیں ہو سکتا رہے گناہ ان کی

تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام ارادۃ گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور اس کے بعد۔

ہاں نسیانا صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے توبہ ہو جاتے ہیں۔

گناہ صغائر میں سے وہ بھل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی کسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دانات اور سمجھو غدر سے پاؤں پر دانت کریں اور وہ صغائر و ایسے نہ ہوں بنیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل نامور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے احکام مہذبہ ال میں کی پیشی کرنے یا چھپانے سے، بنیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہیں تو جان بوجھ کر صادر ہونہ خطا یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر اصحاب کرام کے لئے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق مت کا اجماع ہے کہ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہو۔ یعنی تصور نبوت سے پہلے اور اسکے بعد آپ نے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ صادر نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت لا یسأل عہدی الظلمین کی تفسیر میں ہے لا خلاف لاحد فی ان نبیاً علیہ السلام لم یرتکب صغیرۃ ولا کبیرۃ طرفہ عیس قبل الوحی وبعده ابو حنیفہ فی العقہ الا کبر تفسیر روح البیان "آیت ما کنت تدری ما الکنت کی تفسیر میں ہے۔

یذلُّ علیہ لسلام قبل نہ هل عبدت و لا فطُّ قال لا قبل هل شربت حمراً فطُّ قال لا فمارلت اعرف انی الدی فہم علیہ کفر"

"یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔"

پہلا باب  
عصیت انبیاء کا ثبوت

صحت، انبیاء و قرآنی آیات اور احادیث مجھ جہانِ امت و نیک عقلمیہ سے ثابت ہے اس کا ٹکارو ہی کرے گا۔ جس کے پاس وہ دوعالم کی آنکھیں نہ ہوں۔

**قرآنی آیات۔**

(۱) **رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔**

ان عبادی لبس لک علیہم سلطیٰ ” اے ابھی میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔“

(۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی و العزیز و سب ملہم الخالصین " کراے مولیٰ میں ان سب کو غمراہ کر دینا سوا تیرے خاص بندوں کے۔ "

(۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

ہر کان لہا ان لشرك بالله من شىء "ہم گروہ انبیاء، پیغمبروں کی قوم ہیں کہ خدا کے ساتھ شریک کریں۔"

(۴) حضرت نعیم علیہ السلام نے ایذا کم سے فرمایا تھا۔

وما أريد أن أحضركم إلى ما بهلككم عنه، ولا أسوئكم منكم، بل أسويكم إلى ما كنتم عليه، وما أريد أن أحضركم إلى ما بهلككم عنه، ولا أسوئكم منكم، بل أسويكم إلى ما كنتم عليه،

"نہیں۔ کیا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں، خور کرے تلوں۔"

معلوم ہوا کہ انہی نے کرام شریک اور گناہ کرنے کا بھی ارادہ نہیں فرماتے یہی صحت کی حقیقت ہے۔

(۵) يوسف عليه السلام في قوله: وما أبرئ نفسي ان النفس لا مقارنة بالشئ الا ما رحم ربي

”یہاں یہ کہہ کہ میرا نفس برائی کا قہقہہ کرتا ہے بلکہ یہ لڑایا کہ عام نعوس انسانوں کو برائی کا قہقہہ کرتے ہیں سو ان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس اچھی ہیں۔“

معلوم ہوا کہ ان حضرات کے بھوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں۔

(۶) رَبِّ تَعَالٰی اِنِّیْ اَنْتَ اِلٰهُ مُصْطَفٰی اَدَمَ وَ نُوْحًا وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام

سارے جہان سے افضل ہیں تو مالکِ مصومین بھی داخل ہیں۔ ملائکہ کی مفت یہ ہے کہ لا بعضوں اللہ ما امر ہم (اچھی باتوں کی لئے ہی نہیں۔ مگر انہما کہہ گا کہ ہوس تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَا يَأْتِيَنَّكَ الْفِتْنَةُ** جو ہر عہد بہت حد تک یعنی فاسقوں کو تلے کا معلوم ہوا کہ فاسق انہوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کا نقل فرمایا۔

ليس بي صلاة، ولكني رسول، فمن رأت العمدى (هارة ٨ سورة ٤ آية ٦)

”اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں ربِ تعالیٰ کے رسول ہوں۔“

لکھی سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نیوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نیوت نور ہے اور مگر علی قاری کی نور و علمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

**المحاور**

(۱) منکوثہ اب ہوسوس میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

۲) اسی مقلوبہ یا سوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت دعا دے شیطان مارتا ہے مگر کسی علیہ السلام کو یہ دانش میں چھو بھی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو فقیر شیطانی دوسو سے محفوظ ہیں۔



(۳) مشکوٰۃ کتاب غسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خوب سے اہتمام نہیں ہوتا کہ انہیں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیپیرا بھی احتیاط سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کی جدائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اس وقت صاحب پڑھتے ہیں۔

(۵) مشکوٰۃ شریف علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا یزید مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا کٹس قدیمہ شیطانی اثر ہے پاک ہے اور پھر اسے دہ زحرم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس راستے سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہو جن پر بغیر کسی نظر کرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھا۔

**اقوال علماء امت** ہمیشہ سے امت مصلحتی مصلحت کا عصمت انبیاء پر ایمان رہا سو اس فرق طحوتیہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد سنی شرح یقینہ کبرا تفسیرات احمد یہ تفسیر روح البیان، مدارج النبوۃ، مواہب لدین، شفا شریف، نسیم الدریا میں وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

**تفسیر روح البیان** ایت ما کنت تلذی ما الکتب الالہ کی تفسیر میں ہے **لَنْ هَلْ لَمْ يَضُولْ حَتَّمُوا عَنِ اَنْ لَمْ يَضُولْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كَانُوا فَنَسُوا مِمَّنْ قَبْلَ لَوْحِي مَعْصُومٍ مِّنَ الْكِبَانِ وَ مِّنَ الصُّغَرِ الْمُؤَحَّجَةِ لِنُصْرَةِ النَّاسِ عَلَيْهِمْ قَبْلَ الْهَلْ وَ بَعْدَ فَاصِلًا عَنِ الْكُفْرِ**

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ پر ان معاف سے جو نفل کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چھ چار نیک کفر۔

تفسیرات احمد یہ میں ہے۔

**انہم معصومون عن الکفر قبل الوحی و بعده بالاجماع و کذا عن تعمد الکبار عند الجمهور**  
 "نبیاء کرام کفر سے قبل اور بعد ہوا اتفاق معصوم ہیں یہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔"  
 غرض کہ امت مرحومہ کا اجماع انبیاء کے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اسکے لئے زیادہ دہر تسمی نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔  
**مجلس دلائل** عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیائے کرام و فقیہ سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے۔

(۱) کفر تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا کسی کیا فو سے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز اس کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اثر سے محفوظ ہیں۔ جب یہ قیوں و جنس میں تو اب اس سے کفر و فتنہ کی گھر گھر رہو۔  
 (۲) فتنہ بھی نفس مارا یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی طاعت فرض کہ ہر حال کی فرمانبرداری کی جائے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی طاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ اتفاق خدا میں ہے۔

(۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ مانی چاہیے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اِنْ حِجَابٌ مِّنْكُمْ فَاسِقٌ فَلْيَسْقُ بِمَا يَفْتَنُو** اور نبی کی ہر بات مانی فرض ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **مَا كَانَ لِمَنْ مِّنْهُمْ وَا لَا فِتْنَةٌ مِّنْهُمْ اِذَا قُضِيَ وَرَسُولُهُ اَوْ يَتَّبِعُونَ لِهٰمْ الْحَيٰرَةُ اَمْ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ** فاسق ہوں تو بات بلا تحقیق نہ مانا بھی ضروری اور نہ مانا بھی۔ اور یہ جملہ عقیدے ہیں۔

(۵) گناہگار سے شیطان راضی ہے اسی لئے وہ حرب و حیال میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان خوش اسی لئے وہ حزب اللہ سے ہے مگر بغیر ایک آن کے لئے بھی گناہگار ہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گردہ میں سے ہوں مگر وہ یہ ممکن ہے۔

(۶) فاسق سے نفی اللہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَعْيُنٌ اَنْ تَرَوْا كَذِبًا اَمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ اُذُنٌ اَنْ تَسْمَعُوْا اَمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَفْئِدَةٌ اَنْ تَعْلَمُوْا اَمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَعْيُنٌ اَنْ تَرَوْا كَذِبًا اَمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ اُذُنٌ اَنْ تَسْمَعُوْا اَمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَفْئِدَةٌ اَنْ تَعْلَمُوْا** اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نگی کر رہا ہو تو لازم آجیگا کہ امتی اس گمراہ نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کہ کوئی امتی ایک آن کے لئے بھی نبی کے بے بر نہیں ہو سکتا۔

(۷) بدعتیہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے۔

مس و آخر صاحب بدعتیہ لفظ احسان علی حدیث الاسلام "جس نے بدعتیہ کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر ہمد دی۔"

اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَتَعْبُدُوْهُ وَ تَكُوْنُوْا رُءُوْا اَمْرًا** ایک آن کے لئے بے دیں ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیع ہے۔ رب فرماتا ہے **وَلَوْ أَنَّهُمْ دَانُوا زُلْماً لَّكَرَّ بَهُمُ الْفُتُنُ فِی الْبَلَدِ** اگر انہوں نے اس آیت میں عام گنہگاروں کو ہار گاہ معطلی میں حاضر ہو کر اس کے وسیع سے استغفار کرنے کی دعوت دی مگنی۔ اگر انہیں بد امن آپ کا دامن عفت گناہوں سے گودہ ہو تو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا؟ در کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب گنہگاروں کا وسیلہ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو گروہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیح بد مرتج کا سوال پیدا ہوگا اور دور یا حسل لازم ہوگا۔

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہو تو کی کا۔ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری ریمرات کا بکس بھی قیمتی دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و زشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے۔ خا۔ قدرت میں نبوت جی سی تو کھی در بے یہا نعت ہے تو چاہئے کہ اس کا طرف یعنی انبیاء کے دل کفر الیق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا **لَا یَعْلَمُ حَیْثُ یَعْبُدُ رَبُّهُ** رسالہ اللہ ہی ان نفوس کو چاہتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) عاشق و ماحر کی جبر بغیر کو ای قابل عطا نہیں۔ اگر نبیاء کرم بھی عاشق ہوتے تو انہیں پتی ہر جہر پر گواہی بخش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صد ہا گو بیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابو فرید انصاری نے اونٹ کے حلق یہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت حسد و دور رخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے من کرتے ہیں ایمان لے آئے تو اس زبان سے من کر یہ کیوں نہ ہاں۔ میں کہہ واقعی آپ سے اونٹ سدا ہے۔ جس کے خاتم میں حضور نے ان ایک کی گوئی دو کے برابر کر دی۔

# دوسرا باب

## عصمت انبیاء پر اعتراضات وجوابات

آنکھوں میں اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ بحالی جواب عرض کئے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود واضح جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی و اجہلی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی ہیں بلکہ مشہور احادیث ہیں وہ قیور نہیں۔ راوی کو جھوٹا مانتا۔ پیغمبر کو گناہ گار مانتے سے آسمان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے اس حضرت کا جھوٹ یا کوئی گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کس کے کذب ہری معنی مراد ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ اوقات طعنے بہت سے پہلے کے تھے۔ تفسیرات احمد یہ آیت لا یسل علیہم الذلیمین کی تفسیر میں ہے وادّٰی نقرّٰر ھٰدا فہ نقل عن الانبیاء مّا یبشّر بکذب و عصیتہ فمّا کس مسقولا بطریق التواتر فمصرف عن ظاہرہ ان ان امکن الّا فمحصول عسی ترک الاولیٰ او کونہ قبل البغث بلکہ روح الامیہ و شریک جہادوں باب چہرم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آیتیں قطعیات کی مثل ہیں۔ جن میں خاموشی و دم نہ دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس یعنی تعظیم قادر مطلق بلکہ تمام صفات کہ یہ سے موصوف ہوتا قطعی جی ہی ہے مگر بعض آیتیں طبری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب فرماتا ہے رب فرماتا ہے یحد غوں اللہ و هو حاد غلہم وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انکس اور فرماتا ہے مکر واکر اللہ انہوں نے مکر کیا اور تقدیر اور فرماتا ہے فایما تو لو انتم و حد اللہ جد حرم منہ کر وادھری رب کامنہ ہے فرماتا ہے یذ اللہ فوق ایدہم ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے ثمّ استوی عسی العرش پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ ہاتھ و برابری کر اور دھوکے سے پا کا مڑو ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہی عیثیت ہو رہا ہلہ و احب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کئے جائیں جو کوئی اس آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب وار نہ دے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے کذب ہری معنی کر کے انہیں بے کرام کو قاسق یا مشرک جانے وہ بدین ہے یہ ایک جواب ہی اللہ تعالیٰ تمام اعتراضات کی جزا کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کئے دیتے ہیں۔

**اعتراض ۱** انیس سے بھی مجہد نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گنہ گار تھا کہ یہ یہ جرم کیا۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اسے فرشتوں کی جماعت سے اور نہیں جنت سے خارج کر دیا گیا جرم دوسرے میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام سے توبہ کر کے معافی حاصل کرنی۔ طیس نے یہ کیا معلوم ہو کہ آپ موصوم۔ تھے۔ (اللہ شریعت کا پند)

**جواب** یہاں مجہد نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا ب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گنہ گار نہ تھے۔ گنہ گار تھے اور نہ انکس کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے ویہ وادانتہ مجہد سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو لفظ کچھ کس کے و مقابل گفتگو کر نکل ہمت کی کہ یور حلفی من نار حقیقتہ من طیس جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ لا حرج مہا فک رحیم وان علیک لعسی لئی یوم الذین کو پیاد میں اس کے لئے کا پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار و لا حول کے کوزے کھاتا پھر۔ آدم علیہ السلام کے حلق قرآن کریم نے ہار ہار عدل فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا راہ بھی نہ کیا کسی و سم بعد لہ عرفا کہیں فرمایا فصار لہما الشیطان کہیں فرمایا فوسوس لہما الشیطان غرض کہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور اس کے متعلق فرمایا کہ دھوکا کھا گئے نہ سے خطا ہوگی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جائے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے اور جھوٹی قسم کیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا حیر خواہ ہوں آپ مجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا اعتراضات حتمی کبھی اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پار دین اسی آیت کے تحت دیکھو۔ یہ تو معمول میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر نہ تھا۔ رب تعالیٰ یا نہیں زمین کی غفلت کے لئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا اسی حاعل فی الارض خبیثہ جنت میں تو کچھ دور اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر کسی طرح زمین کو باہر دکر یں گویا وہ جگہ کی ٹریڈنگ کی جی کی ٹریڈنگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کوڑا لڑاس نے بھیجا گیا کہ تم فرشتوں نے سوائے گریہ و زاری ساری عبادتوں کی حصص و رسل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان مددگد سے افضل ہو احسن کا ہمتا و حقیقت اپنے عشق میں نہ تھا۔ حسانت الابر رسیجات المعزین۔

دور دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو اور نہ طاقت کے لئے کچھ نہ تھے کر دیں

سے خیال یا رکھ کر کرنا تھا اور کیا کر دیا تو تو چودھریں رہا اور مجھ کو سوا کر دیا

یہ بار وہ کچھ جو نہت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منها اور یہاں فرمایا گیا **هبطوا منها جميعاً** جس میں بتایا کہ تم کچھ حصہ کے لئے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کڑواہا اور دے ساتھ واپس نہیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کڑواہا کو ساتھ نہ آؤ گے۔ یزیدگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو حست سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے نہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ ان کی پشت شریف میں کفار قبائلی سب ہی کی راجس تھیں جو کہ جنت کے قائل نہ تھے حکم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر ان خٹا کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہی ہے (ملاقات باب ۱۰) لیکن بالقدور روح البیوت آیت **فاز لهما الشیطان** (۲) شیطان کا زمین پر نہا پردیس میں آتا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور ان کا جسم چونکہ زمین پر ورنہ زمین سے علیحدہ از جنن نکال دینا جسم ہونے اور عالم روح کو روح و جنن روح سے جنن جسم کی طرف آئے جو سحر کر جنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ جنن جسم سے جنن روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے ہذا از جنن اس کے لئے پردیس ہو۔ (۳) آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا مذہب ہوتا تو یہاں نہیں خلیفہ نہ بنا جاتا۔ ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا۔ کی واد میں انبیاء و اولیاء خصوصاً سید الانبیاء علیہ السلام پید فرمائے جاتے حرم کو معافی دیکر قید سے نکالتے ہیں۔ شعی گل میں لکھا کہ پھر اس پر انصاف کی پادش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ بدد کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لئے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اس خطائے اول کا ہی صدقہ ہی مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے نہ گندم خطا قرار دیا گیا۔ اور اس کی اولاد کے لئے وہی خدا جو بڑھ ہوئی۔

**اعتراض ۹** حضرت آدم و ۱۶ اپنے ایک بیٹے کا نام عبد لہ رث رکھا۔ حادث شیطان کا نام یہاں کو قرآن کریم نے فرمایا **فسمنا انا** **خمساً صلحاً جعلنا له شرکاء** جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام بھی شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ بغیر شرک بھی کر پیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم و ۱۶ ہوں

**جواب** آدم علیہ السلام اس قسم کے عیب سے پاک ہیں معترض نے اس آیت میں دھوکا دیا ہے بہت سے سرین فرماتے ہیں کہ **جعلنا** کا قائل نفسی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ **حسبکم من نفس واحدہ و جعل مہار و وحیہ** کے معنی یہ ہیں کہ بے قریش رب نے جنہیں ایک جان یعنی نفسی سے پیدا فرمایا۔ اور سکا نام عبد لہ رث رکھ دیا (تفسیر تفسیر العرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا **جعلنا** میں مصنف پوشیدہ ہے اور اس کا قائل اولاد آدم و حوا ہی ہیں یعنی آدم و حوا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا دیکھو روح البیان ۱۰ مارک و میرہ) اسی لئے آئے کے معنی کا صیغہ ارشاد ہوا۔ **فنعہانی اللہ عما یشرکون** اگر یہ فعل حضرت آدم و ۱۶ کا ہوتا تو بیشتر کائناتیں کا صیغہ ارشاد ہوتا۔ نیز ایک معمولی سی خطا یعنی گندم کھ پینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل مستحسن کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور صحت جو خبر جہتی و قطعی

**اعتراض ۳** رب تعالیٰ فرماتا ہے **فعسی اذفر ربہ فعوی** آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی مگر وہ آگئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی وہ ظہور معلوم ہوئے۔

**جواب** یہاں ہمارا خطا کو عیاں فرمایا گیا اور دعویٰ کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ تائیں یعنی حیات دائمی کے لئے گندم کھانے کا وہاں کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بچائے نفع کے نقصان جو یعنی بچے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہی آیت۔ جب رب نے اس کے بھوس جانیگا بار بار عدل فرمایا تو معصی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں پیدا کرتا ہے۔

**اعتراض ۴** ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا **ہذا دینی** اور یہ مصرعی شرک سے معلوم ہو کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر تو یہ کہ۔

**جواب** اس کا جواب مقدم میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی رشاد کیا کہ **لا أحب الا فلیس کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا و کذلک سری ابرہیم ملکوت السموات و الارض و السموات** پھر ستارے دیکھتے کہ واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا **وتسک خضعتا ابراہیم**

**علیٰ قوامہ** اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عام دیکھنے کے بعد تاروں کا واقعہ اور رب نے اس کلام کی تحریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک لگتی تو تحریف فرمانا کیا؟ پھر تو سخت جواب دینا چاہیے۔

**اعتراض ۵** ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ جھوٹ تھے مگر قوم نے فرمایا **انسی سفیم** (قرآن) میں چاروں خود بتوں کو توڑ مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا **ہل فعلہ کبیر** ہمدان اس بڑے بت سے یہ کاسہ کیا، یعنی یہی سارہ کو فرمایا **ہمدان** اُحسیٰ یہ بھری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہو کہ آپ مصوم نہیں۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں جس سے کفر بھی نکلا دینے کی اجازت ہے **الاکره و قلبہ فطمئن بالابحان** جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ مصمت تھا وہ عالم ہاوش آپ سے حضرت سارہ کو خبر اچھینا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کا خطرہ جان تھا سنئے یہ فرمایا۔

(روح البیان آیت **فعلہ کبیر** ہم لہذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ انہیں بیچہ معنی مراد لئے گئے ہیں جسے تو یہ کہتے ہیں تو یہ ضرورتاً جائز ہے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں۔ چاہیگی دیکھو ایک شخص نے انٹ ڈالنا تو فرمایا کہ تجھے، ڈنکی کا بچہ ڈالنا۔ ایک صحابی کو تنگھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس نظام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ ابوالخیر) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام آپس دو فرشتے پہل پہل مذی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ **ہمدان اُحسیٰ لہ نسع**

**و نسفون لعنہ** یہ بہن بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور بکریوں کے کاڑی معنی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ لڑکا کہ

**انسی سفیم** سکے معنی ہیں میں چار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال چار جیسے **انک منب** "و نہم مینوں یا سفیم" سے دلی

نیاری یعنی ناراضی اور غم مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح **ہل فعلہ کبیر** میں کبیر سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور ہمدان سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑھیا اور بتوں کو چھوٹی معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم سب سے بڑھیا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم اس سب سے بڑھیا گئے ہو یہی کا کار رب کا کام ہے وہ کہے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا

**فعلہ** ملک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور ملک انسان ہے جس میں جھوٹ جج کا تھا نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے برہیم علیہ السلام پر کوئی شبہ نہ فرمایا بلکہ انہیں پسند چلی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت عقلی کے بیان سے پہلے فرمایا **ولقد انبیا ابراہیم ز شدہ** ان پر معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ نیاری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے رشاد فرمایا **ادع ربہ بقلب سلیم ادع** (ایہ) جس سے مصوم ہوا کہ یہ کلام مسداشت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ نیاری ہے نہ کہ سلاحتی۔

**اعتراض ۶** داؤد علیہ السلام نے پرانی عورت یعنی اریہ کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورہ ص میں ہے اور فعل یقیناً جرم ہے۔

**جواب** متورضیں نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں کچھ ریاضتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احادیث میں ہے وہ بھی ماقبول۔ اسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عدل فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانوں کی طرح بیان کرے گا میں اسے ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا جیسی آہستہ کی سر ۸۰ کوڑے ہیں اور سکودھ گئے تکیں گے (روح البیان) سورہ قصص داؤد کا قصہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اریہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے لکھی اسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا چنانچہ۔

تفسیر احمدی آیت **لا یسال عہدی الظالمین** کی تفسیر میں ہے **وعس دانود بکوبہ اقداماً عسی الفعل المشروع وهو مکح المطوبہ لا نظرہ مکونہ** مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بند وہالا ہے اسلئے رب تعالیٰ نے ان کے احترام کو یاد فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ سے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف است کہ آپ سے فیصلہ کر کے اشارتاً سمجھا دیا۔ یہاں لہذا کی شان ہے اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھا یا گیا۔ رب تو اس کی عظمت فرمائے ورنہ یہ بدین اس حضرات پر نظر بد کا اہتمام لگائیں خدا کی پناہ۔



**اعتراض ۷** یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی ریختا ہے مگر وہ کارادہ کیا جسے سب مراد ہے ولقد هممت به وهم بها لو ان  
 دابرہاں ربہ یعنی ریختا ہے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے ریختا کارادہ کریا گر اپنے رب کی برحمان شدہ کہتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو  
 کتابہذا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

**جواب** یوسف علیہ السلام ارادہ منانہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کارادہ کریا تھا وہ کافر ہے روح ابلیس میں اسی  
 آیت کی تفسیر میں ہے **فَمَنْ نَسَبَ إِلَى الْآبِيَاءِ الْعَوَّ حَسَنَ كَالْعَرَمِ عَنِ الزَّمَاءِ وَحَوَّهَ الْاَلَدَى يَقُولُهُ**  
**لِحَشْوِيَّتِهِ كَهَرٍ لَا نَهَ شَمَ لَهْمُ كَهَ فِي الْفَسَنَةِ** رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ  
 ولقد هممت به پر وقت کر دہ اور ہمہ بہا سے بھلا آیت شروع ہو۔ معنی یہ ہونے کہ بچک نہ لیٹانے یوسف علیہ السلام کا قصد کریا و رد بھی  
 قصد کریتے گر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے اب کوئی اعتراض سد بایہ معنی تھا و عطا ہر طرح صحیح ہیں خاتون نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے۔

**وَلَوْ لَا اِنْ رَاَ بُرْهَانَ رَبِّهِ لَهْمُ بِهَا عَارَكَ شَرِيكَ مِمَّنْ هُوَ وَفِي حَقِّ الْقَارَى اِذَا قَدَّرَ خُرُوجَهُ مِنْ حُكْمِ**  
**الْقِسْمِ وَحَدَّهُ كَلَامًا بِرَأْسِهِ اِنْ يَهْفُ عَلَى بَه وَتَدَى يَقُولُهُ وَهْمُ بِهَا قَارَى كُوَ بَابُ يَنْفَعُ كَبِهَ** پر وقت کرے اور ہمہ  
 بہا سے آیت شروع کرے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم میں مقام پر نہ بچا کی تو تیاریاں میں فرمائی **وَعَلَّقْتُ لِابْوَابِ**  
**وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ** کہ س نے آپ کو ہر طرح راجب کرنے کی کوشش بھی کی اور بیا بھی دروازہ بھی بند کر دیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی  
 بیزاری نفرت و حسرت کا ہی ذکر فرمایا۔

**قَالَ مَعَادُ اللَّهِ اِنَّهُ رَبِّيْ احْسِنْ مَثْوَى اِنَّهُ لَا يَفْضَحُ بَطْلَمُونَ**  
 "خدا کی پناہ وہ میری ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں انکی حسرت ظلم ہے اور ظالم کا کیا بچ نہیں۔"  
 اور فرمایا **كَذَلِكَ نُنْصِرُ عَمَّ اُنْصُوْءٍ وَ الْفَحْشَاءِ فَفَعَلْنَا** سے رو سے اور وہ زنا مراد ہے معلوم ہوا کہ رب بنار وہ زنا  
 سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آگاہ ریختا ہے یہی کہا کہ

**اَلَا اِنْ حَصْحَصَ الْحَقُّ لَرَاَوْ دُنُوْهُ عَنِ بَهْمِهِ وَ اِنَّهُ لَمِنْ بَصْدَفِيْنَ** "کہ میں نے ہی انہیں رفعت دی ہے کہ کوشش کی تھی۔"  
 وہ تو ہے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور بچا کی خطا کاری کی گواہی دہادی کہ وہ خدا ہا خدا ان اصولی طرز پر مصر نے بھی یہی کہا  
 کہ **يُوْسُفُ اَعْرَضَ عَنْ هٰذَا وَ سَتَخَصِرُ لَدَيْكَ اَمْكُ تُكْسَبُ مِنَ الْعَطْطِيْنَ** سے ریختا تم اپنے گناہ تو بہ کر دہی خط  
 کار ہو دیکھو شیر خوار بچے پر یہ مصر خود ریختا بلکہ خود رب تعالیٰ نے اس کے بہ گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ گریختا کی طرح وہ بھی ارادہ نہ کریتے تو  
 آپ بھی طرز ہوتے اور یہ گواہیاں خط ہوا جس اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ نہ لیٹانے جرم کی ابتدا کی مگر بعد میں آپ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ بیز  
 اگر یوسف علیہ السلام سے ارادہ نہ کیا ہوتا تو اس کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر ہمارک میں ہے۔ **وَلَا تَلَوْ وَحْدَهُ ذٰلِكَ**  
**لَذَكَرَتْ تَوْبَتَهُ وَ سَتَغْفِرُهُ** غرض کہ اس آیت کے یہ معنی کہ بہت بہتر ہیں وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برحمان شدہ کہتے تفسیر کبیرن  
 فرمایا ہو، کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ **اِنْ كَادَتْ لَتَفْسِدَ بِهَ لَوْلَا اَنْ يُطَاعَ عَلٰى قَبِيْهَا** (تفسیر کبیر  
 آیت **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهَ** اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ بہ پر وقت۔ بلکہ بھانک ایک ہی جملہ اور آیت کے معنی یہ ہوں بہ شک نہ لیٹانے یوسف علیہ  
 السلام کا واسطوں نے ریختا کا حکم کریا۔ لیکن اب ان دونوں معنوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

**هَمَّتْ بِهَ** میں ہم کے معنی ارادہ نہ ہیں اور **هَمَّ بِهَا** میں اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیار و رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی نہ لیٹانے  
 یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اس کے دل میں رغبت غیر اختیار پیدا ہوئی جو نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روہ میں غصہ پائی دیکھ کہ اس طرف اس  
 رغب تو ہوتا ہے مگر نکلے پلے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف غصہ پائی اچھا معلوم ہوتا ہے گردنوں معنوں کے یک ہی معنی ہوتے تو  
 دو جگہ یہ لفظ نہ ہوا جاتا۔ بلکہ **وَلَقَدْ هَمَّا خَيْرٌ** سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کریا دیکھو **مَكْرُوْا وَ مَكْرَ اللّٰهِ** کہ یہاں پہلے  
 مکر کے معنی ہی در ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے **قَالَ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّیْنِ اَنْ يُّوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ**

کان بریقا من العبد البطل والہمة المحترمة خیال رہے کہ لیتا ہے وہ اور پر عزیز مہر کو کچھ کہ یوسف علیہ السلام کو زنا کی حد لگائی بلکہ ارادہ رنا کی کہہ **قال ما حزنه من اراد ما هک سوء لئاما یسبح** جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ **ہی راودتسی عن نفسی بدکاری کارادہ اسی نے کیا تھا۔** اس کی تردید شیرخو رچنے بھی کی اور اسکی تردید مصری عورتوں نے بھی کیا اور اس کی تردید آخر کار خود لیتا ہے بھی کر کے، پناہ جرم قبول کر لیا اب اگر **ہم بھا** کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ رنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے ریتا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید در یہ کلام کے متعبد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت حیاں رہے نہ شاء انکام آئے گی۔

**اعتراض ۸** موسیٰ علیہ السلام نے ایک قطبی کو جان سے مار دیا اور فرما **هد من عمل الشیطان** کہ یہ شیطان کام ہے مظلوم ہوا کہ **آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔**

**جواب** آپ کا رد قتل کا نہ تھا بلکہ قطبی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑاتا تھا جب قطبی نے چھوڑ آپ نے ہٹانے کے لئے چہت لگا دی۔ وہ حالت نبی کی نہ برداشت کر سکا مگر کیا تو یہ قتل تھا ہوا اور ایما سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطاے نبوت سے پہلے کا ہے راجح بیان میں ہے۔

**کان هد قبل النبوۃ** نیز وہ قطبی کا فرجی تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قطبی کو مارا۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قطبی غرق کر دیے گئے۔ رہا اسلعل کو کل شیطان فرماتا۔ یہ آپ کی انتہائی کسرت نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف دلی کام کو بھی پتی سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قطبیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا **ففقہر لہ اور صلیت نفسی** سے دھوکا کھا ڈکہ یہ الفاظ خطا پر بھی پڑے جاتے ہیں یا ہذا سے قطبی کا ظلم مراد یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

**اعتراض ۹** رب تعالیٰ نے **ان** کے نبی **تھککے** سے فرمایا **ووحدهک صلاً فہدی** معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

**جواب** یہاں جو کوئی بھی صاب کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ما صلی صاحبکم وما غوی** (پارہ ۲۷ سورہ ۵۳ آیت ۲) ”تمہارے محبوب **تھککے** نہ بھی گمراہ ہونے نہ ہینگے۔“

یہاں صاب کے معنی دار فزع محبت الٹی ہیں اور ہدایت سے مراد وہ بد سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو پناہ محبت میں سرشار اور درخت پناہ تو آپ کو سلوک خطا فرمایا۔ برادر بن یوسف علیہ السلام نے یہ محبوب علیہ سلام سے عرض کیا تھا **نک لعی صلالک القدیم ب انک لعی صلال فیس** یہاں صلاب بھی دار فزع محبت ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج المنعمت جلد اول باب غنیم میں فرمایا کہ عربی میں صاب وہ اونچا درخت ہے جس سے گے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اسے محبوب بدعت دینے والا جتد ہوا اور درخت رب نے تمہیں کو پناہ کہ جو عرض فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی حدی کا مفعول عالم لوگ ہیں نہ کہ نبی **تھککے** اور بھی اس کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔

**اعتراض ۱۰** رب فرماتا ہے **لیعصربک اللہ ما تغدہ من دیک وما تاخو** یعنی رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہو کہ آپ تمہارا تھے۔ حضور علیہ سلام بھی ہمیشہ اپنے لئے دعاے مغفرت کرتے تھے۔ مگر گناہ گناہ تھے تو مستغنی کیسی؟ **جواب** اس کے عند جواب ہی یک یہ کہ مغفرت سے مراد صحت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہ ہونے نہ رکھے۔

مدارج یہاں **للمراد بالمغفورة الحفظ و نعصمته اراً و ابدأ فیکون المعنی بتحفظک من الذنب المتقدّم و المتأخّر** دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنب میں یک مضاف پوشیدہ ہے جس کی آپ کی مت کے گناہ جیسے۔ لکن فرماے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے مگر آپ کے گناہ مر دہوتے تو لک سے کیا فائدہ ہوتا (مدارج ابواب ۵۴۸) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے **ولو تہم ادا ظلموا** (آیہ) کبھی گناہ کی نسبت گناہ کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخش کے دمد دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی جرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میر مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ رہوں۔ یہاں بہت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ دوائے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ رہیں۔

**اعتراض ۱۱** حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا لو لا ان شتاک لقد کدت توکس الیہم شیئاً قلیلاً اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چکے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قصہ شرط ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رب فرماتا ہے۔ **قُلْ لَوْ كَان لِرُحْمٰنٍ وَّلَدٌ فَاِنَا اَوَّلُنَا لِعٰبِدِیْنَ** اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پید ہجاری میں ہوتا۔ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نبی علیہ السلام کا سبکی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھ ممکن اور آپ کا ان کی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پیسے ہی سے معصوماد ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کیسی قدر جھکتے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے کفر و رب بہت قوت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہذا آپ کفار کی طرف نہ جھکتے بلکہ قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی دیکھو غاروں، عمارتوں، روح بیجان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں انکی حدیث الہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی گرام آپ کو معصوم بھی بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں، ان کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکتے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سیدہ پر رب کا یہ کرم ہو کہ آپ کو معصوم بھی بنایا مگر مبارکہ نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کہ یہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ الکی تفسیر میں روح الہیوں میں ہے۔

**اِنَّمَا سَمَّاهُ قَلِيْلًا لِاَن رُّوْحًا بَيْتُهُ نَسَبُ كَسْتِ هِيَ اَصْلُ الْحَلْفِ عَدِيًّا عَلٰی الْبَشَرِيَّةِ اَدْلَمُ يَكُنْ حَسْبُنَا لِرُوحِهِ شَنِ يَحْبِبُهُ عَنِ اللّٰهِ فَعَالِيْ لَا لَمَعِيْ لَا لَا النَّسَبُ وَ قُوَّةُ السَّوَةِ وَ نُوْرُ الْهُدَايَةِ وَ اَنُورُ نَظَرِ الْفَنَآئِيَةِ لَقَدْ كِدْتُ تَوَكَّنُ**

**اعتراض ۱۲** رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **مَا كُنْتُ نَدْرِي مَا الْكُتُبُ وَلَا الْاِيْمَانُ** اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عارف و ہدایتیں آپ کو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علمی نئی نہیں بلکہ دایت یعنی اہل اوقیاس سے جاننے کی نئی ہے۔ پوری آیت یہ ہے۔ **وَكِدْتُكَ اَوْ حَسِبَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرٍ مَا كُنْتُ نَدْرِي مَا الْكُتُبُ (الآج) یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ جو بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی ہی ہے نہ کہ عقل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہوا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواں میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم روح میں ہی نبی تھے خرم فرماتے ہیں۔ **كُنْتُ بَيَاْزًا وَّ اَدْمٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الطُّبِيِّ** ہم اس وقت ہی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی و پانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے یہاں اور قرآن کے تعمیلی احکام مراد ہیں۔**

یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے اس کی تفسیر میں روح الہیوں میں ہے ای **لَا يَمَانُ فَمَصَابِيْ مَا فِيْ نَصَاصِيْ الْكُتُبِ** بھر فرماتے ہیں۔ **لَا نَهْ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَصَلُّ مِّنْ يَّحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ قَدْ اُوْتِيَ كُلُّ الْحِكْمَةِ وَ الْعِلْمِ صَبِيًّا** یعنی نبی علیہ السلام بھی اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت بچپن ہی میں عطا ہو گئی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

**اعتراض ۱۳** رب فرماتا ہے **فَارْ اٰلَهُمَا الشَّيْطٰنُ** آدم و حوا علیہم السلام کو شیطان نے مجسود دیا۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا داد و نیاہ پر عمل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

**جواب** ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گرا نہیں کر سکتا در شان سے عدا گناہ کبیرہ کر سکتا ہے اس نے خود کہا تھا **لَا عُوْثِيْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُفْخَصِيْنَ** اور یہاں ہے **فَارْ اٰلَهُمَا الشَّيْطٰنُ** مگر یہی اور جہ ہے اور مجسود اور جہ ہے۔

**اعتراض ۱۴:** یوسف علیہ السلام کہ ہم بچوں کو بہت سے لوگوں نے مضر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے بے قصور بھائی کو ستانا اور وہ بھائی کو بچکر اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال تک رہا غرضکہ جرموں کو انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہونے معلوم ہوا کہ نبی کا مصوم ہونا شرط نہیں۔

**جواب:** جمہور علماء نے انہیں بخیر مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا دہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ غیبا کریم کا نبوت سے پہلے بدعتیہ گدی سے پاک ہونا انتہائی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قوس ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریح آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں۔ رب نے یہ فرمایا ہے۔

**وَبَشِّرْهُ بِعَمَّتِهِ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ** یہاں امت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آل یعقوب سے انکی صلیبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ عَلَيْنَا بِكَ** یعنی بنفوس نے کہا کہ رب فرماتا ہے **وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رِجَالًا بِحُجَّتِهِمْ** اس میں بدواہدنی آئے کہ بیان ہوتا ہے کہ اس حدیث کے بیٹوں ہی کا لقب ہے، یہ بھی کثرت دہی ہے کہ کیونکہ نہ تو **أَرْسَلْنَا** میں بدواہدنی آئے کہ بیان ہوتا ہے کہ اس حدیث کے بیٹوں ہی کا لقب ہے، رب فرماتا ہے **قُلْ أَمَّا بِلَهِ اللَّهِ وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا رِجَالًا بِحُجَّتِهِمْ** (الآیہ) یہاں **أَرْسَلْنَا** علیہا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر دہی آئی اور ہم سب بخیر ہیں اور اسامیاتی اسرئیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے، درواقع ان میں انبیاء آتے رہے رب فرماتا ہے۔

**فَالَّذِي عَلَيْهِ لَا كَثْرٌ وَلَا سَلَفٌ وَلَا حَلْفٌ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا** انبیاء **صَلَّا عَلَيْهِمْ يَفْقَهُ** من الضحیٰ بنہ **لَهُ قُلْ بَسْمُوتِهِمْ** اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی ہے۔ ہاں وہ سب حضرات توہ کے بعد ادویہ واللہ بلکہ تفسیر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے غراب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہی ہے جسے حضور ﷺ فرماتے ہیں **صَحَابِي كَالْغُحُومِ** نیز ان کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لئے تھے۔ پھر اسوں نے ان سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کر لی اور دونوں حضرات نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی ہذا یہ مغفور ہوئے۔ اس کی شان میں گستاخی سخت عروسی کی علامت ہے، قاتل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل کر لیا کہ وہ اپنے ایمان رہا اور یہ ایمان نہ رہوئے۔

**اعتراض ۱۵:** قرآن کریم سے ثابت ہے کہ لیٹانے اور دھڑکنا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی تو لیٹنا علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہذا تو مانا کہ ان کا نکاح نہیں ہوا یہ قاعدہ غلط ہے۔

**نوٹ:** گمراہت کے بعض چال دیواندہ ہیں نے حضرت زینا کے وجہ یوسف علیہ السلام ہونیکا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گند سے الفاظ کہے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔

**جواب:** حضرت زینا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا مسلم و بخاری کی حدیث اور عام تفاسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ السلام کے فرزند پیدا ہوئے۔ افریقہ اور حبشہ وغیرہ میں تفسیر کبیرہ اور کتب معالم الظہر وغیرہ میں انکی تصریح ہے چنانچہ حضور ﷺ نے جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اپنی دوسری ازواج پاک سے فرمایا **اَكُنْ لَانَسْ كَصُوحْبِ يُوسُفَ** تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں یعنی زینا کی۔ صواحب صاحب کی جمع ہے صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید **وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ** آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے رہا جیسا گستاخی صادر ہوا۔ بیوی زینا سے ار دو مرد عیودی، عشق کی حالت میں ہوگی جس یوسف نے انہیں دارقہ و دیوانہ بنا دیا۔ اس والہا نہ حالت میں یہاں اور کہ نہیں، جب مہری عورتوں نے اسی جنس سے بنو و ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زینا نے اس صحن پر فریفت ہو کر دامن صرچاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطافوں سے تو یہ کہہ کر یہ بھی خیال رہے کہ لیٹانے صرف یوسف علیہ السلام سے یہ رغبت کی نہ کسی دوسرے سے۔ رب نے انہیں ہر طرف محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی بیویوں کو رہا اور فحش سے محفوظ مانا ہے کہ مصوم۔ حضرت زینا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی کہ عرض کیا **إِلَّا نَحْصَحْصَ الْحَقُّ أَمَّا أَوْفَتْهُ غَضِي** قصہ زینا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرار جرم ہو تو یہ جہاں سے اپنی خطا کا ذکر فرمادیا مگر ان پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب ان کی خطافوں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے ان سے رہا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔ نہ

معلوم دیوبندیوں کی کسی شیطان نے عقل مار دی کہ ان کا حزمہ ہمیشہ انبیائے کرام کے عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت ریحنا یوسف علیہ السلام کی تل بیت ہیں۔ اس کی توحین اس با کمال وغیرہ کی توحین رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔ خاتمہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ امیوئے کرم کا رب ہے اور وہ حضرت سیکے پیارے بندے رب جس طرح چاہے اس کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے پٹی پور ممدی و رہندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق میں کہ ان کی لغزشوں کی بیان کرتے پھر میں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر میں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو اس کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں مظاہر و دست ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زرخیز ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی دغ کو ان کے داس سے مٹانے کے لئے سات سال کی عام قحط سال بھیگی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر قحط خیز اور دوسرے سال زلزلہ و جہرات دے کر تیسرے سال چانور اور چوپائے دے کر چوتھے سال بے فلام ندیاں دیکر پانچویں سال آپے ملکات و زمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال معروضوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے کوٹڑی فلام بننے ہیں۔ ہمیں عدد دو۔ جب آپ نے ان پر احسان فرمایا (ہر ایک روئے البیان، حیرہ) یہ کیوں ہوا۔ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے فلام بن گئے تو اب انہیں فلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک وغیرہ کی عظمت برقرار رکھنے کیلئے سارے جہاں کو مصیبت میں ڈالا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ ہمارے میں سورہ یحس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کر دیا، دیکھو سورہ البیان تفسیر سورہ عیس اس سورہ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب شاہ حبیب الرحمن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکتے کی جرات پیدا کر دی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی حَبِیْرَ خَلْقِهِ وَ نُورَ عَرْشِهِ سَيِّدًا وَ مُوَسٰی مُحَمَّدًا وَ اٰلَهُ وَ اَصْحَابَهُ اَجْمَعِیْنَ



# لمعات المصباح علی رکعات التراويح

## پہلا باب

### بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح میں رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب و احادیث منقولہ و اقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں۔ (۱) قرآن پاک میں سورتیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ حصہ جس کا حصہ وہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کر کے اس پر ہے اور آیت کے معنی ہیں ثنائی۔ سورہ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوئی ہے جیسے شہر پناہ (سورہ البدر) اور آیت قدرت الہی کی ثنائی ہے اسلئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی ہیں جھلکا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع اور رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قرآۃ سے معلوم ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اسی قدر رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح میں رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہوئے چالیس۔ لیکن چونکہ ختم کے دس بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دوسورتیں پڑھ دی جاتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے ۵۵۵ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیے تھے قرآنی رکعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح میں رکعت چالیس کیوں کہ باقی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟ (۲) تراویح جمع ترویج کی ہے جس کے معنی ہیں جمع کو راست دینا۔ چونکہ اس میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویج ہے اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع تمام رکعتیں پر پڑی جاتی ہے مگر تراویح آٹھ رکعت ہونیں تو اس کے درمیان میں ایک ترویج آتا تاہم اس کا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویجوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چالیس۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویج ہو اور اس سے پہلے کوئی ترویج نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی ترویج کرتا ہے۔ (۳) ہر دن میں بیس رکعت نماز ضروری ہے۔ ستر فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار غم میں چار غم میں تین مغرب میں دو چار غم میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعات کی تکمیل کے لئے بیس رکعت تراویح اور مقرر فرمادیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد چاندی رہنا چاہئے کہ بیس رکعت ہی پڑھتے ہوئے گئے۔ درنا آٹھ تراویح کو اس میں رکعت سے کیا نسبت۔ (۴) احادیث، انبیاء، رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز تراویح پانچ عادت پابندی سے ادا فرمائی۔ صرف دوس دیکیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جائیگا اندیشہ ہے۔ جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا ائمہ کرام اپنے گھر میں نماز پڑھا کر دے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ رات بھر نماز جو ہر رمضان میں اہتمام سے ادا کرانی گئی اسی لئے صحابہ کرام ہم عمری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ محرق طور پر پڑھ بیٹھے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور باقاعدہ جماعت میں رکعت سنت فاروقی ہے چونکہ یہ کریم ﷺ نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت قرآن پڑھنا صراحتاً نہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہذا صحابہ کرام کا میں پر اتفاق کرنا سنت کی مخالف نہیں ہیں حکم دیا گیا ہے علیکم بسنی و سنت لحقہاء الزوائد لہذا اب ہم صحابہ کرام کا مکمل پیش کرتے ہیں میرے مقلدوں کو چاہئے کہ کوئی حدیث مرفوعہ صحیح کی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کر سکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہو۔ موطا، مالک میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قال کنا نقوم فی عہد غمر بعشرین رکعة رواہ التہیقی فی الفرقہ یا سناد صحیح

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابن کعب سے روایت کی فصلی بیس عشرین رکعة علی میں ہے۔ عن ابی المہسرات ابن علیؓ ابن ابی طالب امور حلالاً یصنعہ بالناس خمس تزویجاً بعشرین رکعة

(۳) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں یحییٰ و عبد بن حمید و یحییٰ نے روایت کی عن ابی عتبہؓ فی السی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع فی رمضان عشرین رکعة سوی، لہذا تو اس سے معلوم ہو کہ خود حضور علیہ السلام میں رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۵) ترمذی میں ہے وعن شکر وکان من اصحاب علیؓ انہ کان یقرء فی رمضان فیصنی خمس

(۶) اسی بتائی میں ہے و عن اسی عبد الرحمن السَّمُی ان عیاً رعی القراء فی رمضان فامروا رُحلاً یُصَلِّی الثَّاسِ عَشْرین رکعةً و کان عتی یوتریہم

(۷) اسی بتائی نے پانچ صحیح نقل فرمایا عن السَّائب ابن یزید قال کانوا یَقْرَؤُون عتی عہدِ غمر فی شہر رمضان بعشرین رکعةً اس کی تحقیق کے لئے صحیح احمدی لم یقول فی التَّراویح دیکھو ان روایت سے معلوم ہوا کہ جو حضور علیہ السلام میں تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس میں رکعت پڑھیں جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی بن کعب و عمر بن کعب، ابن یزید وغیرہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔

**اقوال علماء امت (۱)** ترمذی شریف ابواب الصوم بجانب فی قیام شہر رمضان میں ہے و اکثر اہل العلم عتی ما روى عن عتی و غمر و غیر ہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعةً و هو قولُ مسیب بن الشوری و ابن المبارک و الشافعی و کذا ادرکت بسبب منکھ یصلون عشرین رکعةً عتی اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی میں رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہی مروی ہے یعنی میں رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہی عمل پایا کہ مسلمان میں رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔

(۲) فتح البیہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۹ میں ہے روى فحشد ابن نصر من طریق عطاء قال ادرکتہم یصلون عشرین رکعةً وثلث رکعات الوتر و فی الباب الثانی كثيرة اخرجه بن ابی شیبہ و غیرہ و قال ابن قدامہ و ہذا کالاجماع اس سے معلوم ہوا کہ میں رکعت پڑھو یا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا۔

(۳) عمدة القاری شرح بخاری میں جلد نمبر ۷۷۷ میں ہے و روى الحارث بن عابد لرحمن ابن زبید عن السائب ابن یزید قال کان القیام عتی عہد غمر بثلث و عشرین رکعةً قال ابن عبد اللہ ہذا محمول علی ان التل للوتر اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں میں رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔

(۴) اسی عمدة القاری میں ہی جگہ ہے کہ عن عبد اللہ ابن مسعود یصلی باہی شہر رمضان فیصرف و علیہ لیل قال الاعمش کان یصلي عشرین رکعةً

(۵) اسی عمدة القاری جلد نمبر ۵۵۵ میں ہے قال ابن عبد البر و هو قول حمفور الغلماء وہ قال الکوفیون و الشافعی و اکثر الفقہاء و هو الصحیح عن کعب من غیر حلاط من الصحابة یعنی ابن عبد البر نے فرمایا کہ میں رکعت تراویح عام عہد کا قول ہے اسی کے اہل کو اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں۔

(۶) دلائل قاری نے شرح قاری میں فرمایا فصار جماعاً لازوی البیہقی باسناد صحیح انہم کانوا یصلون عتی عہد غمر بعشرین رکعةً و علی عہد عثمان و علی صحابہ کرام حضرات عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے واسطے میں تراویح پڑھتے تھے لہذا اس پر اجماع ہو گیا۔

(۷) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد ۱۸ صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا اجماع المصنعة عتی ان التراویح عشرون رکعةً یعنی صحابہ کرام کا میں تراویح پڑھنا اجماع ہے۔

**تعلیم** غیر مقلد دراصل اپنی خوش نفسی کے مقلد ہیں اس لئے انہیں اعلیٰ ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے جس میں نفس کو آرام مل رہا ہو وہ حق ان کا مذہب۔ ہم ن کے آرام و مسکن دکھاتے ہیں مسلمان دیکھیں اور ہجرت پکڑیں۔ (۱) دو مکے پانی کبھی گندہ نہیں ہوتا لہذا کنوئیں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا پانی پیئے جاؤ۔ (۲) سفر میں چند گناہیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روحانی کی طرح کون ہمارا ترے اور پڑھے ریل میں بہت بھڑھوتی ہے۔ (۳) عورتوں کے ریہات پر کوئی رکاوٹ نہیں ہاں جناب کیوں ہو اس میں خرچ جو ہوتا ہے۔ (۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر تمام کرو۔ ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو ہو کیوں نہ ہو بعد نماز سے چھٹکار چھا۔ (۶) ایک ہار تین طلاق دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرض کہ جس میں آرام و ہاروں کا دین ایسا ہے۔

## دوسرا باب

### بیس تراویح پر اعتراضات و جوابات

**جواب** اس کے عند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں چکڑی جاسکتی کیونکہ اس کے ردی محمد ابن یوسف ہیں  
 سوط میں تو اس سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد بن نصر مروزی نے ابی محمد بن یوسف سے بطریق محمد حنفی تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبد  
 الزرقانی نے ابی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے کہیں رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح بہاری شرح بخاری جلد چہارم ص ۱۸۰  
 مطبوعہ مطبع خیر یہ مصر۔ ایک ہی روایت کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اس کو اضطراب کہتے ہیں تو اس سے تراویح ۲۰ ٹھہر رکعت ثابت ہوئیں  
 مگر وتر تین رکعت کیسے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تیرہ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور آدھا  
 غیر مقبول۔ تیسرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اول آنحضرت تراویح کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا۔ پھر تیرہ میں پھر بارہ۔ کیونکہ مظلومہ باب قیام شہر  
 رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے وکان المقاری یقرأ سورۃ الفطرت فی ثلث رکعات و ادا قام بہا فی ثلث

عشرۃ رکع بقراءۃ السُّورۃ قد خُفِصَ یعنی قاری آٹھ رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے تحت مرقاۃ میں ہے **بَعَثَ ثَلَاثَ الْعَشْرُونَ فِي رَمِي غَمَرٍ وَفِي الْمَوْطِئِ رَوَايَةً** **بِاحْدَى عَشْرَةٍ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوْ لَا تَمُ اسْقَرُ الْأَمْرُ عَلَى الْعَشْرِ** فَإِنَّهُ **الْمُتَوَرِّثُ** یعنی ان روایات کو یوں جمع کیا گیا کہ اولاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر تیس پر قرأہو یہ میں رکعت ہی حقوق میں سمجھے یہ کہ اصل تراویح ست رسول اللہ ﷺ ہے اور تیس چیزیں سنت فاروقی۔ ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا تیس رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے تیس رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں۔ درندہ محاپہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا۔ درگاہ میں رکعت پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا کیونکہ تیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ درآٹھ میں تیس نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو تم بھی تراویح ہمیشہ اور

باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ تاکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں ہوتی ہیں لہذا انہیں رکعت پڑھا کرو۔

**اعتراض ۹:** بخاری بخاری شریف میں ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے تھے؟

آپ نے جواب دیا: **ما كان رسول الله ﷺ يربط في رمضان وفي غيره على إحدى عشر ركعة** معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر میں رکعت پڑھا جوت سب سے ہے۔

**جواب:** اس کے بھی چند جواب ہیں یک یہ کہ اس نے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ دن نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ وہ صرف

رمضان میں ہوتی ہے۔ نیز ترمذی میں ای حدیث کے لئے باب باندھنا **باب ما جاء في وصف صلاة النبي ﷺ** لنبیل معلوم ہوا کہ یہ صلوۃ انیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ ہماری ہیکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے اٹھ کر دافرما تے تھے۔ اور ترمذی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ جب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو

کر تہجد وتر پڑھتے ہیں جواب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا مجبور ہے۔ جسے مجبور نہ ہو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر تہجد وتر پڑھنے کے بعد صبح الطلوع جلد دو سوۃ ۴۰ میں ہے تحقیق آست کہ صلوۃ مختصرت در رمضان ہمارا مقام بڑا دیر رکعت کہ دائم در تہجد

سے گزر رہا۔ "دوسرے یہ کہ اگر میں رکعت تراویح بدعت سب سے ہے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں تہجد و فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ نہ آپ کیا فتویٰ گاؤ گئے نہ آج سارے غیر مقلد پارے ہمارے صحت میں بدعت تراویح پڑھتے ہیں۔ تاہا ان کی

یہ جنگی بدعت سب سے بدعتیں؟

اگر حضور ﷺ سے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں ہم اس کی پیروی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے قبیح حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔

نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ وہاں کا میں تراویح پر اتفاق ہے اور وہاں کا انہیں میں پران میں سے کوئی بھی آٹھ کا عامل نہیں۔ تاہا یہ سارے ٹوبہ بدعتی اور فاسق ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو ان سے حدیث لینا کیسا افاقی کی روایت مستحکم نہیں ہے تاہا کہ کسی ملک میں مسلمانوں

نے آٹھ رکعت تراویح پڑھیں۔ تیسرے یہ کہ ای حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی۔ تو جس رکعت وتر بھی ثابت ہوئے جب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہوں گی۔ پھر وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ آرام کے لئے؟ حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام

رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعت سے خاموشی ہے اور جن حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے مکی روایت پیش کرو جس میں آٹھ تراویح ہو۔ ایسی انشاء اللہ نہ ملے گی۔ چونکہ سلطنت مصلفی علیہ السلام کا ہم سے مستقل رسالہ لکھ دیا۔ اس لئے ضمیمہ میں یہ

مضمون شامل نہ کیا گیا۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور علیہ سیدہ محمدا و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتہ و ہوا رحمۃ الرحمن





بیشتر خود بخود گمراہ ہے، درودوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام، محبوب، مالکی کی طرف غلط ہے، ہر حال میں یہ لگا کر موجودہ غیر متقدمین نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ دئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل تحقیق اپنی تفسیر فی جلد دوم پر آیت **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ** (آیہ) میں کر دی ہے مگر چونکہ آج کل اس مسئلہ کے حلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم عرب کے ہر دوسرے پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قویں ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو یا پس بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور اہل کے جوابات۔

## پہلا باب اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دہرہ یا دو دہے ہی نہیں اور اگر تم طلاق ہی دیتا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق ہے جس طہر میں تین۔ یکدم چند طلاقیں دینا سخت بر ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ نہ کیا مگر تینوں واقع ہو چکیں گی بحالت حیض کہ اگرچہ ہر ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسکے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمَّا كَانَتْ مَرَّةً اَوْ تَرْتِيْنًا** "بہر حال طلاق دو بار ہے یا ایک بار یا دو بار" (آیہ) اس آیت سے معلوم ہو کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے جس میں نہیں اور مردان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاق واقع ہی۔ ہوس خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صادی میں اس آیت کے تحت ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَرَّاتٍ سَوَاءٌ وَفِيهِ اَلَا لِنِسَاءٍ هِيَ مَرْءَةٌ اَوْ مَرْءَسٌ وَالمَعْنٰی** "اگر تین طلاقاں دے تو وہ مَرْءَةٌ اور مَرْءَسٌ دونوں کے لئے ہے" (آیہ) یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو چکیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ، لگ بھگ عورت عدل دے کہ وہ طلاق دے کر تین طلاقیں دیں تو تین ہی واقع ہو چکیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح درختا پیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَمَّعَلَّ اللَّهُ يَحْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ اَمْرًا** "جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے گا ایک دم تین طلاقیں دے کر اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا پڑتا ہے، اگر تین طلاقیں ایک دم دے گا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقعہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گویا کہ یہ آدمی عالم ہے، اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوئی تو یہ عالم کیسے؟ تو ہی شرح مسلم باب طلاق بالکفر میں ہے

**وَحَتَّى الْحَمُورُ يَقُولُ لَهُ تَعَالٰی وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يَحْدِثُ لَهُ اَمْرًا** "فلا يُحْكَمُ" "تدَارُكُهُ لَوْ فَوَّعَ الْيَوْمَ فَمَوْ كَانَتْ اَلثَّلَاثُ لَهُ تَفْعُ طَلَا قُهُ هَذَا اَلَا رَحِيَةً فَلَا يَدُمُ" ترجمہ وہ ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۳) مالکی و طبرانی میں سید ابن علفہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ شعیبہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ حضرت امام کے فرق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمائے گئے کہ اگر میں نے بے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دے تو وہ عورت بغیر عدل سے چار تہ نہیں تو میں سرور رجوع کر لیتا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں **لَوْ لَا اَنِّي سَمِعْتُ حَدِيْثَ وَحَدَّثَنِيْ اُمِّيْ نَهَ سَمِعَ حَدِيْ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَحُلٍ طَلَّقَ امْرَأَةً ثَلَاثًا عَدْلًا قَرَأَ اَوْ ثَلَاثًا فَبِهِمَّةٌ لَّهٗ تَحِلُّ لَهٗ حَتَّى تَكُوْنُ رَوْحًا عَمِيْرَةً** (سنن کبریٰ ص ۳۶۹ جلد ۱ صفحہ ۳۶۹)

(۴) اس سنن کبریٰ پہلی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے **قَالَ حَزَّاءُ رَحِلٌ اُمِّيْ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِيْ اَلْاَقَالَ ثَلَاثًا نَحَرْتُهَا عَمِيْكَ وَافْسَدَ سَائِرُ هُنَّ بَيْنَ نِسَاءِ ك** (سنن کبریٰ ص ۳۶۹ جلد ۱ صفحہ ۳۶۹)

مجموعی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ میں نے اپنی بیویوں کو باعث دے یعنی وہ لغو ہیں مگر ہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار ہا قیں ہزار بیٹوں میں تو نہ دی ہوں گی ورنہ ۸۴۲ میں ۲ بیٹے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے بیٹوں کا نذر نہیں کیا۔

(۵) تائیلی میں ہے عن جعفر ابن محمد عن عتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لا تحلّ له حتی تکبّر روحاً غیرہ اسنن الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۵ یعنی امام جعفر صادقؑ اپنے چدامہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے تو بیوی غیر حلال رہے جس میں اس کی تائید بیٹی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دے تو بیوی حلال رہے جس میں اس کی تائید بیٹی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو اس مقام پر اپنی بیوی سے مروی ہے کہ عن عتی رضی اللہ عنہ فیمن طلق امرأه ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال لا تحلّ له حتی تکبّر روحاً غیرہ

(۶) تائیلی میں ہے محمد بن یار ابن کثیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غفلت سے پہلے ایک دم تین طلاق دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے ۱۳ بار نکاح کرے۔ تو وہ پوچھ رہا کہ عہد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا ہم اس نکاح کے جوڑ کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاق دی تھیں اس پر حضرت عہد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں تھا کچھ قاتو نے کھائی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فسئل اب ہریرہ و عبد اللہ ابن عباس فقال لا یریٰ سکتھا حتی تکبّر روحاً غیرک قال انما کان ظلالی انما واحداً فقال ابن عباس انک ارسیت من بدک ما کان لک من فصل (سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۵)

(۷) اسی مجموعی میں عہد اللہ ابن رافع سے روایت ملتا ہے کہ کسی نے سیدنا عہد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ عباس طلق امرأتی ما تہی فقال تاخذ ثلثاً و د ع سبعاً تسعی (سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۷)۔

(۸) تائیلی میں سعید ابن جبر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عہد اللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے لو۔ و لو سوتانوے چھوڑ دو۔ عبادت یہ ہے ان رحلاً حب، السی ابن عباس و قال طلق امرأتی الف فقال تاخذ ثلثاً و د ع تسع ما تہی و تسعی (سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۷)۔

(۹) تائیلی میں جبریت سعید ابن جبر سے کہ سیدنا عہد اللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاق دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ عبادت یہ ہے عن ابن عباس انہ قال لو غلب طلق امرأه ثلاثاً خربت علیک (سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۷)۔

(۱۰) تائیلی میں بروایت عہد اللہ ابن عباس سے کہ ایک شخص نے عہد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاق دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہ دو کہ تجھے بوجہ جوہر کا سری کافی ہے۔ خیال رہے کہ ہر جن جوڑا کے سر پر تین ستارے ہیں۔ عبادت یہ ہے۔

عن عمر ابن دینار ابن عباس مسئل عن رجل طلق امرأه ثلاثاً فقال انما یکھبک و اسل الجوراء (سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۷)

(۱۱) ابن ماجہ شروع باب ابواب الطلاق باب من طلق ثلاثاً فی مجلس واحد میں ہے کہ قاطر قیں فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے تین جاتے وقت تین طلاق ایک دم دیدیں۔ رتیوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبادت یہ ہے قالت طلفسی روحی ثلاثاً و هو خارج الى الیمین فاحار دلیک رسول اللہ ﷺ

(۱۲) حاکم ابن ماجہ ابو ذؤنہ ابن علی ابن یزید ابن مکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا نے اپنی بیوی کو طلاق بتدی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سواں کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نیت کی مگر ایک کی میں حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کو واپس فرمایا۔



# دوسرا باب

## اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ پیش گئے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اسے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

**پہلا اعتراض** رب تعالیٰ فرماتا ہے **الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاَمَّا كَـُٔىٰ مَعْرُوفٍ** او تسریح باحسان کچھ آگے چل کر ارشاد فرماتا ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مَرَّتَيْنِ** اور فان کی ف سے معلوم ہو کہ طلاق ایک ایک چاہئیں۔ ایک دم تین طلاقیں لگ لگ کر کہاں ہوئیں۔ **مَرَّتَانِ** بھیگی تار ہے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ **الطَّلَاق** میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حد سے عورت طلاق نہیں۔ تفسیر احمدی و صادی و جلالین میں ہے **لِطَّلَاقٍ يٰ السُّطْلَقِ لَدَىٰ بَرِاجٍ بَعْدَهُ مَرَّتَيْنِ** دوسرے یہ کہ اگر دہا سا ہوا دے کہ **مَرَّتَانِ** سے تین طلاقوں کی ٹیٹھگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی تقاضا ٹیٹھگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی ٹیٹھگی کیونکہ ٹیٹھگی کے بعد کیسے عد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک شخص کا فاصد ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَاَرَجَعَ الصَّوْكَرُ نِسْءَانًا** کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھو یا کہ تیسرے یہ کہ تہجاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں ایک ایک ہونی چاہئیں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جنگ ایک دم طلاق دینا سخت منع ہے۔ لگ لگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی عاقبت سے ایک دم تین طلاقیں دے تو قیغ بھی ہوگی یا نہیں اس آیت سے ثابت ہے۔

**دوسرا اعتراض** مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نہ نہ نبوی اور نہ نہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی مہارت یہ ہے **عَنْ اَبِي عَنَسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عِنْدَ عُمَرَ وَ سُوْلٍ لِلَّهِ مَسَّةً وَ اَبِي بَكْرٍ وَ ثَنِيْنَ مِنْ حِلَالِ غُمَرِ طَلَاَقٍ اَلْفَلَاتِ وَ اَحَدَهُ** بڑا ہی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو اسحاق سے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ جانتے ہیں کہ نہ نہ نبوی اور نہ نہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں مہارت یہ ہے **اَنْ اَبَا الصُّحْبَاءِ قَالَ لَامِ اَبِي عَنَسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّمَا كَانَتِ اَلْفُ نَحْصًا وَ اَحَدَةُ عَمِي عَهْدِ نَبِيِّ سَبَاةً وَ اَبِي بَكْرٍ وَ ثَلَاثٌ مِنْ اَمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ اَبِي عَنَسٍ نَعَمْ** اس حدیثوں سے صراحہ معلوم ہو کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

**نوٹ** غیر مقلدوں کا کیا بھائی اعتراض ہے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تو یہ روایت ہے اور خود ان کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل پٹی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہو گا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنانا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا یا وار بلند خبر دینا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماؤں۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا ضرر ہے جس سے طوط نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی کسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے تو اس ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دوطلاقیں غو۔ چنانچہ خود راؤ و کتاب الطلاق باب **بِسَبْعِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيْقَاتِ اَلثَّلَاثِ** میں ہے کہ ابو صحبا سے عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ نہ نہ نبوی اور نہ نہ صدیقی در شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخل بہ بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے **قَالَ اَبِي عَنَسٍ مِمَّنْ كَانَ اَلزَّجْلُ اِدَا طَلَّقَ اِمْرَاَةً ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَ اَحَدَةً** ارغ اس حدیث سے صراحہ معلوم ہو کہ مسلم کی روایت کا یہی مطلب ہے اور یہ حکم بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ نہ نہ نبوی اور نہ نہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق

ہے طارق طارق۔ گویا تھیلی دو طلا قوس سے کہلی طارق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ عاروقی میں ہوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ وہیں طارق قوس ہی دینے لگے  
جہذا السورۃ مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے۔

فَالَا صَحَّ إِعْجَازُ أَنَّهُ كَانَ فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ إِدْفِئُ لَهَا اسْتِطْلَاقُ "أَنْتِ طَالِقٌ" وَأَنْتِ طَالِقٌ" وَلَمْ يَنْبَغِ  
تَأْكِيدُ وَلَا اسْتِثْنَاءُ يُحْكَمُ بِوُقُوعِ طَلْقِهِ لِقَوْلِهِ ارْتَدَّتْهُمُ الْاسْتِثْنَاءُ بِدَلَالَةِ مَحْوُلٍ "عَلَى الْعَدَلِ  
الَّذِي هُوَ ارْتَدَّتْهُ الْكَيْدُ فَلَمَّا كَانَ فِي رِمَانِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَثُرَ اسْتِعْمَالُ النَّاسِ بِهِدِهِ بَضِيعَتُهُ وَ  
غَلَبَ مِنْهُمْ ارْتِدَادُ الْاسْتِثْنَاءِ بِهَا خُصِمَتْ عَنْهُ الْإِطْلَاقُ عَلَى الثَّلَاثِ عَمَلًا بِعَالِ السَّابِقِ الْمَقْصِدِ مِنْهَا  
فِي هَذَا الْقَضَاءِ

یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تیس طلاقیں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لئے جو کوئی بغیر نیت کے بھی یکدم تیس طلاقیں دیتا تو ایک ہی دلی جاتی تھی کہ اس وقت غائب حال یہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تیس طلاقیں سے تیس ہی کی نیت کرنے لگے اس لئے تین جاری کر دی تھیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں رکوع آگے کے مصرف "نہد ہاں ہوئے۔ موفت القلوب (کفار باہل اسلام) کو بھی رکوع دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا جماع ہو گیا کہ مصرف رکوع صرف سات ہیں موقوفۃ القلوب خارج کیونکہ زور قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور مرکز جمعی اس لئے ایسے کافروں کو رکوع دیکر باہل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کروی مہد اس کو رکوع دینا بند کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدل چکا تھا۔ اب تک یہ فقیر تھا سے رکوع دینے کا لینے کا حکم دیا گیا۔ اب فقیر ہو گیا تو رکوع دینے کا حکم ہو گیا۔ کبڑا پا کھٹا اس سے نمار ناجائز قرار دی اب پاک ہو گیا اس سے نمار جائز ہو گئی۔ ہندوستان میں حج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ بغیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

**تیسرا اعتراض** ابو ذرؓ کے والد اور مشہور جلد اول ص ۹۲۷ و مرد الزق دینی سے عہد اہل کس مہاس سے روایت کی کہ عبد پر یہ ہونا کانے پانی دی ام کا نہ کو طلاق دی حضور ﷺ نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کرو انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تمیں قید قیام دی ہیں فرمایا یا ہم پہنچے ہیں مگر رجوع کر دو اور یہ آیت تلاوت فرمائی **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمْ نِسَاءً فَلْيُنْفِقُوهُنَّ لَعَلَّهُنَّ يَرْجِعْنَ إِلَيْكُمْ وَلَا تَحْسَبُوا نَفْقَهُ كَذِبًا إِنَّ أَنْفَاقَكُمْ عَلَيْهِنَّ عَلَىٰ مَا تَكُونُونَ مِنْ بَنِي آدَمَ لَا تَجِدُ فِيهَا مَالًا وَلَا سِوَىٰ ذَلِكَ وَلَٰكِنْ حَسْبُ الْبَاطِلِ** (احزاب) (یعنی سن بقرہ جلد ۳۳۱ ابوداؤد فتح مرحد صفحہ ۴۹۹) مگر کشمی تین قید قیام ہی واقع ہوئیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو طلاق کی ضرورت درپیش ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ خود ابوداؤد نے عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا حکم نہیں اور پھر بھی ایک ہی کافی تھی۔

**جواب:** السوس کہ معترض نے ایوداد اور یسعی کی آدمی روایت محل کی آگے اس اعتراض کا نہایت ٹیس جواب دیا ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ایوداد و یسعی میں ہے کہ نافع ابن جبر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے ادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتادی تھی یہذا احصور نے اس کی بیوی کو س کی طرف دہس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ سکا بنہ اور اس کے گھروالے اس کے حالات بمقابلہ طبروس کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتادی، اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاق قیس تین دیں۔ ماحکمہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

وَحَدِيثُ دَافِعِ ابْنِ عَجْبَرٍ وَعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَتِيٍّ ابْنِ يَرْبُودٍ ابْنِ رُكْتَنَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رُكْتَنَةَ طَلَّقَ  
أَمْرَاءَ تِهَ الْبَيْتَةِ فَرَدَّهَا النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابُ لُكُمٍ وَلِذِ الرُّحْلِ وَاهْلَهُ أَعْنَمَهُ مِنْ أَنَّ رُكْتَنَةَ أَمَّا طَلَّقَ أَمْرَاءَ تِهَ  
الْبَيْتَةِ وَجَعَلَهَا النَّبِيُّ ﷺ وَاحِدَةً (سنن كبرى یعنی دارالحدیث ویرجی علی مقام)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق و بیروایت سبہ ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر کراکے کی اور دس سے بھی طلاق بدعت کی روایت ہے بتاؤں کہ تین طلاقیں والی ایک روایت مستحکم ہوگی یا طلاق بدعتی اور ایک نوروایتیں بتاتی کی عبارت یہ ہے۔



وہد الامساك لا تقوم به الخجسته مع ثمانية ورد عن عباس فافقه بحلف ذلك ومع روایت  
 اولاد زکاتہ ان طلاق زکاتہ کان واحده و قالہ التوفیق (نت کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۲۹) ہم پہلے باب میں عرض  
 کر چکے ہیں کہ اگر کاندہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ تجھے میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر رحم بھی فرمایا  
 جب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ ماموئی نے فرمایا کہ اگر کاندہ کی تین طلاقیں کی روایت ضعیف ہے اور مجھوں لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق  
 صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتوئی تھی۔ اور لفظ بت میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے درمیں کا بھی۔ شاید تین  
 طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بت تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بت کے تین کی روایت ہاتھی کر گیا۔ جس میں اس نے محنت ظنی کی  
 عبارت یہ ہے و اما لروایۃ النبی رواہ المحالفون ان زکاتہ طلقها ثلاثاً فجعلها واحده فروایتہ  
 صعبۃ عن قوم مجهولین و اما الصحیح منها فقد ما ہ نہ طلقہا البتہ و لفظ البتہ محتمل  
 لثلاث و لثلاث و لعل صاحب ہذا الروایتہ الضعیفۃ اعتقد ان لفظ البتہ ثلاث و رواہ بالمعنی  
 الذی لہمہ و غلط فی ذالک

**چوتھا اعتراض** سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں کشی دیں تھیں۔ جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار  
 دیا اور اس سے رجوع کرنے کا امر کیا اگر یہ طلاق تین ہی ہوتی تو رجوع ناممکن ہوتا۔

**جواب** یہ لفظ ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ نے اپنے بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں رجوع کا حکم دیا  
 کیونکہ طلاق بحالت طہ ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم طلاق افاض میں ہے عن ساف عن عبد اللہ انہ طلق  
 امرأۃ ولہ وہی حائض "تطليقتہ واحده" فامرہ رسول اللہ ﷺ ان یراجع ثم بمسکھا حتی تطهر  
 بخروئی شریف شرح مسلم باب اللہ میں فرمایا و اما حدیث ابن عمر فرو بات الضحیختہ انی ذکرھا فسلم و  
 غیرہ انہ طلقہا واحده ان کے متعلق تین کی روایت بالکل ضعیف ہیں۔

**پانچواں اعتراض** تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۳ الطلاق مڑنس کی تفسیر میں ہے معاہ ان تطیق "النشر عینہ یحب ان  
 یکنون تطلیقۃ" عنی التفریق ذون لجمع والا رسال و ہذا التفسیر ہو قول من قال الخلع بین  
 الثبت حرام "یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کے دینا واجب ہے یہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ کشی تین طلاقیں دینا حرام  
 ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔

**جواب** اس کا کون سکر ہے چنانکہ طلاق الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں منکول میں ہے کہ اگر کوئی عقی حاکم سے تین طلاقیں کشی دے دے تو  
 واقع بھی ہوگی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہا ہے کہ تین واقع ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور حیر ہے اور  
 اس پر شرعی حکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ راجح ہے  
 لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر قسمل ضرور واجب ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سبب پر نہیں پڑتا۔

**چھٹا اعتراض** تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۳ میں ہے و هو احیاء کثیر من علماء الذہب انہ لو طلقہا التین او ثلاث  
 لا یقع ان الی واحده یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی انہی دو یا تین طلاق دے دے اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔ معلوم ہوا  
 کہ عام علماء اسلام کے نزدیک انہی تین طلاق میں ایک ہی ہوتی ہیں۔

**جواب** معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے دو بانی حیر و کار ہیں۔ انہیں کا یہ مذہب  
 ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صادی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن حیرہ اور اسکے تھیں کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ کر لکھا ہے۔ نیز معترض  
 نے تفسیر کبیر کی چوٹی عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے والقول الثانی وهو قول اسی حیثینہ رضى اللہ تعالیٰ عنہ  
 ان کان فحواً الا انہ یقع یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ انہی تین طلاق دینا اگرچہ صحیح ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جا کر  
 تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آخر مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاق دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال ہیں دیکھو تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵۔

**مسائل اور اعتراض** فصل بھی چاہتی ہے کہ کبھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی عیدگی کا حکم ہے اس کو کھٹا کر دینا ایک حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً حان میں لگ لگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں حروں پر لگ لگ سات نکل مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں نکلر یک دم پھینک دے تو یک ہی مانی جائیگی اور چھ نکلر ایک عدد وارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ** تو اس کا یہ درود بڑھانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائے گا لہذا چاہیہا ہے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہونہ کہ تین۔

**جواب** الحمد للہ آپ قیاس کے قواعد کو اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت کو رافضائی مکرہ ہے۔ آپ دیکھنا آپ کا قیاس جناب جان اور ربی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں مضمود ہے۔ نہ کہ محض فعل لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لہذا آپ ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زنا میں گواہ چار ہیں تو لہذا میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہئے۔ ایک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے ربی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہئے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ہے ایک ہزار درود کی صحت اتنی محنت کی صحت ہے اور ظاہر کہ ایک بار **اَلْفَ مَرَّةٍ** کہہیے میں ہزار درود کی محنت نہیں ہوتی۔ لہذا اس کے احکام بھی مختلف قسم کا۔ درمل پر ہوتا ہے، وطلاق کو ناسا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات کٹری کے جانے کی طرح کر دیں ان سب کی طاق آسانی اور افسر ہدوی ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہو اور شہرچہ بی سے لگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہوگی اگر تین واقع ہو جائیں اور پھر رجوع کر لیا جائے تو پھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت در حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ اُصْحٰبِی عَلٰی حَبِیْرٍ حَقِیْقَہٗ وَ بُوْرٍ عَرَفَہٗ سَيِّدِیْ وَاَمُوْلٍ مَّحْمُوْدٍ وَاَلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَۃِہٖ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ

مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفَى وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أُولِي الصَّدَقِ وَالصَّفَا

## وجه تصنیف

جانتا چاہیے کہ موجودہ دور بہت فتنوں کا زمانہ ہے۔ کھردھا دے دینی کی ہوس رہا آدھیاں چل رہی ہیں بدلتی ہوئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول ہمارے گاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ن فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو جامعہ سنیہ کے پردہ میں نمودار ہو رہے ہیں۔ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سوا سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید ٹھیک کو شرک کہتے ہیں۔

انہوں نے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنیہ کیا ہے، بلکہ جنہیں عربی مہارت پڑھنا نہیں آتی وہ "تین یا چار دفعہ یس کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جہا الحق اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیر جہا الحق میں میں رکعت تراویح اور تیس طہاری پر معرکہ لڑا بحث کی جہا الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقع نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلد و ایمان کی پرزور تردید کی جاوے اور احتساب کے دلائل غیر مقلدوں کے دلائل انہیں جواب دیے جا دیں۔ مگر اس قسم کی قلیل میں دی ہی ہوتی چلی گئی۔ یزیم نے ان مسائل پر اپنے "تلاویہ نصیہ" اور حاشیہ بخاری جیم الدی عربی میں مفصل گفتگو کی جہاں تھا کہ یہ علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ اس مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ تو کلا علی اللہ اور ہر توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہی ہوگا۔ جو جہا الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہوگا۔ اور ہر باب میں دو تفصیلات ہوں گی۔ پہلی فصل میں مفیدوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ۔ یہ ہے کہ اسے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نامعقول حوالہ کی آڑ میں جیتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے متین حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو معتبر نہیں۔ یہ تمام بحثیں شاہ اللہ مقدمہ کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا فرس۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے۔ ان کے اس ضعیف ضعیف کے رت لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوری وغیرہ و تائدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اسے بغیر سوچے سمجھے نکلیں بد کر کے مان پیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لیے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھایا۔ مگر مجھے اپنی بے بساقتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب ﷺ کے فضل پر بھروسہ ہے رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمادے۔ میرے لیے اسے کفار یہ بیانات و صدقہ جاریہ بتائے اس کا نام جہا الحق حصہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھے فقیر ہے۔ نو کے حسن خاتمی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

احمد با عین فہمی اشرفی بدایونی خلیفہ جامع

مسجد خیرہ چوک پاکستان کجرات

نیم ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ ۱۳ اپریل ۲۰۱۵ء

دوستدار کد

## مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اجمعی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمائیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

**قاعدہ نمبر ۱**

اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں۔ حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف

**صحیح** وہ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں۔

(۱) اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی روئی کسی جہد چھوٹا نہ ہو۔

(۲) اس کے سارے راوی اذی درجہ کے متقی پرہیزگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستوا حال نہ ہو۔

(۳) تمام راوی اہمیت قوی اخلاق ہوں کہ کسی کا غلط بیاری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو۔

(۴) وہ حدیث شاہین یعنی اسناد حدیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

**حسن** وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

**ضعیف** وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی اخلاق نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں مستحق ہیں اس میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

**قاعدہ نمبر ۲**

پہلی دو قسمیں یعنی صحیح و حسن احکام اور فضائل سب میں مستحکم ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں مستحکم ہے۔ احکام میں مستحکم نہیں یعنی اس سے طلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

**نتیجہ** ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں نے عوام کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کھا پانے، بوا بکھو رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

**قاعدہ نمبر ۳**

اگر حدیث ضعیف کسی وجہ سے جاوے تو وہ بھی مطلقاً مستحکم ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

**قاعدہ نمبر ۴**

حسب اہل پیروں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف راویوں سے مروی ہو جاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی۔

(مراقات، موضوعات کبیر شاتی، مقدمہ مشکوٰۃ شریف مولانا مباحثی، رسالہ اصول حدیث نمبر چالی ذی تردی شریف وغیرہ)

۴۔ ہمارے کاتبین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیے امام ترمذی فرماتے ہیں۔

هذه الحديث غريب، ضعيف، و لعمري عليه عندنا هل نعلم "یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر ہمارے علم کا اس پر عمل ہے۔"

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف یا قابل عمل مگر عوامت سے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایت کے حالات سے ضعیف حتیٰ مگر عوامت کے عمل سے قوی ہو گئی۔

۶۔ علماء کے تجربہ اور ادیباء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ عی الدین بن عربی ایک حدیث کی نقل کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی محفرت ہو جاتی ہے۔ ایک وفد ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو درویش میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دے میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان بے پڑا اور بورہ کا اپنی ماں میں جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس دلی کے کشف سے معلوم کی (صحیح بیہقی) تھویر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہی واقعہ صید رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا۔

**قاعدہ نمبر ۵**

اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ چند یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح اسی لیے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هذه الحديث حسن صحيح "عرب" "یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی۔"

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب۔

**قاعدہ نمبر ۶**

بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے معتبر نہیں۔ لہذا اگر ایک حدیث عام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر لی ہو۔ کیونکہ

اس میں ایک روئی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح سے ملی ہے۔ آپ کے زائد تک وہ ضعیف راوی

اس کی اسناد میں شامل نہ ہو۔ بہرہ کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام عظیم و ضعیف ہو کر لی۔

ایک وفد ایک وہابی غیر مقلد سے قرآن غلط الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاءَةُ الْأَقَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ" "اسلام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔"

دہلی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جاہر عثمی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جاہر عثمی کب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۳۳۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استناد فرمایا تھا تب جاہر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہوئی اور وفات ۱۵۰ھ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل گھنٹی تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر دہلی صاحب سے اس کا جواب نہ مل پڑا۔ بغیر جواب دینے فوت ہو گئے۔

لہذا اقلی علماء کو خیال رکھنا چاہئے کہ دہلی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا اسلئے اللہ دہلی جی پانی مانگ جائیں گے اور ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

**۷۔ ضعف نمبر ۷** جرح مسلم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جریر وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا روایت ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کس ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں ذکر کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب دیکھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو قدیس۔ رسالہ۔ گھوڑے دوڑا۔ مذاق۔ نوعمری۔ نقد میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب چاہا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں۔ (اور انوار میں بحث علی الحدیث)

**۸۔ ضعف نمبر ۸** اگر جرح و تعدیل میں توازن ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح جیسی ایک روایت کو محدث سے ضعیف کہہ کسی سے اسے قوی فرمادیا۔ بعض تو رخ سے اس کا قسح ثابت ہوا بعض نے فرمایا وہ قتل صالح تھا تو اسے قتل مانتا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ مسکن میں تقوی اصل ہے۔

**۹۔ ضعف نمبر ۹** کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حس ہو۔ صحیح ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

**۱۰۔ ضعف نمبر ۱۰** صحیح حدیث کا درود دار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ پر جس صحیح سے کونج کیجے گا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ اور ایماں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری یا مسلم وغیرہ پر حضور ﷺ کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے بخاری میں ہونے پر تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایماں رکھتے ہیں اور ان کی سبکی خدھی تقلید کرتے ہیں کہ حد کی پتاہ۔

**۱۱۔ ضعف نمبر ۱۱** کسی عالم فقیر محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیر عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرمادے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبداللہ خطیب حمیری صاحب مشکوٰۃ ضعیف حدیث کو قبول فرماتے ہیں۔

وَنَبِيٍّ إِذَا اسْتَدَّثَ الْحَدِيثَ إِلَيْهِمْ كَانَتْ اسْتَدَّثَ لِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی فرط منسوب کر دیا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کر دیا۔"

ان تو حد سے آپ کچھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر انتہا کا عمل ہے ان کو علا و فقہاء نے قبول فرمایا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت استادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ استادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمد و رجال

**۱۲۔ ضعف نمبر ۱۲** اگر حدیث و قرآن میں توازن نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافق ہو جاوے توازن جانتا رہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپ میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَقَرُّوا تَبَسُّرًا مِنَ الْفُقَرَاءِ "جس قدر قرآن مجید آسان ہو مار میں پڑھو۔"

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَا صِلَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَاجَةِ لُكْتُبِ "جو سورۃ فاتحہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کر دے کہ سورۃ فاتحہ کے پھر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قراءت نماز میں فرض ہے اور



سورہ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

وَاَقْرَأِ الْقُرْآنَ فَاسْتَمْعُوا لَهُ وَاصْبِرُوا "جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔"

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَوْرَةَ لِمَنْ يَفْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ "جو سورہ فاتحہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ بالوکہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔ اور حدیث شریف کا حکم ایسے لماری یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ پینا کافی ہے کہ یہ اس کی حکم قرأت ہے، عرصہ کہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہوئی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قائل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث مسوخر مانی جاوے گی۔ یا حضور ﷺ کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ انکی بہت مثالیں ہیں۔

**نقصہ نمبر ۱۳** حدیث کا ضعیف ہونا یا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دار و دار راہ روایاتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی ٹٹا۔ مگر حنفیوں کے لئے کچھ معزز نہیں۔ کیونکہ معیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قوس امام ہے۔ قوس امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن وحدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ہیں تو صحیح تھیں کہ ان کی بنیادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس مہزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ قہریرات ہند کے دفعات، ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقتدیست رب کا غضب۔

# حصہ دوم

## پہلا باب

### کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نہ زمین بگیر قریمہ کے وقت مردوں کا کانوں تک ہاتھ اٹھا سنا تھا ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ بیٹے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے خفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ سب تعالیٰ قبول فرمائے۔

### پہلی فصل

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۱ تا ۳** بخاری، مسلم، ترمذی نے، لک ابن حریث سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَ كَثْرَ رَفْعِ يَدَيْهِ حَتَّى يَحْدِيَ أُذُنَهُ وَفِي لَعْنَةِ حَتَّى يَحْدِيَ يَمِينَهُ لِرُفْعِ أُذُنِهِ  
"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بگیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لو تک اٹھاتے۔"

**حدیث نمبر ۴** ابوداؤد شریف میں حضرت برہان عازب سے روایت ہے۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فُحِ الصُّوْرَةُ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قُرْبِ مَنْ أُذُنِهِ ثُمَّ لَا يَبْغُودُ  
"میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یہیں نہ فرماتے۔"

**حدیث نمبر ۵** مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

أَنَّ رَأَى لِسَبِيٍّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى دَخَلَ فِي الصُّوْرَةِ كَثْرَ قَالَ اخْذِ الْوُاقِفَ حَتَّى  
أُذُنُهُ ثُمَّ اَلْتَحَفْ ثِيَابَهُ.

"ابنوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپائیے۔"

**حدیث نمبر ۶ تا ۸** بخاری، ابوداؤد شریف نے حضرت ابوطالب سے روایت کی۔

أَنَّ مَالِكَ ابْنَ خُوَيْرِثٍ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا كَثُرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ  
حَتَّى يَبْلُغَ فُرُوعَ أُذُنِهِ

"مالک ابن حریث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب بگیر قریمہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے۔"

**حدیث نمبر ۹ تا ۱۲** امام احمد، اسحاق بن راہویہ، دارقطنی، ترمذی نے برہان عازب سے روایت کی۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونُ ابْهَامَاهُ مَذْ حِدَاءِ أُذُنِهِ  
"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔"

**حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵** حکم ے مستدرک مسند رافضی اور تفسیر نہایت صحیح سادہ سے جو شرط مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثْرَ رَفْعِ يَدَيْهِ ابْهَامُهُ أُذُنِهِ

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بگیر کی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیے۔"

**حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷** عبدلہ راق اور ترمذی نے حضرت برہان عازب سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَثُرَ لِفَتْحِ الصُّوْرَةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونُ ابْهَامَاهُ قَرِيبًا مِنْ سَحْمَةِ أُذُنِهِ  
"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے کیسے بگیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدی کے مقابل ہو جاتے۔"

حدیث نمبر ۱۸ ابوداؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْ بَعْجَالٍ مُكْبِيَةً وَحَدِيدِي بَيْنَهُمَا أَدْبَاهُ  
 "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف کو کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے۔"

حدیث نمبر ۱۹ دارقطنی نے حضرت براء عازب سے روایت کی۔

اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى احْدَا بِهِمَا اَذْبَاهُ ثُمَّ لَمَقَ يَعْذَالِي شَيْئًا  
 مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَوَتِهِ

"انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرما دیا۔ پھر  
 نو ز سے فراغت تک ہاتھ نہ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی شریف نے ابو حمید ساعدی سے روایت کی۔

اَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِاصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمَّا اعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا اَدْفَعُ اِلَى الصَّلَاةِ كَثْرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَى وَجْهَهُ  
 "وہ حضور علیہ السلام کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔ آپ کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے  
 اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اٹھاتے۔"

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ صرف میں حدیثوں پر کلمات کرتا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث  
 خصوصاً صحیح البخاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس بھی کتاب غنی و سب کی تائید میں احادیث کی جامع "تک تک" تک نہ دیکھ گئی۔

**عقلی دلائل** عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز شروع کرنے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں کہ نکل لری نماز شروع کرتے وقت ہاتھ میں  
 مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیز رہا جاتا ہے۔ کھانا پینا پلونا اور دھار دھار دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کر لیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر  
 عام ہالاک کی پر کرتا ہے۔ اور عرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کراتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ کندھے نہیں پکڑواتے گویا پانی رری  
 قوس سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے گل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیز رہتا ہے۔ بے موقعہ پر کندھے پکڑنا بالکل ہی عداوت عقل ہے۔  
 جسے مسجد سے میں مسلمان زبان سے توبہ تھالی کی عظمت و کبریا کی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے مجرمتیہ کا ظہار ہے ہی شرعاً نماز کے  
 وقت ایک بڑا کا قراؤ زبان سے ہے دوسری بڑا کا اٹھا رکھنا عقل سے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

**اعتراض ۱** مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں۔

اِذَا كَثُرَ حَتَّى يَدْبَاهُ حَتَّى مَسَّكَ

"حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔"

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابی عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیے۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى مَسَّكَ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔"

یہ حدیث بہت سادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

**جواب** یہ احادیث خبیثوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے نکلنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جاویں گے۔ وردوں حدیثوں پر عمل  
 ہو جاوے گا لیکن کندھوں تک انگوٹھے نکلنے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جس میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ غنی و سب دونوں قسم کی حدیثوں  
 پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا غنی جامع ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح کر گئی کہ حضور ابو صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کانوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے

کانوں تک لہذا احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعطائے ہے کہ کوئی مرفوع حدیث کسی دیکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انگوٹھے کا دھوس تک نکالتے۔ جہاں کا دھوس کا ذکر ہے وہاں ہاتھ اور شاد ہو اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کانوں تک ہاتھ اسی طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچتے تھے۔

**اعتراض؟** کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ دوسب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا ہلکا ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی سنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کزور جتنے کم مضبوط رہتی ہیں جاتے ہیں۔ تو کزور سنادیں مل کر تیں حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو سی کتاب کا مقدمہ چوتھے یہ کہ ان احادیث پر مت کے علماء اولیہ صاحبین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابو حنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنادے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا اس حدیث کو ضعیف کہہ دینا جرح بھول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وہ ضعیف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان کے وقت میں ضعیف راوی استادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعیف پہلے واہوں کو محض نہیں دیا ہیوں کے اس مایہ ناز اعتراض کے ٹکڑے

اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

## دوسرا باب

### ناف کے نیچے ہاتھ باندھا سنت ہے

حیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو قصیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

#### پہلی فصل

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا منع ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا منع کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۱** عَنْ وَائِلِ ابْنِ خُبَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ نَهَتْ الشُّرَّةَ رَوَاهُ ثَنَا ابْنُ شَيْبَةَ مُسْنَدٌ صَحِيحٌ وَرَحَّالُهُ ثَقَاتٌ  
 "حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دہتا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ صحیح ستاد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔"

**حدیث نمبر ۲** ابن شہاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْتَ مَنْ أَحْلَقَ الشُّرَّةَ تَعَجِينَ الْإِفْطَارِ وَحَبَرَ السُّحُورِ وَوَصَعَ الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ الشُّرَّةِ  
 "تمن چاہوں کہ نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، صبحی دیر کرنا نماز میں دہتا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔"

**حدیث نمبر ۳** ابو داؤد شریف لوط ابن اعرابی میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ أَبُو وَائِلٍ أَحَدُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصُّلُوهِ تَحْتَ الشُّرَّةِ  
 "ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیے۔"

**حدیث نمبر ۵، ۸** دارقطنی اور عبد اللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصُّلُوهِ وَصْعُ الْكَفِّ وَفِي رَوَايَةٍ وَصْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ  
 "نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے دہتا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے منع ہے۔"

**حدیث نمبر ۹، ۶** ابو داؤد شریف ابن عمر، ابن احمد، دارقطنی اور نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ وَصْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ الشُّرَّةِ  
 "ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔"

**حدیث نمبر ۱۰** رزین نے حضرت ابی جہر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصُّلُوهِ وَصْعُ الْكَفِّ وَفِي رَوَايَةٍ وَصْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ الشُّرَّةِ  
 "نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔"

**حدیث نمبر ۱۱** امام محمد نے کتاب الاذان شریف میں ابو نعیم نخعی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَصْعُقُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى عَدَةِ الْيُسْرَى تَحْتَ الشُّرَّةِ  
 "آپ اپنا دہتا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۱۲** ابن ابی شیبہ حضرت ابو نعیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ يَصْعُقُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ الشُّرَّةِ

"آپ نے فرمایا کہ اپنا دہتا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔"



حدیث نمبر ۱۳ ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهُ قَالَ مِنْ اخْلَاقِ النِّبُوَّةِ وَصُغُ لَيْمِمْهُ عَلَى الشَّعَالِ نَحْتِ النِّسْرَةِ  
 ”آپ نے فرمایا، راہنما ہاتھ بایں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کا اخلاق میں سے ہے۔“

حدیث نمبر ۱۴ ابویکراہین، ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ بَا مُخْبِرًا وَسَأَلْتُهُ قُلْتُ كَيْفَ يَصْغُ قَالَ يَصْغُ بَاطِلٍ كَفَّهُ يَمِيْهِ عَمِي طَاهِرٌ كَفَّ شِمَالَهُ  
 يَخْمَلُهُمَا اَسْفَلَ مِنَ النِّسْرَةِ اِسْفَافُ حَيْدٍ ”ورواتہ کُلْھُمَا ثِقَات“

”میں نے ابو مخبر سے پوچھا کہ اگر میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی آغیل بایں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور اس سے داوی ثقہ ہیں۔“

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی گئی ہیں۔ صرف چند پر قیامت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھ۔ صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

مفصل بھی چاہتی ہے کہ ہمارے ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن میں چونکہ ہندو رب کی بارگاہ میں صحری دیتا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہئے۔ غیر مقلد جب ہمارے کھڑے ہوتے ہیں تو پہلے نہیں لگتا کہ کھڑے ہیں یا دکھڑے ہیں۔ نیاز مندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے کے لئے کھڑے۔

اللہ کے بند جب رکوع میں ادب کا اظہار مجدد میں ادب۔ اقیات میں ادب اور نیاز مندی کا عطا ہے تو قیام میں کڑکھٹھوٹ کر بے ادبی سے پہلو لوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر علاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ کبھی نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو بیٹے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

## دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱ ابوداؤد شریف میں اس جرمی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُمْسِكُ شِمَالَهُ بِيَمِيْهِ عَمِي لَرُفْعِ فَوْقِ النِّسْرَةِ

”میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ نے بایں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کھائی پر پکڑا ناف کے اوپر۔“

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (سلا بن اعرابی)

قَالَ بُدَاؤُودُ رَوَى عَنْهُ سَعِيدُ ابْنِ حَبِيْرٍ النِّسْرَةُ وَقَالَ نُوْحٌ لَّادِ سَحْتِ لِنِسْرَةٍ رَزَوِي عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ  
 وَلَيْسَ بِالْفَوْرِ ”ابوداؤد نے فرمایا کہ سعید ابن حبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابوجہد نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابوبریرہ سے بھی اسی روایت ہے مگر یہ کھٹوئی نہیں۔“

صوت ضروری زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث میں ابوداؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ شاید ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایت کی۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہوتا ہے۔ اور ان تمام متعارض روایات کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابوداؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ اگر یہ ناف و ان احادیث قائل عمل ہوں۔ کیونکہ مجدد رکوع۔ اقیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہئے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا عطا رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے جیسے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دیتا ہے۔ رب کو زور دے دکھاؤ ہاں زاری کرو۔

اعتراض نمبر ۲ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

جواب ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ برہمنوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ساتھ جو بے ہمتی دس کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند سنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس سنادیں پیش کی ہیں۔ نیز انت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر امام کے قول فرمائیے۔ سے نہ کا ضعف چاہتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا مجدد کا ضعف امام اعظم کو مہر کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

**طبیعہ** ہم نے چہ رمضان مبارک و دشنبہ کو حافظ ابی بخش صاحب سکر جمال پور ہجرت کو کفر اہل حدیث مولانا حافظ ثنائیت اللہ صاحب مہتمم ہجرت کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں ان سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا اختیار تھا کہ چونکہ حافظ مولانا ثنائیت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے دیندار عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو سچ تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سینے اور سر دھینے۔ یکساں گچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

سورع السرام ص ۱۴ عن وانہ اس خجبر انہ قال صئبت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسوی علی صدرہ

"وائل بن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ میں آپ نے ہنہ بنا ہاتھ باندھیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔"

اور مولانا موصوف نے زہانی یہ رشاد کہا بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ **فصل لربک وانحر** کے معنی یہ ہیں کہ "آپ اپنے رب کے لیے لہزہ پڑھیں اور بکثرتی سینے پر ہنہ رکھیں۔"

یہ جواب دیکھ کر دین کرہاری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں لکھنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو انکی روایت پر قناعت فرماتے ہیں جس کا سرنا پاؤں ناکوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا جو حافظ بخش نے ہمیں بتایا کہ ابوغریبہ کوئی تیس چالیس روایت کا راوی ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولانا صاحب نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اڈول تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کسی ہے۔ اگر اس کو حدیث صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ موضع کی بات حافظ مصلحیہ سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ لہزہ کے بعد کسی حاجت سے سینے مبارک پر ہاتھ رکھے۔

رب لہر ماتا ہے۔ **لَا دَا طَعْنَمُ لَانَشَرُوا** "جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روئی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث امری غریب کر وہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور نہ ہو کہ "یا عورتوں کی طرف سے ہاتھ رکھے یا پیو لوں کی طرح ہذا حدیث مجلس ہے۔ قابل عمل نہیں۔

اعت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ **واسحر** کے لغوی معنی کسی مرفوع صحیح حدیث میں آئے نہ مہر مفسرین نے جہاں فرمائے۔ سب یہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نکلے نماز پڑھو اور قرآنی کرد اور حوالہ کسی بڑی مستحضر تفسیر کا دیو۔ تفسیر قادری اردو میں جہاں "مگر بعض محال مانو۔ تو اہل حدیث حضرت کو چاہتے کہ ب سے نماز میں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھ کریں کیونکہ حر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل وہاں کی جانب ہے قرآنی کو کفر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلہ چیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ن بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلہ بکڑنا چاہیے۔

بہرحال ہم کو مولانا موصوف کے جواب پر سخت افسوس ہو۔ درہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ن بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری یا صحاح ستہ کی موجود نہیں۔ ان پچھاروں کو صحیح حدیث سمجھ کر کیا تھی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے صرف یہ فرمادیو۔

و رى بعضهم ان يصعقهما فوب الشرة وراى بعضهما نحت الشرة وكن ذالك واسع عندہم "بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف کے نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ال کے نزدیک۔"

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

# تیسرا باب

## نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

مسند پر پہنچ کر کھڑی سورۃ فاتحہ کے اول بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قرآن شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے تعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۲۵۱ مسند بخاری و مسند احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ ابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنت کہ بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ پڑھتے ہوں۔“

حدیث نمبر ۲۵۲ مسند شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ أَبِي أَنَسٍ أَنَّ لِسِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”یہ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم الحمد للہ رب العالمین سے قرآن شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۵۳ سنائی۔ بن حبان۔ بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَخْجِزُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”میں نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر و عمر عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ ہی اللہ عنہم“

حدیث نمبر ۲۵۴ ابن جریر نے مسلم کبیر میں یحییٰ نے عید میں ابن خزیمہ اور بخاری نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتَحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”یہ ایک نبی کریم ﷺ اور ابوبکر و عمر عثمان رضی اللہ عنہم بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سے قرآن شروع کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۵۵ مسند شریف نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغُثْمَانَ كَانُوا يَسْتَفْتَحُونَ الْقِرَاءَةَ وَلَا فِي أَحَدِهَا

”یہ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قرآن شروع فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۵۶ ابن شیبہ نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يُحْمَلُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَالْإِسْتِغَاثَةِ وَرَبِّكَ الْكَافِرُ الْحَمْدُ

”عبد اللہ ابن مسعود الحمد للہ اور اعوذ باللہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲۵۷ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ أَرْبَعٌ يَخْفِضُهَا الْإِمَامُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَاعُوذُ بِكَ

”آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو ہم آہستہ پڑھے۔ بسم اللہ۔ سبحانک اللہم۔ اعوذ باللہ اور آمین۔“

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹ مسلم، ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قُلْتُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَتِخُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

”کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قراءۃ الحمد للہ سے۔“

حدیث نمبر ۲۰ عبد الرزاق نے ابوالخضر سے روایت کی۔

رُبَّ عَلِيٍّ كَانَ لَا يَخْهَرُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَخْهَرُ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حضرت علی مرتضیٰ بسم اللہ، اوّلیٰ آواز سے پڑھتے تھے الحمد للہ، اوّلیٰ آواز سے پڑھتے تھے۔“

اس کے متعلق در بہت سی حدیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف میں حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ مگر شوق ہوا تو عطا دی اور گنج البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

**عقل** بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے۔ کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے کے لیے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام سے بسم اللہ شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کیلئے نہاری قراءت سے پہلے اغوٰظ باللہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اموء سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ پہلی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورۃ نمل شریف میں سورۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھتے جو۔ ہم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورۃ کا جز نہیں۔ لہذا آہستہ پڑھنی چاہئے۔

## دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

**اعتراض ۱** چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورۃ کا جز ہے۔ مگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآنیہ نہ لکھا گیا۔ لہذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اوّلیٰ آواز سے پڑھنی چاہئے۔

**جواب** اس عرض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں۔ کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کہل کان بلائی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبریل امین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا اقرء پڑھو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ صاب بلاری میں پڑھئے وال نہیں پھر عرض کیا اقرء حضور علیہ السلام نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ اقرء باسم ربک الذی خلق۔ غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں کاذر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں سے اول میں بسم اللہ شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ مگر بسم اللہ ہر سورۃ کا جز ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لیے خراف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے روایتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آجوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ اختیار ہی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہو کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ کا اختیار ہی شکل میں علیحدہ لکھنا ناقص کے لئے ہے۔

**اعتراض ۲** عطا دی شریف میں حضرت اسماعیل ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ہم سلمہ کیسے سن سکتے۔

**جواب** اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ عرض نہ نہ تھی۔ لعل تھی۔ فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے۔ لعل میں قراءت قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔ اور اُحْمَلُ للہ بھی آہستہ۔ م سلسلہ اس موقع پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لیے حضور کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قراءت میں بھی تھی آواز چاہئے کہ برابر والا سن سے دور نہ قراءت نہ ہوگی فکر ہوگا لہذا اس حدیث سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں۔

**اعتراض ۲** ترمذی شریف میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغْنِحُ صَلَوَتَهُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 ”مفسر علی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔“

**جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ فسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

من احادیث لبس اساده بذاک ”یہ ایسی حدیث ہے جس کی سند کچھ بھی نہیں۔“

فسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیث کو بدواً ہی ضعیف کہہ کر رکھتے ہو اور خود ایسی حدیث پیش کر رہے ہو۔ جس کا مراد یہ ہے دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں تو کبھی اس میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ تبار بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ مگر آہستہ سہرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی قریم سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہوں کیونکہ صلوات فرمادہ نہ کہ قرآء۔

**اعتراض ۳** طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن بن ابری سے روایت ہے۔

صَلَّيْتُ حَتْفَ غَمْرِ فَجَهِرَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَجْهَرُ ابْنِي بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 ”میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔“

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جب میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت غنمہ رضی اللہ عنہما اللہ عنہما سے قرآن شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر مباحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی کی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعا سے پہلے رکعت کے لئے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہوتا قصصی یعنی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث جبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں فسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد

# چوتھا باب

## امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقتدی وہابی مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو خصوصیات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ تعالیٰ قبول فرمادے۔

### پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ حاشوش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہو قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَذَاقُرَى الْقُرْآنَ فَاَسْتَمْعُوا لَهُ وَاَنْصَتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

"اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیجئے جاؤ۔"

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قرأت بھی کرتے تھے بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقَوْمُوا لِمَنْ قَانَسْتُمْ "اور کمرے ہو نہ کیجئے حاجت کرتے ہوئے۔" (حاشوش)

چنانچہ مسلم نے باب تحريم الكلام في الصلاة اور بخاری نے باب نهى من الكلام في الصلاة میں حضرت رید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنْتُ دَلِيلًا فِي الصَّلَاةِ بِكُمْ الرَّحْلُ صَاحِبُهُ وَهُوَ فِي حَبِّهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى يَرْتَلِّ وَ قَوْمُوا لِلَّهِ

قَانَسْتُمْ فَأَمْرٌ بِالْمَكْنُوتِ وَنَهْيٌ عَنِ الْكَلَامِ عَدَس۔

"ہم لوگ نماز میں ہاتھ کر رہا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری وہو مونسہ اذ

میں ہم کو ظلم دیا گیا حاشوش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا۔"

بخاری میں کلام تو منع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو تلاوت بھی منسوخ ہو گئی۔

وَذَاقُرَى الْقُرْآنَ فَاَسْتَمْعُوا لَهُ "جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔"

چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت واذالہ قرآن کی تفسیر میں ہے۔

وَحَمْهُورُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّهُ فِي السَّمْعِ الْمَوْسُ

"عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قراءت سننے کے حلق ہے۔"

تفسیر خازن میں اسی آیت واذالہ قرآن کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَابِقَهُ وَرَافِعَ بْنَ مَرْثَدَةَ يَقْرَأُ مَعَهُ لَمَّا هَمَّ بِقُرْآنٍ مَعَهُ فَقَالَ مَن لَّكُمْ نَافِعُهُوَ وَادْنَى الْقُرْآنِ

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا بھی تک یہ وقت نہ آیت کہ تم

اس آیت کو سمجھو واذالہ قرآن

تو یہ تمہارا تفسیر ابن عباس شریف میں آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَذَاقُرَى الْقُرْآنَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْنُوتَةِ فَاَسْتَمْعُوا لَهُ اَلِ لِرَأْتِهِ وَاَنْصَتُوا لِقُرْآنِهِ

"جب فرض نماز میں پڑھا جائے تو اس کی قرأت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت حاشوش رہو۔"

بخاری اس حقیقت سے معلوم ہوا کہ قرآن سلام میں امام کے پیچھے مقتدی قرأت کرتے تھے اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراءت

منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱

مسلم شریف باب سجود التلاوة میں عطاء مکن یہاں سے مروی ہے۔

أَنَّهُ سَأَلَ رَجُلًا ابْنُ دَلَيْثٍ عَنِ الْقُرْآنِ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ



انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قراءۃ کرنے کے حلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراءۃ جائز نہیں۔

#### حدیث نمبر ۲

مسلم شریف باب التعمید میں ہے۔

فَقَالَ لَهُ ابْنُ بَكْرِ حَدِيثُ ابْنِ هُرَيْرَةَ فَقَالَ هُوَ صَحِيحٌ يَفْسِي وَإِذَا قُرِئَ فَاَنْصَتُوا

ابوبکر نے مسلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرہ کی حدیث کبھی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح یعنی یہ حدیث کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو بالکل صحیح ہے۔

#### حدیث نمبر ۳

ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمٍّ لَمْ يَلْمُ وَلَمْ يَنْصَلْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ إِمَامٍ هَذَا حَدِيثٌ 'حَسَنٌ' صَحِيحٌ

"جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ (یعنی تب نہ ہے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

#### حدیث نمبر ۴

نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ بخیر کی تو تم بھی بخیر کرو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔"

ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔

#### حدیث نمبر ۵

طاہری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً

"جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔"

#### حدیث نمبر ۶ ۱۰ ۱۱

امام محمد نے مؤطا شریف میں امام یوسف بن عیسیٰ سے ان ابی عائشہ بن عبد اللہ بن شداد بن جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً فَإِنْ سَمِعَهُ ابْنُ مَيْمُونٍ وَبَنُ الْإِمَامِ هَذَا 'الْإِسْنَادُ صَحِيحٌ' عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے محمد بن مینج اور امام ابن عباس نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے اور مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔"

یہ حدیث امام احمد ابن حنبلہ، داؤد قلندی، بیہقی نے بھی روایت کی۔ (صحیح بیہقی)

طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَقْبَلَ بَوَّاحِيَهُ فَقَالَ اتَّقُوا اللَّهَ وَنُ الْإِمَامَ يَقْرَأُ فَمَسْكُوتًا  
فَسَاءَ لَهُمْ لَنْتَ فَقَالُوا: يَا لَمُعَلِّ قَالَ فَلَا تَمْعَلُوا

”حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ کیا امام کی قراءت کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا اسعد اب نہ کرتا۔

طحاوی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَأَ حَلْفَ الْإِمَامِ فَنَيسَ عَنِّي فَطَرَفَهُ "جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ میری فطرت پر نہیں۔“

دارقطنی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَرَأَى حَلْفَ الْإِمَامِ أَوْ نَصَّ قُلُوبُ بَنِ نَصَّ قُلُوبُ  
يُكْفِيكَ

”ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہو۔ امام تیرے لیے کافی ہے۔“

دارقطنی شریف نے حضرت حمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ حَلْفَ الْإِمَامِ "حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ امام کے پیچھے چار نہیں۔“

تذکلی نے قراءت کی بحث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

نَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ صَلَوةٍ يَقْرَأُ فِيهَا بِأَمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ مَدَاحٌ ' لَا صَلَوةَ حَلْفَ الْإِمَامِ  
”انہوں نے حضور علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص ہے سوا دس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔“

امام محمد نے سنن میں عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَيْتَ هِيَ فَمَ الَّذِي يَقْرَأُ حَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرٌ " "جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔“

امام طحاوی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود بن ثابت عبد القاسم عمر۔ عبد اللہ بن عباس۔ حارث بن عبد اللہ حضرت عاتقہ۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت عمرو وغیرہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرأت کے تحت خلافت تھے اس میں سے کوئی صاحب قریب ہے اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں جو فطرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جائے گا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات

یہاں نقل کرتے ہیں کہ علامہ قرطبی نے خلافتِ امام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۳ پر کفایت کی، اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو حمادی شریف۔ مولانا امجد علی مہاجرین۔ صحیح امجد علی۔ دارالاحیاء شریعتیہ بخاری جمع امجد علی وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

**عقل** بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے خلافت نہ کرے چند وجوہ سے۔

(۱) نماز سے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی سورۃ مدنی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

**لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بما القرآن فصلاً** ”اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔“

میر تقی بن بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قرأت کافی ہے۔ ایسے ہی سورۃ فاتحہ میں بھی کافی ہے۔

(۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہو تو اسے رکعت نہ ملنی چاہیے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریر۔ کہے یا تکبیر تحریر کے ساتھ ایک تسبیح کے بعد قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تحریر اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی معلوم ہو کہ امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔ جب اس مقتدی کے لئے قرآن ساتھ ہو گئی تو چاہئے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساتھ ہو۔

(۳) اگر مقتدی پر قرآن فاتحہ بھی ہو اور اس میں بھی تو تاؤ اگر امام مقتدی سے پہلے سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے تسبیح میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو ابھی جواب دو حمد پڑھا کر دو۔ نہ دو آمین چاہتا ہیں۔ نہ فاتحہ کے تسبیح میں آمین درست ہے۔

(۴) اگر مقتدی فاتحہ کے تسبیح میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو تاؤ یہ مقتدی آدمی فاتحہ پھوڑ دے یا رکوع پھوڑ دے۔ جو بھی جواب دو حمد پڑھاؤ اپنی عقل و قیاس سے جواب نہ دینا۔ مشرق و مغرب کے علماء الحمد للہ کو عدالت عام ہے کہ ان سوالات ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴ نمبر کے جوابات تمام حضرت مال کر مشورہ کر کے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاء اللہ نہ دے سکیں گے تو چاہئے کہ ضد پھوڑ دیں اور احباب کی طرح غم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کریں۔

(۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجا لاتے ہیں۔ مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گیا وہی کہے گا۔ ایسے ہی جماعتِ نوری رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر۔ تسبیح۔ تہجد وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سادی بحر ہے سب ادا کریں۔ مگر خلافت قرآن جو عرض و معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر میر تقی بن اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم اہلِ خطہ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سبق سے اس کے سوال ہم نقل کر رہے ہیں۔ اس شانِ اندھ و جل اس طریق سے وہ بھی نہ کر سکیں گے رب تعالیٰ تمہارا دے۔

### اعتراض نمبر ۱۔

”یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِقْرَءُوْا الْقُرْاٰنَ سِیّٰرًا مَّا تَدْرُسُوْا ۚ وَذِکْرُ الَّذِیْنَ هُمْ یَدْرُسُوْنَ ۚ“

فرمایا۔ لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا صحیح نہیں۔

**جواب** یہ خطبہ ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ کہی ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جو کہ نماز و خطبہ میں سورہ میں بعد بکثرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مر دیکھے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بغرض مجال مان لاتب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قرآن کا ذکر ہے۔ لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے محمول کا قائل ہوتا ہے نہ کہ شانِ نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بونا حرام ہے حالانکہ سارے خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے جبکہ سارے قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نہیں۔

آیت کریمہ **وَادْفُرْیَ** ”میں مشرکین ملت سے خطاب ہے جو حضور کی عداوت کے وقت شرمطالتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دیباہی باتیں کر کے شور کیا کرو اور اُسورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔“

**جواب** یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک کہ ایمان نہ رکھیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے یا ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے **لَعَنَکُمْ نَرَحْمُو** تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نکل کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے۔

**مَنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَحُمْرًا عَنِ فَلَنْفِيهِمْ أَكْثَرُ**

”یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ال دیئے۔“

دیکھو کفار کا کان لگانا مفید ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

**وَقَدْفَ إِلَى عَمَلُوا مِنْ عَمَلٍ فَعَلُوا هَبَاءً مُنْتَوَرًا**

”جو دیکھا انہوں نے کام کیسے تھے۔ ہم نے قصد فرما کر انہیں ہار یک خار کے پڑوں کی طرح بنا دیا۔“

اگر کافر قرآن حفظ بھی کرے اور روزِ عداوت بھی یہاں کرے۔ تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نہ درست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں رشاد ہوا۔ **وَأَسْمِعُوا** خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ بات نہ کرو نہ کہہ پڑھو اگر سورہ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوگی غرض کہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خبط جمعہ کے لئے نہ یہاں کو امام کے پیچھے قرآن سے روکنے کے لئے نازل ہوئی چنانچہ پہلی شریف میں حضرت کاہل سے روایت ہے۔

**قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي صَلَوةٍ فَمَسَمَعُ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ** (ابن ابی ہریرہ)

”محمّد علیہ السلام نماز میں قرآن فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی قرات سنی۔ جب یہ آیت کریمہ پڑی ہوئی کہ **وَادْفُرْیَ**“

ابن عربیہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاویہ بن قرق سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

**قَالَ نُبْرَلْتُ هَذِهِ آيَةُ وَادْفُرْیَ الْقُرْآنِ فِي الْقُرْآنِ هَذَا حَلْفُ الْإِمَامِ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَالْأَمْرُ** (ابن ابی ہریرہ)

”یہ آیت ظاہری و باطنی امام کے پیچھے قرآن کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قرات کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔“

### اعتراض نمبر ۳

اگر عداوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر عداوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سی جاتی ہے۔ تو سب کو کاروبار کلام سلام میں مہم ہوا دے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس سے بھی اس میں نہیں پڑے۔ وہ اس کی مسجد میں فرض عشا پڑھتا ہے۔ جہاں قراۃ کی آواز نہ رہی ہے۔ یہ بھی حرم ہوگا۔ عرصہ سنی امت کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہیں۔ (سورہ ۶۶: ۱۱)

**جواب** ساری امت کا اجتماع ہے کہ عداوت قرآن سننا فرض تکلیف ہے نہ کہ فرض عین گر قاری کی قراۃ ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ سب پر فرض ہے مگر ایک کے ذکر کرنے سے سب بری لفظ نہ ہو گئے۔ امام کے پیچھے سب مقتدی ایک شخص کے علم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت لہذا مقتدیوں میں سے کوئی تو کلام سلام۔ عداوت نہیں کر سکتا غیر مقتدی کیلئے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے عداوت منع ہے ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو یک عداوت کرے باقی سب خاموشی سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ سب فقہ میں دیکھو۔ لہذا نہ کوئی آفت ہے نہ مصیبت۔

### اعتراض نمبر ۴

اس سے رازم آتا ہے کہ کتب میں چند بچے یک ساتھ قرآن شریف بلند آواز سے یا ہمیں کر سکتے پھر بھی مصیبت ہی رہی۔

**جواب** وہاں تعلیم قرآن ہے۔ تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا مستأفرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا اس لیے رب نے ادا قرآنی فرمایا  
 ادا تعلیم نہ فرمایا۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔

اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله "جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔"  
 تلاوت قرآن پر اعوذ پڑھنا چاہئے۔ مگر جب شاکرات کو قرآن سنانے تو اعوذ نہ پڑھے کی تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے۔ (ثامی و میرزا) ایسے  
 ہی قرآن کریم خلاف تربیت چھاپنا منع ہے۔ ترتیل و ترتیب چاہئے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لئے آخری پارہ الٹا چھاپتے بھی ہیں اور انہیں الٹا پڑھاتے  
 بھی ہیں تعلیم و قرآن کے احکام میں فرق ہوتا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے۔

يَتْلُو عَنِهَا يَا نَه وَيُرَكِّبُهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ لِكُتَابِ يٰ "وہی مسلمان پڑھتیں تلاوت کرتے ہیں۔"  
 اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر متحدہ کیوں ہو۔

### اعتراض نمبر ۵

آپ کی پیش کردہ حدیث قزوینی "لَا مَامَ لَهُ قِرَاءَةً" اور حدیث "اذا قرأ فاستعذ" میں لفظ قراءہ ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو  
 ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب امام پڑھے تم حاشیہ رہو کی پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہئے کہ امام کے پیچھے سبحان۔ الصلوات۔  
 درود وغیرہ پکھنہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے۔ (سورہ مائدہ، دہلی)

**جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک الٹائی دوسرے تحقیقی۔ الٹائی جواب تو یہ ہے کہ گراہی سی غلوں کے لغوی معنی کیئے گئے تو آپ کو معصیت  
 پڑھاوے گی۔ آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کے معنی ہیں۔ بات حقیقت یا قصہ کہانی۔ رب فرماتا ہے۔

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ و فرمایا فجمعناہم احادیث اس کے بعد کہ بات پر ایمان، اگے ہم نے اس قوموں کو قصے  
 کہانیاں بتا دی۔

تو اہل حدیث کے معنی یہ تو ہوئے ہاتھ بٹانے والے یا قصے کہانیاں ناول پڑھے سنانے والے جناب یہاں حدیث کی اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ فرمان  
 رسول اللہ ﷺ اسی کے لغوی معنی ہیں۔ اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرماں برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی ہیں یہ الفاظ قرآن کریم میں  
 استعمال ہوئے ہیں۔ کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن کے حکام ہی ختم۔ جو ب تحقیقی یہ ہے کہ نماز کے ذکر میں جب لفظ قرآن آئے ہوں  
 جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں نماز کے چور کن ہیں۔ بحیرہ قریم، قریم، قرآن، رکوع، مجدد، اختیارات میں دشمن تو یہاں  
 قیام کے معنی ناچنے کیلئے کھڑا ہونا۔ اور قرآن کے معنی ناول پڑھنا نہیں دراصل اسے بات کہنا کہ کیا اتنی کچھ پڑھ رہی ہو کہ میں سمجھنے کا دعویٰ ہے۔

اگر ہمیں کتب میں ملے کارمظاہر تمام خواہ شد

### اعتراض نمبر ۶

مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب "اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔"

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے قیوم در رکوع وغیرہ  
 دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے۔ نماز کی کید ہو یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔

**جواب** اس کے خمس جواب ہیں دو الٹائی ایک تحقیقی پہلا جواب الٹائی تو یہ ہے کہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔

لا صلوة لمن لم يقرأ بآم القرآن فصاعدا "اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ در کچھ پڑھاوے یا وہ نہ پڑھے۔"

اور مؤلف امام مالک میں یہی حدیث اس طرح ہے۔

لا صلوة الا بفاتحة الكتاب والسورة "نماز میں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور سورہ سے"

آپ کو چاہیے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض جانا اور سورہ فاتحہ بھی کیا۔ بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا کفار ہے۔

دوسرے جواب الٹائی یہ ہے۔ تہذیبی پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلے فصل میں پیش کیں بلکہ

تہمارے بھی مخالف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوا مَا نَزَّلَ مِنْ الْقُرْآنِ "جس قدر قرآن آسان ہو پڑھا کر دو۔"

پھر وہ فاتحہ پڑھا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوا الْقُرْآنَ فَاسْتَمْعُوا لَهُ وَانصِتُوا لَهُ "جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔"

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں۔ جن میں ارشاد ہو کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو وغیرہ۔

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اُسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو طہارت تکبیر تحریر۔ قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔

جو بختیقل یہ ہے کہ کس حدیث کے ایسے معنی کرے چاہیں جس سے قرآن وحدیث میں مخالفت نہ رہے حدیث آپس میں ٹکرائے جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ لااصوات میں، اہی جنس ہے جس کا اسم تو ہے۔ صلوة جزا پوشیدہ ہے یعنی "کمال" مطلب یہ ہو کہ نہ زبیر سورۃ فاتحہ کمال نہیں ہوتی مطلق قرأت بحکم قرآن فرض ہے اور سورۃ فاتحہ بحکم حدیث واجب جیسے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِخُضُوعِ الْقَلْبِ لِأَصْلُوةٍ لِحَارِ الْمَسْجِدِ الْأَمِّي الْمَسْجِدِ

"نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔"

ان دونوں حدیثوں میں ماصوۃ سے کمال نماز کی نئی ہے۔ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر کلم بقرہ افرادہ علی وحققی دلوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر طہارت فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکم کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیر ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے۔ اور ہماری پیش کردہ حدیث اس کی تفصیل کرتی ہیں، جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

#### اعتراض نمبر ۷:

ترمذی شریف میں حضرت عباد ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ اَمْنِي رَاكُمْ تَقْرَءُونَ وِرَاءَ مَا مَكْنَحَكُمْ قُلْ فَلِمَ بَلَى قَالَ لَا تَقْرَءُ إِلَّا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔ سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کر دو۔"

اس حدیث میں صراحت ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہ ہم کہتے ہیں۔ عباد ابن صامت کی یہی حدیث ابوداؤد نسائی۔ ترمذی میں بھی ہے۔

**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے۔ کیوں جناب جب مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی۔ اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہی انا ما جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عباد ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوعہ نقل ہے۔

جس میں حضور ﷺ نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر عقیقہ۔ عبد اللہ ابن مسعود۔ ربیعہ بن ثابت۔ عبد اللہ بن عباس۔ عبد اللہ بن عمر حضرت علی و عمر سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ جن میں سے کچھ روایتیں ہیں پہلی فصل میں بیان کر چکے اور حماد بن شریف صحیح ابیہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت حماد کی یہ روایت حدیث واحد ہے نہ صحابہ کرام کی روایات حدیث مشاہیر ہیں لہذا انہیں ترجیح ہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عباد قرآن کے خلاف ہے قرآن سے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ حدیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے۔ لہذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور نہ احادیث میں جو ہم نے پیش کیں۔ اس کی ضمانت یہ نصیحت میں مقابلہ ہو تو ضمانت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو غیر اللہ کو جبکہ تعطیس کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے عہدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس



محدث کی مہارت کی گئی۔ اس پر ممانعت پر عمل ہے۔ چنانچہ یہ کہ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔ حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز اس ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملنا غلط ہو۔ ترمذی میں اسی تہہ رہی حدیث کے ساتھ ہے۔

**قال ابو عیسیٰ حدیث "عبادۃ حدیث حسن" وروی هذا الحدیث ابو ہریرۃ عن مخصود ابن الربیع عن عبادہ ابن الصامت قال لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحہ الکتب وهذا اصح**

"جو صحیحہ کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے۔ (کیونکہ اس پر یہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔" پتہ لگا کر زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں۔ جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اس کے خلاف زیادہ صحیح ہے۔ جو ازام حصوں پر دیا کرتے ہوں۔ وہ خود بھی کر رہے ہوں۔

**اعتراض نمبر ۸**

اکثر صحابہ کرام کا عمل یہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے، مام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت کے تحت فرماتے ہیں۔

**و لَعَنَ عَلٰی هٰذَا الْحَدِیْثِ فِی الْقُرْءَانِ حَلْفُ الْاِمَامِ عَدَنُ خَيْرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ**

"امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ پر عمل ہے۔"

جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں کٹر فرماؤ صاف نہیں۔ بلکہ حقیقی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ اکثر صحابہ چند اور متھوے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

**و کثیر حق علیہ العذاب "اُن میں سے بہت پر عذاب مقرر ہو چکا۔"**

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قرأت خلف الامام کے سخت خلاف ہیں۔ حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (مکی المہاجر)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے۔ (بن حبان) حضرت محمد اللہ صلی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں ہڈی بھر جاوے۔ بن حبان حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت عاصم فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں خاک (طواری شریف) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن جریر بیہقی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر (سوال امام محمد ابی الدرداء) حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انکارے ہوں۔

(سوال امام محمد ابی الدرداء) حضرت عبد اللہ بن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ درختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ امام کی قرأت کافی ہے۔ (موطا امام محمد یہ تمام روایات صحابی شریف اور صحیح مہاجر میں موجود ہیں یہ تو بطور محرمہ عرض کیا گیا۔ ورنہ اسی صحابہ سے منع ہے کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قرأت سے سخت منع فرماتے۔ دیکھو شاہی۔ فتح القدیر وغیرہ مگر بعض روایات میں آجادے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو ان کا پہلا ٹھل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

**اعتراض نمبر ۹**

وہ تمام روایات ضعیف ہیں۔ (دوہی و اسبق)

**جواب**

جی ہاں۔ اس میں ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہوگا۔ ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔ نہ امام صاحب نے جب یہ احادیث میں اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعیف آیا بعد کا ضعف امام صاحب

کو مضرب نہیں چند ضعیف اساو میں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ۔

#### اعتراض نمبر ۱۰

اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے نظم و مصرع میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں خارج نہیں۔

**جواب** یہ اعتراض جب درست ہوتا جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم۔ رب فرماتا ہے **اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ** جیسے زکوٰۃ کی قضیت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خیر نمازوں میں خاموشی ہے سنائیں۔ جمہور نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی۔

#### اعتراض نمبر ۱۱

بلکہ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے جیسے تکبیر تحریمہ قیام رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی اکرے یہ کیا کہ مسبار ارکان ادا کرے یا یکہ چھوڑ دے۔

**جواب** اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا لائقہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی قیام رکوع، سجدہ اور حتیہ و مناسب عرض کریں گے عرض معروض یعنی تلاوت و قرآن صرف ان کا لائقہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر ایسے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر اب سے خاموشی رہتا حکم قرآن کریم فرض ہے۔

#### اعتراض نمبر ۱۲

رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

**جواب** الحمد للہ آپ قریباً حقیقی ہو گئے ہیں یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قراءت اس کی قراءت ہے آپ نے مان لیا کہ **لا صلوة لمن لم یقرء** ان حدیث آپ کی بھری صوم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی معنی میں۔ ۷۲ سے رد یکہ امام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم رد آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ عزوجل وہ بھی آپ مان جائیں گے یہ جو اب الزامی تھا۔ جو بے حقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدمی رہ جاتی ہے جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے جیسے دُکھی جنون اور عورت کی پیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط و ارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجاہدوں میں اس کا بدر کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدل تیمم اور قیام کا بدل قعود یا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجاہد سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے پھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے امام کی قراءت بدل ہے بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو سرکاری نماز پر قیاس کرتا بالکل بے عقلی ہے۔ دیکھو نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز چارہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہے۔ جب رکوع میں شامل ہوئے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر شامل ہونے والے پر نماز چارہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہو گئی۔

#### اعتراض نمبر ۱۳

رکوع پائے والے پر ایسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا تو اگر سورۃ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا خرچ ہے۔ **جواب** یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بعد از ایک تنقیح قیام کرے۔ بجز دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

آیت کریمہ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ** ہے کہ ہے ہجرت سے پہلے مارل ہوئی اور سورہ فاتحہ پڑھنا میں فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ پڑھنا اس

آیت سے کچھ منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیا مقدم آیت من فریت کی مانج ہو سکتی ہے۔ (بھٹن نے دہنی)

**جواب** یہ بھٹن آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ کی ہے دربار بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ سورہ

فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فریت طہارت و وضو بھی دینی ہے۔

# پانچواں باب

## آمین آہستہ کہنی چاہنیے

اتحاد کے نزدیک ہر ماری خواہ امام ہو یا مقتدی یا کچھ اور قدر جہی ہو یا سزی آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقدمہ دہیوں کے نزدیک جہی نماز میں امام و مقتدی بلند وار سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس سے اس باب کی بھی دو خصوصیات جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری فصل میں دہیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

### پہلی فصل

آہستہ آمین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف و بالکلیہ دلائل حسب دلیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَذْعُرُ بِكُمْ نَصْرًا وَخَفِيَةً "اپنے رب سے دعا مانگو تیری سے اور آہستہ آمین کہی رہا ہے۔ لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیے۔"

رب فرماتا ہے۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عَبْدِي عَنِّي قَرِيبًا "أَحْبِبْ دَعْوَهُ لِدَعَايِ دَعْوَى

"مے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں، لکھنے والے کی دعا انہوں کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔"

معلوم ہو کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہے۔ رب تو ہماری شریک سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا صحت بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس سے کہہ سکتے ہیں دعا ہے۔

حدیث معبر ۱ تا ۸ بخاری۔ مسلم۔ حم۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا قُلْنَا أَمِينَ لَا مَاءَ لَنَا وَلَا نَارَ، فَانْصَبْ نَارَ نَارِ الْمَلَائِكَةِ غُفْرًا لَهُمْ، مَا تَقَدَّمُ مِنْ دَبِّهِ"

"فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جسکی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس سے کہہ سکتے ہیں غافل دیئے جائیں گے۔"

اس حدیث سے معلوم ہو کہ گناہ کی معافی اس فراموشی کے لئے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم سے ان کی آمین آج تک نہ سنی تو چاہیے کہ ہماری آمین خود آہستہ ہوتا کہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں وہ پیچھے مسجد میں آتے ہیں ایسی ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی کیونکہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث معبر ۹ تا ۱۳ بخاری۔ شافعی۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا قُلْنَا أَمِينَ لَا مَاءَ غَيْرَ الْمَعْصُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا النَّارَ لِمَنْ قُلْنَا آمِينَ فَإِنَّهُ مِنْ وَفْقِ قَوْلِهِ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفْرًا لَهُمْ، مَا تَقَدَّمُ مِنْ دَبِّهِ"

"فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب ہم کہے۔ غیر المعصوب علیہم ولا النار لمن قلنا آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہے کے مطابق ہوگا۔ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے مگر مقتدی پڑھتا تو حضور علیہ السلام فرماتے کہ جب وہ الصائین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ صرف آمین کہو گے۔ وہ الصائین کہنا نام کا کام ہے۔

رب فرماتا ہے۔ إِذَا حَاءَ كُتِبَ النَّوْمَاتُ فَانْتَحَبُوا "جب تمہارے پاس موت مقرر ہوئی تو ان کا امتحان کرو۔"

دیکھو امتحان یہ صرف موتوں کا کام ہے نہ کہ موت مقرر ہونے کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ۔

إِذَا قُلْتُمْ وَلَا الصَّالِحِينَ فَقُولُوا آمِينَ "جب تم وہ الصائین کہو تو آمین کہو۔" معلوم ہو کہ مقتدی وہ الصائین کہے گا غی نہیں۔

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہئے کیونکہ فرشتوں کی آمین کی موافقت سے ہر اوقات میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے۔ فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہی ہے۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور اس وقت آمین کہتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۱۸ G ۱۸** امام احمد۔ ابو ذؤبیہ کی۔ ابو نعیم موصی طبرانی۔ دار قطنی در حاکم نے مستدرک میں حضرت واکل بن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد شہادت صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ خُبْرَةَ، صُنِيَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَخَفِيَ بِهَا صَوْتُهُ

"حضرت واکل ابن حجر نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور علیہ السلام اور منافقین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں اور بہتر ہو گئی۔"

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، بلند آواز سے بالکل خلاف سنت ہے۔

**حدیث نمبر ۲۱ G ۱۹** برداؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت واکل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَّصَ بِهِ صَوْتُهُ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ ہو گئی۔

**حدیث نمبر ۲۲ G ۲۰** طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور عماد نے حضرت واکل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَحْتَرِجُ أَنْ يَسْمُوَ اللَّهُ الْوُحْشَ لِرُحِيمٍ وَلَا بَأْسَ مِنْ

"حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما تو بسم اللہ اوجی آواز سے پڑھتے تھے آئین۔"

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین بالکل صحیح ہے۔

**حدیث نمبر ۲۴** عقی شرعہ یہ ہے حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ خُبْرَةَ، صُنِيَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَخَفِيَ بِهَا صَوْتُهُ

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین اور وہاں کہ الحمد"

**حدیث نمبر ۲۵** نیکی نے حضرت برداؤد کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ يَحْفِي أَمَامَ رَمَا بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُمَّ رَنَا لَكَ الْحَمْدُ وَ الشُّوْدُ وَالشَّهَدُ

"امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ بسم اللہ وہاں کہ الحمد۔ اعوذ اور التحیات"

**حدیث نمبر ۲۶** امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے یہ نیز بخفی سے روایت کی۔

قَالَ رُبْعٌ "يَحْفِيهِمْ أَمَامَ الشُّوْدُ وَ بَسْمِ اللَّهِ وَ شُحُوكِ الْبَلْهَةِ وَ آمِينَ رَوَاهُ مُعْتَدٌ" فِي الْأَثَرِ وَ عِنْدَ الرُّزَاقِ فِي مُصَنَّفِهِ

"آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ و بسم اللہ۔ سبحانک اللہم اور آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔"

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کی جاوے کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن میں ہی آئے نہ جبریل امین اسے لائے۔ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا روزگار اللہ ہے تو جیسے شایعات درود اور ایسی دعا یا ثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہئے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ جھج پڑے یہ چنانچہ قرآن کے بھی حلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی درمیان سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لیے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے صبر میں ہو اور امام و الفضلین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس صحت کے خلاف ہو اور اگر آمین کہے اور جیسے تو آمین درمیان میں آوے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا اور درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر متقدمین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں تفصیل و ارجح جوابات عرض کرتے ہیں۔

**اعتراض نمبر ۱** آمین دعا نہیں ہے۔ لہذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دعا آہستہ نکلنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

**جواب** آمین دعا ہے۔ اس کا دیا ہوا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موی علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی۔

رَبَّنَا اَطْمِئِنَّ عَلَيْنَا يَا اَلَهِنَا وَشَدِّدْ عَلَيْنَا قُوَّتَهُمْ فَلَا يُؤْخِرُوْنَا عَنْ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ اَلَا لِيُبَيِّنَ

”اے رب ہمارے ان کے مال پر یاد کرو اور ان کے دس سخت کروے کہ ایمان نہ لائیں جب تک درویشک طلب نہ کچھ لیں۔“  
رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ فَاَسْتَجِيبُوا ”رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو جاہلت قدم رہو۔“

پھر صالحیے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام سے لگی تھی مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی یعنی تمہاری اور حضرت ہارون علیہ السلام کی۔  
حضرت ہارون علیہ السلام نے کب دعا لگی تھی وہ یہ تھی کہ تمہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ ہونا چاہیے یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

**اعتراض نمبر ۲** ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ نَسِیْتُ صَوْنِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى عَمْرٍو الْمَعْصُومَ عَلَيْهِمْ وَلَا نَفْسٍ وَقَالَ اَمِنْ وَمَنْ يَهِي صَوْتُهُ

”میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ آپ نے حیران مغلوب علیہم ولا نفس لیں پڑھا۔ اور اس نے فرمایا نبیؐ ”آمین کو اس پر بلند کیا۔“

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

**جواب** آپؐ نے حدیث کا ترجمہ لکھا۔ اس میں مذکور ارشاد ہو ”مَنْ مَدَّ“ سے بنا۔ اس کے معنی بلند کرنا نہیں بلکہ آواز کھینچنا ہے مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے آمین پر وزن کریم قہر سے نہ فرمائی۔ بلکہ پر وزن قائلین اہل اور ہم کو بکھنچی کر پڑھی۔ لہذا اس میں آپؐ کی کوئی دلیل نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ کیاں رہے کہ مذکور مقابل قہر ہے خفاء کا مقابل ہے جبر۔ رفع کا مقابل گھٹ ہے اگر یہاں جبر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جبر کی روایت میں نہیں رب فرماتا ہے۔

اِنَّهُ يَغْدِمُ الْحَجَرُ وَمَا يَحْمِيْ ”بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست“ آواز کو۔“

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جبر فرمایا نہ کہ مد۔

**اعتراض نمبر ۳** ابوداؤد شریف میں حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْفَعُ اَوَّلَ الصَّلَاةِ قَالِ اَمِنْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ صَوْتُهُ

”نبی ﷺ جب فرماتے اور الصلا لیں تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے۔“

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہو کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں مذکور ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں استاد کے کسی روئے نے روایت بالحق کی مد کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالحق کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کے علاوہ خارجی قرآن کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر جو روایت ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحت ذکر ہے۔ لہذا روایت میں تقاضا نہیں اور یہ حادثہ ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین باخبر اور آمین غنی کی روایت میں تقاضا نہیں مگر جبر والی روایت میں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہذا واجب الہمس ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جبری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہذا آہستہ آمین کی حدیثیں قائل عمل ہیں اس کے خلاف قائل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ترک ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جبری والی حدیثیں قرآن شریف سے دور احادیث جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں ہی لیے صحابہ کرام ہمیشہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے اور روئے آمین کہنے سے منع کرتے



تھے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں ذکر کیا گیا، اگرچہ یہ حدیثیں مسطور نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

**اعتراض نمبر ۱** ابن ماجہ میں حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ غَيْرَ مُغْتَسَبٍ عَلَيْهِمْ وَلَا أَتَى سَنَافِرَهُمْ قَامَ مَعَهُمْ حَتَّى يَسْمَعَهُمْ أَهْلَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْفَعُ بِهَا الْمَسْحَدَ

”حضور علیہ السلام جب غیر اغتسب علیہم ولا اتی سنافرہم نہ فرماتے تو سنا فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد کو گونج جاتی تھی۔“  
اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد کو گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شریعت پیدا ہوتی۔

**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اہل ہارت چھوڑ دی وہ یہ ہے ملاحظہ ہو۔

عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكَ النَّاسُ النَّامِيزَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ  
”لوگوں نے آئین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور ﷺ

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام سے بلند واز سے سنا چھوڑ دی تھی۔ جس پر سنیہ ابو ہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ قہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان لی جائے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قائل عمل نہیں خصوصاً جبکہ حدیث مشہورہ اور آیات قرآنہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد کو گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھراں مسجد میں حضور انور ﷺ کی مسجد شریف آپ کے زمانہ معصوم چھراں تھی۔ وہاں گونج بڑی ہوئی کیسے لگتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چھراں والے گھر میں شریعت پر گونج پیدا کر کے دکھائے ان شاء اللہ عرض و حمل چیتے چیتے سرچا دیں گے مگر گونج۔ پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض نمبر ۲ مخالفت عرض کیے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اِذْ يَدْعُو أَبْرَأَ مِنْكُمْ أَنْ تَسْمِعُوهُنَّ أَسْمِعُوهُنَّ أَنْ يَكُنَّ يَكْفُرْنَ بِآيَاتِهِ لَئِنْ كُنَّ هُنَّ عَالِمَاتٍ لَأَسْمِعُنَّ هُنَّ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّه يَتَذَكَّرُونَ

**اعتراض نمبر ۵** بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ آمِينَ ذُعَاءٌ اَمِنْ ابْنِ النُّسَيْرِ وَمِنْ وَرَاءَهُ حَتَّى اِنْ الْمَسْحَدَ اَلْتَجَهَ

”حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ آئین دعا ہے۔ اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آئین کی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی۔“  
اس حدیث سے صاف معلوم ہو کہ آئین اتنی جگہ کر کہا جاتا ہے کہ مسجد کو گونج جاوے۔

**جواب** اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے کہ آئین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا بہت مانگو کیونکہ فضل ذل۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ علت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی تاکہ ان حدیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ وہی اور چھراں مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیت بھی عقل شرعی و مشاہدہ کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔ آیات صلاۃ کو متشابہان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔

جیسے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ لِلّٰهِ ذٰلِكَ اَوَّلُ الْاَمْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ لَكٰفِرٌ اَعْمٰی

فِيْ سَبِيْلِهِۦ لَتَجِدَنَّ اَشْقٰسًا ذٰلِكَ اَوَّلُ الْاَمْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ لَكٰفِرٌ اَعْمٰی

خدا کے لئے اچھا مذہب ہونا عقل کے خلاف ہے لہذا آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

فَوَجَدُهَا تَغْرُبُ فَاِنْ عَنِ حُمْرَ الْمَضَاجِیْ

سورج کا ڈوبنے وقت آسمان سے اترتا اور کچھ زمیں میں ڈوبتا خلاف عقل تھا۔ لہذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیہ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور ہے حدیث سمجھنا سمجھنا اور۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوعہ موجود نہیں جس میں نماز میں آئین یا نماز کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملے گی وہاں

کو چاہئے کہ ضد چھوڑ دیں اور صدقہ دین سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن بکڑیں کہ یہ ہی حضور ﷺ کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ نگاری عربی میں ملاحظہ فرمائی۔

**اعتراض محبوب ۶** آہستہ آہستہ کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (دیکھو اوائل ابن حجر کی ترمذی دانی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حَدِيثُ ضَعِيفٌ صَحِيحٌ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ هِيَ هَذِهِ الْوَقْفُ وَحَقَّقْتُ بِهَا صَوْنَهُ وَأَمَّا هُوَ مَذْهَبُ صَوْنِهِ  
 "آئین کے بارے میں سفین کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں۔ نخل یعنی حضورؐ سے پست و آواز سے کہا جا رہا ہے یہاں مذہب ہے یعنی آواز کھینچ کر آئین فرمائی۔"

**جواب** ضد کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابوحنیفہ کے نہ کہی امام ترمذی کے کہی کہ ہف جرح نکھ بندہ کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ کے خلاف ہے اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان بیٹے۔ آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آہستہ کی چھیں سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ داری آ رہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ قطعی کر رہے ہوں بیٹا محکم ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر یہ چھیں اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں جب بھی سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔  
 تیسرے یہ کہ شعبہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسنادیں شامل ہوئے جس سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہی حدیث بالکل صحیح فی حقی بعد کا ضعف پہلے والوں کو نظر نہیں۔

چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام، معظم سران امت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرمایا ہے تو قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے لہذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم یا تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہذا آہستہ آہستہ میں کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

ساتھویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہذا آہستہ آہستہ میں کی حدیث قوی ہے، اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرضکہ آہستہ آہستہ میں کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہئے۔

**اعتراض محبوب ۷** ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَ مِنْ بَيْنِهِ مِنَ الصَّغَرِ الْأَوَّلِ "اس طرح کہتے کہ صف اول میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔"

**جواب** اس کے دو جواب ہیں یک یہ کہ یہ حدیث آپ آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آواز صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی سند میں شیر بن رافع آ رہا ہے اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافلاؤنی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر حدیث کہا ابن محسن نے اس کی روایت کو موقوف فرمایا۔ امام سبکی نے سے قوی نہیں مانا۔ (دیکھو آئین مجری ہذا یہ حدیث سخت ضعیف سے قابل عمل نہیں)

# چھٹا باب

## رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر اختلاف سنت اور منوع ہے مگر وہابی غیر مقتدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلے کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب و سبب تہائی قبول فرمادے۔

## پہلی فصل

فہم میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور اختلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم اس میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۱۸۱** ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت طاہرہ سے روایت کی۔

قَالَ قَدَل لَسَا اَنْ مَسْغُوْدٌ اِلَّا اَصْنَىٰ بِكُمْ صَوْرَةَ رَسُوْلٍ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْنَىٰ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَّعْ تَكْبِيْرٍ لَا فَتْحَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدِيْثٌ اِنْ مَسْغُوْدٌ حَدِيْثٌ "حسن" وَبِهِ يَقُوْلُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِمَّنْ صَحَّابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبَعْضُ

"ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضرت کی نماز نہ پڑھوں گا آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سواہر تکبیر تحریر کے بھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔"

عبداللہ دھرمی کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے ایک یہ کہ اس کے وہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا ٹکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ مگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور عرض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے جیسا کہ ہم سیدہ اعراض کریں گے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حس ہے۔

**حدیث نمبر ۱۸۲** شیعہ نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَتَحَ الصُّلُوَّةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهَا حَتَّىٰ يَفْرُغَ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔"

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ لیٰ اباب من البراء

**حدیث نمبر ۱۸۳** ابوداؤد نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ فَتَحَ لِفَصْلَةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهَا حَتَّىٰ اَنْصَرِفَ

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔"

**حدیث نمبر ۱۸۴** طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اَوْ تَكْبِيْرَةً ثُمَّ لَا يَبْغُوْدُ

"وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر بھی نہ اٹھاتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۸۸۴** حاکم و ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَفُّعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ عِدَا فَتَحَ الصَّلَاةَ وَاسْتِقْبَالَ الْبَيْتِ وَلِضَعَا وَالْمَرْوَةِ وَالْمَوْقِفَيْنِ وَالْحَمْرَيْنِ

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ ساتھ جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفا مردہ پہاڑ پر اور دو توقف مٹاؤ وقفہ میں درودوں جہوں کے سامنے۔"

یہ حدیث برابر سے حضرت ابن عمر سے۔ بن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ترمذی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی اور بخاری نے کتاب المغر میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے یہاں کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

**حدیث نمبر ۱۵** امام بخاری نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے امیرائیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

أَنْ كَانَ وَائِلٌ رَأَى رَأَى عَبْدَ اللَّهِ حَمِيسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ

"مگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یمن کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو پچاس رفع یمن کرتے دیکھا۔" اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے کیونکہ وہ صحابہ میں قیام میں۔ حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہوتے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب دو کھڑے ہوتے تھے جو عام دعا میں ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں مذکور ہے۔

**حدیث نمبر ۱۶، ۱۷** بخاری اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّبَ حَلْفُ ابْنِ عُمَرَ فَلَمَّا يَدِيهِ الْأُفَى تَكْبِيرَةَ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ

"کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۱۸** بخاری بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

أَنَّهُ رَأَى دَخَلَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَأْسِهِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّهُ نَسِيَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بَرَكَا

"کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کر کیونکہ یہ کام ہے جو حضور ﷺ نے پہلے کیا تھا مگر چھوڑ دیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یمن منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یمن ثابت ہے وہ پہلا ہیں۔ بعد میں منسوخ ہو گیا۔

**حدیث نمبر ۱۹، ۲۰** بخاری و احمدی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِي شَيْءٍ مِنْهَا

"کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے مگر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۲۱** بخاری شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَفْعَلُ وَقَالَ حَدِيثٌ "صَحِيحٌ"

"میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام بخاری نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہے۔"

**حدیث نمبر ۲۲** بوداؤ شریف نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ابْنُ عُيَيْنَةَ بِهَذَا قَالَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَاحِدَةً

"حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۲۳ دائر قلمی نے حضرت امیر دین عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَأَى لَسِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَادَى بِهِمَا أُذُنَهُ ثُمَّ لَمْ يَغْزِ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ

"کہ اہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر قرآن سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۲۴ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کی۔

أَنَّ قَدْرَ لَا تَرْفَعُ الْيَدَيْنِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِكَ بَعْدَ أَمْرَةِ الْأَوَّلَى

"آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔"

حدیث نمبر ۲۵ ابو داؤد نے امیر دین عازب سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَغْزِ

"بیشک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود کرتے۔"

رفع یہ یمن کی ممانعت کی اور بہت سی حدیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف چھ روایتیں پیش کر دیں کہ شوق ہوا تو مولا امام محمد رحمہ اللہ شریف صحیح ائمہ اربعہ شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں جو رفع یہ یمن کے متعلق مدظلہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے کس پاپ کے محدث ہیں اور کتنی قوی معجرات صادر ہوئی ہیں۔

امام ابو محمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی مدظلہ کے درمیان طعن میں ملاقات ہوئی تو ان پر رگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنیے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یہ یمن کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ آپ لوگ اس لئے کہ رفع یہ یمن ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یہ یمن کی صحیح حدیث بتاؤں۔

حَدَّثَنِي الرَّهْرِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ

"مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم نے سالم نے پے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔"

امام اعظم میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی اچھا فاضل پیش فرمائیے

امام اعظم کیجئے سنیے۔

حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ابْنِ هَبِيمٍ عَنْ عُلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتَتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَغْزِ لَسِيَّ مِنْ ذَلِكَ

"ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انہوں نے ابن ہبیم رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے کہانی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔"

امام اور اسی آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم اس لیے کہ حجاز، ہجری سے زیادہ فقہ ہے۔ اور براہِ اجماعی مسلم سے بڑھ کر عالمِ وفقہ ہے۔ علقہ۔ سالم کے والد عبداللہ اس حدیث میں نہیں اسود بہت ہی بڑی متقی فقہ و افضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود فقہ ہیں۔ قرآن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت بن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ پچھن سے حضور ﷺ کے ساتھ ہے۔ چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قائل قبول ہے۔

### امام اور اسی خصوص

غیر مقدمہ پہلی صاحبِ امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چار و کار نہ ہو یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دلی در یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توقع دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں یہ بھی سادیں در ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔ عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ روایات میں رفع یرین نہ ہو کیونکہ تمام کاس پر اتفاق ہے کہ بغیر قریمہ میں رفع یرین ہو۔ اور تمام اس پر بھی اتفاق ہے کہ مجدد اور مجدد کی بغیروں میں رفع یرین نہ ہو۔ روایات کی بغیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیے کہ روایات کی بغیر قریمہ کی طرح ہے یا مجدد اور انقیات کی بغیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات کی بغیر۔ بغیر قریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ مجدد اور انقیات کی بغیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ بغیر قریمہ فرض ہے جس کے بغیر نہ نہیں ہوتی اور روایات مجدد کی بغیر میں سنت کہ ان کے بغیر بھی نہ ہو چاہے گی۔ بغیر قریمہ نہ۔ میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ روایات مجدد کی بغیریں ہمارے ہوتی ہیں۔ بغیر قریمہ سے اصل نہ شروع ہوتی ہے روایات مجدد کی بغیروں سے رکن نہ شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نہ۔ بغیر قریمہ نہ۔ پر دیکھنا چاہنا وغیرہ حرام کرتی ہے روایات مجدد کی بغیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلی ہی ہی حرمت آگاہ ہے تو جب روایات کی بغیر مجدد کی بغیر کی طرح ہوتی نہ کہ بغیر کی طرح تو چاہیے کہ روایات کی بغیر کا بھی وہی حال ہو۔ جو مجدد کی بغیر کا حال ہے یعنی ہاتھ نہ اٹھا لہذا حق یہ ہے کہ روایات میں رفع یرین مرکز نہ کرے۔ (معاذ شریف)

خلاصہ یہ ہے کہ رفع یرین بقوت روایات حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوص خلفاء شہین کے مثل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یرین آیا ہے وہ تمام ضعیف ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں ملاحظہ مذکور ہے یا وہ سب مرجوح درنا قابلِ مثل ہیں ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیے بلاوجہ حرکت و جنبش کردہ اور سنت کے خلاف ہے اس ہی لیے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا، انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یرین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یرین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق، لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یرین نہ کرے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

### دوسری فصل

#### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقدمہ دہائیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یرین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت محنت سے تحصیل و ارجح جو بات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

**اعتراض نمبر ۱** رفع یرین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابلِ عمل نہیں ہوتی۔ (وہی پرناستی)

**جواب** جی ہاں۔ صرف اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں آپ کے سر انھوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنادیا واسطہ رکابہ عادت چھوڑ دو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پیچھے بالوں میں عرض کر چکے۔

**اعتراض نمبر ۲** ابو داؤد کی برادران کا رب والی حدیث کے متعلق خود ابو داؤد کو نہ فرمایا۔

ہذا، الحدیث لیس بصحیح "یہ حدیث صحیح نہیں۔"



معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر آئے اسے پیش کیوں فرمایا۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو یا صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن و غیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابو داؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ **دوسرے** یہ کہ ابو داؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے۔ انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کون عیث ہے جرح مبہم مستر نہیں ہم ابو داؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آگے صحیح کرمان لیں۔

**اعتراض نمبر ۳** ابو داؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۳۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بڑے ذہین اہل تہذیب ہیں۔ جو کہ آخر عمر میں شول کی بیماری ہو گئی تھی انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔

**ثُمَّ لَا يَمُوتُ** اور ناسل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیکن جرح مفصل حاضر ہے۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے جو قابل عمل نہیں۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یرید بن ابی زید ابو داؤد کی سند روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابو داؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابو حنیفہ صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابو داؤد کا ضعف، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے معتبر کیوں ہو۔

**دوسرے** یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں بڑے ذہین و پرمرد موجود ہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔

**تیسرے** یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل کیا۔ آپ کی نظر ابو داؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں۔

**چوتھے** یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء و اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور جہاں سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے سواء علمی و غیرہ دونوں کے سب ہی اس پر عمل میں توجہ ہے کہ آپ کی اذیت و آزار کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے ویں صدی مسلمان خلیفہ تھے اور پانچ ویں صدی دیگر خلیفہ اب اس اندازہ کی صحت حرمین طہیں جا کر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ پچارے وہاں تو کسی شمار میں نہیں یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ مگر کار حقائق فرماتے ہیں۔

مراہ' اَلْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ " (جیسے عام المؤمنین اچھے سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھے ہیں۔)

اور فرماتے ہیں۔ اَتَّبِعُوا السُّوَادَ اَلْاَعْظَمَ فَانَّهُ مِنْ شِدِّهِ الْاَر

" میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت ہے الگ رہا وہ اور خ میں الگ جائیگا۔"

**خیال دہے** کہ شافعی، مالک، حنبلی، غنوی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مثلی مہرجن مت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اہمال میں جدا گاتہذا انہوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ مت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

**اعتراض نمبر ۴** تہہ ہری پیش کردہ حدیث مبرا جو ترمذی و غیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سا راطریقہ بیان نہ کیا گیا صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یا نہ کو نہیں اور مجمل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے۔

(دوسرا قاضی خاں کے ایک لائق وہابی)

**جواب** جناب یہ حدیث مجمل نہیں، مطلق نہیں، عام نہیں، مشترک، غلطی یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس سے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان مختصر قائل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

**ہمراہ اعلیٰ** ذہنیا مگر کہ وہابی غیر مقلدوں کو علان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل۔ مشترک معنوی۔ مشترک غلطی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع، مانع تعریف کریں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اصول فقہ، مطلق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

**وہابیو** تم حدیث کے غلط ترجمے کیے جاؤ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی عقلی عام سے مجمل کا لفظ نہ لیا ہو گا تو دھونس جانے کے لئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ نہ تھا ہوا لفظ استعمال کرو۔ اللہ تعالیٰ نے علم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

**اعتراض نمبر ۵** ابو داؤد، ترمذی، واری ابن ماجہ نے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ يَكْبُرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِيَ بِهِمَا مَسْكِيَهُ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَأْسَهُ عَلَى رُكْنَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ  
 فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِيَ بِهِمَا مَسْكِيَهُ ۖ  
 "پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور پنی پھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے  
 سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔"

ابو حمید سہدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی جس میں بوقت رکوع رخ پرین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہو کر رخ  
 پرین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے۔  
 (موت پر حدیث واپس پھر قتلوں کی اچانک دیکھ کر جس پر انکس بہت تڑپا ہے)  
**جواب:** اس کے چند جوہر ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابو داؤد وغیرہ  
 میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهَدَّ حَدِيثَ خُمْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ يَحْيَى ابْنُ حَفْصٍ  
 أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنِ عَمْرٍو ابْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حَمِيدٍ سَاعِدِي فِي عَشْرَةِ بَحْ  
 "ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحییٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ میں عبد الحمید ابن حنفیہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ  
 میں نے ابو حمید سہدی سے اس صحابہ کی جماعت میں سنا۔"

ان میں سے عبد الحمید بن حنفیہ صحیح بخاری میں مذکور ہیں۔ دوسرے محمد بن عمر ابن عطاء نے ابو حمید سہدی سے احادیث سنیں کی۔ اور  
 کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہذا یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجھوں ہے (لہذا ان دونوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی  
 ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لیے آپ کو متنبہ ہے کچھ تو شر کر دو۔  
 دوسرے یہ کہ یہ حدیث تیسرے بھی خلاف ہے کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرُّكْعَتَيْنِ كَثُرَ وَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِيَ بِهِمَا مَسْكِيَهُ كَمَا كَثُرَ عَدُ الصَّلَاةِ  
 "پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر اٹھاتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا۔"  
 فرماؤ آپ اور کتنوں سے اٹھتے وقت رخ پرین کیوں نہیں کرتے۔  
 تیسرے یہ کہ جب ابو حمید سہدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا ابو داؤد میں ہے۔

قَالُوا فَلَمَّا قَامَ اللَّهُ مَا كُنْتَ بَكَثَرٍ مَالَهُ سَمِعُوا قَدْ مَالَهُ صَحْبَهُ قَالَ بَنِي  
 "انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کیسے واقف رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو  
 ابو حمید بولے ایک ایسا ہی ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ابو حمید نہ تو صحابہ میں فقیہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبد اللہ ابن مسعود عالم فقیہ صحابی ہیں جو  
 حضور کے ساتھ ساری طرح رہے۔ اور رخ پرین کے خلاف روایت کرتے ہیں تو عجب ابو حمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت  
 معتبر ہے جیسا کہ تشریف ادا حدیث کا حکم ہے لہذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابو حمید سہدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر حیات شریف تک رخ پرین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے مگر  
 کب تک اس سے خاموشی ہے ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رخ پرین کی حدیث منسوخ ہیں۔ لہذا یہ اس منسوخ حدیث کا بیان ہے  
 کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق ہے اور وہ حدیث واجب العمل ہے درجہ باری یہ  
 روایت واجب الزک کہ کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث  
 میں ہے۔

أَلَوْ ضَوْءٌ مِمَّا مَسَّنَهُ النَّارُ "جگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے۔"

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کھانا نہ کھایا نہ پانی نہ پیا نہ وضو کیا نہ رکوع نہ کرنا۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث

چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے جس رات گرم پانی سے دھو لیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب الغسل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابی کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حنیفہ سہمی کی اس روایت میں عبدالحمید بن جعفر و محمد ابن عمرو بن عطاء ایسے غیر مستبر راوی ہیں کہ حدیث کی بناء چنانچہ امام ہاروی نے جو ہرنگی میں لکھا کہ عبدالحمید منکر حدیث ہے۔ یہ امام ہاروی دو ہیں۔ جنہیں مجھے عیسیٰ سعید فرماتے ہیں۔ **هُوَ اَعْلَمُ النَّاسِ فِي هَذَا الْبَابِ** حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد بن عمرو یہ چھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی روایات ابو حنیفہ سہمی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اس سے سنا۔ ایسے چھوٹے راوی کی روایت موضوع یا کم سے کم اذیل ورجح کے دس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے۔ اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطا بن خاند نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو و ابو حنیفہ سہمی کے درمیان ایک معمولی محال راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجھوں بھی و غیرہ کس حدیث میں ایک نہیں بہت غریبیاں ہیں یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی دس یا موصوع بھی ہے۔ مجھوں بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابو داؤد یہی مقام اسکی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ بجائے کہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حنیفہ سہمی کی یہ روایت لی ہے مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صلیبہ الصلوٰۃ کہ اس کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔

**حسین مہانویو** رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حنیفہ سہمی پایہ تازہ دیکل ہے جو وہابیوں کے پچھلے پچھلے کو حفظ ہوتی ہے عام مفتی لوگ انکی بن ترانیاں دیکھ کر کہتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پر پٹھے ڈھکے ب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی جنت نہیں کر سکتے۔

**حیال دہے** کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا بخروج ہو جانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیوں کہ ان کے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہوگئی تو کچھ کو نکلے مذہب کی آکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان چاروں کا سوا اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ سب بھڑے، سبہ رشہ سبہ نور سے اس آیت کے مصداق ہیں۔

رب مہماتا ہے۔ **وَمَنْ يُضِلِلْ فَلْيَضِلَّ وَلْيَأْثُرْ شِدًّا** نیز رب فرماتا ہے **وَمَنْ يُلْهَدْ فَلْيُلْهَدْ وَنَصِيرًا** جسے لہ کر دے اسے نہ کوئی دلی ملے۔ بھڑے رشہ۔ جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کائنات ہر گاہ نہیں۔

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کا بخروج ہونے سے حناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہیہ کا دار و مدار اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام اہل تہذیب کا شافعی الفہم سراج امام امام عظیم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرماں پاک پر ہے۔ وہ امام عظیم جو موت کا چرخے سے امام بخاری و امام محمد شین کے اسنادوں کا استاد ہے جس کے برادر اس برادر ہوا دنیا و اور علاوہ ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ ﷺ موجود ہے ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں امام عظیم کی دینی آیات قرآنیہ اور صحیح احادیث ہیں۔

جن پر نہ کوئی حدیث ہے۔ غبار کیونکہ امام عظیم حضور علیہ السلام سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مسائل دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوں ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود برادر راست یہ حدیث سنی تھی ہے دھڑک اس پر عمل آیا مگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا معیشتیں پیش آجائیں۔ اسناد پر ہر راہ قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں سے عام شرف قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھتا تھا لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے صاحب قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس علم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے ایسے ہی امام عظیم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور علیہ السلام سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے لئے یہ استدلال آیت میں ہم مقلدوں پر ان جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی جہلی میں جو امام عظیم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی منبھان اللہ عروجل کیسی پاکیزہ استاد ہے کیا کسی وہابی میں منبھ ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراض نمبر ۶ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

اَنْ رُسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِينَ وَمَكِّيْنَهُ اِذَا افْتَتَحَ الْمُضَلُوَّةَ وَ اِكْبَرَ لِلرُّكُوعِ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمَدَهُ رَبُّ لَكَ الْحَمْدُ وَ كَانَ لَا يَفْعَلُ ذَٰلِكَ فِي السُّجُودِ

"وَلَيْكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ہاتھ شریف کا دعویٰ تک اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے اُٹھتے تھے اور فرماتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمَدَهُ رَبُّ لَكَ الْحَمْدُ اور بعد میں رفعِ یَدَیْنِ نہ کرتے تھے۔"

یہ حدیث مسلم بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفعِ یَدَیْنِ رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک ہی کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور ﷺ رکوع میں رفعِ یَدَیْنِ کرتے تھے یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور ﷺ کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفعِ یَدَیْنِ اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ سہا۔ کرم نے رفعِ یَدَیْنِ کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہی نظر میں رفعِ یَدَیْنِ منسوخ ہے۔ چنانچہ زرقانی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ نَبِيِّ مَكْرٍ مَعَ عُمَرَ فَلَمَّا يَرَفَعُوا اَيْدِيَهُمْ اَلَا عِنْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْاَوَّلَى فِى افْتَتَاحِ الْمُضَلُوَّةِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز میں پہنچی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔"

فرمادے جناب اگر رفعِ یَدَیْنِ سنتِ اہل بیت ہے تو ان پر رکوع نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفعِ یَدَیْنِ نہ کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا پتلا عمل اپنی روایت کے خلاف ہوتا معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دیکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رفعِ یَدَیْنِ نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا ختم ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی یہ ہے کہ یہ حدیث اس امر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری سند میں یونس ہے جو بخاری میں مذکور ہے۔ تیسری سند میں یونس ہے جو بخاری میں مذکور ہے۔ چوتھی سند میں شعب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجع مذہب کا تھا۔ غرض کہ رفعِ یَدَیْنِ کی حدیثوں کے راویوں میں بھی ہیں کیونکہ یہ داخل کا عمل ہے اور رفعِ یَدَیْنِ نہ کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷ بخاری شریف نے حضرت تابع سے روایت کی۔

اَنْ اَبْنِ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِى الْمُضَلُوَّةِ كَثَرَ رَفْعُ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمَدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ اِذَا قَامَ مِنَ الرُّكُوعَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ رَفَعَ ذَلِكُمَا اَبْنُ عُمَرَ اَلَى النَّبِيِّ

"حضرت عبداللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمَدَهُ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی ﷺ کی طرف مرفوع کرتے تھے۔"

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفعِ یَدَیْنِ کرتے تھے۔ رفعِ یَدَیْنِ سنتِ صحابہ کی ہے۔

**جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تہذیب میں بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اُٹھتے وقت بھی رفعِ یَدَیْنِ ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو دو رکعتوں سے اُٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا اور ساتھ ساتھ ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ رفعِ یَدَیْنِ کی جہر ہے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ وضعِ یَدَیْنِ کی جہر کے بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب و کس زمانہ میں اٹھاتے تھے لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔

فقد بجوز ان يگنوں اثن غمر فعل ماراً طائوس' قبل ن بقوه الخجته عده بسخه ثم قامت الخجته عده بسخه وتركه وفعل مار كره عده معهد"

"جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو اس نے دیکھا ثبوت رخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر کو رفع یدین کے رخ کی تحقیقی ہو گئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا۔ (رفع یدین نہ کرتا)"

بہرحال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف دقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہاں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑی ہے کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر ۹ مسم شریف نے حضرت واکل ابن حجر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَمَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّ مَحْدَسَجْدَ بَيْنِ كَفَيْهِ

"جب حضور ﷺ نے سبح اللہ میں حمد فرمائی تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔"

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب حضرت واکل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں مستحکم نہیں حضرت واکل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آداب حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں رخ احکام کی خبر بشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہی حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے بڑے عام و فقیر صحابی تھے۔ یہ حضرت واکل ابن حجر حضور ﷺ کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صف اول میں خاص حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عام و فقیر صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

لِيَسْبِقَ مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالْهَيْبِ "تم میں سے مجھ سے قریب دور ہے جو علم و اصل والا ہو۔"

چنانچہ مسند امام اعظم ہیں ہے کہ کسی نے سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت واکل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا۔

فَقَالَ غُرَابِي لَا يَعْرِفُ شَرَايعَ الْإِسْلَامِ وَلَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا صَلَوةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِي عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ مَسْغُودَهُ نَهَ كَأَن يَرَفَعُ يَدَيْهِ لِمَا بَدَأَ الصَّلَاةَ، فَقَطَعَ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُ اللَّهِ عَالِمٌ بِشَرَايعِ الْإِسْلَامِ وَخُدُوهُ مُتَعَقِدٌ أَحْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا رُومَ لَهُ فِي أَقْمَتِهِ وَاسْمِهِ وَقَدْ صُنِيَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يَخْصِي

"آپ نے فرمایا کہ واکل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور ﷺ کے ساتھ ایک آداب ہی قرار پڑا۔ ان کے اور مجھ سے بے شمار فضیلتوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتدائے نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے جبرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیق جبر رکھتے والے۔ حضرت کے مقررہ کر کے ساتھ ہی تھے۔ انہوں نے حضرت علیہ السلام کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔"

خلاصہ یہ کہ عام و فقیر اور حضور ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قائل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا واکل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے رخ سے پہلے کفصل مدح کیا اور وہی نقل فرمایا۔

اعتراض نمبر ۹ اگر تکبیر تحریر کے سوا رفع یدین نہ کرنا چاہئے تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وقت درمیں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں برابر نہیں۔ (بعض ذمہ غازی علی دہلی)

جواب اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ وہ کئے اب گئے۔ انکل پھر بھانہ ڈالنے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ مسند نماز یا مسند رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین مسند رکوع نہیں بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز



عید میں خطبہ جمعہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی سعادت ہیں۔ ایسے ہی کچھ گہری ہیں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے، اگر نماز حج کا نہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اسے وہاں ہر رکوع پر تین دفعہ یدین کیا کرے اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرے۔

**اعتراض نمبر ۱۰** حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اسے جبرئیل فرمایا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ علم دیا تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ اس آخر سے مراد قرآنی نہیں بلکہ

**اذا احرمت للصلاة ان ترفع يديك اذا كثرت وادراكك وادراكك من الركوع**

**ففيها صوت وصورة الملائكة الذين هي السموات السبع**

اس سے معلوم ہو کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا ہے۔ رفع یدین یہی ضرور ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا **فصل لربك وانحر** یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور ﷺ کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام کے بھی فرشتوں کے بھی۔ قرآن و حدیث پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابو حنیفہ کی بیوی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

سونے ضروری ڈیرہ غازی خان کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکٹ مفت تقسیم ہوا مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے سبب ابھرتا ہے مذکور ہے، تب تک پرانے وہابیوں کو نہ سمجھا تھا۔

**جواب** وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہم نوائے جھوٹی حدیث گڑبگڑائی مگر کمات کی جھوٹ بولنے کے لئے بھی سبق دیا ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے حق تمہارے مذہب کا بڑا فرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی سادہ بیان کی کہ ہے استاد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں جا سکتا کہ اس کا گڑے دار کون ہے، بہت مشن حدیث پر چند طرح نکلتے ہیں۔

ایک یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کیے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ طاعت کی کوئی کتاب سے ثابت ہیں۔ انحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اس کے معنی کی پہلی ایک لفظ غریب کس نے مجھ دی۔ کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو انحر کے معنی یہ بتا گئے پھر یہی ﷺ اور اہل بیت طہار نے بھی پوچھا کہ اسے جبرئیل انحر کے یہ انحر کے معنی کہاں سے لئے گئے۔ اور کیسے پہلے گئے طاعت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن و حدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوات کے معنی روٹی کھانا۔ رکوع کے معنی پانی پینا۔ انحر کے معنی کھڑے پہننا۔ صوم کے معنی چار پانی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانہ ری کرنا کرنا۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان فتنہ۔ ذرا شرم کرنا اپنے مذہب مذہب کو جاننے کے لئے کیاں ایسی حدیثیں گھڑتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ یہاں انحر۔ صلوات پر معصوم ہے۔ اور معصوم ہمیشہ معصوم طریقہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو چاہئے کہ انحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا انحر ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر۔

تیسرے یہ کہ جب انحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرنا اور پھر قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ ذکر ہوا تو چاہئے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکروں سے خارج ہو جاتا ہے ویسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے ساتھ منکر کا فرض ہوں تو تم درتہا ری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف منافق کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پچیسوں تو رفع یدین چھوڑ کر دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سبقت ہے نہ کہ انحر بھی جس پر چاہوں کر لو بتاؤ اس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابیوں کو ہوتے۔

چوتھے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کیا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو سن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے فرماؤ امام ترمذی اور اسے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے جہاد کرے۔ دیکھ اسلام کے دعوے میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث بیجا شریعتا جاتا ہے یا ناجز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ عمر فاروقؓ۔ علی مرتضیٰؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجماعاً جیسے دلیل اللہ صحابہ رفع یدین کرتے تھے بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو تا جاذبہ فرض کرتی جو ان کی طرح فرض ہوا ان صحابہ پر بھی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد دیر و غازی خان کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت و حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المومنین سوا دلائل علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے نہ خود نہ کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت جبرئیل سے وادعہ کے معنی پوچھے اور پھر خود اس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے



چاہئے تو یہ کہہ کر رہے ہیں کہ میں ہی صحیح فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبرؓ کے زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ ملائی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچی نیچ سوچی سمجھی چاہئے۔

مسئلہ حالو ۱ غور کرو یہ بہانہ لوگوں کی انتہا حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم کی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے کسی بہانے کی روشیں گھڑیے میں خوف خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی میں حدیث بنانے والے حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراض نمبر ۶۶ حضرات امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔

**اذا ثبت حدیث "فہو مدھبی"** جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے تو وہ ہی امر الہی ہے۔

چونکہ رفع یدین قرأت خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول حدیث کے خلاف ہے اس لئے ہم نے ٹکا قول دیا اور یہ اور حدیث رسولؐ پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہی حقیقت ہے۔ (امام ابی)

**جواب** مئی ہاں درحاصل کہ جبکہ حدیث کے متعلق "پہلے جیسے محققین (مطہ پینے والے) ہوں جنہیں استیحا کرے کی قبیل نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلم حدیث کو حدیث فرماتیں۔

جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ ٹھیکسی اجازت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے۔

**اذا ثبت حدیث "فہو مدھبی"** جب حدیث ثابت ہوگئی تو وہ ہی امر الہی ہوئی ہے۔

یہی اے مسلمانوں! ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسولؐ تلاش کی اور اس کے ہر پہلو پر طرح طرح اور غرض و بحث نہیں کی۔ سنا اور جس پر خوب گمراہی و قدر کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے پناہ دیا گیا۔ یہ مدہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے لہذا ہم کو وہ حدیث کے سندر میں نہ کوانا ایمان کھوٹا کھو گئے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سدر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف خواص کا کام ہے۔ اگر چسپاری کی دکان کی دوئیں بیمار پٹی رائے سے استعنا کرے گا تو وہ ہڈاک ہو جاوے گا حکیم کی تجویز سے استعنا کرو۔ قرآن حدیث روحانی دواؤں کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طیب عظیم ہیں۔ قرآن و حدیث کی دوئیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو دیکھو پھر قہر نہ دیتا ہے انہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے انکل چٹو بیان کر دیئے ہیں۔ اے نا سمجھ نادانوں! تم حدیث کے غلام سلا تر بنے کرتے جانا اور مذہب میں قہقہے پھیرتے جانا جب ایک قابل طیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچے سمجھے ایک بیمار کے لئے سوئیں نہیں لکھتا تو امام ابو حنیفہؒ جیسے حکیم ملتہ سرج مت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن و حدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ بخیر دے۔

# ساتواں باب

## وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ قطع لے کر جفت عدد جو دو پر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نما رکعتوں کا نام ہے جو بعد نماز عشاء تا فجر میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔  
 ہمارے مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت جہنم کا رہے۔ اس کی قضاء لازم اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر موکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے نہ سب حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کر رہا ہے اس سے پہلے اسی طور پر وتر کے جواب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

## وتر واجب ہیں

**حدیث نمبر ۳۶۱** ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابویوب سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ  
 "حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہے۔"

**حدیث نمبر ۳۶۲** برابر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ  
 "حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہے۔"

**حدیث نمبر ۳۶۳** ابو داؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ لِمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مَأْمُونًا  
 "میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔"

**حدیث نمبر ۳۶۴** عبد اللہ ابن احمد نے عبد الرحمن ابن رافع حنفی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں تسبیح کرے ہیں تو آپ نے حضرت معاذ یہی عرض کی کہ شام کی کثرت کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مَعَاذِي وَاجِبٌ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ قَالَ بَعْدَ سَمْعَتِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ  
 "ادنی ربی عز و جل صلوة هی الوتر فیمابین الغشاء الی طلوع الفجر"

"تو میرے معاذ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہے میں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔"

**حدیث نمبر ۳۶۵** ترمذی نے حضرت ذی النضر بن اسلم سے مراسلا روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَاءٍ عَنْ وَلَوْهُ فَيَنْصَبُ إِذَا صَبَحَ  
 "جو وتر چھوڑ کر چو جائے وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھے۔"

**حدیث نمبر ۳۶۶** ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم۔ بیہقی مستدرک میں حضرت ابویوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے شرط شافعی پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ  
 "حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب ہے ہر مسلمان پر۔"

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور طہا ہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۴ روایتیں پیش کیں۔



”اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر اس کے آخر میں۔“

**حدیث نمبر ۲۱** طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ أَبَا نُعَالِيَةَ عَنِ الْوُتْرِ فَقَالَ عَلِمْنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْوُتْرَ مِثْلُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ هَذَا وَتَرِ الثَّلَاثِ وَهَذَا وَتَرِ الْاَثْنَاءِ

”میں نے حضرت ابو نعالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول ﷺ کو یہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب کی طرح ہیں یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب دن کے وتر۔“

یہ ایک حدیثیں بطور غور و خوض کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح النبیاء کی ملاحظہ فرمائیے۔ ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کا عمل شریف تین رکعت وتر تھا۔ قرآن مجید کا یہ یہ عمل رہا اور اس میں رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھے مگر نفس مارو پر پندرہ رکعتیں اگر اس لیے ہوئے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھا کر سورہ بنی مائدہ ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں ثلاثا سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں ثلاثا سورت تیسری میں ثلاثا وہابی حضرات بتاتے ہیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جائیں گی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھے وفاق ہے لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جہاد کا ہو اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو کوئی گناہ وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہئے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں فرض تو کیا کوئی نفل دستہ مذکورہ دستہ غیر مذکورہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے جیسے فجر یا چار رکعت جیسے عصر۔ مثلاً دو تین رکعت جیسے مغرب وتر۔ تو چار رکعت ہو سکتی ہیں نہ وہ کہ یہ درست ہے۔ وتر نہیں تو حاملہ تین ہی رکعت چاہئے ایک رکعت نماز سنی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی ایک رکعت نامکمل ہے ناقص ہے ہر ہے۔ فرض ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا جماع صحابہ کرام کا مکمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سب ہی اس کے خلاف ہے۔

## دوسری فصل

### اس پر اعتراضات و جوابات

مسئلہ وتر اب تک جس قدر دلائل غیر مقدمہ و پایوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب غیر دارج جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ فرماوے۔ **اعتراض نمبر ۱** ابن ماجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يُزَكِّيهِ رَكَعَتَيْنِ

”فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہئے۔ حضور ﷺ نے یہی پڑھی ہے۔

**جواب** آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان حدیث کے خلاف ہو گئی۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہئے جس سے احادیث متفق ہو جائیں۔ اس حدیث شریف میں اب استثناء کی ہے۔

جیسے **كُنْتُ بِالْقَلَمِ** میں نے قلم سے لکھا کیونکہ اگر آپ افعال متعدی بغير ہے تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ حضور ﷺ نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد وحقت سے طاق بن گیا۔ مثلاً آٹھ

رکعت تہجد اور فرمائی یہ عدد وحقت تھا پھر تین رکعت تہجد پڑھی تو وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔ جو دو سے مل کر آدھ ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گشتہ تمام احادیث کا کیا جواب دو گئے جن میں ہر ایک تین کا عدد مذکور ہے یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں ثلاثا سورت پڑھتے تھے دوسری رکعت

میں ثلاثا اور تیسری رکعت میں ثلاثا سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہو گئی۔

اعتراض نمبر ۲ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ الْبَيْتُ مَشَى فَاذْخَى أَحَدُ كُتُبِ الصُّبْحِ صَنَى رَكْعَةً وَاحِدَةً تَوَاتَرَتْ لَهُ مَا قَدْ صَنَى "فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کہ نماز دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جائے تو خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت گزشتہ نماز کو ترمیم دے گی۔"

اس سے پارسلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو رکعت نفل اور کرنی چاہئے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ تہجد کی نماز کے بعد نفل ہے چوتھے یہ کہ دو رکعت ہے۔ خلی وگ پہلے تم سے کہتے تو مانتے ہیں چوتھے کے انکاری ہیں مگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے، میں اگر صحیح نہیں تو چاروں نہ نہیں۔

جواب غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو پہلی ایک رکعت غنیمتہ طور پر پڑھ لے اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہوگئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہو گیا خلی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے جس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی رکعت واحدہ کے بعد صبح کی رکعتیں پڑھ دے کیونکہ پہلے شیئی کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں حدیث میں کوئی تعارض نہ ہوا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

وَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى كَفْفِهِ ثَلَاثَ مِائَةِ سَبْعِينَ وَارْدَادٍ وَاسْتَعَا "اس کا ہتھ اپنے غار میں تین سو سال خمرے تو بڑھ جائیے۔" اس آیت میں یہ نو سال تین سو سال سے غنیمتہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سے ساں مسمیٰ تھے اور تین سو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت غنیمتہ اور دو سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری شیئی یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ دو دو دو رکعتیں تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس اہم روایت اور فریم فصیح اطلاق ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہ وہابی جی حدیثوں کو اڑا چھا۔ یا احادیث میں موافق پیدا کر کے سب پر عمل کرنا بھڑکاش کہ آپ نے کسی مقدمہ سے حدیث پڑھی ہوئی۔

اعتراض نمبر ۳ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

الْوُتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ "وتر" خمرات میں ایک رکعت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے پہلی سب رکعتوں سے غنیمتہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہوگی، اور احادیث کا جامع ناممکن ہو گا خلی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں یا اس حدیث میں وتر یعنی اسم غافل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے کی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر نماز کی نماز بناتی ہے کہ نماز بنانے کے لئے تہجد رکعت تہجد پڑھی، پھر جب وتر کی نیت ہادی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز بھٹ ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی کیا ہو رکعتیں بن گئیں اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴ ابودرداء شریف نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتْرٌ "يُحْتِ بُونَرُ فَاوْتَرُوا يَا أَهْلَ الْفُرَاتِ

"فرماتے ہیں کہ فرما یا رسول اللہ ﷺ نے اندوز (بے جواز) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے پس وتر پڑھا کرو اسے قرآن ماننے والوں۔"

خلی تا نیک کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہئے نہ کہ تین حضور ﷺ نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں۔ ایک انراہی، دوسرا تحقیق جواب انراہی تو یہ ہے کہ پھر وہاں کو چاہئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ تین کیونکہ مغرب کے فرض دو کے وتر ہیں اور یہ دو رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا کہ حضور ﷺ نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے کیونکہ پہلی فصل تحقیق جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق ہے جواز ہونے میں مثال دی ہے۔ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر جمیل میں اس لئے مناسب کافی ہوتی ہے ہر طرح مش ہونا

ضروری نہیں اس لیے حضور ﷺ نے وتر فرمایا۔ نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے

دیکھو بفرماتا ہے۔ **مِثْلُ نُورِهِ كَمِثْلِكَوَةِ فِيهَا مُضِيحٌ**۔ ”اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک حلقہ جس میں چراغ ہے۔“  
یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً اور انیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل جلی جاتی ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روغن جلی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں قدس فیض شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ جگتی ہے۔

**اعتراض معبرہ** بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیک سے روایت کی۔

أَوْتِرَ مَعَاوِيَةَ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلَى لَابِنِ عَبَّاسٍ فَاتَى بِهِ عَبَّاسٌ فَاحْبَرَهُ فَقَالَ دَغْنُ فَنَهَى فَقَدْ  
صَحِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”سیدنا میر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اس وقت اس کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خادم حاضر تھے اسہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو ”سپ“ نے فرمایا نہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔“  
معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

**جواب** یہ حدیث تو مخالف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو زوال اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیر صحابی ہیں فقیر مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں اسکا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِي امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَاوِيَةَ مَا أَوْسَرُ الْأَبُو حَذَفَهُ قَالَ اصْصَابُ اللَّهُ فَفَقِيَهُ  
”حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المؤمنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیر ہیں۔“

صاف معلوم ہو کہ وتر تین صحابہ اور خود سیدنا عبد اللہ بن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے اس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں، عالم ہیں، مجتہد ہیں اور مجتہد فقیر کی خطا بھی درست ہوتی ہے اس پر اعتراضات نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو خلیفوں کی دلیل ہے، آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھنے پر تو آپ کے خلاف ہے۔

**اعتراض معبرہ** خلیفوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں تو عرض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا دوپٹے میں کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی بخاری کی تیار پڑھیں تو نہ انہیں واپائی کہہ جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دوڑی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیسی ہے۔ (مادہ دہلی)

**جواب** جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عام فقیر سمجھ کی خطا پر بھی توبہ ہے مگر جاہل جب دیدہ و دستہ عاویں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر رسول سر جس سیدنا خود ملازم سرکار کسی چاروں غلط دوڑے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن جاہل آدمی ہوں ہی انگل بچہ کسی کو غلط دوڑا کھڑا دے تو شرعاً قانوناً مجرم ہے۔ حج۔ حاکم کسی حرم کو سزا دے حق ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جو ایرے غیر قانون ہاتھ میں نے کہ خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے قتل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں خوریر جنگ ہوئی جس میں جبریل علی مرتضیٰ برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گہنکار کوئی نہیں جس کو بھی توبہ کہا جاوے تو کہنے والا یہ ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن نے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں کا ذکر فرمایا۔

اذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَرْثِ ذُنُوبُهُمْ فِيهِ عَصَا نَعْرَمَ كُنَّا لُحُكْمِهِمْ فَاهْدِيْنَهُمَا هَا مُسِيْمًا وَ كَلَّأْنَا ابْنَ حُكْمًا وَ اَعْلَفَ  
”جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے استحقاق فیصد فرماتے تھے جب اس میں قول کی بکریاں چل گئیں۔ ہم انکا فیصد مشاہدہ فرما رہے تھے اس نے حضرت سلیمان کو وہ سمجھا دیا کہ ہم نے اس میں سے ہر ایک کو حکمت و علم بخشا۔“

دیکھو حکمت کے اس مقدمہ میں داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے غلطی و غلطیہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصد برحق تھا جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصد خطا و اجتہاد ہی تھی۔ لیکن اس پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں کیوں اس لیے کہ آپ مجتہد مطلق



تھے اور مجتہد کی خطا پر محتاب نہیں۔ وہابیو اگر تم بھی رفع یدین یا اونچی آٹن۔ شافی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود  
بے عمل ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ قح کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت فتنی ہے۔  
**اعتراض نمبر ۷** تین رکعت وتر کی حقنی حد شیش ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث بحجت نہیں۔

**جواب** مگر ہاں اس میں ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں یا اس لیے کہ ساری حد شیش ساز مجھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکی ہیں۔ مگر تو سنا ٹھہریں  
میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً چودہ سو برس کی حد شیش ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے سے لوگوں کو حدیث کا  
منکر کرویا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم کتاب میں بار بار دے چکے ہیں۔

# آٹھواں باب

## قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نارولہ کی قیصری رکعت میں رکوع سے پہلے دعا قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سنت مکرہہ و در حد سنت ہے مگر غیر مقلد و پیروں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ مضامین کی بعض تاریخوں میں فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی و اپنی جو در اصل در پردہ غیر مقلد ہیں۔ یہاں کہ فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

### پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعا حضور سید عالم ﷺ نے ایک ہر ایک خاص مصیبت پر چند در پردہ قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیت قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی نہ پڑھی و بالی حسب دلیل ہیں۔

**حدیث نمبر ۹۱** بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم انصاری کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

أَسْمَا قَسَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا أَنَّهُ كَانَ بَعَثَ أَسْمَا يَقْدُرُ أَتَاهُمُ الْفُرَاءُ سَنَفُونَ وَخَلَا فَأَصْنَبُوا فَقَسَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ لِرُكُوعِ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ

”حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قادی تھے ایک جگہ تنقیف کے لیے بھیجا وہ شہید کر دیے گئے تو حضور علیہ السلام نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر دعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔“

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ عذر کی وجہ سے صرف ایک ماہ پھر منسوخ ہو گیا۔

**حدیث نمبر ۹۲** بخاری و مسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَسَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو عَلَى رُكُوعٍ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوتَ

”حضور نور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قیصری رکوع پر دعا فرمائی جب حضور ﷺ اس پر غائب آگئے تو چھوڑ دی۔“

اس حدیث میں گواہوں نے کا صراحت ذکر آگیا۔

**حدیث نمبر ۹۳** بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَسَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى غَصِيَّةٍ وَرُكُوعٍ شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوتَ وَقَالَ سُبَّارُ فَنِي رَوَيْتَهُ لَمْ يَصْبِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا شَهْرًا وَاحِدًا لَمْ يَقُتْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

”حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی جس میں قبیلہ غصہ و رکوع پر دعا فرمائی جب اس پر غلاب آگئے تو چھوڑ دی نہ رنے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی نہ پڑھی۔“

**حدیث نمبر ۹۴** ابوداؤد سنائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَتْ شَهْرًا أَنَّهُ تَرَكَهُ

”ابو داؤد نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔“

**حدیث نمبر ۹۵** ترمذی۔ سنائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوالکلامی اعمی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لَأَسْأَلَ بِأَبِي يَأْتِ أُنْكَ قَدْ صُنِبَ حَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَغُمَرُ وَغُثْمَانُ وَعَنِي هَهُمَا بَانْكُونَهُ مَحْوًا مِنْ خُمْسِ سَبِينَ كُنَا يَقْتُلُونَ قَالَ يَا نَبِيَّ مُخَدِّثٌ

”فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا جان آپ نے حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کو فہم میں تقریباً پانچ سال نارولہ پڑھی کیا یہ حضرت قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا اے پیچھے یہ بدعت ہے۔“

یعنی ہمیشہ قنوتِ مازرہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعتِ سیئہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ و رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس میں "تخریج الفاظ یہ ہیں۔

وَكَايَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صُدُورِهِ الْمَهْمُ الْعَنُ فَلَانَا فَلَانُ لَأَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتَّى أَنْزِلَ إِلَهُهُ لَيْسَ لَكُمْ مِنَ الْأَمْرِ شَيْئٌ

”مختور انور ﷺ اپنی بعض غمروں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدا یا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پرعت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوگی ”ہنس لک اے“

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ دعاء قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے دوسرے یہ کہ حدیث شریف سے قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا صحیح قرآن کریم سے ثابت ہے تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی وہ حضور ﷺ کی رات شریف کے دشمن تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے ہیں ہاں حضور ﷺ نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافی دی ہیں لہذا حدیث میں تعارض نہیں۔“

حدیث نمبر ۶۵: حافظ ظہور ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی ہے۔

عن الإمام الأعظم عن ابن أبي عيَّاش عن إبراهيم عن علقمه عن عبد الله بن مسعود قال لم  
يقت رسول الله صلى الله عليه وسلم في الشهر إلا شهراً واحداً لأنه حارب المشركين فقت  
يذبحوا عليهم

”امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت فرماتے ہیں دو اہل بیت قمی سے دو حضرت علقمہ سے دو حضرت عہد اللہ بن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے بحر میں قوت مار۔ کبھی نہ ہڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے شرکیں سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک بار دہ راعفر مانی تھی۔“

حدیث نمبر ۱۶، ۱۷۔ فقط جس خسرو نے اپنی سند میں اور قاضی عمر ابن حسن اشعری نے حضرت امام ابو حنیفہ سے انہوں نے عہد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے۔

قَالَ مَا قُلْتُمْ بُوَيْكِرَ وَغَمَزَ وَلَا غُثَمَانَ وَلَا عَلِيَّ حَتَّى حَارَبَ أَهْلَ أَشْجَمٍ فَكَانَ بَقِيَّتُ

”ان حضرت ابوبکر و عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے علیؓ کی قوت و اراد پر مبنی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔“

حدیث نمبر ۱۸ بخیر بخاری نے امام ابوحنیفہؒ سے انہوں نے عقیقہ حوائی سے انہوں نے حضرت ہوسیدہ خدیجہؓ کی اسباب سے روایت کی ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يَمُتْ إِلَّا بِمَعْنَى يَوْمِ بَدْعِهِ وَذَكَرُوا أَنَّهُ لَمْ يَمُتْ إِلَّا بِمَعْنَى

"ابوں نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضور نے چالیس دن کے سوا، قیامت نازل نہ پڑھی۔ ان چالیس دن میں آپ نے حصّہ ڈکواں پر جدوجہ فرمائی پھر اوقات تک بھی نہ پڑھی۔"

یہ اضرارہ حادثہ بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ درندہ قوت ہمارے نہ پڑنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں، مگر شوق ہولو طحی شریف۔  
صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرمادیں۔

**عقل** کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ قوتِ نازلہ، میں نہ پڑھی جاوے۔ چہرہ سے ایک یہ کہ بڑھکا نہ اٹھ کر رخصتیں ملتے نہیں۔ سب کے ارکان و دعا کیل وغیرہ یکساں ہیں تو جب چار نمازوں میں قوتِ نازلہ نہیں چاہئے کہ فجر کے احوال میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ہاجرتِ اہلِ انص میں

دعائیں اور ذکر مختصر ہیں خواہل میں اس کی آزادی ہے۔ دیکھو کوہ سے اُتے وقت کیا، مازنی **سمع اللہ لم حمدہ** بھی کہتا ہے اور **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے تو نام **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** نہیں کہتا صرف **سَمِعَ اللہ لَمْ حَمْدُہ** کہتا ہے، ورمقدی اس کے برعکس کہ **رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ** تو کہتا ہے مگر **سَمِعَ اللہ لَمْ حَمْدُہ** نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعا قنوت تازہ پڑھنا مقصد شرح کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نما رخصتوں، فرائض، مٹکانہ کے ارکان یکہ دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چائیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرح کے خلاف ہے۔ رکوع فجر کے بعد جو قوم ہے اس میں صرف **سَمِعَ اللہ لَمْ حَمْدُہ** کے جتنے غرنا چاہئے۔ مگر اس میں قنوت تازہ پڑھنی گئی تو

سجدہ جو نماز کا اہل رکن ہے۔ دیر لگے گی۔ یا غیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ مکہ واجب کرتی ہے اور اگر عمدہ ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہذا اگر وہ نماز قنوت نازل نہ پڑھتا چاہے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

**مسئلہ فقہی** مذہب نفعی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقع پر بہتر یہی ہے کہ قنوت نازل نہ پڑھے تاکہ صحابہ کرم کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقع پر قنوت نازل پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے قنوت نازل نہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے منوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے فجر کے سو کہی و نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمدہ سجدہ میں تاخیر کر دی تاخیر فرض منسوخ نازل ہے۔

**ایک شبہ** بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر۔ مغرب۔ عشاء میں قنوت نازل پڑھنا چاہئے کیونکہ شرح نقایہ و نقایۃ الاوطار میں ہے۔

**قلت لا امام فی صلوۃ الجہر و هو قول الثوری و حماد**  
 "اس موقع پر امام جہری نماز میں قنوت نازل پڑھے امام ثوری و امام حماد کا یہی قول ہے۔"

مذہب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مطرب و عث و فجر کی بلکہ نماز قنوت نازل پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

**شبہ کا ازالہ** شرح نقایہ و نقایۃ و طبر میں یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی ف کو حمیمہ بنا دیا۔ چنانچہ اشباہ و نظائر میں اس جگہ بجائے صلوۃ الجہر کے صلوۃ الجہر ہے اور غلطی علی در الخطا اور علامہ ابن عابدین شامی نے نسخہ الحقائق علی بحر الرقائق میں فرمایا۔

**ولعدہ محرف عن الفجر** "شاید کہ لفظ جہر فجر سے بکرا کر بن دیا ہے۔"

غلطی کی عبارت یہ ہے۔ **والدی سطر علی ان قوله فی الجہر وان سئل علی المسمی مارلہ قلت الامام فی صلوۃ الجہر تحریف من الساج و صوابہ الفجر** یعنی نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہری نماز میں قنوت نازل نہ پڑھے میر خیاں ہے کہ یہ کاتب غلطی سے لکھی یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیے اگر قنوت نازل کی زیادہ تحقیق کرنا ہوتا۔ ہمارا فتاویٰ نعیمیہ خط فرمادیں۔ چونکہ اب دو باندی بھی بعض جہر قنوت نازل نہ پڑھنے لگے ہیں اس لیے وہاں اس مسئلہ پر کچھ ہم کر بحث کر دی گئی ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر متقدمین کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دبا سندی سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی یا شاید فکر سے گزارا تو ان شاء اللہ اس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

**اعتراض مصر ۱** ہم نے قنوت نازل نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں نکالی جاسکتی۔ (یہاں غلط)

**جواب** اس کے جوابات ہم دواوے چکے ہیں اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں احادیث یا آیت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دہلیز ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد ہمارے مختصر اور کھری نکالی ہوئی ہے۔ جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں وہ بھی نہایت نقائص باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ اب اس میں پیش۔ برہم غلطی۔ علاوہ ابن مسعود و ان میں کون ضعیف ہے چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے۔ اس کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعف تالیس وغیرہ بیماریاں بعد میں گئیں۔ ان تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہی روایتیں تمہاری دہلیز ہیں جن پر تمہارے مذہب کا رونا دہا ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی سنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہذا ضعیف ضعیف کی رت سے کسی غیر مقلد کو ذراؤ۔ غلطی کے لئے اس سے کچھ خطر نہیں باقی نبوایات وہ ہیں۔ جو ہم پہلے بالوں میں عرض کر چکے ہیں ہم سے ہر حدیث کی بغضہ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ احادیث حسن ہو گئیں ضعیف جا تا رہا۔

**اعتراض مصر ۲** تاہن ماجہ سے روایت کی کہ کسی نہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوائے کسی نہ حضرت نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوعِ وَعَمِّي رَوَاهُ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ

”حضور ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی، اور بعد بھی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازل کا ذکر نہیں اور صاحب مسئلہ آ یہ حدیث واحد قنوت کے بحث میں، نے ہیں جو توروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعاء قنوت مراد ہے۔ لہذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازل ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیشہ پڑھی اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نے قنوت نازل صرف ایک یا سواہ پڑھی پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہذا یہ حدیث مسموع ہے، اور مسموع سے دلیل پکڑنا سخت جرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازل ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلی یا بعد میں۔ جو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے جو تحفے یہ کہ یہ حدیث لیکن صاحب کے پاس کی اسناد و مراجع ہے۔ اس ہی لئے سے مسموع بتلانی نے تالیف مسموع و بتلانی کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔

جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ لہذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے کسی طرح حجت نہیں۔

**اعتراضِ مجبور ۳** علماء کی شریف نے بہت سی سنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی سنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

وقال كن رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول حين يقرع من صدوة الحجر من القراءة ويكبر ويرفع رأسه يقول سمع لله لمن حمده يقول وهو قائم اللهم انج الوبيد ابن الوبيد

”حضور علیہ السلام جب نہر لہجہ کی قراءت سے فارغ ہوئے اور عجیب کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور مع اللہ محمد و فرماتے تو کھڑے ہوئے یہ دعا پڑھتے اے اللہ ولید بن ولید کو نبیاد دے آج“

طحاوی شریف خفیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت ناز کا ثبوت ہے۔

طحاوی شریف خفیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت مار رہا ثبوت ہے۔

**اختصار اعلیٰ صبیحہ:** حادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ طحسین کے روز، جس فجر میں قنوت نازل ہوا کرتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازل ہوا مکتوب ہے، یہ طویل القدر صحابہ کا قنوت نازل ہوا تھا اسکے ملت ہونے کی روشنی دلیل ہے۔

**جواب** اس کے دو جواب ہیں انسانی اور حقیقی جواب انسانی تو یہ ہے کہ یہ روایت تمہارے بھی خلاف ہیں کیونکہ اس میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا باغیوں کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ اس کے زمانہ میں نہیں پڑھتے مگر ہمیشہ پڑھتے ہوئے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بتائے اور مسلمانوں سے لڑنے کے سوا کون سے جہاد کئے۔ حقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قوتِ نازرہ کے حلق صیہ کرم میں اختلاف رہا بعض صیہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں جیسے حضرت یونس علیہ السلام صیہ کرم، بحوالہ انسانی دلائل پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صیہ کرام بحوالہ جنگ قوتِ نازرہ پڑھتے تھے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اب بھی بحالت جنگ قوت نازرہ چھٹا چارے اگرچہ بہتر نہیں لیکن ہمیشہ چھٹا کسی صحابی کا تو نہیں ہماری ساری تنگیوں ہمیشہ پڑنے کے متعلق ہے آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے دلیل کچھ اور تمام وہاں ہیں کہ عدنان امام ہے کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قوت نازرہ پڑنے کا حکم یا ذکر ہو ان شاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہذا کیوں ضد کرتے ہیں مقلدوں کی گنج نمازیں پڑھا کر۔

## 4. 4. 4.

و ترمیر دعائی قنوت ہمیشہ یز ہو

چونکہ غیر مقدمہ دہائی و تروں میں ہمیشہ دعا و قوت پڑتے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری پندرہ درمیاں میں دعا قوت پڑتے ہیں۔ ہم خلقی سارے ہر ایک پڑتے ہیں۔ اس لیے بطور افتخار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعا و قوت دتر کے آخر رکعت میں قرآن کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے غلوں کو سخت بُرا ہے۔ احادیث و ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۲: امام محمد نے آخر میں اور حافظ ابن خضر، محدث نے امام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے اور ابی یحییٰ سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، کمالی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

اِنَّهٗ كَانَ يَفْقُتُ السَّهَةَ كُلَّمَا فِى الْوُتْرِ قَبْلَ الرَّكْعَةِ” آپ وڑوں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔“  
**حدیث نمبر ۸۶۲** دارقطنی اور ترمذی نے حضرت سیدنا ابن عقیل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فَالسَّهَةُ اَبَا بَكْرٍ وَغُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَبْدُ يَقُولُوْنَ قَسَمْتُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْاٰخِرِ الْوُتْرِ وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ دَالِكُ ”وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ عمرہؓ و عوفیؓ رضی اللہ عنہم سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور ﷺ وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہؓ یہی کرتے تھے۔“

**حدیث نمبر ۸۶۵** بوداؤد ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
 اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْثُ فِى الْاٰخِرِ وَرَءِ النَّبِيْهِ اَنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ  
 ”یقیناً حضور ﷺ اپنی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔“ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ

خیاب رہے۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف ”آخری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابوداؤد سے حضرت حسن بصریؒ سے روایت کی گئی ہے۔“

اِنَّ غُمَرَ ابْنَ الْحَضَبِ جَمَعَ النَّاسَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ كَعْبٍ فَكَانَ يَصْنَعُ بِهِمْ عَشْرِيْنَ لَيْلَةً وَلَا يَفْقُتُ بِهِمْ اِلَّا فِى النِّصْفِ الْاٰخِرِ ”حضرت عمر ابن خطابؓ نے لوگوں کو ابی ابن کعبؓ پر جمع کر دیا وہ انہیں میں رات ترانہ پڑھاتے تھے۔ اور قنوت پڑھتے تھے عمر بانیؓ آدھے رمضان میں۔“

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھنا سنت صحابہؓ ہے۔

**جواب** اس کے دو جواب ہیں یک یہ کہ وہابیوں کا جہاد پر سخت پر ایمان ہے یا آدمی پر۔ اگر آدمی پر ہے تو کب۔ اور اگر پوری پر ہے تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعبؓ تمام صحابہؓ کو رات ترانہ پڑھاتے تھے۔ تم ”خود ترانہ ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف میں رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

اَفَتَوْمِنُوْنَ بَعْضَ الْاَنْكَبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ”کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔“  
 مگر اس حدیث سے پتہ چلے گا کہ دعا قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو جس رکعت ترانہ صرف میں رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔  
 دوسرے جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعا قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہؓ کرامؓ آخر رمضان میں جس میں سب قہر بھی ہے۔ حکام کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعا کیں کرتے ہوں گے۔ مگر اس سے دعا قنوت مراد ہوتا ہے حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے ہیں جن میں فرمایا گیا کہ صحابہؓ کرامؓ سالوں دعا قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکا حدیث میں حق پرانہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پتہ چلے گا کہ دعا قنوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ابی ابن کعبؓ نے جس رات ترانہ پڑھا جس میں سے آخری نصف میں دعا قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے جس رمضان تک دعا قنوت ہوئی تم پتہ چھوڑیں سے تم تک کیوں پڑھتے ہو۔  
**مسلما اعلان** ہم تمام دیکھ کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوعہ صحیح مسلم بخاری کی اس پیش کردہ جس میں پتہ چلے گا کہ دعا قنوت کا حکم ہوا گے پچھلے پڑھنے کی نصیحت ہو۔ قیامت تک نہ اس کو گنہگار اپنے سوجھ بوجھ سے تو یہ کہ اور ہمیشہ دعا قنوت پڑھا کر۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگتے سے شرم نہ کرو۔



# نواں باب

## التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سخت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں دو ہاتھ پاؤں کھڑا کرے اور بایں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے وہابی غیر متقدمہ کبلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

### پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد دو ہاتھ پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سر کعبہ کی طرف بایں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

**حدیث نمبر ۱** مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكُنْ بِفَتْرَتِهِ رُخْلَهُ الْيُسْرَى وَنُصْبُ رُخْلِهِ الْيُمْنَى

"آپ اپنا دایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۲** بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ لَمَّا لَسْنَا فِي الصَّلَاةِ نُنْصِبُ رُخْلَكَ الْيُسْرَى وَتُنْشِئُ الْيُسْرَى وَإِذَا لَسْنَا فِيهَا نُنْصِبُ رُخْلَكَ الْيُسْرَى وَتُنْشِئُ الْيُسْرَى

بِهَا الْقَبْلَةَ

"سخت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ اضافہ ہے کہ وہ اپنے پاؤں کی انگلیاں تہ کی طرف کرے۔"

**حدیث نمبر ۳** بخاری شریف، ترمذی، ابوداؤد، نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ يَرْبُوعٌ فِي الصَّلَاةِ إِذَا حَسَّ قُلُوبَهُ فَتَنَّهُ وَإِنَّا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ النَّسْلِ

فِيهِ سَنَى عَبْدُ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ وَقَدْ سَنَى الصَّلَاةِ أَنْ نُنْصِبَ رُخْلَكَ الْيُسْرَى وَتُنْشِئُ رُخْلَكَ الْيُسْرَى

فَقُلْتُ لَهُ أَنْكَ تَفْعَلُ لَكَ فَنَافِعٌ أَنْ رُخْلِي لَا نَحْمَلُ فِي

"کہو اپنے والد عبداللہ بن عمر کو کہتے تھے کہ آپ نماز میں چار راتوں بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا اس وقت میں تو عمر قتل ہو

مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں۔ چار راتوں بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا

بوجھ نہیں اٹھا سکتے (یعنی حقاری ہے)۔"

**حدیث نمبر ۴** ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَمْ لَا يَضُرُّنِي إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَسَّ وَوَصَّحَ

بِدَاةِ الْيُسْرَى عَلَى فَحْدِهِ الْيُسْرَى وَنُصْبُ رُخْلِهِ الْيُمْنَى

"فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور ﷺ کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نے اپنا بایں پاؤں بچھا دیا اور بایں ہاتھ

بایں رات پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔"

**حدیث نمبر ۵** امام احمد، ابن حبان نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِذَا حَسَّتَ فَاحْمَسْ عَلَى فَحْدِكَ الْيُسْرَى

"پھر جب تم چمکتو تو بایں رات پر بیٹھو۔"

**حدیث نمبر ۶** طحاوی شریف نے حضرت ابوالاعلیٰ محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ يُسْتَجَبُّ إِذَا حَسَّ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَضْرِبَ قُلْبَهُ الْيُسْرَى عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسُ عَلَيْهَا

"آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بایں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔"

حدیث نمبر ۱۵ ابو داؤد شریف نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَسَدَ فِي نِصْوَةِ الْفَرْشِ رَجُلَهُ الْيُسْرَى حَتَّى اسْوَدَّ ظَهْرُ قَدَمِهِ  
”وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو ہتھکڑیاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہو جاتی تھی۔“

حدیث نمبر ۱۶ بخاری شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک درود حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

لَا دُخَانَ فِي جَنَّةِ النَّبِيِّ وَلَا خُفْصٍ رِجْلِهِ الْيُسْرَى

”جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑکڑ کر سادہ بایاں پاؤں بچھائے۔“

حدیث نمبر ۱۷ طحاوی شریف نے حضرت داؤد ابن جبر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ حَلْفَ لَا خُفْصَ صَلَاةَ رَسُولٍ، اللَّهُ صَلَّيْتُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُدِ فَرَشَ  
رِجْلَهُ الْيُسْرَى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا

”میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو ازل میں کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ اقیات کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا پھر اسی پر بیٹھے گئے۔“

حدیث نمبر ۱۸ طحاوی شریف نے حضرت ابو سعید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

لَا دُخَانَ فِي جَنَّةِ النَّبِيِّ وَلَا خُفْصٍ رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنُصِبَ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ وَبِشْهَدَةٍ

”جب حضور ﷺ اقیات کیلئے بیٹھے تو آپ سے ہتھکڑیاں پاؤں بچھایا اور دایاں پاؤں اس کے سینے پر کھڑکیا اور اقیات پڑھتے تھے۔“

یہ افسوسناک حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق اقیات کا ذکر ہے ازل سفر کی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد اقیات میں دائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرف دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری اقیات میں بھی دائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ہر اقیات میں مرد دائیں پاؤں پر بیٹھے اور دو جہدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخر اقیات میں دو جہدوں کا اختلاف ہے۔ پہلی اقیات میں بیٹھنا واجب ہے اور دو جہدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری اقیات میں بیٹھے کو اگر فرض مانتے ہوں تو اسے جہدوں کی اور پہلی نشست کی طرح ہونا چاہیے یعنی دائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے اقیات کی نشست کی طرح ہونا چاہئے یعنی دائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں دائیں پاؤں پر ہوں اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ دائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین نکال کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے اس سے بچنا چاہیے خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر وہ پہلی اقیات میں بھی بیٹھی ہے اور دو جہدوں کے چاروں طرف اسی طرح ہذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست دائیں پاؤں پر۔ معلوم ہوا کہ عورتوں کی یہ روایت بھی اچھی نشست کس میں شامل ہے۔

## دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہاں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فیوں فرمادے۔ آمین

اعتراض نمبر ۱ طحاوی شریف نے حضرت جعفر ابن سعید سے روایت کی۔

قَالَ الْقَاسِمُ ابْنُ مُحَمَّدٍ رَأَيْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَجْلِسُ عَلَى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَرَأَيْتُمْ هَذَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِي اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ يَدْخُلُ دَلِكِ

”کہ قاسم ابن محمد نے اُن لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا دایاں پاؤں کھڑا کیا۔ اور بایاں پاؤں بچھایا اور اپنے دائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں

دلوں پر نہ بیٹھے پھر قاسم نے کہا کہ یہی مجھے عبداللہ بن عمر سے دیکھا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر اسی کرتے تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں وہی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لیے کیا کہ حضور ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہوگا۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہر اہمیت میں اسی طرح بیٹھتے تھے مگر تم کہتے ہو کہ پہلی اہمیت میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھتے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث اس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ ابن عمر دونوں اہمیت میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث ہمایت قوی تھی۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تضاد ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اسے ترجیح ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قیاس ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس میں یہ تصریح نہیں کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے دونوں قدموں پر۔ بیٹھتے تھے واقعی ہماری دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے لہذا اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔

**اعتراض نمبر ۲** محمدی شریف اور ابوداؤد نے محمد ابن عمرو ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کا مضمون یہ ہے۔

سَمِعْتُ ابا خُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةٍ مِنْ اصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَلِمَ كُنْهَ بَصُورَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَهُ كَانَتْ فِي الْحَنَةِ الْاُولَى يُشِي رَحْلَةَ الْيُسْرَى لِيَقْبِضَ عَلَيْهَا حَتَّى اِذَا كَانَتِ السَّحَابَةُ الَّتِي يَكُونُ فِي اَحْرَى النَّسِيمِ اُخْرَ رَحْلَةَ الْيُسْرَى وَقَعْدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى بَيْتِهِ الْاَيْسَرُ فَقَالُوا

"میں نے ابو حمید سعدی کو اس صحابہ کرام کی جماعت میں فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور ﷺ کی نماز کو یاد دہا رہا ہوں۔ فرمایا کہ حضور ﷺ کی اہمیت میں اپنا بائیں پاؤں بچھتے اور اس پر بیٹھتے تھے جب وہ بعد نماز پالیتے جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بائیں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم کیجئے۔"

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی اہمیت میں پاؤں پر اور دوسری اہمیت میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابو حمید سعدی نے یہ حدیث اس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی مگر وہ عام صحابہ کا وہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔

(یہ غیر قطعہ اہل کی بات ہے تا حدیث ہے)

**جواب** یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض گزشتہ ہوئی ہے کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے جو بہت جھوٹا ہے وہ کہتا تھا۔

میں نے ابو حمید اور ابوقدحہ سے سنا۔ حالانکہ حضرت ابوقدحہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ دینی کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ حضرت علی نے ہی فرمایا کہ نماز چارہ پڑھی اور محمد بن عمرو خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوئے۔ پھر ابوقدحہ سے کیسے سنا۔ ایسا جھوٹا راوی ہرگز قابل اعتبار نہیں نہ اس کی حدیث قابل عمل ہے نہ محمدی شریف اسی باب کا آخر۔

ابو حمید سعدی کی صحیح حدیث وہ ہے جو محمدی شریف نے اسی باب میں بروایت عباس ابن سکیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور ﷺ بائیں پاؤں بچھ کر اس پر بیٹھتے اور اہمیت پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ اسکا وہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی ہر اہمیت قائم کرتے ہیں۔ اور جب نفی پائی تاہم صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر جیسوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان لی جاسے تو جب بھی گذشتہ ان احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں لہذا وہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل۔

**اعتراض نمبر ۳** ترمذی شریف نے عباس ابن سکیل سعدی سے روایت کی۔

قَالَ خُتَمُوعُ ابْنُ خُمَيْدٍ ابْنُ أَبِي سَعِيدٍ وَهَيْبُ بْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمَةَ فَذَكَرُوا صُورَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ابْنُ خُمَيْدٍ مَا أَعْمَمَكُمْ بِصُورَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَى لِنَشْهَدَ فَاْفْتَرِشَ رَجُلُهُ الْيُسْرَى وَاقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَمَى قَبْنَهُ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَمَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَمَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَشَارِبَ ضَنْعِهِ يُمْنَى سَبَبَهُ

”یک بار ابو حمید ابو سعید کبیل ابن سعد ابو محمد بن مسعود جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر کیا تو ابو حمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور ﷺ اقیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور اپنے پاؤں کا سینہ قدم کی طرف کر دیا اور اپنی وافی پھٹی رہا ہے کھٹنے پر رکھی جائیں پھٹی جائیں کھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (ٹخنی انگلی) سے اشارہ فرمایا۔“

اس سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ اس ہی طرح اقیات میں بیٹھے تھے جیسے ہم بیٹھے ہیں۔ ورنہ آپ کے دابنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تو کہہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ہر اقیات میں رومن پر بیٹھے تھے تم کوئی اقیات میں تو ہائیں پاؤں پر بیٹھے ہو دوسری میں زمین پر یہ کیوں جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہو گا پتی لکھ کر دو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری اقیات میں شمس کام ہوتے ہیں ہائیں پاؤں کا وافی طرف لگتا۔ دابنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا ریش پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ن تین ہاتھوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔ نہ تو ہائیں پاؤں کا وافی طرف لگنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ ایک بھی ثابت نہیں نہ تو ہائیں پاؤں کا وافی طرف لگنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ دابنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے کھنکھایا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ دابنے پاؤں کے سینے کا قید کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابو حمید ساہدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں خود انہی ابو سعید ساہدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہذا وہ احادیث قائل عمل ہیں اور یہ نا قابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو داؤد کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں خفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اگر علماء کا اس پر عمل ہے آپ نے ایسی صحیح و صاف حدیث کو کیوں چھوڑا درجہ اعلیٰ حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے قبیح نہیں۔ اپنی رائے اتباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں بلکہ اہل رائے یا اہل ضرر تھیں۔

**اعتراض مبرور** ہائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں قائل حجت نہیں۔ (پرانہ سبق)

**جواب** کسی خفی کو آپ اس منتر سے شہداء یا کریں خفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خفی مجدد تعالیٰ تہی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بغرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جائیں۔ نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم القدر مجتہد سراف مت کا قبول فرمایا ہی اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔ خفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو تائیدیں ہیں خفیوں کی دلیل قول امام ہے ۱۷۱ ایمان کتاب پر بھی ہے سنت پر بھی اور جماعت مت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

اطيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَذُلِّيْ لَا مَرَّ مَكَّةَ

”تو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اموالوں (مجتہدین امت) کی“

# دسواں باب

## بیس رکعت تراویح

ہم میں رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ مطبوعات المصاحف علی رکعت تراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے یکو بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ دارالسلام خط کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ اپنی وہ فرقہ ہے جسے نذر گراں ہے محل ٹکس پر چھو کچھ کر تراویح صرف پندرہ رکعت پڑھا کر سو رہے ہیں اور کچھ دو تھیں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کو دو فضلوں میں عیاں کرتے ہیں پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دو ایک دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

## پہلی فصل

### بیس رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح صحیفہ رسول اللہ ﷺ صحابہ سنت عدلہ المسلمین ہے آنحضرت رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

**حدیث نمبر ۵۸۱** اس ابی شیبہ، ہرانی نے کبیر بن یحییٰ۔ عبدان بن عبد اور، مہدی بن یحییٰ نے سیدنا محمد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْنِي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً سُرَى الْوُتُرِ وَرَأْدَ لَيْلِيَّهِ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ "وَيَكُنِّي تَلَاً" اور رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے ہر کے علاوہ یحییٰ نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔

ان حدیث سے معلوم ہو کہ جو حضور انور ﷺ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح پڑھا، یا جماعت پڑھا، مراد ہے یحییٰ بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہذا حدیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہو کہ تراویح صرف ماکہ و مکی اہلین ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

**حدیث نمبر ۶** امام مالک نے حضرت یزید بن اسید روایان سے روایت کی۔

كَانَ النَّاسُ يَقْرَأُونَ فِي رَمَضَانَ عَشْرَ الْحَطَّابِ فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں سو تیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔"

اس سے دوسرے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح میں رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ دو تین رکعت ہیں اس لیے کل تیس رکعتیں ہوئیں۔

**حدیث نمبر ۷** یحییٰ نے معروف میں صحیح سنائے حضرات صاحب ابن برید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَقْرَأُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بَعَشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوُتُرِ "ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۸** ابن مسعود نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ أَنْ تَصَلَّى بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ الْهَرَارَ وَلَا يَخْسَنُونَ

أَنْ يَقْرَأُوا فَلَوْ قَرَأَتْ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ لِقَالٍ لَقَدْ عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ

خَسَنٌ "فَصَلَّى بِهِمْ عَرَبِينَ رَكْعَةً

"حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے

بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کر رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا

ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو بیس رکعتیں پڑھا گئیں۔"

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا

رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہو اصل تراویح صحیفہ رسول اللہ ﷺ ہے اور جماعت۔ اہتمام بتعلیٰ سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر قیام صحابہ کا اجماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی بن کعب نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھا گئی۔ صحابہ کرام نے پڑھیں گئی

نے اعتراض نہ کیا

تیسرے یہ کہ بدعت حسہ بھی چیز ہے کہ حضرت ابی اسحاق نے عرض کیا کہ بدعت تراویح باقاعدہ جماعت کا اہتمام سے بدعت ہے اس سے پہلے  
تہ کوئی۔ فاروق عظیم نے فرمایا اکل نمیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کچھ خصوصاً عورتوں کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں تراویح ہو کہ تراویح کی جماعت مگر چند ماہ فاروقی میں ہوئی مگر اس سے  
بدعت حسہ نہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹ تنقیح نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبد الرحمن سلمی سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ دَعَا لِقُرَاءَةِ رَمَضَانَ رَحْلًا يَصْنِي بِالنَّاسِ خُمْسَ تَرَاوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رَكْعَةً  
وَكَانَ عَلِيٌّ يُوَلِّئُهُمْ

"اکبر علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو چار یا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو تیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے  
تھے۔"

حدیث نمبر ۱۰ تنقیح نے اپنی حضرت ابو الحسناء سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ مَرَّ رَحْلًا يَصْنِي بِالنَّاسِ خُمْسَ تَرَاوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رَكْعَةً  
"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ تراویح سے بھی تیس رکعت پڑھاؤ۔"

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں اور یہ تیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو جاری لغات الصحاح اور مجمع المبرہہ کی ملاحظہ کریں۔

مقتل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح میں رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وچو سے ایک یہ کہ دن رات میں تیس رکعت فرض وہاں جب ہیں۔ ۷۰ رکعت فرض  
تیس رکعت واجب ۷۰ رمضان میں تیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج پڑھانے کے لیے لہذا آٹھ رکعت تراویح اکل خلاف  
تقریباً ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس ہی لیے کہتے ہیں کہ اتنی آیات پر حضرت عمرو  
معتان دھما پے کر ۴۰ رکوع میں رکوع کرتے تھے اور سائیسویں شب کو ختم قرآن ہو جاتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہئے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع دل دوسرے  
سولہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں تیس رکعت کے حساب سے ۵۳۰ رکوع ہوتے کوئی پہلی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر  
قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرمادیں۔

تیسرے یہ کہ تراویح کی جمع ہے۔ تراویح ہر چار رکعت کے بعد پھر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک تراویح  
ہوتا۔ اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع اگر کم تیس پر بولی جاتی ہے۔

چہارم امت کا عمل ہمیشہ سے قریب ساری امت کا عمل تیس رکعت تراویح پڑھاؤ تراویح بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان تیس رکعت  
تراویح ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَكثُرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَرْوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرُ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عِشْرِينَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ سَمِ بْنِ النَّزْرِيِّ وَأَسِ الْبَرْكِ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا إِذْ رَكْعَتُ  
بِلَدِّ مَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً

"اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمرو بن عبد اللہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی تیس رکعت تراویح اور یہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک  
اور امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم کھدالوں کو تیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔"

مکہہ القاری شرح بخاری جلد ۲۸ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ بَنُو عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمْعِهِمُ الْعُمَّاءِ وَبِهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَكَثُرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ  
الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي كَثْفٍ مِنْ غَيْرِ حَلَّابٍ مِنَ الصَّحَابَةِ

"ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ تیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہی کئی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے  
ابن ابی کثف سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔"



مولانا علی قاری شرح تھابہ میں رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَارَ اجْمَاعًا لِمَا رَوَى الْيَهُدِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ كَانُوا يَقْمُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَكْعَةً وَعَلَى عَهْدِ

عُثْمَانَ وَعَلَى عَشْرِينَ

"میں رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ یہی صحیح سند سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہیں رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔"

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں۔

اجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّ التَّرَاوِيحَ عَشْرُونَ رَكْعَةً "تمام صحابہ کاس پر اتفاق ہے کہ تراویح میں رکعت ہیں۔"

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ جس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ جس رکعت تراویح پر صحابہ کا جماع ہے جس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے جس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں جس رکعت تراویح شکل کے مطابق ہیں جس رکعت تراویح قرآنی روایات کی تعداد کے مناسب ہیں بلکہ آج حرمین طہن میں نہر یوں کی مسطرت ہے مگر اب بھی وہاں جس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں جس کا نتیجہ چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ۱۶۷۰ء سے ہاں کے پہلی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمانین کے خلاف سنت علماء و مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طہن کے خلاف ہے ہاں ہوائس کے مطابق ہے کہ نماز ٹکس مارہ پر پڑھو ہے۔ رب تعالیٰ ٹکس مارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول ﷺ پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

## دوسری فصل

### بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اہم راہنہ در کچھ ثبات فاسد ہیں۔ دل تو نہیں چاہت تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث عمل کرنے کے بیچے ان کے اعتراضات مع جو بات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعتراض نمبر ۱ امام مالک نے صاحب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ثُمَّ قَالَ امْرُؤُ عُمَرَ ابْنُ الْحَطَّابِ أَنَسُ بْنُ كَعْبٍ وَصِيْبَةُ الدَّهْلِيّ أَنَّ يَنْفَعُوا لِلنَّاسِ بِاخْتِدَائِهِ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَاوَدُوا عَنْهُ فَرَمَاةً جَاءَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ ابْنَ كَعْبٍ وَأَبِي وَصِيْمٍ دَرِي وَكَلِمَةٍ بِذَلِكَ لَوْ كُنُوا كَوْنًا يَارَهُ رَكْعَةً يَزِيدُهَا كَرِيْمٌ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح میں رکعت ہوتی تو کل رکعت ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ یک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا وہاں ہی ثبوت وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح میں وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ تاہم یک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہذا اس روایت کا جو ترجمہ جواب دو گے وہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے رواۃ ابن کعب ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ موطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن ابراہیم مروری نے انہیں سے تیرہ رکعت منقول کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے کیس نقل فرمائیں دیکھو فتح البہاری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۸۸ مطبوعہ مطبع خیر فی مصر۔ لہذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں قبول ہے کہ آپ ٹکس مارہ کی خواہش پوری فرماتے کے لئے ایسی روایات و افہام کی آڑ پکارتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ محمد فاروقی نے ذل آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں رکعت پر بیٹھ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعراب سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَكُنَ الْفَارُوقِيُّ يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي عَشْرِ رَكْعَاتٍ وَدَقَامَهَا فِيْ اَنَسِ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَأَى النَّاسَ ثُمَّ لَمْ يَخُفْ

"قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ اس پر تسانی ہوگئی۔"

اس حدیث کی شرح میں مودنا قاری مرتبہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَفِي الْمَوْطَأِ رَوَايَةٌ بِأَحَدِي وَعَشْرَةِ رَكَعَةٍ وَخَمْعُ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوَّلًا ثُمَّ اسْتَفْرَغَ الْأَمْرُ عَنِ الْعَشْرِينَ لِأَنَّهُ الْمَتَوَاتِرُ

"ہاں بیس کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا، موطا شریف میں گیا رہ رکعت کا ذکر ہے اس دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہی مسلمانوں میں رائج ہے۔"

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور قریہ مسلمانوں میں معمول۔

**اعتراض نمبر ۲** تہذیبی پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور ﷺ میں تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سلف حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے۔

**جواب** حضور ﷺ نے خود تو بیس رکعت تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کرام خود ان کا عمر کی حکم نہ دیا تھا۔ صرف مصعب کی راتوں میں ہی خصوصاً کی رغبت دی تھی بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ ہمیشہ نہ کرانی وجہ یہ ارشاد فرمائی کرتے تراویح فرض ہوجانے کا اندیشہ ہے اس لیے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعت کی تعداد طاعت ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً اپنے بھتیجے اسے آٹھ بار مقرر فرمائیں۔ بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ سرمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی یکہ ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

**اعتراض نمبر ۳** بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی ﷺ رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے تھے۔ تو ام المومنین نے ارشاد فرمایا۔

فَاَتَاكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَبْعٍ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى عَشْرٍ وَعَشْرٍ وَكُنَّا نَحْمَدُ

"حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے اگر بیس پڑھتے تو کل رکعت ۲۳ ہوتیں۔

**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تہذیبی کے خلاف ہے اس لیے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو بیس رکعت وتر بھی ثابت ہوتیں۔ جب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوں تاکہ تراویح ایک رکعت کس پڑھتے ہو جو ب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المومنین یہاں نہ تھیں کہ ان کے فراموشی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان دیگر مکتوبات میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مکتوبات میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرات نہ کرتے اس ہی لیے تراویح شریف نے اس حدیث کو باطل و باطل یعنی تہذیب کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر سے پہلے کیوں سے جاتے ہیں تو فرمایا کہ اسے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں وہ نہیں سوتا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نہ دوسرے صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں سو کر آٹھ رکعت ادا فرماتے تھے تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتی تھیں پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر سر نہ اترے تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خود ام المومنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ علانیہ فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سلف اور بدعت سید ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

**وہابیوں سے سوالات**

**تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں صلی علیہ وسلم کے جوابات دیں**

۱۔ کہ حضرت عمر عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا کیا اس سنت کی انہیں خبر تھی آج قریب چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔  
۲۔ مگر خود باللہ غلغلہ شدیدین نے بدعت سید کا حکم دے دیا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر کیا گیا اس میں کوئی بھی حق کو اور بیعت سنت نہ تھا آج اتنے عرصے کے بعد تم حق کو بھی پیدا ہوئے اور بیعت سنت بھی۔

۳۔ مگر تم صحابہ بھی خاموش رہے تو میرا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک سنت رسول ﷺ کے خلاف بدعت سید کا رواج کیا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لیے بیڑی چوٹی کا زبانی دلیلی دینی رو لگا رہے ہو

انہوں نے یہ کیوں نہ کیا پھر تو امام ابوحنیفہؒ سے تم افضل ہوئے۔

میل ۱۰ تمام حلقہ اراشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم تیس رکعت تروا، سچ پڑھ کر پڑھو اگر یا جاری ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر چلے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج خفی تیس رکعت تروا تو سچ پڑھنے کی بناء پر گمراہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرت پر ہمارا کیا فتویٰ ہے۔ جو آپ ۱۰، جو آپ ۱۰، جو آپ ۱۰۔

ہی اگر تیس رکعت تراویح عادت سے بے جا اور آشور رکعت تراویح سنت اور تم بھادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی تو تاؤ حرمین  
 طعن کے نام مسلمان بدعتی اور کفر ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کیوں اور اگر ہیں تو تم آج بخودی واپس کون کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے تمہارے فتوے صرف  
 ہندو پاکستان میں لگا دیکھو، نے ہی کے لیے ہیں۔

۱۔ حضرت آنحضرتؐ اور ان کے سارے پیغمبرینؑ جس میں لاکھوں اولیاء علیہ السلام حضرت نقیہ مفسرین داخل ہیں جو سب ہیں تراجم پڑھتے تھے اور سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

میں نے گمراہی سے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری منہی بھرنا عت ہے تو ان گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پر چھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بدعمل کی روایت صحیح نہیں تو بدعتیہ کی روایت صحیح کیوں ہو سکتی ہے۔

۸۔ تمام دنیا کے مسلمان جو میں ترو تہ پہنچتے ہیں تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں اگر میں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

”تَبَارَكَ السَّوَادُ الْعَظِيمُ“ ”مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔“

”مسئلہ لوہے کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔“

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو حیرت انگیز اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا۔

امید ہے کہ حضرات وہاں پہنچنے تک کے علاوہ سے مل کر مسرت کے جواب دیں ہم منتظر ہیں۔

میں صریحاً ذکر ہو کر حضور ﷺ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہوا صحابہ کرام نے آنحضرتؐ تراویح راغی طور پر قائم فرمایا۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے صرف ضد پر اور بھائی توفیق بخشے "میں۔ میں رکعت قرآن کا ثبوت الحمد للہ محصور علیہ کے فصل شریف صحابہ کرام کے فرماں عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ الحمد للہ قدس الاعلیٰ میں

حلیفہ غیر مقلد وہابی جب بھی خفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تر و تار میں رکعت پڑھ لیتے ہیں جس کا پارہ مشاہدہ ہوا اور ہوا ہے معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی ایسے نہ رہ پڑا تھا دیکھیں۔

# گیارہواں باب

## ختم قرآن پر روشنی کرنا

حالات، مسلسل کا ہمیشہ سے دستور ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دوران خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں بھی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں وہاں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہاں مسلمانوں کے اس کارِ ثواب کو بدعتِ حرام بلکہ شرک تک کہتے ہیں اس لئے ہم اس باب کی بھی توضیحات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ تاظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

## پہلی فصل

### روشنی کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً وہ رمضان خصوصاً شبِ بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اہل درجہ کی عبادت ہے جس کا بہت ثواب ہے۔ اہل مدظلہ ہوں۔

(۱) اللہ رب اعزّت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

ثُمَّ يَغْمُرُ مُسَاهِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

"لہٰذا کی مسجدوں کو وہ لوگ آہد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔"

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعت نماز کا حکم کرنا، وہاں صفائی رکھنا، عمدہ چٹائیاں فرش وغیرہ بچھنا وہاں روشنی چراغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیہاں نے فرمایا کہ حضرت سیدنا علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کعبہ بیتِ امری کی روشنی فرماتے تھے جس کی روشنی میں میوں تک عورتیں چراگات ملتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں روشنی چراغاں کرنا ایسا کی علامت ہے تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور نہ رہے آہد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَدْ اَوَّلَ مِنْ اُخْرَحَ فِي الْمَسْجِدِ تَمْنَنُ الْاُخْرَی

"وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلائے وہ جہنم داری صحابی ہیں۔ (ابن ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا مسند صحابی ہے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج رہتا ہواقت جماعت کعبہ کی کڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت قحطیادری نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابوذر شریف نے حضرت امام المؤمنین میوت رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَدْ اَوَّلَ بِالرَّسُولِ لِلَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْتَا فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَقَدْ رَسُوْنُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْتُوْهُ فَصَلُّوْهُ فِيهِ وَكَانَتْ اَلْبِلَادُ فِيْ دَلِكْ حَرْبًا فَازَ لَهُ نَاتُوْهُ وَفَصَلُّوْهُ فِيْهِ فَامْعُوْا بِرَبِّبِ يَسْرُخُ فِيْ قَنَادِيْهِ

"انہوں نے عرض کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھاؤ اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ گرم وہاں تھی بھگتوں اور نماز پڑھ سکتو وہاں تہل بھجھو کہ وہاں کی مسجدوں میں جلا دیا جائے۔"

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا مسند ہے، ہمارے حضور ﷺ نے معراج میں تمام نبیوں کو نماز پڑھاؤ۔ خود حضور انور ﷺ اور سارے وغیرہ سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے، دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قدیمیں روشن جاتی تھیں۔ جیسا قادیل نے فرمایا ہے معلوم ہوا تیسرے یہ کہ مسجد روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے یعنی اصل درجہ کی عبادت اور باعثِ ثواب ہے چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے دور سے تل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۳) حدیث امام ربانی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَسَى مَسْحَدًا بَسَى لِلَّهِ يَنْتَ فِي الْحُتَّةِ وَمَنْ عَلِقَ فِيهِ قَنْدِيلًا صَلَّى عَلَيْهِ سِتُّونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَقْطَعُونَ دَا لِكَ الْقَنْدِيلَ

”کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل چلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعا و رحمت کریں گے جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔“

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا پینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَلِقَ فِي مَسْجِدٍ قَنْدِيلًا صَلَّى عَلَيْهِ سِتُّونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَقْطَعُوا دَا لِكَ الْقَنْدِيلَ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکاے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعا و رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔“

معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ لٹکاؤ ثواب ہے ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تل یا حق دینے کی ثواب ہے خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن شہاب میں محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قَالَ حَرَجَ عُمَرُ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي 'أَوَّلِ اللَّيْلِ مِنْ رَمَضَانَ' وَلَقَدْ دَبُّوا نَرَهُمْ وَكَتَبَ اللَّهُ تَعَالَى فَقَالَ بَوْرُ اللَّهِ لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فِي قَبْرِكَ كَمَا بَوْرُ مَا حُدَّ اللَّهُ تَعَالَى بِالْقُرْآنِ

”فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ شریف لائے مسجد نبوی میں قندیس بجھا کر دی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشنی کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجد کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔“

(۷) حدیث صحیح البیہقی شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔

”قَالَ قَالَ بَوْرُ اللَّهِ قَبْرِ عُمَرَ كَمَا بَوْرُ عَنِيبِ مَسَاحِدِ

”آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر روشن کرے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔“

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شروع ہے۔ حضرت صحابہ کرام سے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں دعا کی دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے ان شاء اللہ قبر منور ہوگی، لہذا سب جو اس روشنی مسجد کو کوٹتا ہے وہ ہر پروا سے مستحق عتاب ہے۔

قرآن میں رب تعالیٰ ان بد کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَسَّحِدَ اللَّهِ أَنْ يَذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسُئِلَ فِي حَرَابِهَا

”کس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجد کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے۔“

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں تمنا، ذکر، لمبی، تلاوت قرآن، نعت حوائی سے منع کریں اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹاپاں ڈالنے فرشتہ بچانے روشنی کرنے، چراغان وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔“

معتدل کا عتاب بھی ہے کہ موجود زمانہ میں مسجدوں کو راستہ کرنا ہواں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقع پر چراغان کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں عیا و شادی وغیرہ پر خوب دس کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں، عورتیں جاتے ہیں جب ان سے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے متعلق ہیں تو اللہ کا گھر جو تم گھر دس افضل جہاں سے عام گھر دس زیادہ راستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو،

یہ کام احرام مسجد و تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد ہوں گے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں وہ نہایت دیانتداری سے صحیح جوابات عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ تعویذ فرمادے۔  
اعتراض نمبر ۱ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُلُوا وَشَرُّوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

کھاؤ اور پیاؤ اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔

جواب مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے، فصول خرچی اس حرج کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو مسجد کے چراغاں میں مسجد کی رعیت ہے جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغان بے کار ہیں اور بے کار حرج فصول خرچی میں داخل ہے۔

جواب جب ایک قمیص و یا عمامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہے کراچیکر اسکت پہن فضول خرچی اور حرام ہے۔ جب چراغ آگ کے گاز سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہے کدور پے گز کی ملل۔ لٹھا۔ چکن۔ داخل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آندہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو اس میں صد ہاروپہ خرچی کر کے بجلی فلٹک کرنا اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیے جب قمر کا کاس سے بھی راستہ ملے ہو جاتا ہے تو دفتر بلک سیکند۔ ٹسٹ میں روپیہ خرچی کرنا حرام ہونا چاہیے۔ جناب یک دینے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی رعیت و رفیق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی رعیت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳ اگر مسجد میں چراغان کرتا بھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغان کیوں نہ کیا، کیا تم حضور ﷺ سے افضل ہو یا دین کے ریادہ و مردہ جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب اگر اسکت۔ انجیل اعلیٰ درجہ کی مجلس پر سنا چھ کام ہے تو حضور انور ﷺ نے کیوں نہ استعمال فرمایا کیں جو کام حضور ﷺ نے نہ کیا وہ اسے وہابیہم کیوں کرتے ہو تم پنے گھروں میں بجلی کی فلٹک کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی کیس کیوں جلاتے ہو جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے مٹھوی تھے۔ جہادوں کا رونا تھا اس طرف تو چہ فرما کے ناسودھی۔ تھا جب صحابہ کرم کے زمانہ میں لوگوں نے پنے گھر اچھے بنائے، تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین تو دنیا سے اعلیٰ ہے اور اللہ کا گھر بھی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل ہے جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہئے یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

عَبْدُكُمْ بِسْتَيْ وَنَسْنَةُ الْخُدَّاءِ الزَّاشِدِيْنَ "تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو۔"

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے یہی صورت حضور ﷺ کے صحابہ کرم کی سنت ان کی عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا بلکہ خود حضور انور ﷺ نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کر کے کیسے قبل بھیجے کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۴ ابوداؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَرْتُ بِشَيْءٍ الْمَسْجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَشَرِّ حَرْفٍ هَئِذَا كَمَا رَحِلْتُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مجھے مسجد میں جانے کا حکم نہیں دیا گیا، حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کرو گے۔"

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں جانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سنا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی عبادت ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی رعیت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے تو انہیں اس عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو مسجدوں کی رعیت دیتے وہاں چراغاں کرتے دکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود نبی اپنی روایت کی مخالفت کی

نیز کہ تم صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے تیرا اس صورت میں یہ حدیث قرآن کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی رعیت و



”ہاڈی کو ایسی کی علامت قرار دیا۔ اِنما یحضر مساجد اللہ“ اے چاہنے والے کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ جہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجاواں بن لینے یہودی و عورتی سے تشبیہ و تمثیل، ان کے عبادت خانے تصاویر و فوٹو سے سجائے جاتے ہیں یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لینے نہ ہو دکھلاوے اور نام و نمود یا کاری کے بیٹے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے مگر جو زینت و چہرے کا صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لیے وہ بہتر ہے رب تعالیٰ آپے اور آپے محبوب کے کام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

**اعتراض نمبر ۵** ایذا آور نہائی۔ واری اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَسْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَنْتَهِى النَّاسُ فِي الْمَسَاحِدِ  
”اے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہا یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں ٹھہر کر رہیں گے۔“  
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے انکار کیا ہے۔

**جواب** اس حدیث کے وہی معنی ہیں۔ جو ہم عزہ نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی غریب مسجدیں بنانا اور شہنی کے طور پر مسجدیں بنانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلے والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنے دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ ترستہ ہے جناب فرمادیا کہ لینے پر حرام ممنوع ہے تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نگرانی منع ہو جائے۔  
یہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر رکھائے ذکر نہ کرنے کے دنیاوی ہاتھوں میں ایک دوسرے کے مقابلہ شہنی مارا کریں گے، یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہی معنی ہوں جو ہم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی جرم دست برداری نہیں۔ جیسے حدیث السلام کا روایہ امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے، مگر نہ انہیں ایک بہت بڑا کتہ ہے۔

**اعتراض نمبر ۶** مسجدوں میں چہرے کا زینت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

**جواب** یہ غلط ہے یہ تو سنت صحاح ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں چاہا کر چکے ہیں اور گریہ بدعت بھی تو تو ہر بدعت نہ حرام ہے۔ مگر غری۔ بخاری شریف چھانبد بدعت ہے مگر حرام نہیں بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اسکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نہیں تحقیقی اسی چاہ الحق کے پہلے حصے میں لکھا جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کل کے وہ زینت بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

# بارہواں باب

## شینہ پڑھنا ثواب بہ

یہ شب سے صبح مسلمانوں کا دستور ہے کہ وہ رمضان المبارک میں شینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں، کبھی دو میں، کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں، بعض بزرگوں سے حضور ہے کہ وہ روزانہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ جتنی جلدی نہ پڑھے کہ حجاب قرآن درست ادا ہو، نہ سستی اور کسل سے پڑھے مگر غیر مقلد و پالی سے بھی حرام کہتے ہیں۔  
تو بھی شینہ دیکھے والوں کو نہ انہیں کہتے مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر یمن طعن کرتے ہیں ان پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں شینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات (وجوہات)۔

## پہلی فصل شینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں بلکہ خود وہابیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔  
(۱) قرآن کریم اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ كُلِّ فَمِ الْإِسْلَامُ أَفْلَيْلاً نَصَفَهُ وَأَنْفَضَ مِنْهُ أَوْ ذُ عَلَيْهِ وَرَنًا الْقُرْآنُ تَرْمِيلاً

”اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قرآن فرما دو سو کچھ رات کے آدھی رات دس سے کچھ کم کر دیا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن پھر پھر کر پڑھو۔“  
اس آیت کریمہ میں حضور ﷺ کو قرآن تمام رات لہار پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا کچھ توڑا حصہ آرام کے لئے کھانا کھا، پھر ایک سال کے بعد یہ فریضہ منسوخ ہوگئی مگر استحباب اب بھی باقی ہے اب جو شخص شینہ میں تمام رات جاگے بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عمل ہے مگر چاہئے یہ کہ شینہ وہ پڑھے جو قرآن سچ پڑھ سکے، جیسا کہ ترتیبی کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔  
(۲) حدیث مسلم بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حویل حدیث روایت کی جس میں نماز خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

لَقَدْ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوَ مِنْ قِرْءَةِ سُورَةِ الْبُورَةِ

”حضور ﷺ نے گزیرہ کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریباً سورہ بقرہ کی بقدر۔“

معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے گزیرہ کی نماز میں سورہ بقرہ یعنی ڈھائی پارہ کی برقرائت کی شینہ میں فی رکعت ڈیڑھ پارہ پڑھتا ہے جب ایک رکعت میں ڈھائی پارہ پڑھنا عبادت ہے تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بدعتِ بدادنے جائز ہے۔

(۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نماز تہجد کے حلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَنُصَلِّي رُبْعَ رُكْعَاتٍ قِرَاءَ فِيهِنَّ الْبُورَةَ وَالْعَمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ وَالْأَنْعَامَ

”حضور ﷺ نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں جن میں سورہ بقرہ اور آل عمران اور سورہ نساء اور مائدہ سورہ انعام پڑھیں۔“

دیکھو نبی ﷺ نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ چارے پڑھنے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے شینہ میں ہر رکعت میں اتنی قراءت نہیں ہوتی، ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى نَوَزَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ لِمَا نَصَعْتَ هَذَا وَقَدْ عَثَرَ لَكَ مَا

نَعْدَمُ مِنْ دُنْيِكَ وَمَا نَأْخُذُكَ إِلَّا أَنْتَ عَبْدٌ شَاكِرٌ

”حضور ﷺ نے نماز سب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر روم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت کیوں کرتے ہیں آپ کی بددلت آپ کی امت کے، گلے پچھلے گناہ بخش دینے مجھے تو فرمایا کہ کیا میں بخدا شکر گزار ہوں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں مشقت اٹھانا سخت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اگر کسی شیعہ میں کسی مؤمن کے پاؤں پر درم آ جاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سخت نصیب ہوگئی، وہاں بیوں کو خود عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيمُ الدَّارِيُّ يُحْسِي الْبَيْتَ كُلَّهُ بِالْقُرْآنِ كُلَّهُ فِي رُكْعَةٍ

"فرماتے ہیں کہ حضرت تميم داری تمام رات جاگتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے۔"

شیعہ میں تو بیش رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تميم داری صحابی رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رُكْعَةٍ

"ابن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔"

(۷) حدیث ابویوسف سے حدیث عثمان ابن عبدالرحمن نجی سے روایت کی۔

قَالَ لِي أَبِي اَعْبَسَ الْبَيْتَ عَلَى الْمَقَامِ فَمَا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ حَتَّمْتُ إِلَى الْمَقَامِ حَتَّى قُمْتُ فِيهِ فَبَدَأَ

فَقَانِمًا اِدْرَاحُوسَ وَصَحَّ يَدَهُ بَيْنَ كَفْظِي قَادَا فَوَ غُثْمَانِ ابْنِ عَفَّانٍ فَبَدَأَ بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَقَرَأَ حَتَّى خَتَمَ

الْقُرْآنَ لِرُكْعَةٍ وَسَجَدَ ثُمَّ أَحَدٌ مَعْبُودٌ فَلَا اِدْرِي اَصْلَى قَبْلَ ذَلِكَ شَيْئًا اَمْ لَا

"مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ تراویح میں رات مقام ادریم پر جاؤں گا جب میں نماز عشاء پڑھ چکا تو مقام ادریم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہو گا کہ

چنانچہ ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورہ فاتحہ سے قرآن شروع کیا باس پڑھتے

رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا پھر رکو کر لیا اور سجدہ کیا پھر اپنے ٹھکانے میں قرآن شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں۔"

(۸) حدیث ابویوسف سے حدیث عثمان ابن سیرین سے روایت کی۔

فَكَانَ اسْوَذُ يَحْتَمِلُ الْقُرْآنَ فِي رُكْعَةٍ وَحَصَا فِي كُلِّ بَيْتَيْنِ وَكَانَ يَسْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرَبِ وَالْعِشَاءِ

"کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیان سوتے تھے۔"

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ خُبَيْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رُكْعَةٍ بَيْتَ

"حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا، روزانہ قیام فرمنا حتی کہ پاؤں پر درم آ جاوے، ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت

رسول ﷺ ہے اور ایک رات دو رات تک ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے، جو شیعہ کو حرام یا شرک یا فسق کہے وہ بڑا جاہل ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بابت تلاوت القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا۔

فَحَتَمَهُ جَمَاعَةٌ فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَرَّةً وَاحِدَةً مَرَّتَيْنِ وَاحِدُونَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَخَتَمَهُ ابْنُ رُكْعَةٍ مَرَّةً

بِخَصُوصٍ كَثْرَةٍ

"ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تیس بار اور ایک رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔"

معتدل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شیعہ عبادت ہے نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے کہ میں کے دروے، گنہگار کا جہاد، مشقت کے گچ پر

ثواب ملے گا، عذاب نہ ہوگا، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لیے تمام رات نہ زنگی پڑھے۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرے اور

بجائے ثواب کے عذاب پائے قرآن کے ایک حرف پڑھے پڑیں نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر بجائے نیکیوں کے اُلٹا عذاب ہو

حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری رات قرآن شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھے ہر

عذاب ہوتا ہو تو پھر خود ہاتھ ساری رات قرآن شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک سب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر

عذاب اللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقلیٰ وہابی پوری زبرد پڑھنا پڑھنا گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ بخند ہے۔



**اعتراض نمبر ۳** حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے سختی الفاظ یہ ہیں۔

”وَفَرَأْنِي كُلَّ سَنَةٍ لِيَا بَ وَلَا تَزِدْ (مکتوبہ مودعہ) ” ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر نہ یاد نہ کرو۔“

لیکن حضرت عبداللہ بن عمر نے حضور سے جملہ ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور ﷺ نے فرمایا تو حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتے سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیے لہذا شیعہ منع ہے۔

**جواب** مگر اگر ﷺ کا یہ خوب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے، وہ ایک دور تہ میں ختم کرنے پر مصافحہ نہ پڑھ سکتے ہوں گے یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر سات ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جائے گا اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جائے تو کوئی حرج نہیں جن صحابہ نے ایک ایک رکت میں ایک ایک قرآن پڑھا ہے انہیں یہ حدیث معلوم تھی بلکہ یہی ایک رکت میں ختم کرتے تھے۔

**اعتراض نمبر ۴** حضور ﷺ نے بھی ایک دورات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شیعہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیے۔

**جواب** حضور ﷺ کا ایک سبب میں پورا قرآن پڑھنا وہ یہ ہے کہ آپ کی ذل حیات شریف میں پورا قرآن اتنا ہی تلاوت و تلاوت سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی لہذا وہاں ختم قرآن کا سوا ہی پیدا نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی امت پر رحم فرمایا تاکہ شیعہ پڑھنا ان پر ضروری نہ ہو جائے، بلکہ صحابہ نے شیعہ پڑھا، جیسے حضور ﷺ نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، بلکہ صحابہ نے ہا قاعدہ و بیعت سے پڑھی۔ (شیعہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ وہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے ملتا ہے سنت صحابہ بدعت کہہ کر منع کرنا وہاں کوئی جہاد ہے ہم مل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

**اعتراض نمبر ۵** ”کل شیعہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سوراہا ہے، کوئی ادھر رہا ہے، کوئی نسف جینا ہے، اس میں قرآن کریم کی عبادت ہے اس لیے شیعہ بند ہو جانا چاہیے۔

**جواب** یہ محض جھوٹا الزام ہے، شیعہ میں بعض لوگ ہا قاعدہ شیعہ بنے آتے ہیں دو کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنت ہیں، بعض محض شیعہ دیکھنے آتے ہیں وہ بیٹے بیٹھے رہ جاتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سنا فرما لکھا ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بغرض کمال مان بھی کیا جائے کہ سارے مسلمان سنتی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سنیے دور کرو، شیعہ بند کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، مانج تماشے، باجے آکھاری سب ہی کچھ ہوتی ہے، ہر مہربانی کلاچ بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور ﷺ نے کعبہ ڈھایا، بلکہ جب رب سے قوت دی تب بتوں کو نکال دیا، مگر مسجد میں کتا گھس جاوے تو مسجد کو نہ کر دے، کتا کالوا، اگر چارپائی میں کھنڈ کپڑوں یا سرے کا بوس میں جو کس ہو جاوے، تو یہ کیزے مارو، چارپائی یا کیزے پاہوں کو آگ نہ لگا دو، وہاں جس کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے حریص دور کرے کی بجائے خوب عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے سوار خیر کو روکتے ہیں، جیسے میں، دشرف، ختم ہر رگاس وغیرہ گر کی جانتیں نے ہمارے جواب پڑا رکھا تو ان شاء اللہ وہاں کے فتنوں سے بچے رہینگے، ہم نے شیعہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے کر دی کہ آج کل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے بڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شیعہ کا اہتمام ہوا جیسٹ ویو بندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرم و حرک کے حق سے جڑے۔

# تیسرا باب

## بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور بھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو سے چاہئے کہ جماعت سے کچھ قاصد پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جائے تو ہی امید ہو اگر اہمیت بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر دہائی غیر مقلد اس کے تحت غلاب ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر عمل طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے، ہم نہایت دیا ستاداری سے اس باب کی دو شخصیں کرتے ہیں مکمل فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقدمہ ہائیں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(مجاہدی شریف نے حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔)

عَنْ أَبِيهِ حَنِيسٍ دَعَا لَهُمُ سَعِيدُ ابْنُ الْعَاصِ دُعَاءَ مُوسَى وَخَدِيشَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ قِيلَ إِنَّ بَصُلَى  
الْعِدَّةَ ثُمَّ حَرَّخُوهُ مِنْ عِنْدِهِ وَقَدْ قُيِّمَتِ الصَّلَاةُ فَحَلَسَ عِنْدَ اللَّهِ الْبَاسِطُ أَوَّابَةً مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَنَّى  
الرُّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ

"دو اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں، جب انیس سید بن عاص نے دیا اس نے حضرت ابوموسیٰ حضرت حذیفہ اور عبداللہ بن مسعود کو بدایا ز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرت سید بن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے، پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔"

یہ کہو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جو فقہ صحابی ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابہ نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔

(۲) اسی لحاظ سے حضرت ابو بکر سے روایت کی۔

قَالَ دَكْنْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَوةِ الْعِدَّةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامِ بَصُلَى فَمَا ابْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ  
بِصَلَّى لَصَفٍّ وَأَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَنَّى رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَمِعَ الْإِمَامُ قَعْدَ ابْنِ عُمَرَ مَكَانَهُ  
حَتَّى صَلَّتِ الشَّمْسُ فَرُكِعَ رُكْعَتَيْنِ

"دو فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد میں گیا حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر و صف میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت ابن عباس نے لا اور دو رکعتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو اس عمرواں بن عباس نے بیٹھے۔ جب سورج نکل آیا تو دو رکعتیں نقل چھینیں۔"

حضرت عبداللہ بن عباس نے جو بڑے فقہ صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اچھا میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو رکعتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض کیا۔

(۳) اسی لحاظ سے حضرت ابومحکم انصاری سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ فِي صَلَوةِ الْعِدَّةِ وَلَمْ يَكُنْ صَنَّى الرُّكْعَتَيْنِ فَصَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ  
الرُّكْعَتَيْنِ حَتَّى الْإِمَامُ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمَا

"کہ حضرت عبداللہ بن عباس مسجد میں اس حال میں آئے، کہ امام نماز فجر میں تھے، اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں، تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سے کے ساتھ شامل ہوئے۔"



(۳) طحاوی شریف نے حضرت محمد بن اعکب سے روایت کی۔

قَالَ حَرَّحَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْنِهِ فَأَقِيمْتُ صَوْتَهُ لَصُحْبٍ فَرَكِعَ رُكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

"فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے اور نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ مسجد میں آنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔"

(۴) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبد اللہ سے روایت کی۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ فِي صَوْتِهِ الْفَحْرُ فَيُصَلِّي الرُّكْعَتَيْنِ فِي مَحِيةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ

"کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔"

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان مہدی سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا سَاتِي غُصْرَ ابْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ الرُّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَنُصَلِّيَ الرُّكْعَتَيْنِ فِي أَحْرَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَوْتِهِ

"فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس صبح فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر فاروق میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر صبح فجر پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔"

(۶) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ أَحْسَنُ بَقُولٍ يُصْنِيهِمَا فِي مَحِيةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَوْتِهِمْ

"کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔"

(۷) طحاوی شریف نے حضرت تابع سے روایت کی۔

بِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ لَصَوْتِهِ الْفَحْرُ وَفَدَّ أَقِيمْتُ الصَّلَاةُ فَدَمَ فَصَلَّى الرُّكْعَتَيْنِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد بن عمر کو نماز فجر کے لیے یہ دعا یاد کیا حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے صبح فجر پڑھیں۔"

(۸) طحاوی شریف نے حضرت امام شعیب سے روایت کی۔

كَانَ مَسْرُوقٌ يَحْيَى إِلَى الْقَوْمِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكْعَ رُكْعَتَيْنِ لَفَحْرٍ فَيُصَلِّي الرُّكْعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَاتِهِمْ

"حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے صبح فجر پڑھی ہوئی تو آپ مسجد میں پہلے دو رکعتیں پڑھ لیتے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔"

(۹) طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى رُكْعَتَيْنِ الْفَحْرِ

"کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو صبح فجر پڑھیں۔"

یہ سب حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں اور تناسل کے متعلق بہت روایات ہیں مگر شوق ہوتا طحاوی شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عَقْلٌ كَانَتْ قَضَا بھئی جی ہے کہ ایک حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ امام کو کدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

(۱۵۳۱) لَمْ يَكُنْ الشَّيْءُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ شَيْئٍ مِنَ التَّوَالِفِ أَشَدَّ نَعَاهُذًا مِنْهُ عَلَى رَأْعَتِي الْفَحْرِ

"حضور ﷺ جتنی تکلیف لی اور بکثرت فجر کی سنت کی تفرماتے تھے۔"

اور احمد۔ محادی، ابو داؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

(۸۲۱۶) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوا رُحُفَ الصَّخْرِ وَإِنْ طَرَفَتْكُمْ الْحِجَلُ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا فکڑ بھگا رہا ہو۔“

قرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر وہ جائیں فرض پڑھ لیتے جاویں تو ان کی ضمانتیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیتے جاتے ہیں، عصر جمعہ جمعہ کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو وجہ تارک ہوا، اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو حتیٰ ہم سنت مؤکدہ کا تارک ہوا۔ لہٰذا جس سے کسی کو نہ چھوڑے، اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے اور عبادتیں کرنا بھروسہ ہے، ایک کو چھوڑنا بہت نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے، لہٰذا ایسی جگہ کھڑا ہوں، جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں اور سنت عصر و عشاء مؤکدہ ہیں غیر مؤکدہ ہیں اس لیے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے سنت فجر مؤکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لیے اگر جماعت مل جائے کی امید ہو تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نکل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے، واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیا ستدائی سے عرض کیے دیتے ہیں۔ اگر سمجھ نہ کوئی اور اعتراض آوے علم میں آیا تو نواشاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱ محادی و میر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قُضِيَ الصَّلَاةُ فَلَا صَوَّةَ لَا لِمَكْنُونَةٍ

”آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کی جاوے تو فرض سے سو کوئی نماز نہیں۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے، کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جاتی ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جاوے پر اگر گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگر وہ جگہ مسجد کے باہر ہو جہاں تک امام کی قرات کی آواز جاری ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو تو قیوم جواب دے گا وہی ۷۲ را جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیے ہوں اور دوسروں میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہٰذا یہ حدیث گویا مجلس ہے، جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث صرف فراموشی میں صحیح ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرماں ہے جیسا کہ اسی جگہ علم و شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہونے تھے لہٰذا اس کا عمل دوسروں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح دیا جائے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب تربیت جس پر ترقی نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہوگئی ہو در جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث صرف فراموشی درست ہو، جب اس کے معنی یہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ جی صاف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ وہ باخبریاں لازم نہ آویں، خلی یہ ہے کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

مجھے یہ کہنا بھی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

«إِذَا أَقْبَمْتَ الصَّلَاةَ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْنُونَةُ إِلَّا رُشَعْنِي الْمَعْرُوفِ»

”جب نماز کی تکبیر کی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں، بجز سنت فجر کے۔“

اس صورت میں آپ کا اعتراض بڑے گہرے کیا۔ یعنی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابی کے لیے قوی ہو جاوے گی، عمل صحابی پہلی اصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

تو میں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں۔ یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفل پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں بلکہ مکہ و مکہ و سنت ہے ہی تاویل اس لیے ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض محبوب ۹: محمدی شریف نے حضرت مالک ابن انس سے روایت کی۔

«قَالَ قُبِمَتْ صَلَاةُ الْمَعْرُوفِ لِمَا رَوَى اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رُشَعْنِي الْمَعْرُوفِ لَقَدْ مِ عَلَيْهِ وَلَا تَبْهَ النَّاسُ فَقَالَ تَصْنِيهِ زَمْعًا نَلْتِ مَرَاتٍ»

”کہ ایک دن فجر کی تکبیر کی گئی، جس صورت میں ایک شخص پر گزرتا ہو، جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی سے تکبیر فرما کر کہا کہ تو فجر کے فرض پڑھتا ہے یہ تمہیں یاد فرماتا۔“

اس حدیث میں سنت فجر کا مکرر دہرایا گیا، جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سنت منع ہے۔

جواب: یہ صاحب مالک ابن انس سے روایت ہے، حدیث میں عبد اللہ بن عمر اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے جہاں جماعت ہو رہی تھی یعنی صلیب سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، کسی پر حضور ﷺ سے عتاب فرمایا، چنانچہ اسی محمدی شریف میں اس حدیث سے کچھ گئے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

«عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بَعْدَ الْمَاءِ ابْنَ مَالِكٍ ابْنَ نَحِيصَةَ وَهُوَ مُتَّصِلٌ نَفْسُهُ بِيَدِي مَدَاءِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَمْنَعُوا هَذِهِ الصَّلَاةُ كَصَلَاةِ ابْنَيْهَا لَفَضْلًا»

”محمد ابن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبد اللہ بن مالک ابن نَحِيصَةَ پر گزرتے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی جیسی سمجھو کہ طرح۔ بتاؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔“

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کر مکروہ جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہی ہم کہتے ہیں لہذا آپ کا عرض اصل سے ہے غلط ہے۔

اعتراض محبوب ۱۰: جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی اس لیے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان کا ترسنا اور خاموش رہو، لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لیے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرآن غلط امام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ عرض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں مگر چودہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض نکلیا ہے، فرض عین نہیں، مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی، ایک شخص کی تلاوت جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کام دیا رہنا ہوتا ہے، آج سائنس کا زور ہے، ریلیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے، اگر سننا خاموش رہنا فرض میں ہو تو مصیبت آجاوے، بہرحال یہ اعتراض

مختص شخص ہے۔

**اعتراض نمبر ۵** جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کے مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں لوگ سجدہ میں

ہیں، یہ التقیات میں اور مخالفت جماعت سخت بُری چیز ہے۔

**جواب** یہ مخالفت جب ہوگی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاوے اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا

دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وضو کر کے

واپس آئے اسی شام میں دو یک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلی اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا، پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا، نہ

رکعتوں کے ادا کرنے میں غلطی ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورتاً جائز ہے سنت فجر بھی ضروری ہے اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کریں چاہیں تو

کوئی حرج نہیں۔







## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

عتر اس مسئلے کے متعلق جس قدر عزت و حرمت کر سکے جس ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور

**اعتراض نمبر ۱** بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فَذَلَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَدْرِهِ أَطْهَرُ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَيْرٍ  
يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

”فرماتے ہیں کہ یہ **مکتبہ** جب سفر میں ہوتے تو قرآنِ مجید و عصر جمع فرمائیے تھے اور مطلب و حاشا بھی جمع فرماتے تھے۔“

یہ حدیث ایزو و ذر ترقی موصوف نام لک، موصوف نام محمد عمادوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف راہوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہی حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے۔ جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک ایک کہ یہ بودا و دشریف اور ملحدی شریف وغیرہ ہم نے انہیں حضرت ایں مہاسا رشی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور ﷺ بغیر سطر بغیر خوں کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشاء جمع فرما جتے تھے۔ چنانچہ بودا و دشریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قال جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر

"بن مہاس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ظہر و عصر مغرب و عشاء و یہ سنو وہیں بغیر درس اور بغیر خوف کے جمع فرمایا لیتے تھے۔"

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا وَشِبَعًا الظَّهْرَ وَالْعَضْرُ وَالْمَغْرَبَ  
لِلْعَشَاءِ

”حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے یہ منورہ میں سات نمازیں آنکھ لٹا دیں حج کر کے ہم کو پڑھا کہیں تلخہ، مصر، مغرب، عشاء۔“

دوسرے یہ کہ تہجد کی پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر جمعہ فرمائی مگر یہ تفصیل نہیں کہ کیسے جمع فرمائی، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا، ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب، عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء، مغرب کے وقت میں، لہذا یہ حدیث محض ہے، اور محض حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرماتا غرض سفر کی وجہ سے تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورتِ جمع تھا، حقیقت یہ تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے عصر عصر کے وقت میں۔ پڑھی، بلکہ سترتے کرتے عصر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر، غرت وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں دفرمائیں، لیکن حقیقت یہ کہ اپنے وقت میں کوئی ظہر یا مغرب آپ سے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اؤں وقت میں اس صورت میں اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری بنا، حادثہ کے جو ہم نے پہلی حصہ میں پیش کیں۔۔۔ جمع بالکل جائز ہے، یہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی وہ حدیث جو ملحدی و بدوادی نے روایت کی جس میں فرمایا گیا کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سمات ٹھہرائیں جمع فرمالیجئے تھے وہاں سمات آٹھ میزیں مراد نہیں، بلکہ سمات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ گر مغرب و عشاء صورتہ جمع فرمائیں تو فرض کی سمات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مطرب کی چار عشا کی، اور گر عکبر و عصر جمع فرمائیں تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشا کی، اور اگر ظہر و عصر جمع فرمائیں، تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار عکبر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورتہ تھی نہ کہ حقیقہ لہذا سفر بھی جائز تھی، بیان جواز کے لینے، حدیث سمات کے بیان شرعی عقل و حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے روئے غلطی چاہئے جس سے پہلی بے بہرہ ہیں۔

## اس معنی کی تائید

مذہب کے جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کئے اس معنی کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے، جس میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں، سنو اور حضرت پکڑو۔

حدیث نمبر ۱ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ يَوْمَ حَزْرُ هَدَه فِي آخِرِ وَقْتِهَا وَيُعْخِلُ هَدَه لِيَوْمِ أَوَّلِ وَقْتِهَا

"پیش کی جاتی ہے کہ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ جمع کرتے تھے کہ مغرب اس کے آخری وقت میں اور عشاء اس کے اوّل وقت میں۔"

حدیث نمبر ۲ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ يَقْعُلُهُ إِذَا أَغْمَضَهُ اسْتَبِيرَ بِنَفْسِهِ الْمَغْرِبَ فَيُصْنِفُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يَسْلِمُهُ ثُمَّ قَلَّمَا يُبْسَلُ حَتَّى يَقْعِمَ الْعِشَاءَ فَيُصْنِفُهَا رُكْعَتَيْنِ

"عبداللہ ابن عمر بھی حضور ﷺ کا سامنے کرتے تھے، کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر غرتے پھر مشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت مشاء پڑھتے۔"

حدیث نمبر ۳ نسائی شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ قَبْلُهَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ ذَلِكَ الْبَيْتُ سَارِبًا حَتَّى امْسَبَ فَلَمَّا أَتَى نَسَى الصَّلَاةَ فَقَالُوا لَصَلَاةٍ فَسَكَتَ وَسَارَ حَتَّى كَادَ لَشَعْوَانِ بَعَثَ ثُمَّ رَأَى فَصَلَّى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى لِعِشَاءَ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ هَكَذَا مَضَعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ حَدَّدَهُ الشَّيْخُ

"فرماتے ہیں، کہ ہم کہ معظمہ سے حضرت ابن عمر کے ساتھ تھے، جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی، الم کجے کہ حضرت عبداللہ اور یحییٰ بن زکریا نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق اوجھنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب پڑھی، پھر شفق غائب ہوگئی تو فوراً عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور ﷺ کیساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔"

اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں، جس میں صراحت و رشاد ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب و عشاء صرف صورتاً جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخری وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے اول وقت میں، نہ تو عصر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب مشاء کے وقت میں اگر اس حدیث کی تفصیل دیکھنی ہو؟

تو طحاوی شریف، درمجمیع الباری وغیرہ کا مطالعہ فرمادو، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہذا انہیوں کی توجیہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے، اور دیگر احادیث بھی وہ ہیں کہ توجیہ محض باطل ہے قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

۱۔ وہابیہ اگر تم اس احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے مخالف کامت سات بلکہ آٹھ نمازیں، ایک دم پڑھ کر دو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مردہ دیتے ہو تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد دیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار۔

اعتراض نمبر ۴ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت کی، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَزْجَلَ قَبْلَ أَنْ تَرْتِجَ الشَّمْسُ احْجَعِ لظَهْرٍ إِلَى وَقْتُ الْعَصْرِ ثُمَّ تَرْتِجَ بَيْنَهُمَا

"فرماتے ہیں، کہ اگر حضور ﷺ سورج چلنے سے پہلے سڑک سے تھک کر عصر کے وقت تک سوخا کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔"

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ الی لعصر سے ظاہر ہے۔

جواب ۵ آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، الی سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے روز فرماتے تھے، غایت معنی سے خارج ہے، کہ داخل عصر تک مؤخر فرمادے کے معنی یہ ہیں، کہ عصر کے قریب تک مؤخر فرماتے تھے، جیسا کہ مترس نمبر کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا، لہذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔

اعتواض نمبر ۳: نمازی شریف نے حضرت تاج سے دعا کی کہ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا كَانَ عِندَ غَيْبَةِ الشَّعْبِ بَرَأَ فَمَجَّعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا إِذْ حَدَّثَهُ السَّبْرُ

"حضرت ابن عمرؓ کہتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے، پس مغرب و عشاء جمع کر لیا، اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب مغرب میں ہلدی ہوتی۔"

اس حدیث میں صراحت مذکور ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ شفق غائب ہونے کے وقت، ترے یقیناً آپؐ نے مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی۔

**جواب:** یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے، اس کے معنی یہ کہ جب شفق غائب ہونے کے بعد ترے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہوئے گی یہی غائب ہونے کے قریب ہوگی تب اترے نہ نہ مغرب پڑھتے ہیں شفق غائب ہوگی

اور وقت عشاء آگیا، عشاء پڑھ لی، اہم پہلے اعتواض کے جواب میں اس ہی حضرت ابن عمرؓ کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپؐ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

**اعتواض نمبر ۱:** اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور ستر وغیرہ ہذا کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ظہر و عصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں، ظہر کے وقت میں عصر اور دوسری ذی الحجہ کی شب کو حذر اللہ میں مغرب و عشاء و ما کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں، غلطی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں، جب حج کے موقع پر نہ ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء و غلطی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہو گئیں، تو اگر سفر میں جمع ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ اے خلیفہ! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہاں کا انتہائی اعتراض ہے)

**جواب:** جناب! تو غور میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے۔ حذر اللہ میں مغرب و عشاء کے وقت میں بلکہ وہاں تہجد کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے، یہی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، اور عصر کا وقت ظہر پڑھنے ہی شروع ہوتا ہے جیسے روز کا وقت عشاء کے عرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے، بعد وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹ گئے نمازیں پڑھتے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر عام عرف میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت تو سخت گنہگار ہوگا، گو پاس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور یہاں کرے والا سخت گنہگار ہوگا، گو پاس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی، مظلوم ہو کہ آج اس نماز اس کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع کرے بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب پڑھے وقت میں پڑھے اور عشاء اپنے وقت میں پڑھے تو ہم بھی سے گنہگار نہیں بنے، بلکہ بہت جائز کہتے ہو مظلوم ہو کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا، بلکہ نماز دوسرے وقت میں او کی جاتی ہے لہذا حاجیوں کی غلطی و حذر و دعا والی نمازیں۔ مگر قرآنی آیات کے خلاف ہیں نہ احادیث کے خلاف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنی سے ثابت ہے اس پر اسی طرح عمل و جب ہے۔ جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے۔

ہم سے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے کہ اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیہ بخاری فہم الہادی میں یہی بحث ملاحظہ کرو، ان شاء اللہ ہاں ملاحظہ آج دے گا۔

تاہم ظہرین کو نہ بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ مذہب حنفی بقدر تعالیٰ ہدایت مضبوط مدلل و در بہت ہی قوی و در قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے۔ وہاں غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کے مذہب کی بنیاد محض غلط فہمی پر قائم ہے مذہب تعالیٰ ہم کو ای مذہب حنفی پر قائم رکھے۔

ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی معنی ملت اور نبی اور مذہب تعالیٰ۔

# پندرہواں باب

## سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت، اسلام کے مسافر کو یہ حکمت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو دو جب فرمائی ہیں، لیکن وہاں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لئے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھیں گئے مسافر میں گئے، ایک آدھ میل سیر و گفتار کرتے شہر سے باہر لگے۔ مسافر بن بیٹھے، اور نماز میں کمی کر دی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انساں اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا راہ کا رد کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔ یہ تین دن کی مسافت عام جیسے راستوں پر تقریباً ستادین میل انگریزی جتنے ہیں ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور تیسے یا چھارے راستے اس سے کم ہونے کا، فرض یک تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

### حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل عرب میں طبعی میں نجد میں کی حکومت ہے، نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منی و عرفات میں، اگر قصر نماز را کرتا ہے حالانکہ منی کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل ہے، اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ منیٰ نہ باب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا اس لئے منیٰ لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شائق یا متعلیٰ امام کو ایسے قولہ پر یہ چاہئے کہ ذی الحجہ کی "تھو تاریخ کو مکہ معظمہ سے ۵۷ میل دور کل جاوے پھر وہاں ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ غصوں کی نماریں بھی اس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہئے اس باب کی بھی ہم دو فصل کرتے ہیں، پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

### پہلی فصل

#### مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن راہ ہے، اس سے کم کا سفر شرعاً سفر نہیں نہ ایسے شخص پر سفر کے حکام جاری ہوں، دلائل حسب ذیل ہیں۔  
حدیث ۱ بخاری شریف نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُبْهِرُ الْمَرْءَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ دِي رُحْمٍ  
"بیکھ نہی ﷺ سے فرما دیا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قرچی رشتہ دار کے نہ کرے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو کیسے سفر کا حرام ہے، ذی رحم قرابت دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے ہی سفر کی مدت حضور ﷺ نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

حدیث ۲ مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ لِلْمَسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ  
"حضور ﷺ نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن رات۔"

حدیث ۳ ابوداؤد، ابن ماجہ، ابوداؤد، علی بن ابی مرثد نے خیر بن ابی ثابت، انصاری، میریم رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَنْحِ عَلَى الْحَقِيقِ لِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً  
وَالْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ

"ابو محی ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر مسح کی مدت، ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں ہیں۔

حدیث ۱۶۱۰ اثرم نے اپنی سنن میں، اس فریضہ دارقطنی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَبِ السَّيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ لِمَسَافِرِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلِيَا لَيْلِيٍّ وَلِمُعْتَمِرِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ أَدَا تَطَهَّرَ فَلَبَسَ حُفَيْهَ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ وَهُوَ صَحِيحٌ لَا مَسَادَ فِيهِ مَشْكُوهٌ

"اور امت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ حضور ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن میں رات تک مسح کی اجازت دی اور معتمروں کے لئے ایک دن ایک رات تک مسح کی اجازت دی اور معتمروں کے لئے ایک دن ایک رات جب کہ وضو کر کے سوئے پہنے ہوں۔"

خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حدیث ۱۵۶۱۳ ترمذی۔ نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيهِمْ أَدَا كُنْ سَفَرًا أَنْ لُ سُرْعَ حَصَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلِيَا لَيْلِيٍّ (الْمَشْكُوهُ)

"حضور ﷺ ہم علم دیجتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں پہنے سوئے تھیں دن تین رات نہ اتاریں۔ حج

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن سوزے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے غلط نہیں، اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر میں چاؤے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے، مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں، تو تین دن مسح کر کے دکھ دیں، ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچے جاوے وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھائے، لہذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں روزہ سوروں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قائل عمل نہ کریں گی، اس دلیل پر ابھی طرح غور کریا جاوے۔

حدیث ۱۶، امام محمد نے ترمذی حضرت علی بن ربیعہ دہلی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ أَلَيْ كَمْ تَقْصُرُ الصَّلَاةَ فَقَالَ اتَّعَرَفْتُ الشَّوْبِيَّ، قُلْتُ لَا وَلَكِنِّي قُلْتُ سَمِعْتُ بِهِ قَالَ هِيَ ثَلَاثُ بَيَالٍ فَوَاضَهُ قَدَّ حَرَّ حَسَا إِلَيْهَا فَصُورَ بِالصَّلَاةِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویدا دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (۴۴۰ میل) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جائیں تو قصر کر سکتے ہیں۔"

حدیث ۱۷ دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا هَذَا مَكَّةَ لَا تَقْصِرُوا، بِصَلَاةٍ لِي ذِي مِنْ أَرْبَعَةِ نَوَافِلٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ

"بیشک حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ والو چار بریدے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسکان کا ہے۔"

حدیث ۱۸ مؤطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ الصَّلَاةَ فِي مَثَلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مَثَلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَغُسْفَانَ وَفِي مَثَلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحِذَّةَ قَالَ يَنْحَى قَالَ مَالِكٌ وَذَلِكَ أَرْبَعَةُ نَوَافِلٍ

"کہ آپ نماز قصر کرتے تھے کہ در طائف اور مکہ مسلمان در مکہ در جدہ کی ہر اہلۃ صدم میں بھیجے فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار بریدے ہے۔"

حدیث ۱۹، امام شافعی نے ہر اسناد صحیح حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی۔

أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ يَقْصِرُ الصَّلَاةَ إِلَى عَرَفَةَ قَالَ لَا وَلَكِنْ إِلَى عُسْفَانَ وَالْمِ حِذَّةَ وَالْمِ الطَّائِفِ رَوَاهُ الْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ وَقَالَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ

"حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا عرفہ تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں لیکن قصر کی جاوے گی عسکان یا جدہ یا طائف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔"

حدیث ۹۰، امام محمد نے موطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ اَبِي غَيْرٍ النَّبَرِيِّ فَلَا يَقْصُرُ الصَّلَاةَ

"کہ آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے ساتھ یک بریدہ سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔"

خیال رہے کہ ۳۰ بریدہ انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵۰ میل ہوتا ہے۔ یہی ۳۶ کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، دراصل کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں جس کو شوقِ ہود و صحیح ائمہ دی شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں ناس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لئے چار بریدہ فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہیں، صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

مقل کا قصہ بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سہ نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی زمین شہر کی دائرہ لگاتی ہے جس سے شہر کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، جیسے قبرستان، عید گاہ، چر گاہیں، گھوڑ دوڑ کے میدان، یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ سیر و تفریح کے لئے جا کر پنے کو مسافر نہیں سمجھتا، نیز گراں بھی مسافت کو سفر کہا جاتا ہے تو چاہے کو کوئی عورت یا عیض خرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ نکلے، کیونکہ عورت کو بغیر حرم سفر کرنا حرام ہے، نیز ساری قانون ہے کہ مسافر تین دن رات سوزوں پر مسافر کر سکتا ہے یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں تو چاہئے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو جسے عمل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ ساری قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دن ہی ہے۔ نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہوتا تو یقینی ہے اس سے کم مسافت سفر کرنا مشکوک نہ رہے چار روایتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی رائل کر سکتا ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر دو ہیں کو صرف ایک ہی حدیث مل گئی ہے جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے چنانچہ مسلم، بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنِىَ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ اَزْبَعًا وَصَلَّى بَدَى الْحَلِيبَةِ رُتَحْمِیْنَ

"کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور دی الحلیہ میں نماز عصر دو رکعتیں پڑھا، نس۔"

دیکھو! دی الحلیہ مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے، جسے آج کل بیڑی کہا جاتا ہے، یہی اہل مدینہ کے لئے حج کا میقات ہے جب حضور ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب اس حدیث میں میرا تفسیر کیے صرف دو احادیث تک جانے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہاں حضور ﷺ کے مجتہد اوراق کا واقعہ کامیاب ہو رہا ہے کہ سر کا یہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہونے والا تھا پہنچ کر وقت عصر ہو گیا تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے لہذا یہاں قصر فرمایا اس لئے یہاں فرمایا گیا، صلی الظہر یک بار یہ واقعہ ہو گا، صلی یعنی فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو موطا، امام مالک، اور موطا، امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنْ عَبْدِ اللّٰهِ نَسِ غَيْرَ كَانَ اِذَا حَرَحَ حَاحًا اَوْ مَعْتَمَرًا قَصَرَ الصَّلَاةَ بَدَى الْحَلِيبَةِ

"کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب حج یا عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو وہاں پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔"

حضرت بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تہجدی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے واسطے سے ہے وطن و رواس ہو جائے تو "بادی سے نکلے ہی قصر نہ کرے گا، اور وہی میں داخل ہونے پر وہ تمام ہے کہ حدیث ۸۰ کے بالکل موافق ہے۔

اعتراض معبر ۱ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَسْبَى صَنِىَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لَأَمْرَةٍ تَوُصُّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ

"فرمایا کہ نبی ﷺ نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن رات کی مسافت کا سفر بغیر حرم کرے۔"

اس حدیث سے معلوم ہو کہ یک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور ﷺ نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کئے کہ عورت کو بغیر حرم کے، حتیٰ ذور جانا حرام فرمایا گیا، معلوم ہوا کہ سفر کے لئے تین دن رات کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔



**جواب** اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا، تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لئے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے، لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تمہیں دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ہیں، تمہیں دو ملی اور ایک دن والی، مگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تمہیں دن کی حدیث بعد کی، تو ایک دن کی حدیث منسوخ ہے اور اگر تمہیں دن والی حدیث پہلی ہے، ایک دن والی حدیث پیچھے تو تمہیں دن کی حدیث، ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تمہیں دن میں ایک دن بھی آجاتا ہے، اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو کیلئے سفر حرام ہے تو تمہیں دن کا سفر بھی حرام ہوگا، لہذا تمہیں دن کی روایت۔ ہر حال قائل قائل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل ملکہ کوک اس لئے ایک دن کی حدیث قائل عمل نہیں، تمہیں دن کی حدیث قائل قائل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی، نہ ہر حال سفر کی مدت تمہیں دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

**اعتراض نمبر ۴** آج کل مولد اور ریل وغیرہ سے تمہیں دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے، تو تاؤ سوروں پر سح کی مدت تمہیں دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا، تمہارے قوں پر بھی یہ حدیث علیٰ عموم قائل عمل نہیں ہوئی۔

**جواب** یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا قسم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا قسم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تمہیں دن کی ہے تو سفر ہے اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ سح کا قانون حاوی اور جاری ہونا چاہئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہو تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے خارج کیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں قسم لازم آتا ہے، لہذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

# مسلموں باب

## سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے فرض کے بعد وہ تمام نفل و منفعت و دیگر گھر کی طرح پورے پڑھے۔ ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے وہی سفر میں ہے نہ تو ان میں قصر ہے نہ بیخ ہیں نہ بالکل معاف مگر جو مقلد وہابی سفر میں نفل نہ جو پڑھتے ہیں نہ اور اس کو پڑھنے دیتے ہیں بعض تو اس میں بہت سخت ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا شرعی ثبوت و دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جو بہت حق تعالیٰ قبول فرمادے۔

## پہلی فصل

### سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے۔ باقی ساری نماز پوری پڑھے اسے روکنا یا منع کرنا حرام ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱

رسول تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

”رَأَيْتُ الدِّيَّيْنِ يَنْهِيَانِ عَبْدًا إِذَا صَلَّى“ کیا آپ نے اُس مرد کو دیکھا جو بندہ سوئس کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

حدیث نمبر ۲

رسول تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَا تَطْعُ كُلَّ حَلَاظٍ مُّهِيبٍ هُنَّارٌ مِّثْلًا سَمِيحٌ مَّاءٍ لِّحَبِيرٍ مُّغْتَبِدٌ اَنِيْمٌ

”اِس کی بات نہ مانو جو بہت قہمیں کھانے والا ذلیل، چٹل جو دھمکی سے روکنے والا حد سے آگے نہ بڑھنے والا سخت نگہا رہے۔“

معلوم ہوا کہ لوگوں کو اٹھائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیے مسلمانوں کو بھی ان سے روکنا وہ جس کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے، سنہا، جوئے اور شراب سے نکس چڑھتے۔ چڑھتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں مسجد، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان اس کی بات ہرگز نہ مانے، اس کی بات پر عمل کرے۔

حدیث نمبر ۳

رسول تعالیٰ سونوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

اَلْدِّيْنُ اِنْ مَكَانَهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا لَصَلٰوٰةٍ وَاَمْرُوْا بِمَعْرُوْفٍ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

”سوئس وہ ہیں کہ گھر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نماز میں قائم کریں، اچھی باتوں کا حکم دیں بری باتوں سے روکیں۔“

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جائے تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں گے، سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے، اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے، میلاد شریف ختم و فاتحہ و عبادت قرآن سے۔ کن چیز کا حکم دیں؟ گندے کتوں سے بھڑکے گا۔ کالے خنجرے کھائے گا۔ لڑکے چوڑا ب اور مٹی کے پاؤں لگنے کا اپنے بطن کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے قصومی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث نمبر ۴

ترمذی شریف اور بخاری شریف نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی، مگر قدرے لفظی اختلاف ہے۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ اَبِي صَالِيٍّ لِلَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ الطَّهْرُ زَبْعًا وَبَعْدَ هَارِ كَعْتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَ اَبِي لَشْمَرٍ الطَّهْرُ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ هَارِ كَعْتَيْنِ وَالْعَصْرُ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَصَلِّ بَعْدَ هَارِ شَيْئًا وَالْمَغْرِبُ لِي الْحَضَرُ وَالْمَشْرُ سَوَاءٌ ثَلَاثٌ وَرَكْعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَمَرٍ وَهِيَ دُتْرُ الشَّهَارِ وَبَعْدَ هَارِ رَكْعَتَيْنِ ”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ وطن اور سفر میں نماز پڑھی ہیں جس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں طہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں طہر دو رکعت پڑھیں، اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا اور مغرب وطن سفر میں ہر قسم رکعتیں اس میں کی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں۔“

بخاری شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

وَصَلَّيْتُ الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ هَارِ كَعْتَيْنِ ”حضور ﷺ نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعتیں۔“

بخاری شریف نے سفر میں طہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو، عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں

اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھا ممنوع ہوتا تو سر کا ہڈا نو رخصی اللہ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ پہلی سنت سے چلتے ہیں۔

حدیث نمبر ۷، ۶ ابوداؤد ترمذی نے حضرت پر امام ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رُكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ شمارہ سفر کیے میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد گھر کے پہرے کی دو رکعت چھوڑے ہوں۔"

حدیث نمبر ۸ ابوداؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ وَارَادَ أَنْ يَنْتَوِعَ السَّبِيلَ الْفَقْدَةَ مَافَهُ فَاكْتَرَى ثَمَّ صَلَاتِي

"فرماتے ہیں کہ یہ ﷺ جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی آؤ کو کسی طرف متوجہ فرمادیتے پھر گھر کے رکعت پڑھتے۔"

حدیث نمبر ۹، ۱۰ مسلم بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي السَّفَرِ عَمِي رَاحِلَتَهُ حَتَّى تَوْحِثَ بِهِ يُؤْمِي بِمَاءِ صَلَوةِ النَّبِيِّ لَا الْفَرَائِصَ وَيُوسِرُ عَلَي رَاحِلَتِهِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ بعد میں اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے لی پڑھتے، چھری کو سوئے فرض کے۔ ورنہ سواری پر پڑھتے۔"

اس حدیث سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ سفر میں رستے طے کرتے ہوئے، نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ لوگ غمے ہوئے مسافر کو شرف مولا کو تک سے روکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱ مؤطا امام مالک میں حضرت تابع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ غَمَرٍ كَانَ يَوْمَئِذٍ غَبِيْدٌ لِلَّهِ يَنْتَقِلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يَنْكُرُ عَلَيْهِ

"فرماتے ہیں کہ بے شک عبد اللہ ابن عمرؓ نے فرزند صبیہؓ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو آپ صبح نہ فرماتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۲ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ نَبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطْهَرُ فِي السَّفَرِ رُكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهُمَا رُكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں گھر کی دو رکعتیں پڑھیں انکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

حدیث نمبر ۱۳، ۱۴ مسلم ابوداؤد نے حضرت ابی ابراہیم رضی اللہ عنہ سے سفر میں قریش کی رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

عَلَيَّ رُكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّيْتُ الصُّبْحَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ

"حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۵، ۱۶ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابی ابراہیم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا أَحْبَبْتُ أَحَدًا أَنِّي لَأُبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّيْتُ الصُّحَى عِزْرًا أَمْ هَانِي ذَكَرْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتَحَ مَكَّةَ عَتَمَلُ فِي بَيْتِهَا فَصَنَى ثَمَانِ رُكْعَاتٍ

"فرماتے ہیں کہ میں حضرت ام ہانی کے سوا اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھنے دیکھا، ام ہانی فرماتی ہیں کہ حج مکہ کے دن حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔"

دیکھو حج مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بس ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

حدیث نمبر ۱۹ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوَاةَ الْحَصْرِ وَصَلَاةَ النَّهْرِ فَكَأَنَّهُ نُصِّلِيَ فِي الْحَصْرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَكَأَنَّهُ نُصِّلِيَ فِي الشَّعْرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا

"فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وطن میں بھی نماز فرض، و قرا کی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔"

حدیث نمبر ۲۰ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيُ التَّصَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ "فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ"

"نبی کریم ﷺ سواری پر میر قعدہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔"

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت و نفل کی تو معافی ہو اور نہ قصر چند ہو۔

ایک یہ کہا حادث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو رکعت فرض کی گئیں، پھر سفر میں تو وہی دور ہیں، حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی۔ اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی نہ رہی تھیں جس نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ لہذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل۔ سنت میں دوسرے یہ کہ بحال سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں وغیرہ قبلہ کی طرف ادا نہیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قعدہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لیے مسافر کو سفر تو زیادہ پڑتا ہے جس سے اور یکتی ہے اس لیے وہ نماز دہی کر دی گئی چونکہ سنت و نفل کے لیے مسافر تو زیادہ پڑتا ہے۔ سواری پر ادا ہو جاتی ہیں، اس لیے بیوان میں قصر کی ضرورت ہے نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے تو سنتیں کوئی کم نہیں ہوئی، فرض عیدہ و نماز ہے اور سنت و نفل طہرہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایک تابع نہیں کہ اگر فرض پڑھتے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں، اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا نفل صحاف ہو جائیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلدہ ہادیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت سی تھوڑے دلائل ہیں جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں ہم ان کی دکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ مسلم بخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عامر سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي لَرْنِ مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ رَكَعَيْنِ ثُمَّ حَافَ رَخِلَهُ وَحَسَّ فَرَأَى مَا لَمْ يَبْ مَافَقَالَ مَا يَضَعُ هُوَ لَاءَ قُلْتُ يَسْتَبْخُونَ قُلْ لَوْ كُنْتُ فَسْتَبْخَا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَرِنْدُ فِي الشَّعْرِ عَمِي رَكَعَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ كَذَلِكَ

"فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لے گئے اور میں نے ان کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز پوری پڑھتا میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا تو آپ عرض دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔"

اس سے معلوم ہو کہ سفر میں نفل و سنت پڑھنا سنت رسول علیہ السلام و سنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے اس لیے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی سمجھ نہ پڑھے۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تہرہ نے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم بے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیتے۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ صرف تقاضی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر غرور بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پر نور ﷺ کو سفر میں سواری پر نکل پڑتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؟ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ نہ کہم کرنے کا شوق ہے۔  
چوتھے یہ کہ جب ثبوت دینی میں اتنی رض و توقیر ثبوت کوئی پر ترجیح ہوتی ہے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دور و دور تھیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفل کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نفل کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو دوسری معراج نہیں ہوئی۔  
دیکھو صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کے قائل ہے؟ کیوں؟ اس لیے کہ ثبوت نفل پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنی کیے جاویں، جس سے تعارض دور ہو جائے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنی یہ ہیں، کہ نفل نماز ہتھام سے پڑھنا، اس کے لئے سفر توڑنا یا قعدہ وتر کر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا، حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا قہار ستہ بہت قہار ہوتا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لیے آپ نے یہ فرمایا، لہذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں متا بعد پیدائش نہ کر، بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔  
چھٹے یہ کہ جمہوری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا وجہ ضروری ہوتا تو نہ فرض ہی پوری کیوں نہ پڑتی جاتی۔

**اعتراض نمبر ۹** جب سفر میں فرض نماز میں بجائے چار کے دو رکعت ہوگی، تو سنت نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں چاہئے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جائیں یا بالکل حاکف ہو جائیں۔

**جواب** الحمد للہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے کے لیکن جیسے آپ دیکھنا آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین آئمہ کی تقلید کرنی ہوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرے پڑتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھتی جاتی ہیں، باقی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں فرمائیے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوئیں۔ وہاں بھی کھدو کہ جب فرض میں دو رکعت حاکف ہوں تو چاہئے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ بعد کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے کھٹکے کے پڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض بعد چار سنتیں مگر کھدو ہیں، چاہئے کہ وہاں بھی قیاس کر دو کہ جب بعد کے فرض بجائے چار کے دو رکعت ہو جائے تو چاہئے کہ بعد کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جائے سنت و نفل میں قعدہ ہونے کی وجہ ہمیں فصل کی مطلق دیوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑھا، سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے اس لیے اس میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل سنت سواری پر پڑھی جاسکتی ہیں، سواری کا رخ کدھری ہو، یہ مسافر تک ہیں، راستے طے کرنے کی حالت میں ہے جبکہ وہ نفل میں ہو شہر میں یا کسی جگہ ٹھہرے کی حالت کا یہ حکم نہیں، مگر مسافر کسی ہستی میں دو چاروں کے لیے قرار ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط وار مکان کے ساتھ دکرے گا غیر مقلد وہاں سے کہ وہ ایک مسافر خواہ راستے طے کر رہا ہو یا کہیں دو چاروں کے لیے قرار ہو، سنت و نفل نہ پڑھے۔

**اعتراض نمبر ۳** حضور ﷺ رحمۃ اللہ علیہ میں ہیں، جب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو چاہئے کہ حضور ﷺ بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں، سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

**جواب** جی ہاں۔ چونکہ حضور ﷺ رحمت عالم ہیں، اس لیے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نہ رکعت ہے، یہ جو سنتیں یاد وہاں سے کہ سنتیں کم نہ فرما دیں، اس لیے انہیں ایسے سوالات سمجھتے ہیں، جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ ﷺ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول ﷺ کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور اس شہداء اللہ سنت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت دتیا ہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو قعدہ حقیقہ بچے کو دوسرا تک و دوہ پانا سنت ہی تو ہیں۔ پھر مرتے وقت وضو۔ کعبہ کو رخ ہونا مگر کعبہ میں کپڑے عورت کا نفل پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لیے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور ﷺ کی سنت رحمت ہے، یہ جو جس رحمت کا کم نہ ہونا ہی چھار رب تعالیٰ، لک اہلک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز و عقیقہ کے لئے پوری مسافر کے لئے آدمی۔

# سفر ہواں باب

## سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر کہوں کہ بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض چار پڑھ لے کہ اگر پہلی اتھبات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو مجبہ ہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر زیادہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات و جوابات رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

## پہلی فصل

### سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں جن میں سے کچھ پیش کیئے جاتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۱۶۱۴** بخاری۔ مسلم۔ مؤطا امام محمد۔ موطا امام مالک سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ نقلی فرق کے ساتھ روایت کی یہ الفاظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ لَمَّا صَلَّيْتُ الْفَلَاحَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْصُتُ رَابِعًا وَتُرْكُتُ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى

"فرماتی ہیں کہ اذکار نماز دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو نماز میں چار رکعت فرض کی گئیں اور نماز سفر پہلی فریضہ پر رہی۔" اس حدیث سے معلوم ہو کہ ہجرت سے پہلے ہجرہ کی دور رکعتیں تھیں بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کر دی گئیں مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو چھپے ہجرت سے پہلے کر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی، ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی، لفظ فرض، اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

مؤطا امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرِصَتُ الصَّلَاةِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَصْرِ وَالسَّفَرِ فَارْصُتُ صَلَاةَ السَّفَرِ وَرَبَدْتُ فِي صَلَاةِ الْحَصْرِ

حدیث نمبر ۷۵۵ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرِصَتُ لَلَّهِ الصَّلَاةُ عَلَى لِسَانِ بَنِي سَكْمَةَ فِي الْحَصْرِ رَابِعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْحَوَافِ رَكْعَةً

"فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض کیں۔ (یعنی جماعت سے ایک رکعت)"

اس میں صراحت ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں چار نماز۔

**حدیث نمبر ۱۳۶۸** مسلم بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ حَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يَصْنِي رَكْعَتَيْنِ

"فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرح گئے تو حضور انور ﷺ دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔"

**حدیث نمبر ۱۶۱۴** بخاری۔ مسلم۔ نسائی سے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ رَكْعَتَيْنِ وَبَنِي مَكَّةَ وَبَنِي عُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَلَّيْتُ مِنْ

بَنِي مَكَّةَ ثُمَّ اتَّخَذَهَا

"فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ میں حضور ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع کر دی۔"



حدیث نمبر ۲۷ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اقْرَءْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْعَتَيْنِ فِي السَّجْدَةِ كَمَا اقْرَءَ فِي الْحَصْرِ أَوْ بَعْدَهُ  
”فرماتے ہیں کہ یہی ﷺ نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائی جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔“

حدیث نمبر ۲۸ ۲۰۵۱ نسائی ابن ماجہ۔ ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَوَةُ السُّفَرِ رُكْعَتَانِ وَ صَلَوَةُ النَّصْحَةِ رُكْعَتَانِ وَ صَلَوَةُ الْفَطْرِ رُكْعَتَانِ وَ صَلَوَةُ الْجُمُعَةِ رُكْعَتَانِ  
”نام“ عِبْرَ قِصْرِ عَمِي لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، چاشت کی نماز دو رکعتیں عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں، جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، اسی دو رکعتیں پوری ہی  
کی قص نہیں، حضور محمد ﷺ کی زبان شریف پر۔“

حدیث نمبر ۲۹ مسلم شریف نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ روزہ حدیث نقل کی، جس کے آخری الفاظ شریف یہ ہیں۔

سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَ اللَّهُ بِهِ فَاذْكُوا صَدَقَهُ

”میں نے حضور ﷺ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا صدق ہے جو صدق فرمایا اس صدق کو قبول کرو۔“  
اس حدیث میں فاذکوا صلیہ ص ہے۔ امر واجب کے ہے تاہم معلوم ہو کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالیٰ کے صدق سے مدد پکیرتا  
ہے، رب کا صدق قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۳۰ طبرانی نے اکرم صغیر میں تہذیب اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّفَرِ رُكْعَتَيْنِ وَمَعَ ابْنِ بَكْرٍ رُكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ  
رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ بَعَثْتُ بَكْرَ السُّبُلِ فَلَوْ دِدْتُ أَنْ أُحْطِيَ مِنْ أَرْبَعٍ رُكْعَتَيْنِ فَتَعْبُدُنِي

”میں نے سفر میں حضور ﷺ کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر صدیق عرفہ روق کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف رہوں نے  
مختلف کر دیا۔ قسم رب کی میں تمہارا ہوں کہ مجھے جانے چار رکعتوں کے دو قبول رکعتوں کا حصہ ملے۔“

ہم نے بطور نمونہ صرف انہیں حدیثیں پیش کیں، اور نہ اس کے متعلق ہے شمار احادیث ہیں، ان پیش کردہ روایوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصر ہی  
فرض ہے حضور ﷺ و خلفاء و شہداء نے تصریح پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا، اس پر بارہی کا ظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے مگر قصر و اتمام دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی  
نماز کی پہلی دو رکعتیں، اتفاق فرض ہیں؟ حری دو رکعتوں کے متعلق سوس ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا  
اختیار کیوں فرض ہیں، اختیار نہیں ہوگا، فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک ایک تحریر سے فرض نفل کی مجبوری تحریر و  
ہوتی ہے، لعل کی طعنے وہ ایک تحریر سے، ایک ہی نماز ہو سکتی ہے نہ کہ دو۔

یہ ہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں  
پیسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں، اختیار نہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلدہ ہادیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات و جوابات عرض کئے دیتے ہیں، جو ان شاء اللہ خود انہیں بھی در  
شدہوں کے رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَدْ صَرَّيْنَا فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ حَاجَةٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنَّكُمْ كَفَرُوا

”در جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو گے تمہیں اندیشہ ہو کہ اگر تمہیں عزا دیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں، بلکہ اس کی اجازت ہے کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر بڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر بڑھنے میں۔

**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تہرے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لیے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ اس کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ **لا خُصَّاح** حاجی کے صفا مرد کی سنی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے رہا نماز ہے۔

**فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ غَمَرَ بِهِ فَلَا خُصَّاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا**  
 (تو جو بیت اللہ کی حج یا عمرہ کرے، اس پر اس میں گناہ نہیں کہ معاذم اللہ کا طواف کرے۔)  
 حالانکہ صفا مرد کا طواف حج میں واجب ہے عمرو میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے لاجتماع فرضیت کے خلاف نہیں۔  
 تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں، ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے لہذا کرے میں گناہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ نہ نبوی ﷺ میں صحابہ کرام کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں سمجھنے کے لیے یہ ارشاد ہوا اللہ آیت ہلال واضح ہے تمہارے لیے مفید نہیں۔  
**اعتواہن منہو** ۹ شرح سنن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

**قُلْتُ كُنْ دَيْكَ قَدْ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْرَ لُضْلُوَةِ وَاتَمَّ**  
 (فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سب کچھ کیا قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی پڑھی۔)  
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور چاروی پڑھنی بھی سنت، صرف قصر فرض نہیں۔  
**جواب** اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ایراد ہیں، ایراد بھی ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، لہذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں، دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اسی حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بیٹھ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود امام اسود میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں کہ **وَلَا تَمَرُّ دُورُكَتٍ فَرَضَ** ہوئی پھر سفر میں وہی دو رکعتیں فرض ہیں وطن میں بعض لمبوں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں اور بھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں، لہذا یہ حدیث جب نہ آئی ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور ﷺ نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا۔ لہذا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضور نور ﷺ نے شروع مقام میں **وَلَا تَقْرَبُنِي بِرَمَازٍ دُورٍ** دو رکعت پڑھی، پھر جب فرمایا یعنی وہ سے زیادہ بعض چار رکعت کر دی تھیں اور بعض تین تو حضور ﷺ نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہوگئی اور گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی۔

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مرتب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

**طَبَقُهُ عَجِيبٌ** غیر مقلد دہلی ہمیشہ شیعوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے تو بخاری مسلم کی روایت ہوجھ بوجھ ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور ﷺ اور حضرت خلفائے راشدین سے ثابت ہے، اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا فضل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

**وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ فِي السَّهْرِ وَالْوَبْكَرِ وَعُمَرُو عُثْمَانُ صَدَرُوا**

مَنْ خَلَقَهُ وَاعْمَلْ عَمِي هَذَا عَمَلًا كَثِيرًا هَلَّا أَعْلَمَهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ  
 حضور ﷺ سے صحیح حدیث یہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابو بکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع  
 خلاف میں اور اس پر ہی اکثر علماء صحابہ و غیرہ کا عمل ہے۔

اور سفر میں اتمام کے متعلق، امام ترمذی بہت صریح طریقے سے فرماتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَى عَنْ عَائِشَةَ أَهْكَ كُنْتَ تَتِمُّ الصُّلُوهَ فِي السَّفَرِ  
 (ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔)

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہوئی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوعہ کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ  
 رضی اللہ عنہا کے عمل شریف کا ذکر کرتے فرماتے۔

پر مطلق بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَأَعْمَلُ عَمِي مَا رَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ  
 (عمل اس پر ہے جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی (قصر)۔)

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر میں اتمام  
 فرماتی تھیں، اہل علم نے حضور علیہ السلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔

اعتراض محبوب ۳ نسائی و دارقطنی اور کئی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

لَا تُخْرِجُكَ مَعَ رَسُولٍ لِلَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَمْرَةٍ رَمَضَانَ فَطَرْتُ وَصُفْتُ وَقَصَرْتُ  
 وَأَفْطَرْتُ وَصُفْتُ فَإِنْ أَحْسَنْتُ عَائِشَةَ وَمَاعِدَ عَلِيٍّ

فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رمضان کے عہد میں کئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا آپ نے نماز قصر پڑھی میں نے پوری پڑھی  
 یعنی اتمام کیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے قصر کیا، میں نے پوری پڑھی، آپ نے رکعات میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ تم  
 نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتمام بھی۔

جواب یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض لفظ اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور ﷺ نے کوئی عہد رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے کل چار  
 عہدے کیے ہیں، جو سب کے سب اسی تہہ میں تھے، السنۃ مجتہدہ الوداع کے عہد کا ۱۱ م تو اسی تہہ میں تھا۔ اور خیال عمرہ و یا کچھ میں ادا ہونے خصوصاً  
 حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رمضان کے عہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا ایسا عجیب اور عجیبہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل  
 فرما سکتے ہیں، وہابیچہ! پیسے آپے ہاتھ مل کی تر از دوش تولو، بعد کو یلو۔

اعتراض محبوب ۴ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضِي رَكَعَتَيْنِ وَأَنُوبُكَرُ وَغَمْرٌ بَعْدَ ابْنِي بِكَرٍ وَغُثْمَانُ  
 صَلَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ ثُمَّ ابْنُ غُثْمَانَ صَلَّى بَعْدَ ابْنِ بَكْرٍ فَكَانَ ابْنُ غَمْرٍ إِذَا صَلَّى مَعَ إِمَامٍ صَلَّى ابْنِ بَكْرٍ وَابْنُ  
 صَلَّى وَحْدَهُ صَلَّى وَرَكَعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں حضور ﷺ نے منی میں دو رکعتیں پڑھیں، ابو بکر صدیق نے ان کے بعد عمر فاروق سے اور عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں، پھر  
 حضرت عثمان نے چار رکعتیں منی میں پڑھیں، حضرت ابن عمر جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔“

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ منی شریف میں اتمام کیوں کرتے؟

جواب اس کے چند جواب ہیں۔

یک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے  
 معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو

اتمام نہ کیا مگر جب پوری پڑھنے لگے تو کبھی قصر نہ پڑھی اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا، آپ کا یہ اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی شریف میں اتمام کیا عام سفر میں نہیں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی سفر میں اتمام کے قائل تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منی شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا منی میں اتمام فرمنا اس لیے تھا کہ آپ قصر وہ تمام دنوں کا زمانہ تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دورِ رواہ میں امام ابن فضل نے روایت کی کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منی میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہلِ والد ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سہے کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا جاوے وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

”ثُمَّ صَلَّى بِمَنْى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَانْكَرَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ يٰهَآ اَلنَّاسُ اَنَّى تَاهَلُّنَّ بِمَكَّةَ مِنْذُ قَدَفْتُ وَبَنِي سَبْعَةَ اَلْح (مرقاۃ، فتح القدیر)

”حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منی شریف میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں گھر والا ہو گیا ہوں۔“

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے، ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا، جس سے پتہ چلا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام بھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں گر کوئی ایک دن کے بیٹے بھی جائے تو تعلیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ما۔ عثمانی کے کو مسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو در رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا، کہ اسلام میں نمازیں دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس لطیفی کا علم ہو، تو آپ نے اس لطیفی کو دور کر کے لیے صرف منی میں اتمام کیا یعنی چار رکعتیں پڑھیں چنانچہ مہدارزاق اور دارقطنی نے ابن جریر سے روایت کی۔

”بَلَّغْنِي اَنَّهُ اَوْفَى اَرْبَعًا بِمَعْنَى فَقَطْ مِنْ اَحَدٍ اَنْ اَعْبَرَ بِنَاءٍ دَفْعًا فِي مَسْجِدِ حَنْبَلٍ بِمَعْنَى يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا رَأَيْتُ اَصْنَهَا رَكَعَتَيْنِ مِنْ اِلَّا زِلْ صُلْبَهَا رَكَعَتَيْنِ فَعَشْنِي غَضَبًا اَنْ يَطْلُبُ خَطَاؤُ النَّاسِ لَصَلَاةٍ رَكَعَتَيْنِ وَنَهَا كَانِ اَوْفَاهُ بِمَعْنَى

”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صرف منی میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک دیہاتی نے مسجدِ حبشہ میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو برا دور رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ میں نے آپ کو دور رکعتیں پڑھتے دیکھا تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا، کہ جہادِ خدا کی دور رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لیے آپ نے منی میں چار رکعتیں پڑھیں۔“

امام احمد اور مہدارزاق کی یہ دونوں روایتیں اس طرح صحیح کی جاسکتی ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی اس لطیفی کا علم ہو تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر بڑھایا تاکہ آپ یہاں آکر تعلیم ہو کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں چلا سکتے۔

**اعتراضِ مجدد** جیسے شریعت سے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے نہ قضاء کرنا فرض ہے ایسے ہی چاہئے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا دورے کے اختیار کے خلاف ہے۔

**جواب** شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو دورے کی قضاء پر قیاس کرنے لگے، مقدمہ حنفی قیاس کو، میں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جاؤں اور آپ قیاس کریں تو بھتہ توحید مجھے رہیں، افسوس۔

جناب دور و سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضاء کر دینے کی اجازت ملی ہے اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضاء کرے تو پورے کی، ایسی فرض نماز سفر میں آدمی معاف ہوگئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دور رکعتیں نہ اب پڑھئے نہ وطن پہنچ کر، معافی اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہذا دورے کے قصر کو دورے کی، تاخیر پر قیاس کرنا مع القادری ہے مسافر پر روزہ صاف نہ ہوا دورے اس کی قضاء واجب نہ ہوتی، اس پر

رورہ فرض ہے۔

مگر یہ دور کعتیں سے معاف ہیں، اس لیے ان کی قضاء نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لیے نفل نہیں۔ درنفل نماز فرض کے تحریم سے نہ ہونا خلاف قاعدہ  
شرعیہ ہے۔

**مسئلہ** مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچنے سے پہلے روزوں کی قضاء شروع کر دے، اگر سفر میں آٹھ روز بے قضا ہو گئے پھر وطن پہنچ کر  
چار دن بعد فوت ہو گیا تو قیامت میں ان چاروں روزوں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روزوں کی پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ نیکو اور  
حاکمہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضاء شروع کریں۔

# اتھارہواں باب

## نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

جنہوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اور اچیا لے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جو عت کھڑی ہو، مگر غیر مقلد و پادشوں کے رویکہ نماز فجر با نکل اوقاف وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہئے، اس سے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

**نوٹ ضروری** خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا فصل ہیں، نماز مغرب میں حمدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہوجانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دیکھنا قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں، تاکہ سنا کریں خود کریں، کہ مذہب حنفی کتنا مثلاً اور مدلل ہے۔

## پہلی فصل

### نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہوجانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ویں الجھ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں، اس پر بہت احادیث شامد ہیں جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

**حدیث نمبر ۱۱۱۱** ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بخاری، ابوداؤد طیالسی، طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رفیع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 'اسْمُرْ وَبِاسْمُحِرْ فَإِنَّهُ عَظَمُ لُحَاظٍ وَقَدْ لَرَمَدِيْ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ'

"اور فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نماز فجر خوب اور اچیا لے کر کے پڑھو، اس کا ثواب زیادہ ہے ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

**خیال رہے** کہ اس حدیث میں اوجیالے کرنے سے مراد خوب اور اچیا لے کرنا ہے جب کے روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہوجاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اور جیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے وہی روشنی ہے جو ہم نے عرض کی۔

**حدیث نمبر ۹، ۱۰** بخاری و مسلم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ بَغِيرٍ وَفَتْهَا إِلَّا بَحْنِمْ وَنَمَسَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ مِنَ الْقَدِّ قَلِيلًا وَفَتْهَا

"میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سو، مگر اللہ کے کہ وہاں حضور ﷺ نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔"

اس سے معلوم ہو، کہ حضور انور ﷺ ہمیشہ فجر خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں و اوجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معاد سے پہلے کہ حضور ﷺ ہمیشہ ہی ازل وقت فجر پڑھتے ہوئے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی، کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں۔

**خیال رہے** کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب و عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی بلکہ روزانہ کے وقت معبود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

**حدیث نمبر ۱۱۱۱** ابوداؤد، طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن رواہیو، بھرائی نے معجم میں حضرت رفیع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ يَا بِلَالُ نَوِزْ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يَنْضَعَ الْقَوْمُ مَوَاصِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْإِسْقَارِ

"فرماتے ہیں کہ حکم دیا حضور ﷺ نے حضرت بیلل رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے بیلل! نماز صبح میں اوجیالے کر، یہاں تک کہ لوگ اوجیالے کی وجہ



سے اپنے پیچھے ہوتے تیر گرنے کی جگہ پکڑ لیا کریں۔"

اس حدیث سے معلوم ہو کہ حضور اللہ ﷺ نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا جبکہ نیز انداز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب تک ہو سکا ہے جب خوب روشنی پھیل چوے۔

**حدیث نمبر ۱۵** دیشی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَوَازٍ بِالْفَجْرِ مَوَازٍ فِي قَبْرِهِ وَقِيلَ فَيَقِصُّ صَوْتَهُ  
 "فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر در اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے کہ اس کی  
 راس میں روشنی کرے۔"

**حدیث نمبر ۱۶، ۱۷** طبرانی نے اوسط میں اور بڑا دن نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرَانِ أَتَيْتُ عَلَى الْعِطْرَةِ مَا اسْفَرُ بِصَوْتِ الْفَجْرِ  
 "فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے میری امت دین فطرت پر رہے گی جب تک کہ نماز فجر اوجھالے میں پڑھے۔"

**حدیث نمبر ۱۸، ۱۹، ۲۰** طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے ترمذی سے فرق سے حضرت یحییٰ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَمِي بِي بَرَّةَ بِسْمَلٍ نَهْ أَبِي عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ  
 كُنْ بِبَصَرٍ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالزَّحْلِ يَعْرِفُ وَحَدَّ حَيْسَمَهُ وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا بِالسَّنَنِ إِلَى الْمَاءِ  
 "میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو براء صحابی کے پاس گیا، میرے والد ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز صبح پوچھتے تھے تو انہوں نے فرمایا  
 کہ حضور ﷺ نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ دیکھ لیتا تھا حالانکہ حضور اللہ ﷺ ساتھ سے سوا آجوں  
 تک پڑھتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۲۱** طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن زید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ أَبِي مَسْفُودَ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَوْتِ الصُّبْحِ  
 "فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے آپ خوب آجیوے میں نماز پڑھتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۲۲** یحییٰ نے سنن کبریٰ میں ابو عثمان تھدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ الْفَجْرِ لَمَّا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرَّحْمَنُ دَوَّ الْفَقُولِ أَنَّ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمَّا  
 سَلَّمَ قَالُوا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَاوَتْ لَشَمْسُ تَطْلُعُ قَالَ فَتَكُنْ شَيْءٌ لَمْ يَفْهَمْهُ فَقَدْ أَتَى شَيْءٌ قَالَ  
 قَالُوا لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ نَحْذَرِ عَافِيَسَ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر پڑھی تو آپ نے سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب  
 آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ سے امیر المؤمنین سورج نکلنے ہی والا ہے آپ نے کچھ فرمایا جو میں نے کچھ سنا میں نے لوگوں سے پوچھا  
 کہ حضرت عمر نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو قافل نہ پاتا۔"

**حدیث نمبر ۲۳** یحییٰ نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ بِبُؤَيْكِرٍ صَوْتِ الصُّبْحِ فَهَرَاءُ عُمَرَ لَمَّا قَدِمُوا كَدَبَ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ نَحْذَرِ عَافِيَسَ  
 "فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو بکر صدیق نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے آپ نے فرمایا کہ  
 اگر نکل آتا تو ہم کو قافل نہ پاتا۔"

**حدیث نمبر ۲۴، ۲۵** طحاوی اور لا خور و حدیث نے اپنی سند میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے ہمارے انہوں نے ہر ایک شخص  
 سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ كَجَمَاعَتِهِمْ عَلَى التَّوْبَةِ فِي  
 الْفَجْرِ وَالتَّعْجِيلِ فِي الْمَغْرِبِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ لَا يَصُحُّ أَنْ يَجْتَمِعُوا عَلَى حِلَافٍ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ

اللّٰهُ صَنَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جائیں۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیلے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتیٰ کہ کوئی کو سورج نکل آئے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ اس پر تھا، کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹ محمدی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عُمِيًّا يَقُولُ مَا قَسَرَ سَفَرُ سَفَرُ

"فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے اے قحط اوجیالا کرو اور اوجیالا کرو۔"

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اوجیلے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ **سَفَرُ** دو بار فرماتے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، اگر یہ وہ حقیقی مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح ابوداؤد شریف کا مطالعہ فرمادو، ہر جہاں چھوٹا لکھ اوجیلے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ سنت صحابہ کرام کا تقاضا ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیلے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے نفی مٹتی ہیں وجہ اور روشنی، لہذا نماز فجر اوجیلے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا اور اندھیرے میں پڑھنا، نام کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ اوجیلے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں اگر جلدی بھی نہیں تو اس وقت استسقاء بعض کو خسل و شوکرا، سستی پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور پکھوال ادا کر کے پڑھتے ہیں ان دنوں وقت فجر کی جماعت کر پینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یکجہرا ہوتے رہ جاتے ہیں اوجیلے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکمیل ادائی میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو در اقرأت سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ ان کے عقیدوں پر بار ہوتی تھی، جس چیز سے جماعت ٹھٹھ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔

تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں نا دشوار ہوگا۔ اوجیلے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں صبح نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ نے فجر میں بہت اوجیالا کرنے کا اہتمام کیا، دیکھو طحاوی شریف صحیح ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز کو چند امور میں نماز مطرب سے مناسب ہے، مغرب رات کی پہلی نماز سے فجر کے دن کی پہلی نماز، مطرب کا روزہ بارہ ہونے کا وقت ہے، فجر کا روزہ رکھنے کا وقت مطرب نیک نماز فجر بیداری کا بیش خمیس ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مطرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مطرب کا ہوگا اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مطرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مطرب اوجیلے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیلے میں پڑھنا بہتر ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

تاخیر فجر پر ایک دہائیوں میر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، مگر بعد میں اگر کوئی اعتراض معلوم ہو تو ان شاء اللہ تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الصُّلُوَةُ دَا اِنَّكَ وَالْحَجَارَةُ اِذَا خَصِرَتْ وَالْاَيُّمُ اِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفْرًا

"کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز جب اس کا وقت آجائے، چٹا رہ جب حاضر ہو، لڑکی کا گلاں جب اس کے پیٹے نکول جاوے۔"

نیز اس ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُقُوتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رَضَوَانِ الْمَغْدِ وَالْوُقُوتُ الْآخِرُ غَفُورٌ لِلَّهِ  
 "فرماتے ہیں کہ نماز کا حضور ﷺ سے کہنا کہ اول وقت رب کی رضا خوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی معافی ہے۔"  
 ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اذان وقت پڑھنی چاہئے، چنانچہ لوگ فجر ویر میں پڑھ کر رب تعالیٰ کی رضا مندی سے محروم ہیں۔  
**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث جہاں سے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی تکبیر میں تاخیر مستحب  
 ویکٹر پر جتنے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ وہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں ذیل وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ مطلق وقت کا ذیل یہی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جاوے تب  
 دیر نہ لگاؤ نہ نماز فجر میں روشنی ہی اذان وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لیے تہائی رات اس وقت ہے۔  
**اعتراض نمبر ۹** مسلم بخاری اور ترمذی میں حدیثیں ہیں کہ حضور ﷺ ہمیشہ نماز فجر طلوع میں ہی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہذا حضور  
 کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

**جواب** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ طلوع کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا ہو یا مسجد کا  
 اندھیرا حضور ﷺ نماز فجر روشنی میں ہی پڑھتے تھے۔ مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا، کیونکہ مسجد نبوی شریف ﷺ بہت گہری بنی ہوئی تھی، چھت میں  
 روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا ہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے مگر دور ہے، اس صورت میں یہ  
 حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔

دوسرے یہ کہ اگر طلوع سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور ﷺ کا فصل شریف ہے۔ اور قوب شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی  
 حضور ﷺ نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیلے میں پڑھنے کا حکم دیا، اور جب حدیث قوی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قوی کو ترجیح  
 ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا اعتبار ہے، دیکھو سرکار ﷺ نے خود نبیوں کا نیکار میں رکھیں مگر ہم کو چارہ نبیوں کی جارت دی۔ ہم حکم  
 پڑھیں کر کے صرف چارہ نبیوں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پڑھیں نہ کریں گے یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے، کہ قوب میں پڑھنا ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیلے میں فجر پڑھتے تھے حالانکہ انہوں نے حضور ﷺ کا یہ عمل شریف دیکھا تھا،  
 معلوم ہوا کہ حدیث قوی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے، دوسری حدیث کو، اپنی عمل نہ سمجھتے تھے۔  
 چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کے خلاف ہے، اوجیلے میں ہونا قیاس کے مطابق لہذا، اوجیلے والی حدیث کو ترجیح ہوگی،  
 کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ **لَوْ ضُوءٌ مِّنْهُ اَنَارُ** آگ کی چکی چڑکھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے  
 کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا، پہلی حدیث خلاف قیاس ہے، دوسری مطابق قیاس لہذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوگی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ  
 وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، اگلی کرتا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ طلوع سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح  
 دہنی کی حدیث کو ہے۔

**حصار اعلان** ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی عرفی حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، جیسے ہم نے اوجیلے  
 میں فجر پڑھنے کی ایک دوئیں، بہت احادیث پیش کر دیں جس میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔  
 یا پھر یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیے ہیں اور اوجیلے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لیے، لہذا دونوں حدیثیں موافق  
 ہیں، مخالف نہیں، یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیلے میں فجر پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ حضور  
 ﷺ نے اس کا حکم دیا۔

**اعتراض نمبر ۳** مسلم بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنِي الصُّبْحَ فَتَصْرَفُ النِّسَاءُ مُتَمَفِقَاتٍ بِمُرُورِ طَهْرٍ  
 مَا يُغْفَرُ فِيهِ الْغَنَسُ  
 "فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں پٹی ہوئی مسجد سے وہیں ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ  
 سے بچکانی نہیں جاتی تھیں۔"

معلوم ہوا کہ نماز فجر تہجدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب سامنے یا سواتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو تو کوئی لازمی اندھیرے کی وجہ سے بچکانا نہ چاہیے

کئے، خفی تھا اور جادو کر کے فجر پڑھتے ہیں، اگر شروع نماز کے وقت ہی لوگ بچکانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

**جواب** اس کے جوابات اعتراض ۳ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان در حکم و ترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں غورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیجاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں غورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہو گئی، غورتوں کو رعایت سے روکنے کی پوری تحقیق اور اس کی وجہ ہماری کتاب سہمی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

**اعتراض نمبر ۴** ترمذی شریف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قُلْتُ مَا صَنَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةً لَوْ فَتَهَا الْآخِرُ مَرْتِنِينَ حَتَّى قَبِضَهُ اللَّهُ

"فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔"

اس سے معلوم ہو کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر اول وقت پڑھنا حضور ﷺ کی دائمی سنت ہے، یہ حکم حضور ﷺ سے ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ خفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہذا اور سات میں روئی رہ گیا ہے۔ اس لئے ما ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَسْنَا اسَدَهُ بِمُتَّصِلٍ

"یہیچے نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔"

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لَا نَعْلَمُ لَمْ يَنْتَ مَلَاقَةً اسْحَقَ مَعَ عَامَّةٍ مَرَّةٍ مَرَّةٍ

"کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہ ہوئی۔"

لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں، افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور نکلی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود یہی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں، جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عرض کرے "اے تو! اسوں نے دو دن حضور ﷺ کو نمازیں پڑھا میں، پہلے دن تمام نمازیں اذان وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس گھرایا، ایک دن نمازیں اذان وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت، پھر عیس کی رات میں حضور ﷺ نے فجر کی نماز قضا پڑھی، فرود خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضا کر کے پڑھیں، عام طور پر ستر میں حضور ﷺ نماز عصر آخر وقت اور عصر اذان وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت مثلاً اذان وقت پڑھتے تھے۔

ایک حضور ﷺ نماز فجر کے سبے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ سے اپنا وسع قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھنا۔ (مشکوٰۃ جواب المساجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہا نمازیں آخر وقت میں پڑھیں اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو بار بھی نہ پڑھی لہذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے پھر تم عشاء اگر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا مستحب کیوں کہتے ہو؟ اگر گریوں میں تمہارا آخر وقت میں مستحب کیوں۔

**اعتراض نمبر ۵** تم نے جو حدیث عائشہ کی تھی کہ فجر کو اوجھالے میں پڑھا، اس میں اوجھالے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے جس سے وقت فجر آجاتا، یعنی ہو جاوے زور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شک کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں جو جنسیوں نے کبھی یعنی خوب اوجھالے بہت سے مہر شین نے اس حدیث کا یہی مطلب لیا کیا۔

**جواب** ہرگز نہیں کیونکہ اتنا اوجھالہ کہنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز نہیں، اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اوجھالے کا ثواب زیادہ ہے یعنی یہ اوجھالہ مستحب ہے نہ کہ فرض، لہذا اس اوجھالے سے مراد وہی روشنی صبح ہے جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے اور جو ہم نے معنی کیے وہ

فی روست ہیں حدیث سمجھنے کے لئے تھک ضروری ہے۔

# انیسواں باب

## ظہر ٹینڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ برج کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دو گنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر چھٹی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیریں پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چھٹی پڑھ لیتے ہیں اور ایک غسل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح خبیثوں کو بہکاتے ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیل کی جاتی ہیں، پہلی تفصیل میں اس کا ثبوت دوسری تفصیل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیے کہ اپنے دلائل اور دلائل کے جوابات یاد رکھیں۔

## پہلی فصل

## ظہر ٹینڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلنے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھی سنت ہے جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے، درود پکار کر جوش کم ہو جاوے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۵۶۱ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَدَّ الْحَرُّ فَبَرِّدُوا، بِالضَّلْوَةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ "حَسَنٌ" صَحِيحٌ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

حدیث نمبر ۱۰۶۱ ابوداؤد طیحاکی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم بخاری نسائی بیہقی نے بوسید غدیری رضی اللہ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحٍ حَمِيمٍ فَأَمْرٌ ذُو اسْطُظْهَرٍ وَاسْتَنْكَتِ السَّارِبُ لِي رَتْبَهَا فَقَالَتْ رَبِّ اكْنِ بَعْضِي بَعْضًا فَادْنِ لَهَا بِفَسْفِيسٍ بَعْضٍ فِي الشَّتَاءِ وَبَعْضٍ فِي الصَّيْفِ

"فرمادی نبی ﷺ نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، لہذا ظہر ٹھنڈی کر دو آگ سے رب کی ہارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھڑا لا تو رب نے اس دوسانسوں کی جازت دی ایک سانس سردی میں، ایک سانس گرمی میں۔"

حدیث نمبر ۱۱ نسائی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَمْرًا بِالضَّلْوَةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَمَلًا

"فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور ﷺ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو چھ پڑھ لیتے تھے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۱۲ بخاری، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طیحاکی، ابوعوانہ، بیہقی نے حضرت ابوزر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدٍ فَارْدَ الْمَوْزِدُ أَنْ يُؤَدَّ سَطْهَرُ فَهَذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرًا أَنْ يُؤَدَّ لِمَا رَأَى الْبُحْرَانُ الْبُحْرَانُ فَهَذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ شَدَّ الْحَرُّ فَبَرِّدْتُمْ بِالضَّلْوَةِ قَالَ ابْنُ مَرْمُودٍ هَذَا حَدِيثٌ "حَسَنٌ" صَحِيحٌ

"فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے، موزن نے ظہر کی آواز دی وہی چاہی تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو، پھر انہوں نے آواز کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو یہاں تک کہ ہم نے ٹیوں کا سایہ دیکھا تو فرمایا یہی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کیا کرو ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر میر مقلد وہابیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز اذان وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تمس حجوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز تو اڑکی کا کٹا حج بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، اہم وہ اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں اب تہی قبول فرماوے۔

**اعتراض نمبر ۱** ابو داؤد۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک دروازہ حدیث روایت کی جس میں رشا دفرا یا کہ حضرت جبریل سے مجھے دو نماز پڑھائی یک دن ہر نماز اس وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

**وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ**

"حضرت جبریل سے مجھے پہلے دو عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ کسی حدیث میں ایک جگہ یہ بھی ہے

**فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَنَى بِي الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ**

"جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز عصر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔"

فرمایا پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی دوسرے دن غاص اس ہی وقت نماز عصر پڑھائی، حالانکہ وقت عصر، عصر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے اگر ایک مثل سایہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز عصر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

**وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ** "اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ کسی حدیث میں ذیل دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہئے تو جو تمہارا جواب ہے ۱۱۱۱۔ چوتھے یہ کہ کسی حدیث میں تو یہ ہے کہ عصر کا ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھادی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں ان میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے گرمی میں نماز عصر غنڈی کر کے اور نیلے کا سایہ پڑ جانے پر، فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس میں متعارض ہوئیں لہذا ہماری پیش کردہ حدیث کو ترجیح ہوگی کیونکہ دو قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قائل مثل نہیں کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے تعرض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ مثل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور ﷺ کا مثل جو ہم ثابت کر چکے ہیں یعنی غنڈی میں نماز پڑھنا بعد کا مثل ہے لہذا تمہاری پیش کردہ حدیث مسموم ہے ہماری پیش کردہ حدیث اس کی ناسخ اس پہلے یہ حدیث قائل مثل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے راکھ نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے اس قاعدہ پر صد ہا مسائل نکالے گئے ہیں سورج اٹھنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا لکنا مظلوم ہے تو اس شک سے وقت ظہر نہ لگے گا اور وقت عصر داخل نہ ہو گا دو مثل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے لہذا یہی ہی حکم قائل عمل ہے۔ کہ تمہارا قول۔

**اعتراض نمبر ۲** صحاح کرامہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز غیر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے اسی سبب سجدہ کی جگہ کپڑے یا غنڈی بکری رکھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ نماز غیر گرمیوں میں بھی ذیل وقت ہی پڑھنی چاہیے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک ہی کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے غنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہی قائل عمل ہیں یہ حدیث ناقابل عمل یا مسموم ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی یک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوئی تھی وقت غنڈا ہو چکا تھا لہذا یہ حدیث ان حدیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں غنڈی کا حکم ہے، جہاں تک ہو سکتا حدیث میں مطابقت کی جاوے۔



**اعتراض نمبر ۳** صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ عصر اتنی جلد ہی پڑھتے تھے کہ بعد نماز عصر دُعا کر کے بوجھنا بنا کر بھوں کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو رکعتوں سے پہلے پڑھی جاتی تھی کیونکہ دو رکعت کے بعد اتنا وقت نہیں چلتا کہ یہ کام کیئے جاویں۔ (عام دہلی)

**جواب** یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط۔ دو رکعت کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے بل عرب بہت تیز رفتار ہیں ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے ایسے ہی وقت کا رخ کر لینا اور بھوں کر کھا لینا غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت سی مہارتیں ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن ہے۔

**اعتراض نمبر ۴** مسلم بخاری میں حضرت بل بن سہرہ سے روایت ہے۔

قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَهَذَى إِلَّا بَعْدَ الْخُمَةِ "ہم سہا نہیں قبول کرتے تھے نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بہت جلد پڑھنی چاہیے کہ دو پہر کا آتماز بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کا جاوے، مگر تم کیسے کہتے ہو کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

**جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے کیونکہ اس سے راہم آتا ہے کہ نماز جمعہ ناشتہ اور کینورہ یعنی دو پہر کے آرام سے پہلے پڑھنی چاہیے تو چاہیے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے تم بھی اتنی جلد ہی جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دو پہر کا آرام بعد نماز یہ سب چھوڑ کر تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ و آرام چھوڑ کر دیتے تھے۔ کہ ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جو پہلے پڑھ بیٹے تھے جیسا کہ تم کہتے تھے۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث میں مرد یوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دو پہر میں گرمی نہیں ہوتی اس لیے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے دو پہر کا آرام اور آرام جمعہ کرتے تھے اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اِنَّ السَّيِّئَ صُنِيَ لِلّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْخُمَةَ حِيْنَ تَرَوْنَ الشَّمْسَ

"حضور ﷺ آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔"

لہذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جائے گی ظہر کی طرح اب حادثہ میں کوئی تعارض نہیں۔



**حدیث نمبر ۹** ابن ابی شیبہ: ترمذی نے حضرت ابن ابی شیبہ سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ رَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ مُؤَدِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَشْفَعُ الْأَدْنَ وَالْإِقَامَةَ ،

فرماتے ہیں، کہ عبداللہ ابن ریدہ انصاری حضور ﷺ کے مؤذن اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔

اس حدیث سے مسئلہ معلوم ہونے لگا کہ وہاں ترجیع نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

**حدیث نمبر ۱۰** بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

تَبَّهْ كَانَ يَقْضِي الْأَدْنَ مَشْيَ مَشْيَ وَالْإِقَامَةَ مَشْيَ مَشْيَ وَمَرْبِرْ خَلِي يُقْبِهِ مَرَّةً مَرَّةً فَقَدْ اجْعَلَهَا مَشْيَ

مَشْيَ لَا أَمَ لَكَ

"آپ فرماتے تھے کہ اذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ایک شخص پر گزرتے ہوئے کہتے تھے کہ اقامت ایک ایک بار کہہ رہا

تھا۔ تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کہہ دے کہ میری ماں تیرے ہے۔"

**حدیث نمبر ۱۱** ابو داؤد و شریف نے حضرت سفیان بن عیینہ سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبداللہ ابن ریدہ انصاری کی خواب

کا واقعہ مذکور ہے جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی انہوں نے حضور ﷺ کی حدیث میں آکر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا

جس نے قبلہ کی طرف منکر کے اللہ 'کبر اللہ' اکبر' شہد ان لہ لا الہ الا اللہ' اے کہ پھر پھر منکر کو اذان کی طرح تکبیر بھی کہی اور

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَفَسْهَامًا لَا فَاذْنَ بَهَا

راوی کہتے ہیں، کہ حضور نے عبداللہ سے فرمایا کہ یہ اذان حضرت بلال پر تحقیق کرو، وہی حضرت بلال نے اذان کی کلمات سے دی۔

اس حدیث سے معلوم ہو کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے اذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی جو حضرت بلال نے حضور

کی موجودگی میں عبداللہ ابن ریدہ کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہو کہ اقامت بھی اذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں قد فامب الصلوٰۃ

بھی ہے۔

**حدیث نمبر ۱۲، ۱۳** ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا اصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنُ رَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ حَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ

اللَّهِ ﷺ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَحِلًا قَاهُ وَعَلَيْهِ نَزْدٌ أَحْصَرَ بِي فَقَامَ عَلَيَّ حَانِطٌ فَادْنَ مَشْيَ مَشْيَ

وَقَامَ مَشْيَ مَشْيَ

"فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبداللہ ابن ریدہ انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ میں نے

خواب دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو ہزار کپڑے ہیں۔ جس پر دو ہزار پر کھڑ ہوا اور ان میں بھی دو دو بار تکبیر بھی دو دو بار کہی۔"

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع، نہ اقامت ایک ایک بار

معلوم ہوا کہ نفی کرتا ہے، جس کی وجہ سے تعلیم دی۔

**حدیث نمبر ۱۴، ۱۵** دارقطنی، عبدالرزاق، حماد و شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی۔

أَنَّ بِلَالًا كَانَ يَشْيِي الْأَدْنَ وَيَشْيِي الْإِقَامَةَ وَكَانَ يَبْدَأُ بِالْتَّكْبِيرِ وَيَحْتَمِلُ مَا لَتُكْبِيرِ

"بے شک حضرت بلال اذان میں دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔"

**حدیث نمبر ۱۶** طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامیین میں حضرت جناد ابن ابی مہیہ سے روایت کی۔

عَنْ بِلَالٍ أَنَّهُ كَانَ يَجْعَلُ الْأَدْنَ وَالْإِقَامَةَ سَوَاءً مَشْيَ مَشْيَ

"وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ اذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار۔"

حدیث نمبر ۱۸ دارقطنی نے حضرت ابو حنیفہ سے روایت کی۔

اَنْ بِلَا لَا كُنْ يَنْوُذُنْ لَمْ يَسْمَعْ مَنِيْ مَنِيْ وَيَقْبِعْ مَنِيْ مَنِيْ  
حضرت بدل حضور انور ﷺ کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دو دو بار۔

حدیث نمبر ۱۹ طحاوی نے حضرت حماد بن ابی اسحاق سے روایت کی۔

قُلْ كَاَنْ تُوْبُوْنَ يَنْوُذُنْ مَنِيْ مَنِيْ "حضرت ثوبان اذان دو دو بار کہتے تھے۔"

حدیث نمبر ۲۰ طحاوی سے حضرت عبید بن جریح سے روایت کی۔

اَنْ سَلَّمَ اَبْنُ الْاَشْجَعِ كُنْ يَنْشِي الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ "واقامت دو دو بار کہتے تھے۔"

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح انبہاری، دہلوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرمادیں، احادیث سے حسب دلیل چیزیں معلوم ہوں گی۔

عبداللہ بن ربیع، ابن عبداللہ ابن شہر بنی النضر رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے اس میں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہی اذان و گھیر نہ کر رہے۔ جو عام طور پر مانج ہے۔

ابن فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیع بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہی ہماری اذان ہے۔

ابن حضور ﷺ کے مشہور مکتوب حضرت بدل، حضرت ثوبان وغیرہم ہمیشہ وہی اذان و اقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے یعنی خلی اذان و اقامت۔

ابن جلیل تقدیر صحابہ و تابعین جیسے حضرت علی، عبداللہ بن عمر، سلمہ بن اکوع، عبداللہ بن زید، برائیم نخعی، حضرت حیدر، ابو حنیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم یہی اذان کہتے اور کہتے تھے جو مروج ہے، ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہلاتے تھے، ترجیع یا اقامت ایک بار سنت ہوئی، تو یہ حضرات جو حجاج شناس رسول سنت کے قبیح و بدعت سے متکبر تھے، یہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور اس پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو کیونکہ اذان میں اصل پنج صلوٰۃ اور فلاح ہے کہ اذان نماز کی ارکان و دعوت کے لئے ہے ہائی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ رکعت یا تہجد یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں جب صلوٰۃ اور فلاح میں مکرار اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو اس کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ اذان کا مقصد ہے نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہئے مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہرگز بلند آواز سے چاہئے دیکھو اذان کے آواز میں تکبیر چار دفعہ کی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی سے، مگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان کی طرح ہے حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا گیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یَسْمَعُ كُلُّ دَبْسٍ صَوْرَةَ "ہر دو ذالوں کے درمیان نماز ہے یعنی آذان و اقامت کے درمیان ہاں فرق صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کا ہے کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں تو چاہئے کہ اقامت کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار ہوں۔ چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر کئے ہیں کہ ذیل میں بھی میں آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ مکرر ہیں کہ اذان میں بھی میں آخر میں جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ مکرر ہیں کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے صلوٰۃ فلاح جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گئے ہیں دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی چار دفعہ ہے اور دوسری شہادت تو حیدر پہلی بار دو دفعہ ہے تو آخر ہر ایک دفعہ۔ تو چاہئے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہذا آخری اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں مانج ہے بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت اور حماقت ہے۔

# دوسری فصل

## اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

خفی اذن و اقامت پر غیر مقلد و بالی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی طلاع ہم کو پہنچی ہے وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں 'مگر آنکھ دہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو انشا اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کے جوابات میں عرض کر دیے جائیں گے۔

**اعتراض نمبر ۱:** مسلم شریف کے حضرت ابو یوسف و رضی اللہ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی کہ حضور ﷺ نے انہیں بغض نفس اذن کی تلقین فرمائی اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوذُ فَقُولُ اشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ اشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ  
"دو بار شہادتوں کے بعد پھر یوں کہو اشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ"

اشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

اشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت ابو یوسف و روکا اذان کی شہادتیں میں ترجیح سکھائی، اذان میں ترجیح سنت ہے۔

**جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو یوسف و رضی اللہ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیح کا ذکر فرماتے ہیں، اور نہ ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیح کا ذکر بالکل نہیں، بل وہی شریف نے انہیں ابو یوسف و رو سے جو حدیث نقل کی اس میں اذان میں پہلے چاروں کے دو بار تکبیر کا ذکر ہے۔ لہذا ابو یوسف و رو کی روایت متعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو یوسف و رو کی یہ ترجیح والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، جن میں ترجیح کا ذکر نہیں، لہذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کے مشہور مکران حضرت بلاں اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیح نہ فرمائی۔ لہذا اس کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو یوسف و رو کو عام سمجھانے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیح پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیح کے خلاف تھا۔ لہذا وہی روایت قوی ہے۔ چنانچہ یہ کہ یہ حدیث ابو یوسف و رو قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

پچھلے وہ جواب ہے جو محتاج شہادتیں دینے کے لئے کہ سیدنا ابو یوسف و رو کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور ﷺ کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور حضور ﷺ نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے اشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ اور اشْهَدُ

اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور ﷺ نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلواتا، اس وقت تھا۔ تعلیم کے لئے اور شرم دور کرنے کے لئے، لہذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ آہستہ وال کہہ دے۔ تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوانی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو یوسف و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فقہ اللہ نے دیا کہ حضرت ابو یوسف و رو نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مذکورہ کبھی تھیں، اس لئے دوبارہ کے ساتھ کہلوائیں۔ بہرحال یہ ترجیح ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنت، اسلام۔

**اعتواص نمبر ۹** ایواؤڈر تباہی اور رمی نے حضرت ابو محذورہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْاَدْرَسُ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْاِقَامَةُ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً  
 ”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“

ی حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انہیں ہیں، یہ ترجیع سے ہی جتے ہیں، اگر اذان میں ترجیع نہ ہو تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ ہذا ترجیع اذان میں چار ہے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ ہے کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے، ان میں ترجیح ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دہار ہیں۔ اگر تہااری طرح یک ایک ہار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے کیا آدمی حدیث پر ایمان لاتے ہو تو مٹی کے انکادری ہو۔

ترجیح دان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر و کونزج ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی وغیرہ۔

۲۱ اعتراض نمبر ۲۲ مسلم و بخاری سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ دَكْرُوؤُا النَّافُوسَ فَكُرُوْا. يَهُودُ وَ النَّصَارَى كُفَرُ بِلَانِ اِنْ يَشْفَعُ الْاَدْنِ وَيَنْتَوِرُ الْاَلَمَةِ

”فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعدائے نماز کے لئے تنگ، دور، قوس کی جو برکی تو یہود و عیسائیوں کا، کر بھی کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعدائے عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلاں کو حکم دیا گیا کہ، دان و دوہ بار کہیں اور اقامت، یک ایک بار۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو کہ قاضی کے سارے کلمات ایک ایک وار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ قاضی میں ذلالتِ تکبیر جا رہا ہو۔ **فد قاضی لصفہ** دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جواب تمہارے وہی تھا۔ مگر

کہو کہ دوسری حدیث میں **قَدْ عَلِمْتُ لِمُصَوِّدٍ** کو دوبار کہنے کا حکم ہے غلط سمجھنے کے اور دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے قاری

صحت و دار ہے جاوین و دار حاکمیت خاص و رکن بلکہ سرکاری سیاست منجب حاجے کے ایک یا کس کے اور چند استعمار کا مسودہ کیا اور اس کا چاہے جو

ہے۔ چرکہ یہ اعلان ایک عہدہ کافی تھا۔ اس نے ہر کا ذکر ہو، پھر اس کے بعد مہدئہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا افسانہ پیش آیا، جس سے

میں نے کہا جاوے کہ آجاؤ میں مت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کالی تھا۔ اس لئے ایک بار کالی ہو، پھر اس کے بعد

سید اللہ ابن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مریدان و دانشمندان کی دلچسپی ہو رہی ہے۔ یہ کہ:

حضرت عبداللہ ابن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مریدان و دانشمندان کی دلچسپی ہو رہی ہے۔ یہ کہ:

اقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہی روایت قابلِ عمل ہے۔ دوسری روایات جو ان کے خلاف ہیں واجب التوازیل ہیں یا ناقابلِ عمل۔ خیال رہے کہ یہ

چوتھے یہ کہ روایات کا کسی پر اتفاق ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابن مسعودؓ نے اذان میں ترجیع اپنے "خبر تک شکی" و حکومتی شرح مشکوٰۃ، نیز

مذہب کے نام سے ملتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو شخص اس مذہب سے ملے گا، وہ اس مذہب سے ملے گا۔

احادیث میں تعارض ہوتا کیسا سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت الابرار سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **سَوْضُوْءٌ مِّمَّا مَسْنُوْءٌ**

سور آگ کی ہلکا چیز استغاثت سے وصول ہو واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے دست لگا کر نماز پڑھی، وضو نہ فرمایا نہ احادیث میں تصریح ہو، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضو نہ چاہتا ہے، یہ کھلی قانون ہے۔



# اکیسواں باب

## متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شری یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض قرار دلائل میں ہوتی، اس فرض والے کے پیچھے نفل قرار ہو جاتی ہے، فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام مقتدی دونوں یک ہی نماز پڑھیں، علم والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، فرض نماز تو نفل نفل، کیونکہ بچہ پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچہ کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر اس کی تصد ضرور نہیں لیکن باج کی شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے کہ اگر توڑ دے تو تصد لازمی ہے، اس لئے باج کوئی نماز بچے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فہمیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات۔

## پہلی فصل

### متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریعہ اور قیاس شری شہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔  
حدیث مبارکہ: ترمذی، احمد، ابوداؤد (شافعی، مشکوٰۃ نے باب الادان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول الله ﷺ لا هائم صائم و المنون من نصي " اللهم ارشد لائتة واعفو لمنون ديني  
فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ﷺ نے امام صائم ہے اور منون مائین ہے۔ اے اللہ مائین کو ہدایت دے، اور منونوں کو بخش دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقلدوں کی نماز اس کو اپنی نماز کے ضمن میں لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے، کہ اہل شیعہ ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لئے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ اپنے اہل کو فرض نفل کو پے اندر لئے سکتا ہے، کمال سے اہل ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لئے سکتی کہ فرض کو پے اندر امام نماز عصر پڑھا ہو تو اس کے پیچھے عمرہ کی تصد نہیں پڑھی جاسکتی کہ نماز عصر نماز عمرہ کو اپنے ضمن میں نہیں لئے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں ملجھ رہیں۔

حدیث مبارکہ: امام احمد نے حضرت سیم سلمیٰ سے روایت کی۔

اِنَّهُ اتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ سَكَنَ ابْنُ مَعْدَدٍ ابْنُ حَنْبَلٍ مَا تَبَا بَعْدَ مَا بَدَّ وَ سَكُنَ فِي اَعْمَدٍ بِالسَّهَابِ فَيَسَادِي بِالنُّصْرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْهِ فَيَطْوِنُ عِيَا فَقَالَ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا مَعْدَدُ لَا تَكُنْ فَتَانًا، مَا تُصَلِّيَ مَعِيَ وَ اَمَّا اَنْ تُحْتَفَّ عَلَيَّ فَوَ مَك

حضرت سیم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے در عرض کی۔ یا رسول اللہ! حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سوا جے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہ جے ہیں۔ پھر ہماری اذان دیتے ہیں۔ ہم نفل کراں کے پاس آتے ہیں وہ نماز بہت دور پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ! تم کا باعث نہ ہو تو میرے ساتھ نماز پڑھا کر یا تو میری قوم کو اپنی قوم کو اپنی نماز پڑھایا کرو۔

حیال رہے کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عصر حضور انور ﷺ کے پیچھے پڑھا کر اپنی قوم میں پہنچ کر انہیں پڑھاتے اور در پڑھاتے تھے، جس کی شکایت امام کا ونبی ﷺ میں ہوئی۔ جس کا موقع یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں، بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث مبارکہ: امام عظیم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال دا دخلت في صلاة القوم وانت لاتنوي صلوتهم لا تخرک وان صل الإمام صلوتك ونوي الدني حلفه غير هـ، بخرات الإمام و له تخره رواه الإمام محمد في الأثر

فرماتے ہیں کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو دو تم اس کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں در اگر امام ایک نماز کی نیت کرے اور پیچھے والا مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز تو ہو جائیگی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عدا، مصلحت کا بھی یہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض نہیں ہو سکتا۔

**عقل** کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض اور نہ ہو، کیونکہ امام چیتا ہے مقتدی اس کا تاہد راہم کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر مقرر، اس لئے امام کے سوا مقتدی پر عہدہ اسکا واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سوا سے نہ امام پر عہدہ اسکا واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی قرأت امام کے لئے کافی نہیں۔ جنہیں نزدیکی تو ملاحظہ ہادیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سونے۔ اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو نماز پڑھاوے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام عہدہ کی آیت آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر عہدہ تلاوت واجب ہے۔ مقتدی سے یہ سنئے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے عہدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر عہدہ تلاوت واجب ہونے خود اس مقتدی پر۔ اگر امام عظیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گا۔ لیکن اگر امام ہو اور مقتدی عظیم تو امام کی پوری نماز پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تاج ہے امام اور امام کی نماز اصل و مستور ہے متبور تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ و افضل اولیٰ کے تابع نہ ہو جادے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عہدہ پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی فرض صبح ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز اور امام کی نماز سے اولیٰ ہو کہ امام فرض پڑھا رہا ہو۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقتدی ہادیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے دو اعتراضات بھی عرض کئے دیتے ہیں، جو وہ بھی جواب تک ان کو سونپے بھی نہ ہوں گے اور نہ تمام کے جوابات دیکھ دیتے ہیں۔

**اعتراض نمبر ۱** عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ صراج کی رت نماز بیجا۔ فرض ہوئیں۔ اس کے بعد دوسرے تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن برنما اور وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ ان وقتوں کے درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے لئے نفل کیونکہ نماز بیجا۔ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور ﷺ مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فصل سنت ہی ﷺ بھی ہے اور سنت جبریل علیہ السلام بھی۔

**جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ متاف جبریل علیہ السلام یہ قرار میں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام بغیر حکم الہی بھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وَمَا نَسْرُلُ إِلَّا مَافَرَنَّاكَ ”ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے“

لہذا ماننا پڑے گا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریل کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض۔ پڑھے گئے۔

دوسرے یہ کہ نہ دونوں میں نہ حضور ﷺ پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صراج کی رت میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعیین نہ دی گئی قانون تکثر سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اعتراض جز ہے، اکھر گیا۔

**اعتراض نمبر ۲** مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مَعَهُ ابْنُ حَبِشٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن حبل حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

دیکھو حضرت معاذ عشاء کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی دوسرے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن حبل حضور ﷺ کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ

فرض نہ کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ نہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے پیچھے فرض پڑھ رہا ہوں درمقتد ہوں کے آگے نفل کی سبب کرتا ہوں لہذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ انہیں حضور ﷺ نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہاد کی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ جب حضور نور ﷺ کی خدمت میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو بلکی نماز پڑھا یا کرو۔ معلوم ہوا کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سخت نبوی کے خلاف ہوئی کی وجہ سے ناقض عمل ہے۔

**اعتراض نمبر ۲** تنقیحی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال كان معاذا يصلي مع النبي ﷺ لعشاء ثم يرمع بي فؤمه فيصلني بهم العشاء وهي له نافلة

"کہا ہے کہ حضرت معاذ حضور ﷺ کے ساتھ نماز عشاء پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز اس کی نفل ہوتی تھی۔"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ بن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل نہ کرتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔

**جواب**۔ سب کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے نام سے اور قیاس سے لڑتے ہیں، کہ حضور ﷺ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت دارا سے کا پڑ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر ہر وجہ، یقین سے نہیں کہا جاسکتا ورنہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے اس کی اجازت دی۔ لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

**اعتراض نمبر ۳** بخاری شریف نے حضرت عمر ابن مسعود سے ایک حویل حدیث روایت کی جس میں اذہماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رات ہی تھی۔ جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ میں جاری قافلوں سے نبی کریم ﷺ کے عبادت اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والدہ یتیم خانہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کیے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کوئی ایسا کرے مگر نہ پڑھنا پڑھنا قرآن کریم یاد ہو۔ جب وہیں ہوئے تو انہیں پتہ لگا کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنادیا۔ اس وقت میری عمر چھ سال تھی، میں تو کوئی نہ پڑھا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَكَثَّرْتُ عَنِّي بُرُودَةً كُنْتُ إِذَا سَحَدْتُ فَلَمَسْتُ عَنِّي لَهَاءُ امْرَأَةٍ مِّنَ الْحَيِّ لَا تَغْطُونَ عَنَّا اسْتَفَارَ لَكُمْ فَاَسْتَرْزَا لِقَطْعُو لِي قَمِيصًا . مشکوہ باب عامہ

"مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں حمد و کرتا تو کھل جاتی تو چھپے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر تمہیں ہی دی۔"

دیکھو عمر ابن مسعود صحابی ہیں، اور قیام صحابہ ان کے پیچھے نہ فرض پڑھتے ہیں، عمر وہیں مسلمان رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں پڑنے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جو ان بڑھ چلا کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل واے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔

**جواب**۔ اس کے دوسری جواہرات ہیں جو اعتراض میں کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا نہ حضور ﷺ کے فرمان سے چونکہ یہ حضرت تازہ اسلام مانے تھے۔ احکام شریکی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی مان کر کہنگے امام کے پیچھے بھی نماز پڑھتا ہے۔ کیونکہ عمر ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میرے کپڑا اتنا چھوٹا تھا۔ کہ کعبہ میں چادر ہٹ جاتی اور چوتڑ نیچے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نماز پڑھتے رہے، کسی نے نماز نہ لوٹائی۔ کیوں ماسک شریف سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرت آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس قیام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صرف مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث تو ان نفل میں ہی چند شہادت کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام عظیم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر محض عداوت سے غر کر رہے اور ان جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ بکتے ہیں۔

# بائیسواں باب

## خون اور قمے سے وضو توجہ جاتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑتی ہیں۔ جو چیزیں شباب یا خاندن کی راہ سے نکلے۔ غفلت کی نیند، غشی، جھون، سہار میں غصہ لگا کر ہنسا، بہتا ہوا خون، منہ بھرتے ان کی تفصیل کتب فقہی دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہاں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ سہر کر کے، لہذا کوئی نئی کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور اس کے وضو کا بھی اعتبار نہیں کیا خبر ہے کہ قے کر کے یا نکسیر وغیرہ کر کے۔ کیں اور بغیر وضو کے مہصے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو صلیں کرتے ہیں۔ پہلی لصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات و سب تعالیٰ تو اس فرمادے۔

## پہلی فصل

### قمے اور بہتا خون بھی وضو توڑتا ہے

حنفیوں کے نزدیک منہ بھرتے درجہ سے خون کا لکل کر ظاہر بدن پر یا کھانچا جانا وضو توڑ دیتا ہے، ظاہر بدن وہ ہے جس کا دھونا، غسل میں فرض ہے، و لائل مدخلہا۔

حدیث نمبر ۱ دارقطنی نے حضرت حیم واری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ "فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ وضو واجب ہے ہر پتے ہوئے خون سے۔"

حدیث نمبر ۲ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَابَةٍ فِي "أَوْ رَعَفٍ" أَوْ قَلَسٍ "أَوْ مَذَى" فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّ

"فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جس کسی کو قے یا نکسیر یا نثری آ جاوے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔"

حدیث نمبر ۳ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی جہش حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون آتا ہے کہ میں بھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ غسل نہیں ہے رگ کا خون ہے لہذا۔ تَحْتَسِي الصُّوہُ، بَامَ مَحِيصِكَ ثُمَّ غُتْسِلِي وَتَوَضَّئِي لَكُنْ صَوِيَّةً وَإِنْ فَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيرِ "غسل کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو پھر نماز پڑھو، مگر چہ چون چٹائی پر نہ بٹکتا رہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، اور نہ حضور علیہ السلام ان کی بی بی صاحبہ پر معذور کے حکام جاری نہ فرماتے۔ اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے رجا یا قطرہ کی بیماری ہو وہ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ رجا اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

حدیث نمبر ۴ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

عَبِ السَّيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَوَدَةٍ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّاءَ وَلْيُسْ عَمِي صَوَدَةٍ مَا لَمْ يَتَغَنَّمْ

"آپ نبی ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا نکسیر آ جاوے وہ نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پڑھتا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔"

حدیث نمبر ۶۰۵ ترمذی و یوداؤ نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

قَالَ غُرَابِيٌّ يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّحْمَنُ مَا يَكُونُ فِي الْعَلَاءِ يَكُونُ مِنْهُ رَوْحَةٌ وَيَكُونُ فِي الْمَاءِ قَلَّةٌ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُضِيَ خُصْمٌ فَليَتَوَضَّأْ مُنْخَضًا

"ایک ہادی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی شخص جگہ میں ہوتا ہے اسکی ریح نکل جاتی ہے اور پانی میں بھی ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قتل کرے تو وضو کرے۔ (مخفف)"

کذا فی جامع النوائل من جامع الاصول و مجمع الروائد

حدیث نمبر ۶ ترمذی نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قُضِيَ خُصْمٌ فَليَتَوَضَّأْ مُنْخَضًا فَقَبِثْ ثَوْبًا فِي مَنْحَدٍ دَمِثْقٍ فَدَكْرُثٍ دَالِكٍ لَهُ فَفَرَسٌ صَدَقَ اِنْ عَبَثَ لَهُ وَصُؤْنُهُ وَحَدِيثُ حُسَيْنٍ اصْبَحُ شَيْءٌ هِيَ هَذَا الْبَابِ

ایک بار نبی ﷺ کو آئے تو آپ نے وضو کیا پھر میں دشمن کی سہر میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابو الدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابو الدرداء نے صحیح کہا پانی میں نے ہی ذرا تھپائی میں نے ہی وضو کیا تھا۔"

حدیث نمبر ۸ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

رَفَعَهُ قَالَ اِذَا رَغِبَ احْدُكُمْ فِي صَلَوةٍ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَغْسِلْ عَنْهُ الذَّمُّ ثُمَّ لِيَعْدْ وَضُوءَهُ

"آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں تعمیر آ جاوے تو طہچہ ہو جاوے اور غوث کو دھو دے پھر وضو لٹائے۔"

حدیث نمبر ۹ دارقطنی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُضِيَ خُصْمٌ وَرَغِبَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ اَوْ احْدَثَ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قتل یا تعمیر آ جاوے یا اور کوئی حدت کرے تو طہچہ ہو جاوے اور وضو کرے۔"

حدیث نمبر ۱۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت محمد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَغِبَ فِي صَلَوةٍ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ فَإِنْ لَمْ يَنْتَكِلْهُ بَشِي عَلَى صَلَوةٍ اِنْ تَكَلَّمَ اسْتَأْذَنَ

"فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں تعمیر آ جاوے تو وہ طہچہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو پانی نماز پانی کرے اور اگر کلام کر لیا ہو تو سنے کرے پڑھے۔"

حدیث نمبر ۱۱ امام مالک نے حضرت جابر ابن قطعی سے روایت کی۔

اِنَّهُ رَأَى سَعْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ رَغِفَ وَهُوَ يَصَلِّيُ فَاتَتْهُ خَمْرَةٌ رُفْمَ سَلْمَةِ رُوحِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَتْهُ اَلْوَضُوءُ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَسَيَّ عَلَى مَا قَدْ صَلَّى

"میں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں تعمیر آئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ رسول ﷺ کے گھر آئے تو انہیں پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا، پھر واپس ہوئے اور قیہ نماز پڑھی کی۔"

حدیث نمبر ۱۲ ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قُلْتُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْدَثَ احْدُكُمْ فِي صَلَوةٍ فَلْيَا خُذْ بَانْفِهِ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ

"فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑے پھر چلا جاوے۔"

اس حدیث میں حضور ﷺ نے نماز کی کوتاہی پر یہ بتائی کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپے کے لیے ناک پر ہاتھ رکھے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تعمیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کیا جگہ جا کر وضو کرے، اگر تعمیر سے وضو نہ ٹوٹا ہوتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم سے بطور غوث بارہ حدیثیں پیش کر دیں اور نہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح احباب کی شریف کا مطالعہ فرمادو۔



**مقل کا نقصا** بھی وہی ہے کہ بہتا خون اور نہ بھرتے وضو تو دوسے کیونکہ وضو بھارت اور پاک ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹھٹھا جانا چاہئے، اسی لئے پیشاب، پاخانہ اور ریح سے وضو جائز ہوتا ہے، بہتا خون، نہ بھرتے ناپاک ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ **اَوْ دُمًا مُّسْفُوحًا** اسی لئے بہتے خون والا جا اور ریح سے حدس ہوتا ہے تاکہ ناپاک خوں اللہ کے نام پر نکل جاوے تو جیسے پیشاب، پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو جائز ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ناپاک چیز نکلے، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور ریح نکلنے سے بھی وضو ٹھٹھا جانا چاہئے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، بغیر تسبیح اور بوسیر کے خوں سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خوں نکلنے سے بلا حلق وضو ٹھٹھا جاتا ہے، استغناء کے خون کے متعلق تو حدیث مروی بھی وارد ہے، جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لاکھلا دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدہ دینیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور دھمیت ہیں، مگر تحلیل بحث کے لئے ہم ان کے جوابات بھی دینے لگے ہیں۔

**اعتراض نمبر ۱** احمد انڈی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

**قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْبٍ أَوْ رِيحٍ**

"فرماتے ہیں کہ اگر بائیں <sup>مستطی</sup> کے نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے تو ہے، خون تو اس کے علاوہ ہے لہذا اس سے وضو نہیں ٹھٹھا چاہیے اور حدیث کے لئے ہے۔

**جواب** اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تہمیر ہے مگر خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، ہلکے و گھبرائے کی شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹھٹھا جاتا ہے اور اٹھا کے حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ چاہئے تو جو تہمیرا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث صحابی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا جھنکی حساس ہوئے وضو نہیں ٹھٹھا۔

اس کی تفسیر دوسری حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

**اِذَا فُحِدَ احَدُكُمْ فَمِنْ مَطْنِهِ شَيْءٌ فَاَنْشِكْ عَلَيْهِ اَخْرِجْ مِنْهُ شَيْءٌ اَوْ لَا فَلََا يَخْرُجُ مِنْ الْمَسْحَدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا بِجَدْرٍ يَنْخَا**

"جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت دے اس لئے سے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوائی یا نجس تو مسحہ سے نکلے یہاں تک کہ آواز نہ پائے۔"

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو حدیث کا منشاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

**اعتراض نمبر ۲** حاکم نے حضرت چارہاکن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

**اِنَّهُ كَانَ فِي عَزْرَةِ دَاثِ الرَّقِيعِ فَرُمِيَ رَحْلٌ مِنْهُ فَنَزَلَ الدُّمُّ فَكَرِعَ وَمَسَحَ وَمَصَى فِي صَلَوَتِهِ**

"آپ فردوز میں الرقیع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا مگر انہوں نے رکوع کیا مسجد دیا اور نماز پوری کر لی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو یمن، مدینہ کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز توڑی بلکہ رکوع مسجد کر کے نماز مکمل کر لی، مگر خوں نکلا وضو توڑنا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز پڑھتے سر سے پڑھتے یا دوسری پوری فرماتے معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

**جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ناصحی کے تیر لگا خوں بہا تو یقیناً اس کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے لیکن اس کے باوجود نماز پڑھتے ہی رہے تو چاہیے کہ آپ خون، پیشاب یا پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھ کر، ہاں تاکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نماز کی کابلیت و کپڑا پاک ہونا چاہئے لہذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔



دوسرے یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ناصحی نے حضور ﷺ کی اجازت سے یہ حکم کیا معلوم ہوتا ہے دوسری دلیل فقہانہ نہیں ملتی، اس لیے ایسا کر گزرے۔

تیسرے یہ کہ حدیث تمام اس مرفوع و مقوف حدیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں نا قابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

**وَلَا تُخْرَفُ هُنُورُ** "گندگی سے دور رہو۔" اور فرماتا ہے۔ **وَبِئْسَ بَكْفِ فَطْهَرُ** "اچھے کپڑے پاک رکھو۔" اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناصحی نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی، لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ناصحی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیر ہیں یا غیر فقیر اگر فقیر ہیں تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو وہ واجب تارک ہے اور اگر غیر فقیر ہیں تو ان سے یہ ہوا یہ حال حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

**اعتراض ممبر ۳** اگر خون وضو توڑتا ہے تو چاہے کہ تھوڑا خون بہتا ہو وہ بھی وضو توڑ دے جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، بے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے، جب تھوڑا خون بھی نہ بہے والا وضو نہیں توڑتا تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، یہی سہی ہے، اگر ناقص وضو ہے تو خواہ منہ بھر کر وضو، وضو توڑتی ہے، یہ فرق تم نے کہاں سے لیا؟

**جواب** الحمد للہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ یہ وہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں جیسے ہی آپ کا قیاس جناب گندگی کا لکنا وضو توڑتا ہے پیشاب مطلقاً گندا ہے تھوڑا ہونے والا خون بہنے والا گندا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

**اَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا** "نہ بہنے والا گندا نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی حجت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہوا پاک ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو اس ناس میں پانچاں اور مثلاً میں پیشاب مجرا ہے، مگر پاک ہے اس لیے آپ کی نماز درست ہوتی ہے اگر یہ ناپاک ہوتے تو ہر کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی یہی گندہ جو ندر سے حلق ہو گیا جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے جب ہی کچھ یا تو جب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ نہ ہے، وہ مثلاً نہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں نہ کر سکتا ہے، لہذا جس ہے اگرچہ ایک ہونڈ ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے س کا معدن ہے، اگر کہیں سوئی چھ گئی اور خون چمک گیا مگر بہا نہیں تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکے ناپاک نہیں ہاں جب بے وضو سمجھو کہ اپنے معدن سے نکلے ہو گیا اور ناپاک اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے مگر خون نہ کر توڑے گا، غرض کہ خون کا لکنا روا ہے چونکہ کچھ اور لہذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا صحیح القادح ہے۔

**اعتراض ممبر ۴** حلی شرح بخاری نے اسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

**اِنَّ الشَّيْءَ صَنِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ، وَلَمْ يَنْصُرْهُ** "بے شک نبی ﷺ نے قے کی اور وضو نہ کیا۔"

اگر قے وضو توڑتی تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

**جواب** ماشاء اللہ کیا نہیں، اعتراض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا مگر حضور علیہ السلام وضو نہ کیا تو کہہ دیا کہ پیشاب پانچاں بھی وضو نہیں توڑتا۔ جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی، وضو نہ جاسے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں، وہاں اگر حضور ﷺ فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے، اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون و قے کے ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب یہاں مراد معلوم ہوا کہ اس کی نظر میں قے حلوں کے وضو توڑنے کی کوئی حدیث نہیں، کیونکہ وہ مسئلہ ہم حدیث پیش ہیں۔

**اعتراض ممبر ۵** قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا کبیر آ جاوے تو وضو کرے، وہاں وضو سے مراد خون و قے سے کپڑا دھونا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔

**اَلْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ اَلْاَرْضُ** "زمین کی کچھ چیز کھانے سے وضو ہے۔" وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا، نالی کرتا ہے۔ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھاکر ہاتھ دھونا نالی کرنا مستحب ہے، یہ ناقص وضو نہیں، یہ سبیل یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

**جواب** واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آپ تک کسی کو نہ سوجھ ہوگا، ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، ذلتاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عربی معنی خود حضور ﷺ نے بیان فرما دیے، کہ ایک بار کھانا خاں کر کے ہاتھ دھوئے نالی کی اور فرمایا۔

هَذَا وَصُوْنٌ "فَقَامَ عَسْتُهُ اِنَارُ" "آگ کی چکی چرکھا دے سے" یہاں آپ یہ معنی چھوڑ کر غیر معروف معنی کیوں مراد سے

رہے ہو، نیز اس حدیث میں یہ ہے کہ جس کو نماز میں قے یا عسیر آ جاوے تو دھو کرے اور نہ عز کی بنا کرے۔ جسکی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا

مرد ہوتا تو نماز کی بنا چاہئے نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑھی، جس کا کپڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا جس کر سکتا دوبارہ پڑھے گا، لہذا

آپ کی یہ وجہ محض باطل ہے۔

## تیسواں باب

## ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں، حوضے یا حوضے وغیرہ میں قحطی سی بھی نہ پانی کا رجاوے تو اس کا پانی نجس ہو جاوے گا کہ یہ صحیح جاسکتا ہے، نہ اس سے وجود غیرہ جائز یک قحطی و چشاب کنوئیں کو نہ کر دیتا ہے، مستند، تالاب یا بہتا پانی ان کے احکام سے نہ ہیں۔ مرجع مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو ملے ہو تو اس میں خواہ کتنی سی نجاست چڑ جاوے نہ پاک نہ ہوا، جب تک کہ اس کا منہ یا بویا حوضہ نہ بدے، لہذا اس کے نزدیک کنوئیں میں خوب ہمو تو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیو۔ وضو کرو، پھر طرہ دے کہ اس مسئلہ پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ایسا دیتے ہیں، کہ انہوں نے غدی رہا ہے پر کنوئیں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا، مسلمانوں کو چشاب کیوں نہ پیئے دیا، جمیوں کو چاہئے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نہ لڑیں پڑھیں نہ ان کے کنوؤں کا پانی ہے تحقیق نہیں۔ اس کے کنوئیں اکثر غصے ہوتے ہیں جن سے یہ لو پکڑے دھوئے، نہاتے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے ہاں پاک، نہ نیکرے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لو بہت اتفاق اڑاتے اور آواز دھکتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی رو فیضیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

## پہلی فصل

## کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنو آ خواہ کنٹائی ہر او اور اس میں کنٹائی پانی ہو راکھیں ایک قطرہ شرب یا پیشاب یا پوہانی دھیرور کر مرچاؤں تو ناپاک ہے بغیر کیئے اس کا پانی استعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی عادیث وارد ہیں جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

**حدیث نمبر ۱۴۱۱** مسلم، ابی کی، ج ۱، صفحہ ۱۴۱۱ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه يهوى ان يمالى فى الماء الزاكدة ثم يتوضأ به

”منع فرمایا یہی ﷺ نے اس سے کہ غمرے پانی میں پیشاب کی جاوے، پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۹۷۵ مسلم وطنی دینی کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم لا يعتزل أحد حجة في الماء الذمه وهو حُبٌّ " فقال كيف يفعل

يا باهريرة قال يتاوله تاولاً

”لہذا یہی حقیقت ہے کہ کوئی شخص غم سے پانی میں نہا ہوتا ہے غسل نہ کرے اور سائبان پر چھا کر اسے بوہڑ پر یا پھر جھڑی کیا کرے، فرمایا اللہ وہ پانی لے لے۔“

یہ حدیث احمد۔ مکی حبش، عبدالرزاق وغیرہم بھی بہت محدثین نے قطف راویوں سے بالغہ بختم روایت لرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہو کہ حضرت عائشہؓ، کنیس اور قمام قمرؓ ہوئے چاندیوں میں نہ پیشاب کر کے نہ جنابت کا غسل لیا یہ کہ یہ تو پہلی حد ہو کر قابل استعساں تہہ ہے اور وہ منکلی بانی نبویؐ کرتے سے نا پاک نہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ ممانعت نہ فرماتے۔

حدیث نمبر: ۱۴۹۱۰ ترجمہ: حاکم (مدرک) اہل علم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وقع الكتف في الاماء غسل سبع مرات ولهن

بِالتَّوْبِ وَإِذَا وَلَّحَ الْهَرَّةُ عَسَلَ مَرَّةً الْفَطْ لَا نِي عَا كَرِ

”فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ﷺ کے کہ جب یزید بن معاویہ نے کہا چاہتے ہو کہ تم لوگ میری جگہ پر بیٹھو، تو میں نے کہا کہ میں نے تم کو اس جگہ پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔“

منا، حادثہ سے پہلے لاکھ ریتر تھیں کتنا فرق! دل دے تو ریتر تھیں صحت باور ہو گیا جاوے اور ایک بار مرنے سے بھی، انھیں جاوے اور ملے ریتر سے لی، تو ایک بار بھی دھوپ جاوے، ریتر خواہ چھوٹا ہو، جیسے باغی، ٹوٹا ٹبر، جس میں دو چار مکے پائی آ جاوے اور وہ مکے پائی کسی نہایت سے ٹاپا ک نہیں ہوتا، تو وہ ریتر

حدیث نمبر ۱۵۱۳: طحاوی نے ابوالفضل سے اور بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنْ غُلَامًا وَقَعَ فِي بَيْرٍ زَمْزَمَ فَنَزَحَتْ

”رہا نہ کھائیں چادر زمزم میں ایک لڑکا رہا تو کنوئیں کا پانی نکال دیا۔“

حدیث نمبر ۱۶۱۶: ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی و عطاء تابعی ہیں۔

أَنْ حَشِيًّا وَقَعَ فِي زَمْزَمَ فَمَاتَ فَأَمَرَ بِهِ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَرُحَ مَاءُهَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا يَنْقَطِعُ فَطَرَفَا

عَيْنُ” تَجَرَّتْ مِنْ قَبْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ حَبِيبُكُمْ

”کہ ایک حبشی چادر زمزم میں گر کر مر گیا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکال دیا، پانی ختم نہ ہوتا تھا اور دیکھا تو ایک چشمہ آب سے سوئی کھڑی سے آ رہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کٹائی ہے۔“

حدیث نمبر ۱۸: بخاری نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ حَبِشِيًّا وَقَعَ فِي زَمْزَمَ فَمَاتَ فَأَمَرَ ابْنُ زُبَيْرٍ بِرَحْلٍ أَيْ فِي خَرَجِهِ ثُمَّ قَالَ ابْنُ حَوْصَلَةَ مَا فِيهَا مِنْ مَاءٍ

”وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چادر زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو آپ نے ایک آدی کو بتا دیا جس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنوئیں میں ہے اسے نکال دو۔“

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ کنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنوئیں میں ہو جاوے۔ دوسرے یہ کہ تپاک کنوئیں کے پاک کرنا طریقیہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جو اسے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ تیسرے یہ کہ کنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے، جو پانی نجی احوال موجود ہے وہ بھی نکال دیا جاوے، جو بعد میں تیار ہے اس کا مصارفہ نہیں۔ چوتھے یہ کہ جس ذول درسی سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں، اگر غیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمائیں، تو امام صاحب کو ایسا دینا جمیعوں کا اتفاق آسان آواز سے کتنا چھوڑ دیں۔

حدیث نمبر ۱۹: طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی

عَنْ الشَّعْبِيِّ فِي الطَّبْرِ وَالْمَسُورِ وَمَنْعَ هَمَّا يَقَعُ فِي الْبَيْرِ قَالَ يُسْرَخُ مِنْهَا أَوْ يُغَوَّزُ دَلْوًا

”مشمعی چڑیا، بلبل وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنوئیں میں سر جاویں تو چابیس ذول نکالے جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۰: طحاوی شریف نے حضرت حماد بن عیسان تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ فِي رُحَابِهِ وَقَعَتْ فِي بَيْرٍ فَمَاتَ قَالَ يُسْرَخُ قَدْ زُرْتُ بَعْضَ دَلْوًا أَوْ حُمْسِينَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهَا

”آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچیس ذول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔“

حدیث نمبر ۲۱: طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ بن عمر اور ادا سے روایت کی۔

عَنْ عَيْنِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا سَقَطَتِ الْهَارَةُ أَوْ الْذَبَنُ فِي الْبَيْرِ فَاحْرَحْهُمَا حَتَّى يَغْلِبَكَ الْمَاءُ

”حضرت عینی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوہا کوئی اور جانور کنوئیں میں سر جائے تو اس کا پانی نکال دیا تاکہ کہ پانی تم پر غالب آجائے۔“

نمبر ۲۲: طحاوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ هُرَيْرٍ فِي الْبَيْرِ يَقَعُ فِيهَا مَقَارَةُ قَالَ يُسْرَخُ مِنْهَا دَلَاءً

”ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چار جاوے تو اس سے کچھ ڈول نکال جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۳: شیخ عبدہ الدین محدث نے بحوالہ طحاوی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (واللہ اعلم)

عَنْ أَنَسٍ نَدَا قَالَ فِي الْمَعَارَةِ دَاهَتْ فِي الْبَيْرِ وَأَخْرَجَتْ مِنْ مَعْتَمِهَا يَسْرَخُ مِنْهَا عَشْرُونَ دَلْوًا

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا کنوئیں میں رچوے اور وہ نکلا یا جائے تو بیس ذول نکالے جاویں۔“

حدیث نمبر ۲۴: ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلم سے روایت کی۔

أَنْ عَلِيًّا سُلَّ عَمَلٌ بِالْأَيْ بَيْرٍ قَالَ يُسْرَخُ (اتصاف الحق ص ۲۵۷)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا یا اس بار سے میں کہ کوئی کنوئیں میں پیر شہاب کروے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکال جائے۔“

یہ چند محسوسات ہیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، جن سے معلوم ہو کہ کئی چیز رہ جانے سے کنواں نجس ہو جاتا ہے، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، اور زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو بخاری شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جادیں، کیونکہ جب نجاست ل چانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں، تو پانی جو پکی چیز ہے جس میں نجاست بہت زیادہ سراست کر جاتی ہے، بدلتا دلی ناپاک ہو جاتا چاہے تیر جب دودھ، تیل، پتلہ، مٹی، شہد، مٹی نجاست پڑنے سے نجس ہو جائے جس تو پانی ان چیزوں سے زیادہ چلتا ہے، وہ بھی ضرورتاً ناپاک ہو جاتا چاہے در نہ فرق بین کر دے دودھ، تیل، مٹی، شہد، مٹی ناپاک ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نجس نہیں ہو جاتا جس لیے سرکار محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سو کر جاؤ تو بغیر ہاتھ دھوے پانی میں نہ ڈال دو (مسلم، بخاری)، پانی خواہ دو قلعے ہو یا کم دیش، دیکھو بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں تاہم، شہدے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جوتا صرف چلنے پھرنے اور مٹی سے ریز جانے سے پاک ہو جاتا ہے، جس برتن صرف سوکھ جانے اور اثری نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے، نجس کپڑا اور جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل، پاک دودھ، تیل کے ساتھ ل کر بہ جانے سے پاک ہو جاتا ہے پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک غیر مفید دہلی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے محل میں آیا تو نشانہ اند اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے۔

اعتراض نمبر ۱: ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قيل رسول الله صلى الله عليه وسلم: نوحاً من ببر نصاعه وهي ببر" ينقى فيها الحيض ولنجوم النكاح ولائش فقل رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الماء طهور" لا ينقضه شيء" "فرماتے ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کہ ہم بھلا کنوئیں سے دھو کر نکلتے ہیں، بھلا یہ کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، اکتوں کے دشت اور بدبودار چیزیں ان جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔“

بھلا یہ ناپاک میں ایک کنواں تھا، جس میں ہر قسم کی مٹی حتیٰ کہ مے کتے بھی پینک دینے جاتے تھے، مہر اس کے باوجود سرکار ﷺ نے کنوئیں کی ندی رے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مہر مام ابو حنیفہ ایک قطرہ پیر شہاب رہا ہے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں، انیسویں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے کہ ابو حنیفہ حضور ﷺ سے زیادہ ناپاک و گندہ تھے۔

جواب: اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں ہو چاہے کہ مڑے ہوئے میں بھی حیض کے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ال کر پڑ کر دے، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتے، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم

کہتے ہو کہ رنجاست سے کنوئیں کے پانی کا رس یا یو یا مازہ بدس جاوے تو نجس ہو جاوے، اور کونسا کنواں ہے جو مے ٹکڑے، حیض کپڑوں اور بدبودار چیزوں کے رنے کے باوجود ان کا رس بوجہ نہ بد لے، دن رات کا تیر بہ کہ اگر ایک مٹی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت نقصان جاتا ہے اس حدیث کی مد سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیے کہ وہاں کنوئیں کے کتوں میں مردار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبودار پانی کو پیتے رہو، تم نے بوجہ نہ بد سے کی قید کہاں سے لائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام غمرے پانی میں پیر شہاب کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کننے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہذا یہ حدیث قائل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔

چوتھے یہ کہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو، وہ واجب التکرار ہے اور جو مطابق قیاس ہو، وہ واجب العمل ہے لہذا ان احادیث پر عمل کر دو جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بھلا کنواں ہمارے ملک کے کنوئیں کی طرح نہ تھا، بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا جیسا کہ مکہ معظمہ کے کنوئیں بہر زبیدہ پر بہنے ہوئے

ہیں اور دینے متورہ کے کنوئیں خیر رقا پر واقع ہیں، پھر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مرد حقیقت وہ آب رواں کی نہیں ہیں چونکہ پانی جاری تھا اس لیے جو ندی رہی پانی، پاک و صاف پانی آتا اس میں بوجھ کی نہ کوئی ندی جاری نہ ہو اور جاری دریا کا حکم یہی ہے۔ چنانچہ طحاوی نے عام واقدی سے نقل کیا۔

اَنْ يَبْرُ بَضَاعَةً كَثْرَةً طَرِيقًا لِنَمَاءِ مِي الْبَصِ فَكَانَ الْمَاءُ لَا يَسْتَقَرُّ فِيهَا  
”بہت کنوئیں پانی کا راستہ تھا جو پانیوں میں جاتا تھا، اس میں پانی خراب نہ تھا۔“

اس صورت میں تمام احادیث متعلق ہوئیں اور مسئلہ بالکل حل ہو یا بہتہ کنواں نہی رنے سے بخش ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۹ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْنِي عَنِ الْمَاءِ بِكُونِ فِي الْعَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ  
وَمَا يُؤْنِبُهُ مِنَ السَّبَاعِ وَالذَّوَابِّ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُسْنِيًا لَمْ يَحْمَلِ الْخُبْثَ  
”فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے ﷺ کو کہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو جھلوں میں ہوتا ہے جس پر درندے اور جانور وارد ہوتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب پانی دو ملے جوتو نجاست کو نہیں لے لیتا۔“

اس سے معلوم وہاں کہ دو ملے پانی نجاست رنے سے بخش نہیں ہوتا، ترمذی نے محمد بن اسحاق سے روایت کی کہ دو ملے پانی نجاست پر چڑھ کر ہوتے ہیں، جب پانی نجاست پر پانی نہیں ہوتا تو کنوئیں میں تو بیگزوں وغیرہ پانی ہوتا ہے وہ کیسے بخش ہو سکتا ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ملے پانی نجاست پر چڑھ کر ہوتا ہے، کتنی ہی نجاست رنے بحث میں مقدار نجاست کی قید نہیں تو چاہے کہ اردو ملے پانی میں چار ملے پانی چاہے اس کا پورا، دس، سب پانی چاہے اس کا سوا ہو جائے تب بھی وہابی پیتے رہیں اور نہ دینے کی قید تم نے کہاں سے رکھی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ **لَمْ يَحْمَلِ الْخُبْثَ** کے یہ معنی کیسے ہونے کہ بخش نہیں ہوتا اس کے معنی ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یہی بخش ہو جاتا ہے جب یا محال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ معنی کیسے جائیں کہ دو ملے پانی نجاست پر چڑھ کر ہوتا تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں یہاں کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے غمرے پانی میں پشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ وہ دو ملے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا عید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے چار دھرم میں ایک جگہ رنے پر اس کا پانی نکلوایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں ملے پانی تھا۔ لہذا یہ حدیث راقی عمل نہیں۔

چوتھے یہ کہ تلخین قلہ کا مشیر ہے، تلخ ملے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قد و قامت کو بھی اور پہاڑی چوٹی کو بھی یہاں قلہ کے معنی سائی قد و قامت ہے اور اس سے برائی کا نہ زہا تا نا مقصود نہیں بلکہ لمبا کی کا نہ زہا بیان کرنا مقصود ہے یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے پہنچے کیلئے ناقص مل جائے تو اب کسی چیز سے بخش نہ ہوا کیونکہ وہ پانی نہ ہو یا کی طرح رواں جاری ہے ندی کو بہاے جاوایا، تو دوسرے پانی آوے، اس معنی سے، حدیث میں تعارض بھی نہیں ہوا، اور ہر حدیث واجب الغصص بھی ہوئی، یہ وجہ بہت بہتر ہے، کیونکہ ارقلہ کے معنی ہوں ملکا تو بہ نہ چلے کہ کتنا بڑا ملکا کہاں کا ملکا اور پانی ملکا مقدہ و مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدہ مذکور نہیں، نیز یہ نیز نہیں کو مشکلیہ کتنا بڑا اور کہاں کا، فرقہ حدیث محمل ہوئی محمل پر عمل ناممکن ہے۔

پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مرا ہے کہ دو ملے پانی زمین پر خوب بھیلایا ہو یا بے حوض کی مقدہ میں ہو یعنی وہاں تسخ ہوئی۔ تو چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو یا، لہذا اس معنی ندی رنے سے ناپاک نہ ہو اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۰ حمیوں کا ذول بڑے کہاں والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھٹ کر نکال لانا ہے، پاک پانی چھوڑنا ہے حیرت ہے، کہ جب کنوئیں میں چڑیا مرنی جس سے سارا کنارہ کنواں ناپاک ہو یا اور غلیظ نے اس میں سے صرف تھیں اس نکالے تو کیا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہو یا تھا تو تھیں ڈوسرے نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہو یا۔

جواب یہ کہ راست وہابیوں کے ذول میں بھی ظاہر ہوتی ہے جب کنوئیں کا پانی بوجہ رن بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جائے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں، تاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہو ہے یا کچھ ذول رکھ ذول پانی ناپاک ہو ہے تو وہابیوں کا ذول واقعی کراہتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف ناپاک پانی نکال لایا، اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لایا اور اگلے کنواں ناپاک ہو تھا تو



کنوئیں کا کل پانی نکال بھی نہیں، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنواں پاک ہو یا یہ کیسے ہو اس کا جواب وہابی دیں گے وہ بھی ہماری طرف سے سمجھ میں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہو جاتا ہے مرنے والے کے پاؤں کے پاؤں کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہ کر کوئی صرف پونچھ دیتے سے پاک ہو جاتی ہے ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیسے چاہیں ڈالیں نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے، دیکھو مٹی ناک ہے لیکن جب کپڑے میں کر خشک ہو جاوے تو صرف مٹی کر مٹا دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارے یہ عقیدہ ہے کہ یہ کپڑے بغیر دھوئے پاک کیسے ہو یا، صرف آسانی کیلئے ایسے ہی آسانی کے لئے صرف چالیس ڈال نکال دیتے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے۔

**اعتراض نمبر ۷** ارچنا چند ہمارے سے کہتا ہے کہ ناپاک ہو جاتا ہے تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہوئی اور جب اسے پاک کرنے کے لئے ڈال یا تو وہ ڈال ہی بھی نجس ہوئی تو چاہئے تھا کہ اسے پاک کرنے کی دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈال ہی بھی پاک کی جاتی۔

**جواب** اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۳ کے جواب میں دریا کہ ایسے موقع پر شریعت آسانی کرتی ہے، کنوئیں کی دیواریں در ڈال وری دھوئے میں سخت دشواری تھی، اس لیے اس کی معافی دی گئی تم بھی اپنے غم سے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈال وری آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور اہل کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہے ہر مرنے والے پاک کیا مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈال وری۔

# چوبیسواں باب

## نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شری یہ ہے کہ نماز جمعہ و جمعہ و عید و بقرہ گاؤں میں نہیں ہوتی، ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی عینہ جگہ میں ہونا شرط ہے۔ گاؤں والوں پر جمعہ وعیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں چائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آ کر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائیں گے مگر غیر مقصد وہابی کہتے ہیں کہ جمعہ وعیدین ہر جگہ جائز ہے نماز عہد کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں، اس لیے اس مسئلہ کی بھی دو قسمیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کی ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

**نوٹ ضروری** خیال رہے کہ شہر دہشتی ہے جہاں کوہچہ و بازار ہوں ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

## پہلی فصل

لما رجع ہو عیدین کیلئے دوسری شرائط جمعہ و عید وغیرہ کی طرح شہر یا عینہ شہر بھی شرط ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

**میسر ۱** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا دَاوُدُ لِلْعَصَاةِ مِنْ يَوْمِ الْخُمُوعَةِ وَسِعُوا إِلَيَّ ذِكْرُ اللَّهِ وَدُرُ الْبَيْعِ

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اور ان ہو جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تمہاری چھوڑ دو۔"

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان جمعہ ہونے پر دو حکم دیے جمعہ کے عینے حاضر ہونا دوسرے تمہاری کاروبار چھوڑ دینا جس سے مشرغاً مہموم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا، جہاں تمہاری کاروبار ہوں، اور ظاہر ہے کہ تمہاری کاروبار پانچ دنوں میں ہی ہوتے ہیں اور پانچ دنوں میں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

**میسر ۲** عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابو حنیفہ نے فریب میں مروی نے کتاب الجمعہ میں میر لموشی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا خُمُوعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مَصْرِ حَامِعٍ "آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور بحیرہ تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔

**میسر ۳** ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا خُمُوعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا صَوْدَ فَطَرٍ وَلَا صَحَى إِلَّا فِي مَصْرِ حَامِعٍ وَمَدِينَةٍ عَظِيمَةٍ

"آپ نے فرمایا کہ نہ جمعہ ہوتا ہے، نہ بحیرہ تشریق نہ عید بقرہ عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔"

**میسر ۴** یحییٰ نے عرفہ میں انجی حضرت علی سے روایت کی۔

قَالَ لَا تَشْرِيقَ وَلَا خُمُوعَةَ إِلَّا فِي مَصْرِ حَامِعٍ "آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ بحیرہ تشریق مگر بڑے شہر میں۔"

**میسر ۵** فتح الباری شرح بخاری جلد ۲۔ ص ۳۶۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْسَ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى خُمُوعَةٌ "نما الخُمُوعَةُ عَسَى أَهْلُ لَا مُصَادِرَ مَثَلِ الْمَدَائِنِ

"آپ نے فرمایا کہ گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ ان جیسے شہروں پر فرض ہے۔"

**میسر ۶** مسلم۔ بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

كَانَ النَّاسُ يَتَّبِعُونَ الْخُمُوعَةَ مِنْ مَسَارِجِهِمْ وَالْعَوَالِي فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ وَالْعَرَفِ

"لوگ نماز جمعہ کے لیے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انیس شہر، رنگ جاتا تھا اور پیسہ جاتا تھا۔"

**ممبر ۱۰** ترمذی نے حضرت نوید سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ ﷺ میں روایت کیا۔

قال امرنا النبي صلى الله عليه وسلم ان يشهد الجمعة من قبا  
"فرمایا ہم قبا والوں کو ﷺ سے حکم دیا کہ نماز جمعہ کیلئے قبا سے محل کر دینا آئیں۔"

**ممبر ۱۱** ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ نبی ﷺ سے روای۔

ان الجمعة على من اوده الليل الى خله

"فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے۔"

**ممبر ۱۲** ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

ان اهل قبا كانوا يخمفون مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة

"قباء والے لوگ جمعہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ جماد کرتے تھے۔"

**ممبر ۱۳، ۱۴** مؤطا نام، ایک بائ لا خمعة في النواحي اور مؤطا امام محمد بائ صمود العبدین و امر الخطبة

میں یہ روایت ابن شہاب بن ابی حنبلہ مکی ابن ابی ہریرہ سے۔

قال شهدت العبد مع عثمان فصلى ثم انصرف وقال انه قد اجمع لكم في يومكم هذا عبادان

يستظر الجمعة فيستظرها ومن احب ان يروح فقد اذبح له

"فرمایا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر بولے اور فرمایا کہ آج کے دن میں دو عیدین جمع ہو گئی

ہیں تو گاؤں والوں میں سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کریں اور جو اب اس چاہنا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔"

ان آخری، حدیث سے معلوم ہوا کہ رمانہ نبوی ﷺ اور رمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ عیدین پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ حاضر

ہوتے تھے خواہ وہ اپنے گاؤں میں پر نمازیں نہ پڑھتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ پڑھتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ کر آتے مگر دو طہار تیش اور

پیشہ کی رخصت تھا کہ جمعہ عیدین کے لیے مدینہ طیبہ نہ آتے کرتے۔ بخاری کے لفظ **يستنون** اور مؤطا کے لفظ **ان يروح** سے معلوم ہوا کہ

گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں، ورنہ ان کے ہادی ہادی آنے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن بھی بیٹھ جمعہ پڑھ لوٹ جائیگا کیا مطلب؟

**عقل کا تقاضا** بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہو کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کالج الوداع پر جمعہ ہوا یعنی ۱۹ ذی

الحجہ عرفہ کے دن جمعہ تھا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا جہاں تھا مگر حضور ﷺ نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھا نہ مکہ کا جیوس کو

اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیے مگر کہیں ثابت نہیں ہوا کہ ان حضرات نے گاؤں میں جیسے قائم کیے ہوں چنانچہ فتح القدر پر ۲۶

الجمعہ میں ہے۔

ولهذا لم ينقل عن الصحابة حين فتحوا البلاد واشتعلوا بسبب المسار والجمع الا هي الامصار

"صحابہ کرام سے کہیں منقول نہیں کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعہ قائم کیے ہوں۔"

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہوجا کر تا تو یہ حضرت ہر جگہ ہی جمعہ قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ امت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کے لیے شرط نہیں نیز

جمعہ مسافر اور عورت و بچہ پر فرض نہیں، حکم سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا معنی لکھ ہے غرض کہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی

طرح نہیں۔

**دوسری فصل**

**اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات**

**اعتراض ممبر ۱** قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے وہاں شہر کی قید نہیں تو تم ذکر کردہ احادیث کی وجہ سے قرآن

میں قید کیسے لگا سکتے ہو قرآن مطلق حدیث واحد سے مقید نہیں ہو سکتا۔

**جواب** اس کے چند جوابات ہیں ایک انہی ذاتی تحقیقی جواب انہی تویہ ہے کہ قرآن شریف میں ہر آدمی کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی نہ خطبہ کی نہ جماعت کی نہ جگہ کی تو چاہئے کہ ہر آدمی ہر وقت ہر جگہ میں پڑھ لیا کر۔ نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو جگہ اور گھر میں کیا آئی بھی جو پڑھ سکے ہر جگہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت جو مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور جس کی تفصیل حدیث و احادیث سے بھی ہو سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث و احادیث عرفات میں حضور ﷺ کا جو نہ پڑھنا تمام ان عامی صاحبوں نے دیکھا، کجی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی جس فصل شریف کو اتنے صحابہ یکیس، وہ خبر واحد کی تھوڑی ہوگی۔

چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے علم جوہ کے ساتھ فرمایا **و درو النبیع** جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

**اعتراض نمبر ۱** بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف ﷺ کے بعد سب سے پہلا جوہ عبدالمطلب میں ہو جو عین کے ایک قریب جواں میں واقع ہے معلوم ہو کہ قریب ہی گاؤں میں جوہ ہو سکتا ہے۔

**جواب** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کوئیں کہتے مطلقاً ہستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

**وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَیِّیْنَ عَظِیْمٍ**

"کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ و مدینہ) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔"

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ و مکہ معظمہ کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہرت تو قرآن سے ثابت ہے۔

**و هَذَا الْبَلَدِ الْأَمْسِ** اور فرماتا ہے۔

**وَمَنْ لِّلْقُرْآنِ النِّسْبِ كَمَا فِيهِ** "آپ پرچھیں اس شہر سے جس میں ہم تھے۔"

**حتیٰ اذ اتینا ہل قرینہ** "پہنوں (موسیٰ و ہارون علیہ السلام) ایک ہستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کہا تاکہ۔"

اس آیت میں اطلاق کیا کہ قریہ فرمایا گیا، حالانکہ بڑا شہر ہے، بہر حال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جو بڑی گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا، چنانچہ صحاح میں ہے۔

**ان حوائی حصص** "بالبحرین" جو بڑی بحرین میں ایک قلعہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے، (یعنی قدر) بمسود میں ہے۔

**انہی مدینۃ** "بالبحرین" "وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔"

بہر حال جب لوگوں نے کہا کہ جو بڑی قریہ ہے انکی مراد یہ ہے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ یعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مردہ یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جو قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا، لہذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی۔ تیسرے یہ کہ اگر جوہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا تو وہاں جوہ پڑھنا صحابہ پر کرم کے اپنے اجتہاد سے نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔

(ارجع القدرہ وغیرہ)

**اعتراض نمبر ۲** پہلی شریف میں بروایت عبدالرحمن ابن کعب ابن کعب ابن مالک ہے فرماتے ہیں سب سے پہلے جوہ ہم کو سہاب بن زرارہ نے مقام حروہ بنی یاسد پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سہاب کو دیکھتے تھے دیکھو سہاب بن زرارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام اسکی جگہ جوہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی ہستی تھی معلوم ہوا کہ گاؤں میں جوہ پڑھے۔

**جواب** یہ واقعہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جوہ بھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیت عتبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلنا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو اس مسلمانوں نے آہن میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادت کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادت کیا کریں۔ چنانچہ حضرت سہاب بن زرارہ نے قرآن بنی یاسد میں ایک جامع جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہونا عمار و علقہ کا شروع کیا اور اس دن کا نام یوم جہرہ رکھا مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ زمانہ بزرگوں کی اجتہاد کی تھی۔ نہ کہ موجودہ مسدہی جوہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جوہ فرض فرمائی اس کی تحقیق پہلی میں اسی مقام پر در فتح القدرہ میں جوہ کی بحث میں مدظلہ کروا کر ان بھی لیا جائے کہ وہ نماز جوہ جمع کی کی نماز تھی۔ تو حروہ بنی یاسد میں مستقل گاؤں نہ تھا بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں

سے تھا یعنی خائے شہر اور ہم پہلے عرصہ کر چکے ہیں کہ خائے شہر کے جنگلوں میں بھی عیدین جاتے ہیں۔

**اعتراض نمبر ۴** بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزق بن حکیم سے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین اید میں جمعہ پڑھ دیا کروں جہاں چند سو فی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو، محمد بن شہاب نے رزق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں اید میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جاتے ہیں۔

**جواب** اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن سہاب و ہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا وہ کہنے کی عمر کی طرح جمعہ ہر جگہ ہو جاتا ہو گا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم بن ان سے عبد اللہ ابن عمرؓ نے اس سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چھ ماہ اس سے قیامت میں اپنے محلوں کے متعلق سوال ہو گا تاں اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جو جمعہ کی کوئی حدیث مثلاً صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

**اعتراض نمبر ۵** تہذیبی پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی کے اقوال ہیں نہ کہ نبی ﷺ کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیے گئے اور چاسکتا ہے۔

**جواب** صحابہ کرم کے قول بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث مقولہ کہا جاتا ہے، اور یہ حدیثیں مگر قیامت کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہوتی ہیں علی رضی اللہ عنہ حدیث جتنے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نذر کے لیے شہر کی صراحت قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ سے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ حکم نہیں فرمایا ہے، بلکہ حضور ﷺ سے سن کر فرمایا اسی لیے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعہ نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوعہ کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

**اعتراض نمبر ۶** جمعہ کی نذر نذر ظہر کے قائم مقام ہے اسی لیے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ پڑھا جاتا ہے جب ظہر گاؤں و شہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہفت جگہ ہو جاتا ہے۔

**جواب** یہ اعتراضی تم پر بھی پڑ سکتا ہے کیونکہ کس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی کیلئے جماعت سے جنگل میں، گھر میں، مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیے۔ اللہ کے بندو جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت مؤکدہ و چار اور فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد میں جماعت شرٹا نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خضوع شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں یکہ اذاں جمعہ میں اظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لیے داں حال کی جگہ ہونا ضروری ظہر ہر مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کے لیے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا مگر نبی ﷺ نے نہ تو ہجرت سے پہلے کہ معظمہ میں جمعہ پڑھا اور نہ ہجرت کے بعد قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ و الاسلام تھا اور قبل شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیے دونوں چیزیں شرط ہیں۔

**اعتراض نمبر ۷** حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منی میں جمعہ پڑھا جائے، یعنی تو گاؤں بھی نہیں محل جنگل ہے مگر جمعہ کے لیے شہر شرط تھا تو منی میں جمعہ جائز کیوں ہو گیا۔

**جواب** حج کے زمانہ میں منی شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں لگی کوہے باز رو پیسے ہی بے ہوئے ہیں، حج کے موسم میں دو سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے، اس لیے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی و کانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ آمدن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لیے حجاج پر عید معاف ہے۔ دینی تقریبات، عمارت، اطوائف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں اس کی ادائیگی تمام ہو جاتی ہے خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

**نوٹ ضروری** جہاں مسلمانوں گاؤں میں جمعہ پڑھا جیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکید کی حکم دیا جائے ورنہ اس کا فرض اتنا ہو گا نماز ظہر رو جائے گی۔

# پچیسواں باب

## نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہہ اگر اس نماز میں صرف حمد الہی درود شریف اور دعا پڑھی جاوے ہیں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الہی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیوتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو ناپاکی (جنابت) کی حالت میں آیۃ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا آپ کا حرج کیا ہے ہم نے کہا **الحمد لله رب العالمین** اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے لیکن اگر تلاوت قرآن کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیے ہم اس باب کی بھی دو خصوصیات کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دراصل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

## پہلی فصل اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱ قرآن کریم فرماتا ہے۔

**وَلَا تَقْرَأُ مَعَ مَوْتٍ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ** "منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس پر جنازہ نہ پڑھیں۔"

آیت کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوٰۃ فرمادیا مگر ساتھ میں **عسی** ارشاد فرمایا جس سے معلوم ہو کہ یہ تو درحقیقت دعا ہے۔ عربی لغت میں جیسے عرب فرماتا ہے۔

**صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** "اے مسلمانو تم نی پر درود و سلام پڑھو۔"

یہاں صلوٰۃ صلیبیہ میں نہ مراد انہیں بلکہ درود دعا مراد ہے کیونکہ اس کے بعد **عسی** ارشاد ہے جب صلوٰۃ کے بعد **عسی** ہو تو وہ پہلی دعا و رحمت ہوتی ہے نہ کہ عربی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ و تلاوت قرآنی عربی نماز کا رنگ ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے حمد الہی درود شریف چاہیے چونکہ جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عربی نماز لہذا اس میں تلاوت قرآن کی کسی ایسی چیز میں رکوع کچھ نہیں اور اس میں میت کو گے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱ موطا امام مالک میں بروایت طاہر بن جابر ہے۔

**أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْحَصَاةِ** "سیدنا عبداللہ بن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔"

حدیث نمبر ۲ اسی موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

**عَمَّنْ سَمِعَ ابْنَ هُرَيْرَةَ كَيْفَ يُصْنِي عَلَى الْحَصَاةِ لَقُلْ بُوْهُرِيْرَةَ مَا لِعُمَرَ كَأَحْبَرَكَ أَتَبْعُهَا مِنْ عِنْدِ أَهْلِهَا هَذَا وَضَحَبَ كَثْرَتُ وَحَمْدُ اللَّهِ وَصَلَّى عَلَى مَيِّتِهِ ثُمَّ أَقُولُ اللَّهُمَّ عِنْدَكَ وَإِنْ عِنْدَكَ وَإِنْ مَعَكَ كَأَنَّ يَسْهَدُ جَ صَح**

"راہ ہے اس سے جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں سمجھتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی ﷺ پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں اُمی تیرا یہ بندہ تیرے ملائے بندے غلامی بندگی کا لڑکا تو حیدر و سلامت کی گواہی دیتا تھا اے

خود کرو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد و درود دعا کا ذکر تو ہے مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں، معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ ابوداؤد ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

**قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُ عَلَى الْمَيِّتِ فَاحْضَرُوا لَهُ الدُّعَاءَ**

"فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تحریمت پڑھی نماز جنازہ پڑھتوں کے لیے خاص دعا کرو۔"



ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو غلوں میں سے اس کے لیے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرت وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چہر کی حادث نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، سجود، اتقیات و دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں جو دعا کے کچھ نہ ہو رہی، محدود و محدود دعا کے توقع سے ہے کہ دعا کے ادب میں سے ہے بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی ٹکی کے خلاف ہے اور احتساب کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۶۸ مفتی شرح بخاری جلد دوم ص ۵۴ باب قرۃ القاریٰ الجنازہ میں حسب دلیل احادیث ہیں۔

وَمَنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْحَمَارَةِ وَيُسَكِّرُ عُمَرَ ابْنَ الْحَطَّابِ وَعَلَى ابْنِ ابْنِ طَالِبٍ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ هُرَيْرَةَ وَمَنْ التَّبَعِينَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَسَعِيدٌ وَابْنُ الْمُسَيَّبِ وَابْنُ سِيرِينَ وَسَعِيدُ ابْنِ حَبِشٍ وَابْنُ شَيْبَةَ وَالْحَكَمُ قَالَ ابْنُ الْمَدِينَةِ قَالَ ابْنُ مَجَاهِدٍ وَحَمَّادٌ وَالثَّوْرِيُّ وَقَالَ مَالِكٌ قُرْآنُ الْهَامِلَةِ لَيْسَتْ مَغْمُورًا لَهَا فِي بَدَنِ صَلَاةِ الْحَمَارَةِ

”اور جو حضرت لمار جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا نکار کرتے تھے ان میں حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابو ہریرہ، ابن عباس، ابن مسعود، سعید بن مسیب، محمد ابن یحییٰ، سعید بن جبیر، امام شعبی، در حکم ہیں، ابن منذر کہتے ہیں کہ یہی قریب چار اور صحابہ و تابعین ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ سورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔“

**عقل کا تقاضا** بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجود، اتقیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے، اور ان نمازوں میں قریباً میت یا کسی زندہ آدمی کا مس اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع، سجود، اتقیات ہے اور یہ نماز میت کو اگے رکھ کر رکھی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، ادہلی حضرت کو چاہے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع، سجود بھی کیا کریں، ہمارے ہاں بجا بجا میں نماز جنازہ شروع ہونے وقت نکار کر ایک آدنی میت کی چل چلین کرتا ہے۔

نماز جنازہ و مرض کا یہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے حاضر میت کے مدد عرف کہہ شریف کے پیچھے اس امام کے ”اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد، درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مروجہ بیگانہ نہیں سمجھتے۔ ہر حال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم کوشش قدر اعتراضات حل کئے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں کہ بعد میں کوئی اعتراض ملا تو اس شاء اللہ اگلے پڑیش میں اس کا جواب بھی دے دی جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱ منقولہ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ حَلْفَ ابْنِ عَنَابٍ عَلَى حَمَارَةٍ فَقَرَأَ بِهَا نَحْوَ الْكِتَابِ وَقَالَ لَعَلَّمُوا أَتَاهَا سُنَّةٌ

”روایت ہے طلحہ بن عبد اللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے یک نماز پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس سے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا عمل ہے۔

**جواب** اس حدیث سے یہ برز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو بیصال ثواب کے لیے پڑھی ہو جبکہ کہ فقرہ ”ع“ اس سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ تعقيب کی ہے دوسرے یہ کہ اگر ماں یا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پڑھیں گئے کہ بھٹ محمد و شام پڑھی یا بھٹ

طاہرات، غیبت و عداوت کا پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا۔ جب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تاکہ تم جان لایہ سنت ہے پڑھا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ سے سنت جاتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری شام اور دعا کے سورہ فاتحہ پڑھ دی جائے ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے ہی کہ نبی ﷺ سے کہیں ثابت نہیں ہو کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔ ساتویں یہ کہ بحر سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اوس میں عرض کر چکے ہیں، چنانچہ تقدیر میں ہے۔

وَلَمْ تَثْبِثِ الْقِرَاءَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نبی ﷺ سے جنازہ میں قرأت ثابت نہیں۔"

بہرحال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اعتراض صبر ۴: مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس سے۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَنِي الْحَمْدَ بِمَنْحِهِ لَكُمَا "کہ نبی ﷺ نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔"

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم بن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے تحت ہے۔

فان ابو عیسیٰ حدیث ابن عباس حدیث "بِسَاطِدِ مَدْكِ الْفُتُوخِ بِرَأْيِهِ ابْنِ عَمْرٍو هُوَ بِوَسْطَةِ مَكْرِ لِحَدِيثِ"

"بوسنی فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناد اقویٰ نہیں، ابراہیم بن عثمان منکر حدیث ہیں۔"

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ یوں نے عبداللہ ابن عباس کی حدیث منقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ لعلی سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مرقاۃ)۔ تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لیے سورہ فاتحہ پڑھی ہو، یہاں اس کا بیان ہے چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔

واجتمال وادركه ہر منافع بعد ان زمانہ پیش از ان بقصد تہرک خواندہ باشد چنانکہ الا ان متعاف لست

"یعنی متاع یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر رکعت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔"

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جو ایذا و انتہاب ثابت کرنے کے لیے ہماری ت کسری صحیح لک لی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لیے کسی مجمل اور منکر و ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض صبر ۵: جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔

حدیث شریف میں ہے۔ **لا صلوة الا بماتحة الکتاب** "(بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی)" نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہوتی چاہیے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک اثری دوسرا تحقیقی۔ اثری تو یہ ہے کہ ہر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے، تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہا نہ صرف اس لیے ہے کہ اس میں مارا کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں، جیسے وضو قبلہ کو رخ، گرہیں نماز ہوتی تو اس میں میت کو بھی آگے نہ رکھا جاتا۔

آخر کتاب میں ہم چند اہم مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل باغ باغ ہو جائیں، مجلس تقلید کے ایسے بھوس سنگھاتے ہیں، جن سے ان کے دماغ ایمان سمیک جاویں، کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سنیے سنیے دل گھبرا گیا۔

## پہلا مسئلہ

### حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے سخت دشمن ہیں، ان کے مسائل پر پتھریں کتنے در مذاق لڑاتے ہیں، ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ و ولادت تک، اور تاریخ وفات کو مہیاں پانک انگلی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جو ب میں بعض احناف نے کہا، درگاہ کے عدد یک ہی ہیں، یہی ۲۴ گنگی مرد و زور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بر رگوں کے تہرائی و نسبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔

خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس، چھ ہے کے عدد چوبیس، وہابی جو ہے کی طرف تین کھڑے ہیں، گوہ کی طرف صیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل سے چاہا کہ اس عابی جناب کے کچھ عادت اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا ایچہ و منزلت ہے، شائد رب تعالیٰ ان بر رگوں کی مدح و ثنی کو میرے لیے کفار و نسیات بنادے اور مجھے ان بر رگوں کے خدسوں میں حشر نصیب فرما دے مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

**امام اعظم کا نام و نسب** حضرت امام ابو حنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن رطلی ہے۔ حضرت زوہلی یعنی امام کے دادا افاری اہل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق و اور آپ کے خاص مقررین ہارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کا دار کلافت تھا، حضرت زوہلی اپنے زرد حضرت ثابت کو جو چہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کیسے لے گئے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ثابت کے بیٹے دعا فرمائی، وہ بہت بڑکتی بشارت دی، حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ سنہ ۶۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیرا ان قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس بن مالک، جرہیرے میں تھے، عبد اللہ ابن ابی اونی جو کوفہ میں تھے، سبیل ابن سعد بن عدی جو مدینہ منورہ میں تھے۔ یوسف بن عمار بن سائل جو مکہ منقر میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قیوں راجع ہے۔ امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص و مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی صحبت نصیب ہوئی، حضرت امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بند دلایا، پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر لیا، درخوست کی آپ نے انکار کیا، اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یا قتب و محل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

**امام اعظم کے مناقب** حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہر ذی حد و حد سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور ﷺ کا زمانہ جاوید مجز و اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ شہید کرار رضی اللہ عنہ کی نہ شبے دان کر امت ہیں، امت مصطفویہ کے چراغ و دنیا مشکلات کو حل فرما دے والے ہیں۔ الحمد للہ اہلسنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں ہمارا رسول اعظم ﷺ ہمارا بحر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے، ہندوستانی و کز مہ، ہم تمہارے لیے چند مناقب عرض کرتے ہیں، خفی سنیں اور ہار باغ ہوں۔

۱۔ حضور سید عالم ﷺ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خوشگونی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس بن ثابت ابن عہدہ سے روایت کی۔

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَسَاوَلَهُ رِحَالٌ مِّنْ أَسَاءِ فَارِسٍ وَهِيَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالْمُسْنِمُ وَالْذَّيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ مُعَلَّقًا بِالْثُّرَيَّا لَنَسَاوَلَهُ رِحَالٌ مِّنْ أَسَاءِ

”مگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اوز و دشمن سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر وہیں ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔“

بتاؤ فارسی اہل میں اس شان کا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا کون ہوا؟

۱۰ انسداد محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء، ائمہ، فحولہ، قطب، ابدال، اوتاد و حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں، جس قدر اولیاء مذہب حقنی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادریس، شافعی، حنفی، معروف کرخی، حضرت باقر علیہ السلام، فیصل ابن عیاض خراسانی، واؤدائن نصر، ابن نعیم ابن سلیمان طائی، ابو جعفر طبرستانی، علف ابن ربیع، عبد اللہ بن مبارک دی، فقیر، محدث، وکیع بن جراح شیخ الاسلام ابو بکر بن وراق ترمذی جیسے سردار اب اولیاء حقنی ہی ہیں، اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حقنی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء حقنی ہی ہیں، غرض پاک وہند حضرت اوتاد پنج بخش جویری رحمۃ اللہ علیہ جن کا ستارہ مرجع خلائق ہے، حقنی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی مشائخ سب حقنی ہیں۔

۱۰ حضرت امام عظیم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، حریفین میں اکثر حنفی بلکہ دنیا کے اسلام کے جس خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہیں، دوسرے مذہب کو عوام جاننے بھی نہیں، جیسے پنج بھارا، کابل، قندھار اور قندھار، بامیان، ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنفی، مالکی دیکھے میں نہیں آئے، کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ حنفی بحرِ رحمت انہی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہوے کی طرف سے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عظیم مقبول بارگاہِ الہی ہیں اور مذہب حنفی خداوندِ محبوب ہے۔

۱۱ امام عظیم کے خلفائیں نے بھی امام عظیم کے فضائل و مناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے خیرات الحسین فی ترجمۃ ابی حنیفہ النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الاستیعاد لامام احمد المصنف و جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تحفۃ الصغیر فی مناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبداللہ دیلمی نے تہذیب الصغیر فی تہذیب ابی حنیفہ تحریر فرمائی، جس میں ابن عبداللہ کا قول نقل فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ صبیح عالم، بھوپہ حنفی بہترین نہ دیکھا۔

غرض کہ انتہاء مرحومہ حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں، اگر حنفی پھر وہابی ان کی شان میں نکوس کریں، تو کیا اہتمام، امر چکا دار سورج کو نہر کہتے تو سورج سیاہ نہیں ہوا جاتا، جیسے آج روز انہی حضرت صاحب پر حمل و تحقیر کرتے ہیں، ایسے ہی وہابی پھر مقلد حضرت امام پر۔ رضی اللہ عنہ۔

۱۲ تمام ائمہ مجتہدین میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا نام حضور ﷺ سے نہایت قریب ہے کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ۸۰ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ کے چار صحابہ سے ملاقات روایت کی۔ جنہوں نے آپ تابعیت کا اقرار کیا مکمل تعصب سے کیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیدنا عبداللہ بن ابی اونی جیسے صحابی امام عظیم کے زمانہ میں کوئی ہوں اور حضرت امام ان سے نہیں، آج بزرگوں سے ملنے دینا بھی سنی ہے، وہی یہی شاک کا کیا ہو چکا، بہر حال آپ تابعی ہیں، آپ کو صحیح حدیثیں منسوخ ہیں، خیر القرآن میں ہوئے۔

۱۳ **حالِ اہم** کہ امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۸۰ ہجری میں وقت سر ۷۹۷ھ میں ۸۹ سال، حر دشریف بغداد و مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف سنہ ۱۵۰ھ میں وقت سر ۲۴۳ھ ۸۵۷ھ میں ۳۵ سال، آپ امام عظیم کی وفات کے دس پیدا ہوئے، امام احمد بن حنبل کی ولادت شریف سنہ ۱۶۳ھ میں وقت سر ۲۶۱ھ میں ۸۷۷ھ سال۔

۱۴ حضرت امام عظیم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے حاصل فیض و برکات حاصل کیے جو دوسرے ائمہ کو حاصل نہ ہوئے، کیونکہ امام عظیم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔

**لَوْلَا لِقَانُ لِهَلْكَ النِّعْمَانُ** "اگر دو سال نہ ملنے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔"

۱۵ حضرت امام عظیم رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقلد ائمہ ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ ذل ہیں اور امام عظیم حضور ﷺ کی سنت کے محمد اول صدیق کبریا جامع قرآن ہیں، امام عظیم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور ﷺ کے بعد پہلے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام عظیم نے اجتہاد اور فقہ کی بنیاد رکھی، ابو بکر صدیق نے امتِ مصطفویٰ کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں انصاف سے بچایا، شیر راہ بکھرنے نہ دیا۔ امام عظیم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر اہل ذنبد کی گندھیں سے بچایا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت کفار و مرتدین کے قتلوں سے محفوظ ہے۔

۱۶ جیسے حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ قیامِ اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اول ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔

غوثِ اعظم در میان ولیہ چوں جنابِ مصطفیٰ در میان

ایسے ہی امام عظیم تمام عباد کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی طریقت کے امام اول لقب غوثِ اعظم ہو اور شریعت کے امام اول لقب امام عظیم ہوا اور شریف مجمعِ عرفین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

# دوسرا مسئلہ

## تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے جا بحق حصہ آؤں میں مسئلہ تقلید تحصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جو اب آج تک وہابی غیر مقدسین سے نہ سن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرماویں، اس جگہ کتاب کی تجلیں کے لیے کچھ بطور مختصر تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے، آمین۔

**مسئلہ اول** کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل اصوات و اکمل اقدار۔ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں، جنہیں حضور سید عالم ﷺ کی صحبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار کیا وہ حضرت آسمان بوٹ کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور ﷺ نے بشارت دی۔

اصحابی کما لجنوم بینهما اقدنبہ اقدنبہ

"میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

بد تقلید کی لقمہ لہجور سے محفوظ و مومن رکھ، خود ارشاد فرماتا ہے۔

و لزمہم کلمۃ التَّقْوٰی و کَانُوا اٰحِبَّ اِلَیَّہَا و اٰہِنَہَا

"رب تعالیٰ نے تمہارے ساتھ یہ کلمہ لگا کر لازماً فرمایا، اور وہ اس کے مستحق ہیں۔"

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

و کُذِّبَہُ لَیْسَ بِکُمْ الْکُفْرُ وَالْفُسُوقُ وَ الْعَصِیَانُ

"اے صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈالی۔"

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا کہ ارشاد فرمایا۔

و کُلُّا وُعد اللہ الخَیْصی "رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا۔"

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہاں کے ایمان کا معیار بتایا کہ جسکا ایمان ان کی طرح ہو وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ ہے دین ہے، کہ فرماید۔

فَإِنْ أَمِنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنُ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا "گر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لادیں تو ہدایت پر ہوں گے۔"

اگر صحابہ کرام کے انھماک و محراب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر صحابہ پر ایک نظر مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور ﷺ کی صحبت شریف کی ایک برکت سے صحابہ کے دل روشن سیے نورانی تھے، وہ حضرت فرشتہ پر قدسی صفات کے حامل تھے۔ نہ ان میں دینی جھگڑے تھے۔ بہت سے فرقے نہ تھے۔ نہ انکی اختلاف نہ تھے۔ نہ اختلاف اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی، وہ تمام جہاں کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں یہ سب کا اختلاف حیوانات اختیار مسائل کی فردائی فلسفہ و منطق کا حلق پیدا ہوا، اب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل مسئلہ طفرائے دین محمدی ﷺ کے جزئیات کو تنقید کی طرح صاف فرما دیا، امت نے محسوس کیا کہ اب تقلید امر کے بغیر چارہ نہیں فرسکتا، بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو مادی ضروری سمجھا، یہ تقلید و جہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثالیں ہیں کچھ کو اؤٹا جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد حجاز میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا، پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں ریزہ لگائے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بتانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرض کہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں غنی گئیں، یہی حال سنیہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، عراب سپارے بتانا، علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے، ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا، آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے ہم اس جگہ نہایت احتیاط سے تقلید کی ہیئت قرآن، حدیث عمل امت، عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں، دینیہ دور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔



۱۔ **فَسُنُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ أَنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** ”پھر اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔“

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں جتنی شکل لگائے، واقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھنے والے جاہل عام سے نہ پوچھے، غیر مجتہد عام مجتہد علماء سے دریافت کریں، اسی کا نام تقلید ہے۔

۲۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا طِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ**

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمائش اور اپنے میں سے امر والے علماء کی۔“

قرآن کریم ہر عمل کی اطاعت ہے محدث شریف ہر عمل حضور کی فرمائش اور فقہ ہر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں احاطتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں۔ کہ سلامین کہیں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت ہم حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں، صرف ان کے احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام و سلامین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

۳۔ **وَلَسَابِقُونَ الْأَزْوَاجَ مِنَ الْمُهْجَرِينَ وَلَا نَصَارَ وَلَا دِينَ اتَّبَعُوهُمْ بَاخْسَابٍ رِصَى اللَّهِ عَنْهُمْ**

وَرِضْوَانُهُ ”اوس سبقت کریزائے مہاجرین اور انصار اور وہ جسوں نے ان کی اتباع کی اللہ نے ان سے راضی ہوا، یہ اللہ سے راضی۔“

اس سے پتہ لگتا کہ تعاقبی مسلمانوں کی تیس جماعتوں سے راضی ہے، مہاجرین، انصار اور تابعی مت ان کی اتباع و تقلید کرے، ان کے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ وہ مہاجر جماعتی ہیں نہ انصار، اور نہ ان کے مقلدوں کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

۴۔ **وَأَتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ آتَاكَ الْإِسْلَامَ** ”اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع کیا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اویس و علاء و صالحین و مؤمنین ان کے مقلد لہذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت و ہدایت مردودوں کا راستہ ہے۔

۵۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

معلوم ہو کہ صرف اہل راستہ کی پرہیزگاری و خشق کے لیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی شرکت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ذکیق کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سادے اولیاء و محدثین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں گر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھاؤ، جس شرع میں پھل پھول پتے نہیں وہ جو لمبے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے، ایسے ہی فرقہ میں اویس و علاء ہوں وہ دوزخ کے قابل ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور ﷺ سے ٹوٹ چکا ہے۔

۶۔ **أَقِمُوا الصَّلَاةَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ** ”ہم کو ہدایت دے سیدھے، راستے کی کار راستہ

جن پر تو نے انعام کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستے کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اویس و علاء و صالحین ہوں دیکھ لو سارے اویس و صالحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک، خواجہ حمیری، خواجہ بہاء الدین نقشبند امام ترمذی و غیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے اور دہایت غیر مقلدیت ٹیڑھا راستہ جہنم دوزخ تک پہنچانے کا۔

۷۔ **وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا يَنْشُرُ لَهُ لَيَسِّرْ اللَّهُ لَكَ الشَّيْءَ لِيُخْرِجَكَ مِنْهَا وَيُخْلِصَ لَهُم مَثَلًا**

”جو کوئی ہدایت ظاہر ہوے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے چہرہ پھرے گا ہم اصرار پھر دیں گے اور اسے دوزخ میں بہہ چھوڑیں گے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان حضور کی مخالفت کرنا شروع کرے وہ عیسیٰ بن مریم کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر بنی ڈیڑھا سنت کی مسجد لگ جائیں، تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے، غیر مقلدان سب سے غلط وہ اپنا انجام سوچتے ہیں۔

۸۔ **وَكَدَاكَ جَعَلَ شَكَّهُ أَفْئَةً وَسَطًا لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا**

”یہ طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دیوار آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستے یا جس مسئلہ کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی چھپا ہے اور جس کو بُرا کہیں وہ وہاں قدم نہیں نہ عام دیکھو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں اور مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو بُرا چاہتے ہیں، لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلد ہی اچھی جماعت۔

## احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

**حدیث نمبر ۱** ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَتَّبِعُوا السُّوَدَ الْاَعْظَمَ فَانَّهُ مِنْ شَذْذٍ فِي السَّارِ

"بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمان کی جماعت سے الگ رہا وہ دور رخ میں طغیہ ہی جاویگا۔"

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہیئے، جماعت سے علیحدگی دور رخ میں جانے کا راستہ ہے، عام مسلمین مقلد ہیں، غیر مقلد اپنا اتجاہ سوچتے ہیں۔

**حدیث نمبر ۲** مسلم۔ ترمذی۔ احمد نے حضرت عمار شاعری سے روایت کی۔

مَنْ حَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ فَيَدُ شَيْئٍ فَلْيَدِ جَمْعٍ رَفَعَهُ الْاِسْلَامَ مِنْ عُنْفِهِ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

"جو شخص ہشت برہر جماعت سے نکل گیا، اس نے اسلام کا پتہ چنی گردن سے اتار دیا۔"

**حدیث نمبر ۳** مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لَابِيعِ بْنِ لُبَابٍ رَأَى الْمَدِينَةَ كَمَا تَأَرَّرُ لُحْيَةُ الْمَيِّ خُضْرُهَا (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

"ابو بایہ نے کہا ایمان مدینہ منورہ کی طرف اپنا منہ آگے کر کے دیکھا، جیسے سب سے پہلے سورخ کی طرف۔"

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے اور رہیگا۔ وہاں ان شاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا۔ اللہ اللہ کہ سارے مجاہد خصوصاً مکہ معظمہ مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد یک بھی نہیں۔ مذہب حسین و ولوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیئے گئے وہاں بھیج کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی، پھر ہندوستان آ کر غیر مقلد بن گئے، مذہب حسین غیر مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں بھڑوں کی سلسلہ ہے مگر نجد کی بھی اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہوئے آ رہے ہیں، اپنے کو حیل کہتے ہیں، اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طہن اس سے پاک وصال دیتے۔

**حدیث نمبر ۴** امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ دَنَبُ الْاِسْمَانِ كَدَنَبِ الْعَمَةِ يَا حُذَّ الشَّادَّةَ وَ لَفَاصِيَةِ وَ النَّاحِيَةِ اِنَّا كُمْ وَ الشَّعَابَ وَ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَ الْعَاضَةِ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

"ابو بایہ نے کہا شیطان انسان کا بھیڑیو ہے، جیسے بھیڑیو ریڑھ سے ٹکھ رہے وہاں بڑا کنارہ والی یا چھڑ جالی کا ڈکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا ڈکار کرتا ہے تم کھانڈوں سے بچو جماعت اور وحدۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔"

لَا يَجْتَمِعُ اُمَّتِي عِصَى الصَّلَاةِ وَيَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ اَنْ مِنْ شَذْذٍ فِي السَّارِ (مشکوٰۃ)

"میری امت گردن پر کبھی متفق نہ ہوگی، جماعت پر نہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ رہا وہ دور رخ میں لگ رہ کر جاوے گا۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نبوت کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے ڈکار میں آ گیا، عام جماعت مسلمین مقلد ہے، لہذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

**عمل مسلمین** ہمیشہ سے ہر عقیدہ کے مسلمان غیر مقلد ہوتے، محدثین، مفسرین، فقہاء، ولیہ اللہ ان میں کوئی میر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام قسطلانی اور تاج الدین نیک نے صراحتاً امام نووی نے شارح فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دقلمی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔ صحابی و امام زہری، یحییٰ شافعی، بخاری، بیہقی، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ ہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تہذیب الفقہاء و لے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر دارک، تفسیر صاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور ولیہ اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں، و عام اویہ حنفی ہیں جیسے ہم پہمے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء، کتنے اویہ ہیں، ان کی جڑیں زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخیں کس کا پھل ہیں۔

**عقل کا تقاضا**۔ بھی یہ ہے کہ تقلید اور ضروری فریضے اور غیر مقلدیت نجدتہ ذہر قائل ہے، ایمان کے لیے سخت خطرہ ناک ہے چلو وجہ سے ایک یہ کہ قرآن وحدیث مسائل نکالنے کے لیے سماں نہیں، اس نے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس عی یسے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لیے جتنے بڑے رسول ﷺ بھیجا گراے مجھنے کے لیے صرف عقل نسائی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لیے حضور ﷺ نے پیغمبر جاتے فرماتا ہے۔

يُعْتَمِدُهُمُ الْكُتُبُ وَالْحُكْمَةُ "دو برس مسلمانوں کو قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔"

جیسے قرآن مجید کے لیے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث مجیدہ نے کیسے مسکرت مجتہدین پیدا فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھڑے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث میں ایسی غلو کریں کھاتے ہیں کہ حد کی پتاد میں نے بڑے بڑے غیر مقلد و پاتیں کو پار ہا اعلان کیا کہ حدیث کھنسا تو کیا تم صرف یہ ہی بتاؤ کہ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے، حدیث کسے کہتے ہیں، اور سنت کسے کہتے ہیں؟ کوئی حدیث کہتے ہو، ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے؟ مگر یہ فرق کے حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بتا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے، ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی دہائی صاحب تکلیف کر کے جو بویں، حدیث مجیدہ اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آئین ہائیکہ کی چار حدیثیں بے سمجھ رت لیں اور اہل حدیث بن گئے حدیث کھنسا تو حد کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھاتا ہے تو ہمارا حاشیہ بخاری عربی بنی فہیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بطور تعالیٰ یک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استفادہ کیا ہے کہ بحان تارہ ہو جاتا ہے، بطور مثال یک عام مشہور غلط فہمی حدیث پیش کرتا ہوں۔

أُخَذَ "حبل" يُحْبَا وَيُحَبُّ " "ہم پر از ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت و طریقت کے معہدہ کیے۔

حضور ﷺ کی محبوبیت صرف سنا لوں سے خاص نہیں کہ بے محل جانور بے جاں لکڑی پتھر بھی حضور ﷺ کے چاہنے والے ہیں، حسن یوسف یا کھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زیبا، جس محمدی صبح کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں۔ حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

۲۔ جس انسان کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گہرا ہے۔

۳۔ جب حضور ﷺ ہجر کے دل کا حال جاننے میں کہ فرماتے ہیں: اعدہ ہم سے محبت کرتا ہے تو نہ لوں گے دل کے اور رکھیں نہ چاہیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

مع حضور ﷺ کی بارگاہ میں عشق و محبت اور ذی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وادل کی مگر نیوں کو جانتے ہیں، احمداے منہ سے کہہ نہ کیا، مگر اس کے دس کا حال حضور ﷺ پر روشن تھا۔ اگر حضور ﷺ انسانوں کے دلی حالات نہ دیکھ سکتے تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے جو بھی حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں مومن تھا، کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض داہمی ہوں گے جو بغیر وضو کیے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو چمک نہ ہوگی۔

۵۔ تم عبادتوں کا جس جنت ہے مگر محبت مصطفویٰ کا بیخود محبت ہے کہ فرمایا "اللہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔"

بخاری شریف کی ایک حدیث سنو اور اس سے ایمانی و عرفانی مسائل کا استنباط مل چکے تو ایمان تار و کر۔

**حدیث** حضور دراز گوش پر سوار چارہے جس سامنے و قبر ہی نمودار ہوئیں در نہ گوش اوچوں سے کھڑا ہو گیا، حضور اتر پڑے، در فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر ٹھکر ٹھرا گیا، ان میں سے ایک تو نوٹوں کا چرہ دہاتھا جو انوں کے پیشاب کے کچے چھینٹوں سے پر ہیر نہیں کرتا تھا۔ دوسرا جمل خور تھا اس لئے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چریں فرما کر دونوں پر گاڑ دیں در فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

**ہوا:** اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

حضور ﷺ کی چشم بہارک کے لیے کوئی چیز آفر نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے بچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر ادا پاک مصطفیٰ ﷺ قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرمادی ہے۔

۲۔ جس جانور پر حضور سوار ہو جائیں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیے جاتے ہیں کہ پھر نے حضور ﷺ کی برکت سے قبر کا درد بپ دیکھ لیا اور بھڑک گیا اور سدا رہے پھر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں نہیں بھڑکتے، لہذا اگر حضور ﷺ کسی وادی پر ظہر کر مفر، وہیں تو اس کی نگاہ سے بھی

نہی حجاب اٹھا جائیں گے۔

۷ حضور ﷺ کے ظاہر و خیر اگلے و پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں، کہ فرمایا کہ ایک چٹل خور تھا، دوسرا چٹاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور ﷺ کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

۸ حضور ﷺ عذاب الہی سے بچنا عذاب دور کرنا بھی جانتے ہیں، گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لیے تر شاخیں قبروں پر گاڑ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا۔

۹ تر ہیزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے تر ہیزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

۱۰ اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، **”اَلَا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ“** ”مگر اکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا۔“ ذکر کی تاثیر کے لیے زبان بھی تاثیر والی چاہیے، لہذا دہائی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جسکے دل میں محبت مصطفیٰ ﷺ کی تری و ہیزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

۱۱ مومن کی قبر پر ہیزہ وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور ﷺ نے ہیزہ شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جب تک کہ یہ تر رہیگی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

۱۲ حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی ہتھیلیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونت حلال ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی ہتھیلیں عذاب قبر کا باعث ہوں گی۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کرلو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

**فَمَا ذَلَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّتْهُ الْأَرْضُ فَاكُلَتْ مِنَّا نَفْسَهُ**

”جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر زمین کی دیک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ اسی طرح کلزی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیک نے لاشی کھائی۔ لاشی اگر تنگی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

**فائدہ:** اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گئے یا جگزنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی فرق نہ آیا۔  
۲ انبیاء کرام کے اجسام شریف کو کیز انہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاشی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہذا بلعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے نہ کھایا، یہ فرزند لفظ کبر رہے ہیں۔

۳ پیغمبر کا کفن بھی گئے میلا ہونے سے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گلا نہ میلا ہوا اور نہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیا جانتیں پوری کرتے ہیں، دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرا دی۔

۵ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگا نہ سنت الہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا، لہذا اصحاب کرام کا تکمیل خلافت کے لیے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کھنک زیادہ اہم ہے۔

۶ بات نقل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیے عذاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھو حضور سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں عاقل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملا، لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیت کریمہ کے فوائد و مسائل مندرجہ ذیل میں بیان کیے۔

**اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ**



آیت کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے اپنی دو خاص نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے شکر یہ میں رب کی تسبیح و حمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس میں نہیں بلکہ ہزار ہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہونیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار میں جس میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل ایسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

۲۔ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے، ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہذا ایوسفیان، ہند، مکہ، مدینہ، مصر، معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سچے یکے بکے مخلص مومن ہیں، جہان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

۳۔ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریح آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ بھائے تسبیح و تحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اقرار نہ کریں یہ لوگ پھر جائیں گے، اب جو تاریخچی و اقدار کا کفر ثابت کرے، وہ جو بھڑا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

۴۔ **وہابیوں** یولو آج تک قرآن وحدیث کے ایسے ایمان افروہ عارفانہ مسائل کی دہائی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئی یہ لعل تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے تم نے صرف غلط سلطرتے کرتی دیکھے ہیں۔

**حنفلی بھائیو** اگر تمہیں اس جیسے صد ہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارا حاشیہ القرآن اردو اور حاشیہ بخاری اشراج بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث طلب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طلب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو جان سے ہاتھ دھو بیگا، ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو دہائیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن وحدیث سمندر ہیں، جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، تمہیں موتی سمندر سے نہیں ملیں گے بلکہ جوہر کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن وحدیث سے نہیں ملے گے، بلکہ امام ابوحنیفہ وشافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے، کھانا پکانا، کپڑا سینا پینا، غرض کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دیا ہے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے گیندانت کی طرح بے قید ہو کر جس کا جس طرف منہ اٹھا دھر چل دیا تو دین جاوے جو جائے گا غیر مقلد وہاں کے چاہنے کے پاؤں میں ٹوپی، سر پر جوہر ناگوں میں کرت اور کندھے پر چاندیہا پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید یہ ہے ہیں، غیر مقلد یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے، قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں، غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے غیر ہر کام کو کھاکر دے، ہر بات نہ لی کہ۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث دیکھی جادیں تو چکر آ جاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جادیں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ اللہ کیا کریں کہ ہر جائیں کوئی دہائی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھادیں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور ﷺ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، ساتھ پڑھتے تھے، تو گیارہ حیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھائیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک دہائی صاحب نے آئین النجیر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آئین بالا خفاء کی پانچ پڑھ دیں بھارے منہ کھتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب الدلیل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس رسول ہوا، اور رازدار تغیر یہ مزاج شناسی رازداری ہر ایرے سے غیرے کا کام نہیں۔

## وہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے، لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالوہاب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جائے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی علامت گونی خود حضور ﷺ نے کی تھی کہ

**هٰذَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتْنُ وَيَخْرُجُ مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ** 'فہم میں زلزلے اور فتنے میں ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔'

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاہ الحق حصہ اول میںلاحظہ فرمائیے لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحّد کہتے ہیں، مقلدوں کے جانی دشمن اور انہ اور بعد حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم، جہنم کی شان اقدس میں خمرے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عال بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو کفر پر دہانی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ وہابیہ وغیرہ ہیں، مگر اب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بد نما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ سے امید قبول ہے۔

خیال رہے کہ دنیا کوئی شخص اہل حدیث یا عال بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا اہل حدیث یا عال بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے، جیسے دو تھیں یا دو ضدیں کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام فرماتا ہے۔

**فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ** "قرآن کے بعد کوئی بات پر ایمان لائیں گے۔"

**اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ** "اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔"

**وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ**

"بعض لوگ وہ ہیں، جو کھیل کی باتیں نازل، قصے خریدتے ہیں، تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔"

اس تیسری آیت میں نازل قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے، جس میں حضور سید عالم ﷺ کے اقوال یا اعمال یا اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کئے جاویں، اس عال بالحدیث فرشتے سے سوال ہے کہ تم کوئی حدیث پر عال ہو، پھر یا اصطلاحی پر ہو اگر لغوی حدیث پر عال ہو تو چاہئے کہ ہر نازل کو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر جی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عال ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عال ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عال ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کج نہایت دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک و کافر اس کا قائل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے، حق، شافعی، حنفی، حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثوں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیے مباح یا فرض تھے، ہمارے لیے حرام ہے، جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمایا، حضرت حسین سید الشہداء و خاتم آل عمار رضی اللہ عنہ کے لیے سجدہ دراز فرمایا، حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیایں نکاح میں رکھنا، بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کلمہ یوں پڑھتے تھے،

**لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ**

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔"

یہ حضرات اسی حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، مگر خدا حدیث میں حضور ﷺ کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے نکال ہیں، ہمارے لیے نکلے۔

اسی طرح حضور طیبہ السلام کے وہ افعال کریمہ جو سیان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عال بالحدیث صاحبان کو چاہیے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عال ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عال بالحدیث کہے، وہ غلب کہتا ہے جب ہی نام جھوٹ ہے، تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوئے ہی ہوں گے، اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

**عَلَيْكُمْ بُيُوتِي وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ** "لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔"

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سخت لائق عمل ہے، حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاء انسیلہ بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لیے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے، لہذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق



دورست ہے، کہ ہم بفضلِ تعالیٰ حضور ﷺ کی ہر سنت پر عامل ہیں، مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور ﷺ کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لیے کون فصل شریف اقتداء کے لیے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا اختاء ہے، کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحت ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارہ کون دلائل کون اقتداء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں، ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے، جیسے قرآن عمل کرنا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرنا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ ملے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے، اسی لیے علماء فرماتے ہیں۔

**الْقُرْآنُ وَالْحَدِيثُ يُضِلُّانِ إِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ** "بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔"

رب تعالیٰ قرآن کریم کے حلق فرماتا ہے۔

**يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا** "اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔"

چنانچہ الٰہی اس ہی لیے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے ہٹکے ہوئے ہیں کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت کا ان شاء اللہ بیزار ہے، کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث، مان ناممکن اور بیخوش ہے، اہل سنت جنہا حق دورست ہے، اہل سنت وہ ہی ہو سکتے گا جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

**يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ** "اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔"

خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر امام مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی لیکن ہم عقیدے کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناقد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ ان شاء اللہ مقلدوں کا بیزار ہے، اور وہابیوں کا انتہام شرابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتا دیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے، اور نماز میں کتنے فرض ہیں، کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحب، کتنے مکروہ، حرام، کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام، ان شاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے، حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے تو وہ متوضد کیوں کرتے ہو، عقیدہ اختیار کرو، جس میں دینی دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان سنہ ۱۴۲۶ھ اپریل سنہ ۱۹۰۵ء بروز جمعہ کو شروع ہو کر ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۴۲۶ھ بروز جمعہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اسے قبول فرمائے، میرے لیے کفار و سیئات اور صدقہ جاریہ بنائے، مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ سے کس گناہگار کے لیے حسن خاتما و معافی سیئات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ بحث کی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَتَوَّعَّرْجِهِ سَيِّدَةِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ اٰمِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ